

UNIVERSAL  
LIBRARY

**OU\_224173**

UNIVERSAL  
LIBRARY





# OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No.

Accession No.

Author

Title

This book should be returned on or before the date last marked below.

---







# فریب حسن

ترجمہ

فوسٹ

جو انگلستان کے مشہور و ممتاز جادو نگار مصنف ہے

اور انگریزوں کی منتخب اور لائبریری تصنیف ہے

اور حبکو

جناب خواجہ اکبر حسین صاحب

نے تصنیف اور با محاورہ اردو میں ترجمہ فرمایا ہے

براول

مطبع فشتی نوکاشو مطبوعہ

۱۸۹۵ء



# بخدمت جناب ڈاکٹر حاجی خواجہ حسین صاحب چیف ڈیکل افسر ریاست یگین پٹی

جناب عالی !

یہ بات مسلم ہے کہ یہ اور انہ تعلقات کچھ ظاہری رسوم کے محتاج نہیں ہوتے۔ یہ ہمیں  
اپنی پہلی تالیف جو پورے سال بھر کی محنتیں کا مل ہوئی ہے۔ آپ ہی سے  
کرنا میرے اور اس کتاب کے لیے باعث افتخار ہے۔ اس کتاب کے لیے  
میں نے سخت اٹھانی پڑی۔ اسکے لیے اگر میں کچھ موردِ تحسین ہو سکتا ہوں تو وہ  
حقِ حقیقت آپ ہی کا حصہ ہے۔ کیونکہ جو کچھ میں نے سیکھا۔ اور جس قدر لیاقت  
میں پونچائی۔ اگر اسکو علم و لیاقت کہاجاے۔ اس سے آپ ہی کی تالیف۔ آپ ہی کی  
ترغیب اور آپ ہی کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔

آپ کو معلوم ہوگا کہ انگریزی ناولوں سے ترجمہ کے لیے کسی کتاب کا منتخب  
امر ہے۔ جارج رینالڈز جو انگلستان کے مشہور و معروف ناولسٹ  
کتاب میں صرف ایک خیالی داستان ہی نہیں لکھی۔ بلکہ غور کی  
لکھنے والے کے لیے اعلیٰ درجہ کا اخلاقی سبق۔ بدکرداری کے زبوں  
اور سبکدوشی کے عمدہ اور مسرت آمیز نتیجے ایک دلچسپ قصے کے پیراے  
میں بیان کیے ہیں۔

آپ اس کتاب سے انگریزی ناول اردو میں ترجمہ ہوئے اور برابر ہوتے جاتے  
ہیں۔ اس سے اسرا سر فضول ہے کہ زبان میں یا عمدگی بیان میں ان حصے

کی برا بھری کر سکو نگا۔ جو اپنے اعلیٰ خیالات اور دلکش عبارات سے پبلک کو اپنی  
 تصانیف پر محو کر لیتے ہیں۔ مگر میری ناچیز کوششوں سے جو کچھ ہوا وہی زیادہ سمجھتا  
 ہوں ناظرین سے امید ہے کہ وہ الفاظ و عبارات پر چند ان خیال نہ فرمائیں گے۔  
 اور اصل مضمون سے کتاب کی خوبی و عمدگی کا اندازہ کریں گے۔ فقط

۱۵۔ ستمبر ۱۹۹۲ء  
 بیگن پٹی

نماز مند  
 خواجہ اکبر حسین





ہمارا قصہ ادا اگلے آگسٹ ۱۹۳۷ء سے شروع ہوتا ہے۔

سچ صادق کی دل فریب آمد نے ادیب کے پاٹون سے تاریکی کے پردوں کو اکٹھا کیا اور ابھی نکلتی ہوئی آفتاب کی زرد دزدشاہین قلعہ وٹن برگ کے گر جاگرا اور اس کے پرچم پر چمک رہی تھیں۔ اس قدیم شہر کے ایک طرف لب وریا سے بیابان صنوبر تک بے درخت ہر سے بھرے نال جہم رہ گئے۔ دوسری جانب لولہ لہاتی ہوئی چراگاہیں۔ نعلی گاہیں اور پتھر کی گلیاں تھیں۔ جب آفتاب اس دل فریب پرچم کا تو شہر اور قلعہ دارالعلوم اور تاریخی محلہ کو زبوشہر کے قریب ایک ٹکڑے پر آتی تھی اس نئے بوز کی روشنی سے گار وبار کے لیے جگا دیا۔ اس وقت شہر کے زمینداروں میں اندھیرا تھا۔

دشت ناک مقام کے مصیبت زدہ ساکنوں میں کسی کی آنکھ اس قدر دکھ و تردد سے نہ تھی۔ اس بند دریچے پر نہ لگی ہوئی تھی۔ جتنے ایک کم عمر لڑکے کی نگاہ جو ایک مسلم کے لباس میں تھا۔ وہ نوجوان غلام کے کونے میں گھاس پر بیٹھا ہوا ارمان بھری نگاہوں سے اس پہلی شعاع آفتاب کو تک رہا تھا جو اس کے دروازے سے پہلی تھی۔ چھ مہینے تک ایک نئی زندگی کا نام ہے۔

اُسے اُسی غار میں جو دشمن برگ کے تمام قید خانوں سے عمیق اور تاریک تھا۔  
 کر دیے تھے۔ زمانہ گزر گیا۔ مگر اُن دنوں کے ساتھ جو بڑی سختی سے گزر رہے تھے۔  
 تمام پیاری امیدیں بھی رخصت ہو گئی تھیں۔ اور اسکا ذہن جو کسی وقت ثابت  
 تیز تھا۔ اب ایسے خیالات کی پرچائیں سے بھی محروم رہنے لگا۔ جسے وہ یقین کہ  
 کہ اسکی رہائی قریب ہوگی۔

ہاں ! اسے قید خانہ میں اسوقت کا انتظار کرتے ہوئے چھ مہینے کاٹے گئے  
 عدالت میں اپنی بے گناہی ثابت ہو۔ وہ بار بار دعا کرتا اور روتا تھا۔ مگر اُسی گروہ  
 رہائی کا باعث نہ ہوئی۔ اُسے اپنی آنکھیں اُس اندھیرے میں بھی بند کر لیں۔ کیونکہ  
 سمجھا کہ اس سے اُن مخموناہ خیالات کا اخراج اسکے دل و دماغ پر هجوم آور تھا اور وہ  
 گمراہ ہے ! وہ ہزاروں طرح سے اسکے دامن گیر حال ہی رہا۔ حتیٰ کہ اُسکو اندھیرے  
 وحشت و نفرت ہو گئی۔ اور اسی لیے وہ آفتاب کا بدل مشتاق تھا۔ اس نو جوان  
 کوں ساجرم کیا تھا جس سے اُسکو یہ قید نصیب ہوئی ؟

جرم صرف یہ تھا کہ وہ ایک مغز خاتون سے انتہا درجہ محبت رکھتا تھا۔ جسے  
 ”تریزا“ تھا۔ اسی تریزا ! تیری تصویر اُس تیرہ و تار قید خانے کی اُداسی میں بھی  
 رد و سکراتی ہوئی نظر آتی ہوگی۔ اسکا دل ایسا خوش ہوتا ہوگا۔ جیسے راستہ بھٹکے  
 جہاز کے ناخدا کا۔ جسے ابر کے پھٹے ہوئے ٹکڑوں سے تارے کی چمک دیکھ لی ہو۔

ہوتے ہیں شب روز تصور میں نظارے | ہو پیش نظر چاند سی تصویر کسی کی

ہاں ! تجھی سے وہ گرجوشی کے ساتھ عشق رکھتا تھا۔ اور اتنا عشق۔ جتنا کہ  
 رکھ سکتا ہو۔ اور تیرے نوجوان دل پر بھی اُسکی آنش محبت بھڑک اُٹھی تھی۔

لیکن وہ غریب۔ عاجز۔ طالب علم۔ اور تریزا اکلوتی بیٹی۔ اور وارث ملک الہ  
 امیر مہد تل۔ اس پر خورامیر کے خیال میں یہ ایک سنگین جرم تھا کہ وہ ناچیز کر





یہ تو اتنی رتبہ امیر برتر جج دی ہو۔ اسیلے کہ وہ خود مجھے اپنی آنکھوں سے دیکھ چکی ہو۔  
میرے مات و اطوار سے بھی بخوبی واقف ہو۔“

تو پھر تو نے اپنی خطا کا اقرار کر دیا؟“

جس (حیرت سے) ”کیون! خطا کیسی؟ بمقتضائے فطرت انسانی کسی کے ساتھ  
بست کرنا خطا ہو؟ انسان میں عشق ایک ایسی چیز ہو جسکو وہ لوگ بھی روک نہیں سکتے۔  
بلکہ داغ خون میں نخوت و غرور کی ہوا سمائی ہوئی ہو۔“

یہ سبہ۔ ایک ایسی عورت کے ساتھ جو شاہی خاندان کے کسی مہرے منسوب  
مذہب کرنا اور اسے عشق کی انگاہوں سے دیکھنا خطا ہو۔ اور اس خطا کی سزا موت ہو۔  
۔ (اپنے معیبت ناک حال سے واقف ہو کر) ”موت! یہ نہایت ہیبت ناک خبر ہو۔  
نہم قرین قیاس نہیں۔ تو شاید خواب دیکھتا ہو یا یہود و بک رہا ہو۔ کیونکہ انسان کی  
خدا فیان اس قدر حد سے تجاوز نہیں کر سکتیں۔“

روشن۔ عالی قدر امیر روزگار کا سامت از شخص جو تجھ سے عداوت رکھتا ہو یہی کافی ہو جسے  
وقت اس زندان بلا میں قدم رکھا۔ اسی وقت تیری موت کا فتویٰ بھی صادر ہو چکا۔“  
سٹ۔ ”تو نے کیونکر دریافت کیا کہ عدالت کا یہی قصد ہو۔ تو تو ایک ادنیٰ درجے کا  
نام ہو۔ کتباً جج نے تجھ کو اس بدیت کا رووائی کے متعلق اپنے مافی الضمیر کی تسلسل  
تہذیب دی ہوگی۔“

یہ رائے۔ میں ان امور کا امتحان کر چکا ہوں۔ درحقیقت یہ آپ میں تو کئی عین  
ہوئی ہیں کہ اس شرط پر اس فیصلہ پر لی گئی کہ اپنی بد مذہب رہائی کا باقی حصہ فہرہ فہرہ  
لیا جائے میں گزاروں۔“

فوس۔ ”پھر یہ کیا خطا تھی؟“

یہ وہ۔ ”خیر۔ اس سے کچھ مطلب نہیں۔ میرے لیے جو حکم صادر ہوا وہ یہی تھا کہ میں دار

پر کہیں پنا جاؤں۔“

فوسٹ: ”اُس شرط کے سوا جسکو ابھی تو نے بیان کیا۔ کوئی اور چیز تجکو نہ بچا سکیگی؟“  
 واروغہ: ”نہیں۔ کوئی چیز مجھے بچا نہ سکی۔ (تھوڑی دیر تامل کر کے) مان میں بھول گیا تھا  
 ایک اور عیب، ناک تدبیر اس سے بھی زیادہ مہیب تھی۔ جسکے عمل میں لانے کا میں قصد  
 کرتا تھا۔ مگر میری عقل سلیم اس سے باز رہنے کا سبب ہوئی۔ اور میں نے اس تدبیر سے  
 ہونے والی ثروت و حکومت کی بہ نسبت اس مصیبت و جانکاہی کی خدمت میں  
 بسر ہونا پسند کیا۔“

فوسٹ: ”(خوف سے کانپتا ہوا)“ کیا وہ بڑی آفت ڈھانے والی تدبیر تھی؟  
 نوجوان کے اس سوال سے واروغہ نہایت پریشان و بدحواس ہو گیا اور چاکر کے  
 اس ہولناک تقریر سے باز آئے۔ لہذا نوجوان کی طرف مخاطب ہو کر کہا: ”اس بارے میں  
 کہنے کے لیے مجھ سے اصرار نہ کر۔“

فوسٹ: ”میرے شفیق! ضرور مجھے اس قدر بتا دے کہ وہ کون تدبیر تھی جس پر عمل بہ  
 سے تو باز آیا مجھے ایسی مضطرب اور بے تابانہ حالت میں نہ چھوڑ۔“  
 واروغہ: ”(خوف سے ادھر ادھر دیکھ کر)“ نہیں۔ میں تیری یہ خواہش ہرگز  
 اربکتا۔ یہ وہی غار ہو۔“

فوسٹ: ”مجھے اس نعمت سے محروم نہ رکھ۔ دیکھ یہ چیز (مست قہقہے دیکھا کر)۔ میں بدنام  
 مل بھرا ہوا ہو تیری نذر کیا سگاہ (غملین لہجے میں) اور شاید مجھے اسکی ضرورت نہ پڑے گی  
 لیونکہ اب مجکو تو مرنے کے لیے تیار ہو جانا چاہیے!“

واروغہ نے شوق سے اُس تھیلی کو لیکر نوجوان کا شکریہ ادا کیا۔ اور کہا: ”اگر تیری خواہش  
 اس امر کے دریافت ہی پر مصر ہو تو سن! :۔ یہ بیان پشت با پشت سے چلا آتا ہے مگر اس  
 سرحد کے باہر کسی کو خبر نہیں کہ ایک سو پچاس برس پیشتر ایک بڑا عامل جسکی عمر کا بہت بڑا

حصہ معقولات کے رازوں کو افشا کرنے کی جستجو میں گزرا تھا۔ کسی علت میں مایوس نہ ہو کر اسی عالم میں قید تھا۔ چونکہ اُسکو فنِ تسخیر جنات و شیطاں میں بخوبی آگئی تھی لہذا جب اسے دیکھا کہ میری نسبت سولی کا حکم صادر ہوا ہے تو اپنے اُن نجس عملیات کی قوت کے سبب سے اس سزا سے بچ نکلا۔ یعنی اُسے آپ کو کسی جن کے حوالہ کیا۔ جسے اُسکو اس بلا سے نجات دے کر آزادی۔ تو نگری و شمت و جاہ سے نہال کر دیا۔ وہ جادو جسکے ذریعہ سے اُس شخص کو جن کی خدمت میں تعین ہوئی اُسے اسی دیوار پر لکھ دیا ہے۔ اور روایت ہے کہ انسان کی قدرت نہیں کہ اس کو دیوار سے مٹا دے۔ پس یہاں سے بچنے کی یہی ایک تدبیر تھی جو بیان ہوئی۔ یہ بات اُس شخص کو نصیب ہو سکتی ہے۔ جو یہ بتا ہی اپنے آپ پر گوارا کرے۔ ”یہ کلمہ سرتاپا اپنے دوسرے داروغہ نے چراغ اٹھا لیا اور اُس دیوار پر نظر کی جو طالب علم کے بچھونے کے فریب تھی۔ اور چلایا۔ ”ای پروردگار عالم! تو اپنی پناہ میں رکھ لے! وہ لکھا ہنوز باقی ہے۔“

سٹ نے جلدی سے اس طرف نگاہ دوڑائی۔

ظہر۔ (خوف سے) ”اُسکو ہرگز نہ پڑھ! اگر پڑھیں گے تو ابھی وہ جن اس عمل کی اطاعت نہ کیا۔ اور ایک ہولناک صورت میں ہمارے روبرو آکر کھڑا ہو جائیگا۔“ یہ کلمہ داروغہ چند قدم پیچھے ہٹ گیا۔ تاکہ روشنی دیوار پر نہ پڑے۔ (پھر فوسٹ کی طرف مخاطب ہو کر) ”میں اب غصے نصبت ہوتا ہوں۔ آدمے ہی گھنٹے کے اندر افسران سرکاری تجھے لیجانے کے لیے آئیں گے تو تیار رہ۔“ داروغہ چراغ لیے واپس ہوا۔ اور فوسٹ پھر اسی اندھیرے میں رہ گیا۔ جب اُسے آپ کو تنہا پایا تو خود بخود بہ آواز بلند کہنے لگا۔ ”ان اُس شخص نے خوب عذر دہائی کی ایسی بلا خیز تدبیر سے باز رہا۔ خدا مجھے بھی ایسی ہی قوت عطا کرے کہ میں اس ہی خواہش کو اپنے دل میں جگہ نہ دوں (ایک لمحہ تامل کرنے کے بعد مجنونانہ طور پر) ”او ترنا! پیاری تریزا! تو خوب جانتی ہو کہ میں تیرے لیے سب کچھ کر دوں گا۔ افسوس! اس ساعت کی مدت میں جو بھی گزری میرے حواس میں کس درجہ فرق آگیا کاش وہ خوفناک نقل ہی

بہ سنی ہوتی۔ جو کسی بلا سے ناگہانی کی آواز کی طرح میرے کانوں میں گونج رہی ہو۔ اور جبکہ میرے دل پر بھی ہو رہا ہو۔ معلوم ہوتا ہو کہ باغیانہ خیالات دل میں پیدا ہوئے جاتے ہیں اور مجھے سکھارہے ہیں کہ اس عمل کے ذریعہ سے میں عزت کی اُس بلندی پر پہنچوں جہاں سے تھوڑی ہی دیر بعد دوزخ کی دائمی آگ میں پھینکا جاؤں گا۔ اسی ترزا! تجھے بفلگیر ہونا۔ تیری نازک آوازی و خوش الحانی سے لطف اٹھانا۔ تیری باحیا اور شرگین آنکھوں سے نظر ملانا۔ اہ! ایسی۔ یہی میرے لیے حقیقی جنت ہے۔ اُس مغرور امیر اور اُس نا افسانہ جج سے استقامت پسنا ہی میرے لیے بہت بڑی کامیابی کا سبب ہو جو بلادر یافت سزا دینے پر آمادہ ہو گیا۔ ان۔ اتقام لینے کی متنا جو میرے دل میں ساعت بہ ساعت ترقی کر رہی ہو۔ اسکو نکالنے کے لیے میں جسم کو بدل قبول کر دوں گا۔ اور ہرگز اس خیال سے باز نہ آؤں گا حالانکہ اُن دونوں سے ابک بیری پائی۔ عشق کا باپ ہو۔“ فوسٹ انہیں خیالات میں مستغرق تھا کہ اُس زندان مصیبت کا درد اُن کے دل پر ایک افسر چرائے! تھو میں لیے داخل زندان ہوا۔

افسر۔ ”فوسٹ! میں تجھے جج کے ساتھ بچانے کے لیے آیا ہوں۔ جو چند منٹ کے بعد پھانسی گاؤں میں اجلاس فرمانے والا ہو۔“

فوسٹ۔ (پریشان ہو کر) ”مجھے دو چار منٹ کی سلت دو تاکہ میں اپنی اس دلسوز حال پر غور کروں!“

افسر۔ (افسوس کے لیے میں) ”میں ایسے اجل رسید شخص کی درخواست کو رد نہیں کر سکتا۔ جسکی زندگی کی چند ہی ساعتیں باقی رہ گئی ہیں۔“ یہ کہا اور چراغ کو زمین پر رکھ کے چلا گیا۔ فوسٹ کو تنہائی نصیب ہوئی تو اُس افسر کے الفاظ پر غور و تامل سے خیال کرنے لگا۔ اور یہاں تک سمجھا کہ واقعی اب میری زیست کا بیانا نہ لبریز ہو گیا! میں صرف دو ایک ساعت کا عرصہ بیشک دار و فہ نے اس بابے میں کوئی جھوٹ بات نہیں کہی۔“ پھر خاموش کھڑا ہو کر سوچنے لگا۔ ایک لمحے کے بعد چونک کر۔ ”اے خوفناک تنہائی! اسوقت میرے معاصی وہی ہیں۔“



یلاات میں جو مجھ کو جن کی معرفت رانی پانے کی ترغیب دے رہے ہیں۔ نہیں۔ ہرگز  
میں۔ میں دیکھ ہی ناپائدار عارضی بہبودی کے لیے اپنی آسمانی امیدوں کو ہرگز برابر  
رہنما۔ یہ کہ رہا تھا کہ افسر نے دوبارہ آکر کہا: ”تو نے جس قدر مصلحت پناہی کی گئی  
بے میرے ساتھ چل۔“

سٹم۔ ”میں پھر تجھے بے عجز و انکسار اس قدر متوقع ہوں کہ صرف دو منٹ کا وقفہ مجھے  
دوسم۔ تاکہ میں اپنے پرانگندہ خیالات کو جمع کر لوں۔“

سٹر۔ ”بہ بھی میں تیری دل شکنی گوارا نہیں کر سکتا۔ گو کہ جج مجھے برہم ہو جائے۔“  
افسوس پھر باہر چلا گیا۔ اسوقت آفتاب کی ذرا سی شعاع غبار کے اندرونی حصے میں  
دب چکی تھی۔ فوسٹ جسکی آنکھیں عادت سے زیادہ سخی ہو گئی تھیں قہر خاستے میں  
اپنی کمرے ساتھ اومڑو دھڑکتا ہوا کہنے لگا۔ ”میں ایسے عالم شباب میں آں سب کو جو۔ مجھے اس  
یاد میں فریز میں چھوڑ کر مرنے پر کیونکر عازم ہو سکتا ہوں؟ پیاری تریزا! ہم پھر ملینگے  
میں اپنے عشق کا جوش تیرے قدحوں پر رکھ دینگا۔ اور تیرے باپ اور اُنکے گمراہ  
سے ملکا زنا مقام لوں گا۔ میری قسمت میں یہی بدلتا تھا۔ میری عین آرزو جو کہ عشق  
میں کامیاب ہونے اور مخالفوں سے انتقام لینے کے لیے زندہ رہوں۔ یہ کمرہ راز  
تھا اور اُس دیوار کے قریب گیا جیسے وہ عمل مرقوم تھا۔ مگر قریب پہنچ کر اسکی بہت پست  
و گئی۔ اور سوچا کہ موت سے ڈر کر خدا کی رحمت سے ہمیشہ کے لیے محروم ہو جائیگا۔  
بار بار اُسکو اپنی کم عمری اور نا تجربہ کاری کا خیال آتا تھا۔ اور ساتھ ہی موت کا  
دیکھ کر دیتا تھا کہ کسی طرح اس بلا خیز حالت سے رہا ہونے کا اسباب مہیا کر لے آخر  
میں تمام قوتوں کو جمع کیا۔ اور آنکھیں دیوار کی طرف لگا کر دل میں کہا۔ ایک مرتبہ  
میں کوشش کی بدولت یہ سب خیالات پلٹ جائینگے۔ مان میں وہ کوشش کر دینگا  
جو مجھے دوزخ کی راہ دکھلائے۔“ یہ کہہ کر دیوار کے قریب روشنی لے گیا۔ اور اُس کو

شروع کیا۔

جیسے پورے پورے الفاظ زبان سے ادا ہوئے اسپر ایک بیخودی کا عالم طاری ہوا اور تینوں کے زمین پر گر پڑا۔ ایک مہیب جن انسان کی شکل میں روبرو آکر موجود ہوا جس کے پاس ایک ایسی روشنی تھی کہ اُس سے قید خانہ روشن و منور ہو رہا تھا۔ جن نے ”تو مجھ سے کیا چاہتا ہے؟“

فوسٹ - (اضطراب سے) ”مجھے بچالے۔ اس وحشت انگیز قید سے مجھے رہائی دے۔“ جن - ”ہاں۔ بیشک میں بچاؤں گا۔“ اتنا کہہ کر فوسٹ کا ہاتھ مضبوط پکڑ لیا۔ دونوں کی طرح قید خانے کی چھت سے لٹک کر بند ہوئے۔ اُس وقت فوسٹ بیہوش تھا جب کہ آہستہ آہستہ اپنے آپ کو خاص اپنے ہی بچھونے پر لیٹا ہوا پایا۔ جو دارالعلوم دکن برک کے قریب اُسکے گھر میں تھا۔ آنکھیں کھول کر وحشت سے جو طرہ دیکھنے لگا۔ آفتاب کی روشنی میں اُسکی نگاہ قید خانے کی سنگی دیواروں کے بدلے اپنے حجرے کی دیوار کی تختہ بند دیوار پر پڑی۔ وہ چھوٹی سی میز جیسے لکھنے کا مختصر اسباب رکھا تھا۔ اور وہ چھوٹی الماری جیسے چھوٹے کتابیں تھیں جو قید ہونے سے پہلے کتب خانہ دارالعلوم سے لاکر رکھی تھیں ان سب کو دیکھ کر تو بے انتہا مسرت و شادمانی حاصل ہوئی۔ دل میں سمجھا کہ میرا قید ہوتا۔ اور قید کی مصیبتیں فسر کا انا۔ عمل کے ذریعے سے جن کو بلانا اور اُسکی مدد سے رہائی پانا سب خواب تھا اور خیال نے یہاں تک اُسکے دل پر اثر کیا کہ پیاری تریز سے اس خواب کا ماجرا بیان کرنے کے قصد سے آٹھا۔ ناگہان اُسکی نظر جن پر پڑی۔ جو اُسکے سرانے ایک چلن کی آڑ میں کھڑا انسان کے زبان و قلم کی طاقت نہیں کہ اُسکی اُس وقت کی پریشانی و پرانگی کو بیان کرے۔ فوسٹ - (ڈلگاتا ہوا) ”اے خداوندِ کریم! وہ خواب نہ تھا۔“

جن - (جبکہ جسم کے چار طرف کوئی شیء مثل دعویٰ کے نمایان ہونے سے اچھی طرح ہنسوں نہ ہوئی تھی) اپنے ہاتھ سینے پر باندھے مسکراتا ہوا جس سے معمول ناہنجار

ہستہ فوسٹ کی طرف بڑھا۔ اور کہا۔ ”تجھ پر جو واردات گزری وہ کوئی خواب نہ تھا۔  
 بلکہ واقعی تھا۔ اس ماجرے سے تو آئندہ اپنی بہبودی کے متعلق بہت کچھ امید کر سکتا ہے  
 کیونکہ حرکت تجھ کو میرا تابع فرمان بنادے گی۔ لیکن ابھی کچھ نہیں بگڑا۔ اب بھی اگر تو چاہے تو مجھ  
 سے ملنے سے باز رہ سکتا ہے۔ مگر ان تکالیف کا تحمل ہونا ہوگا جو تجھ پر گزریں گی۔“

فوسٹ۔ ”اگر ایسا ہے تو تیری مدد مجھے درکار نہیں۔ جلد یہاں سے چلا جا۔“

جن۔ ”مجھے جانے میں کچھ عذر نہیں۔ مگر یاد رہے کہ جیسے ہی تو مجھے منحرف ہوا اسیدم  
 کو قید خانے میں پھینک دیا جائیگا۔ پھر تجھے لوگ وہاں سے خداکت میں اور عدالت سے  
 قتل میں ایجا کر دار پر کھینچینگے۔ اگر اسپر تو راضی ہے تو میں جاتا ہوں۔“

فوسٹ۔ ”بیشک میں ان سب آفتوں کو برداشت کر لوں گا۔ وہ خدا جسے زمین و آسمان کو  
 پیدا کیا۔ وہ خدا جسکی قدرت کے مقابل ہلایک واجبہ عاجز ہیں۔ وہ خدا جو اس وقت میرے  
 دل کا حال جانتا ہے میری مدد کریگا۔ اور مجھے ان آفتوں سے بچائیگا۔ اور ممکن ہو کہ اس  
 سعادت میں میری معشوقہ تریزا بھی مجھے مل جائے۔“

جن۔ ”عجیب بیوقوف ہے۔ تو شاید سمجھتا ہو کہ جرمنی کے ایک اعلیٰ درجے کے امیر کی بیٹی  
 جو کسی شاہزادے سے منسوب ہو چکی ہے۔ تجھے ناچیز کے عشق میں مبتلا ہے۔ بالفرض اگر  
 یہ مان بھی لیا جائے تو چھ مہینے سے نہ تو نے اسے دیکھا نہ اس کے حال سے واقف۔ ممکن  
 نہیں کہ اس کے دل میں تیری محبت باقی رہی ہو۔ تریزا تیرے قید ہونے سے آگاہ نہیں وہ  
 اس قدر جانتی ہے کہ تو کہیں چلا گیا ہو۔ کیا عجب کہ اس سے اس کے باپ نے تیری نسبت  
 کی قصہ گڑھا ہو بیٹے فوسٹ کسی اور لیڈی کے دام محبت کا اسپر ہو کر کہیں چلا گیا۔ ان باتوں  
 کے پیش نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تریزا تیری محبت سے منحرف ہو گئی ہو۔ کیونکہ اس  
 سدرہ ثابت قدمی کا ہونا غیر ممکن امر ہے۔“

فوسٹ۔ ”آہ! اگر میں یہ باد رکھ لوں کہ تریزا میری حقیقت حال سے کچھ خبر نہیں رکھتی۔“

اور اسکا دل بدل گیا ہو۔ اور دوسرے کی محبت بجائے میری الفت کے اسکے دل میں پیدا ہو گئی ہو تو ضرور تیری تابعداری کرونگا۔ کیونکہ ایسا کرنے سے مجھے دولت اور حکومت دو ملے گی۔ اور میں اپنے رقیب پر تفوق حاصل کرونگا۔ چاہے وہ امیر کبیر لیپوٹہ ہی کیوں نہ ہو۔ یہ سب کچھ سہی۔ مگر میں تیری بات قابل اعتبار نہیں سمجھتا۔ غالباً تو جھوٹ بولتا ہے۔ مجھے کامل یقین ہے کہ تریزا کا دل اب تک میری محبت و عشق سے مملو ہے۔

جن۔ ”بب تو میری بات باور ہی نہیں کرتا ہو تو کیا ضرور ہے کہ میں تیرے روبرو اپنی قدر و طاقت کا اظہار کروں۔“

فوسٹ۔ ”میں قسمیہ کستا ہوں کہ اگر تو یہ ثابت کر دے کہ تریزا نے مجھے بے وفائی کی تو میں تیرا ہی ہوں۔“

جن۔ ”اگر تو اس قول پر ثابت قدم ہو تو ان شروط پر دستخط کر دینا ضرور ہے۔“

فوسٹ۔ ”مشتوق گئی ترو فانی کے خیال میں“ ”ہاں۔ بیشک میں شوق سے راضی ہوں۔“

بب فوسٹ رضامند ہو گیا۔ تو جن نے اپنا سیدھا ہاتھ دریچے کی طرف باندھ دیا۔ اور پڑھنے لگا۔ یکایک ابر کی صورت کوئی چیز دریچے سے نمایاں ہوئی۔ اور جون جون وہ صاف ہوئی جاتی تھی۔ امیر وراثت کی مجلس کے ایک بالا خانہ کا اندرون حصہ نظر آتا جاتا تھا۔ تریزا وہاں ایک شرقی وضع کے کوچ پر لیٹی ہوئی تھی، اسکے لمبے لمبے بال گوری گوری اپنی لہریں سے تھے۔ اور نگہیں آنکھیں ایک تصویر پر تھیں جسکو وہ ہاتھ میں لیے تھی۔

فوسٹ۔ ”مست سے جھوم کر“ ”ہاں۔ یہ وہی تریزا ہے۔ وہی پری جمال نازنین ہے۔“

بب۔ ”مگر بے اختیار دوڑا کہ اس سے لپٹ جائے۔ مگر جن نے روک لیا۔“

جن۔ ”نادان۔ خاموش! وہ تیرے دشمن کی تصویر ہے۔ دیکھ وہ کس محبت و پیار سے اسکو کھو رہی ہے۔ کبھی تو سینے سے لگا لیتی ہے۔ اور کبھی بوسہ لیتی ہے۔“

فوسٹ۔ ”خنگین بچے میں“ ”ہاں! تو ایسے عجیب و غریب انداز کے انجام دہی کی تھی۔“

کہتا ہو میری طاقت نہیں کہ تیری بات کا اعتبار نہ کروں۔ بلاشبہ تیرا قول صحیح ہو۔ ترزا نے ضرور مجھے یوفائی کی۔ اس محبت پر لعنت ہو جو وہ دوسرے کے ساتھ رکھتی ہو۔ پھر بن کے کچھ عمل پڑھنے سے وہ تمام سامان آنکھوں سے غائب ہو گیا۔ فوسٹ نے دل میں خیال کیا۔ ”یورے چو مینے سے ترزا کو میری کچھ خبر معلوم نہ ہونے کے سبب سے میری محبت بڑی ہو گی کیونکہ اس طولانی مدت میں کبھی خط لکھنے کا بھی اتفاق نہیں ہوا۔ مخالفوں نے میری نسبت ہزاروں جھوٹی سچی باتیں بیان کی ہو گی۔ اور اسے مجبوراً کسی اور کو اپنے دل میں جگہ دی ہو گی۔“ فوسٹ انھیں خیالات میں گرفتار تھا کہ بن پکارا اٹھا۔ ”تو اپنے قول کو یاد رکھ! اپنے میرے تابع فرمان رہنے کے اقرار نامے پر دستخط کر دے۔“

فوسٹ۔ ”جب ترزا دوسرے کی ہو گئی تو کیا خاک زندگی کا طفت باقی رہا ہے مجھے تیری روضہ و رہنمائی۔ اسی قید خانے میں پھینک دے۔ تاکہ میں مرجاؤں!“

بن۔ ”تجھ ایسے بزدل ڈرپوک آدمی سے یہ کب ممکن ہو کہ سولی پر جان دینے کی جرأت کر سکے؟“

فوسٹ۔ ”اگر تو ثابت کر دے کہ میرا وہی انجام ہونے والا ہو تو وہاں نہ جاؤنگا۔ اور تیری میری اختیار اختیار کرونگا۔“

بن۔ ”کیا تو اس بات پر قسم کھا سکتا ہو؟“

فوسٹ۔ ”ہاں انھیں شروط پر جو پہلے کی گئیں۔ میں حلف اٹھا سکتا ہوں۔!“

یہ سن کر بن نے دوبارہ اس دریکچے کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ اور کچھ بڑھنا شروع کیا۔

ان دنوں ایک وسیع میدان پیش نظر ہوا جس میں بے شمار لوگ جمع تھے۔ اور سولی کا سامان جمع تھا۔ ایک شخص یہ منادی کر رہا تھا کہ آج فوسٹ نامے ایک مجرم کو پھانسی دیا جائیگا۔ سب حاضرین اس کی رہائی کے لیے دعا کر رہے تھے۔ فوسٹ نے اس سین پر نظر کی۔ اور معافیت سے منہ پھیر لیا۔ اور جن سے اس وحشت ناک مقام کو نکالنا ہوتا تھا ان کے کہنے کا خواستگار ہوا۔ مگر جن اچھی طرح دیکھنے کے لیے اصرار کرنے لگا۔ تاکہ اس کو اس



امر میں کچھ شبہ باقی نہ رہے کہ یہ سب تیاری خود اسی کے لیے ہو۔ جب فوسٹ کو کال  
تشفی ہوئی تو جن کی شرائط پر راضی ہو گیا۔ اور اُسکی اطاعت قبول کر لی۔ وہ شرطیں یہی  
تھیں کہ :- جن اُسکو چوبیس سال تک مال و دولت ثروت و حکومت سب کچھ دیگا۔ اور  
اُسکا غلام ہو رہیگا۔ مگر بعد اس مدت کے وہ جن کا تابع ہو جائیگا۔ ان شروط پر فوسٹ  
نے اُسی وقت دستخط کر دیے۔ اُس دن شہر میں ایک طوفان عظیم برپا ہوا۔ آسمان پر  
سیاہ ابر اس کثرت سے جمع ہوا کہ تمام شہر میں اندھیرا چھا گیا۔ دستخط کر چکنے کے بعد  
فوسٹ کی آنکھیں کھلیں۔ اور بچپانے لگا کہ مائے مین کیون ایسے عظیم الشان گناہ  
مرتکب ہوا۔ اُس وقت جن فقہ مار کر بنسنے لگا۔ جسکی آواز ابر کے گرجنے سے بھی زیادہ مہیب  
تھی۔ اور فوسٹ خوف سے کانپتا ہوا زمین پر گر پڑا۔

## پہلا باب

### رستی اور کٹار

ماہ۔ اگست ۱۷۹۳ء میں ٹھیک مغرب کے وقت ایک تنہا سوار موضع کبرگ ک  
مہمانسرا کے دروازے پر آکھڑا ہوا۔ وہ ایک نوجوان تھا جسکا سن شاید بیس برس  
اگرچہ وہ زیادہ حسین نہ تھا۔ لیکن اُسکی وضع سے کچھ ایسی دلغری اور شوکت پائی جازن  
جو کسی دیکھنے والے کے دل میں اُس سے ایک خاص طرح کی رغبت اور ادب پیدا کر  
کا میاب ہوتی تھی۔ اُسکا لباس عمدہ تھا۔ مگر کسید طرح قیمتی نہ تھا۔ سر پر بے کلنی کے  
ٹوپی تھی۔ کوٹ کچھ اس طرح کا دلکش اور وضعدار تھا جس سے نوجوان کی شرافت و مناسبت  
ظاہر ہوتی تھی۔ یہ میانہ قد اور قوی جتنہ تھا جسکے دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ اسکی حالت  
بہ نسبت بہن کے بہت زیادہ ہو۔ لمبے گھونگھروالے بال ریشمی کار پر لٹک رہے تھے۔ ذوق  
تراشیدہ تھی۔ مگر چھوٹی چھوٹی موچیں اپنے شوق سے پالے جانے پر شہادت دے رہی تھیں۔

انکی بڑی بڑی آنکھوں سے بڑھی حیاں تھی۔ ایک لمبی تلوار کمر کی بلٹ سے لٹک رہی تھی اور قبعر میں اس زمانے کے فن کے موافق سنگین اور بد وضع رکھی ہوئی تھیں۔ مالک مہمانسرا جلدی سے اس نوجوان مسافر کے گھوڑے سے اترنے کے دفت بد کرنے کے لیے دوڑا۔ گردہ نیچے اترنے کا قصد ہی نہیں رکھتا تھا۔

مسافر۔ (خوش آوازی سے مگر حکومتانہ لہجے میں) ”شہر دٹن برگ یہاں سے کس قدر فاصلہ پر ہے؟“ مالک مہمانسرا۔ (جو پچاس برس کی عمر کا عجم شمیم آدمی تھا) ”دو کوس سے کچھ زیادہ ہی ہوگا مگر راستہ بالکل ناہموار اور ڈاکوؤں سے بھرا ہوا ہے۔“ (بیک پادری کی طرف مخاطب ہو کر جو سرا کے دروازے پر کھڑا تھا) ”میں نے صحیح کہا نہیں؟ کیون پادری نہیادش صاحب؟“ یہ پادری صاحب ایک دراز قد اور نحیف اجتہ معمر آدمی تھے۔ جو مالک سرا کے ساتھ بادہ نوشی اور گپ شپ میں رہا کرتے تھے۔ اور اس نوجوان مسافر کی آمد کے غل سے چونک کر کمرے کے دروازے پر اکھڑے ہونے کی تکلیف گوارا کی تھی۔

پادری۔ (جو اس مسافر کو غور و تامل سے سرتاپا دیکھ رہے تھے جبکہ چہرے سے باوجود اس کے نہ شیشی ظاہر ہوتی تھی) ”ان بابینک راستہ ڈاکوؤں سے بھرا ہے۔ کوئی شخص گو بیسای دیر ہو مگر اپنی جان کو عزیز رکھنے والا ہو۔ رات کے وقت تنہا بیابان صوبہ کا رستم میں سکتا۔ ان اگر چار شخص ساتھ ہوں تو البتہ مضائقہ نہیں۔“

نوجوان مسافر۔ (غصہ ہو کر) ”کیا امیر روزنسل مسافروں کی تکلیفات سے اس قدر غافل ہے؟“ ”یہ بد معاش ظالموں کا اپنی ریاست میں پناہ لینا گوارا کیا ہے؟“ پادری۔ (طنز سے) ”بیابان صوبہ امیر روزنسل کی جاگیر میں شامل نہیں۔ بلکہ وہ لٹس ڈارف کونٹ مانفریڈ کا علاقہ ہے۔“

نوجوان۔ کیا یہ وہی شخص ہے جو شاہ ماکسی ملن کی تخت نشینی کے جشن میں شریک ہوا تھا۔“

مالک سرا۔ (پریشان ہو کر) بھئی مان۔ وہی۔ (پست آواز میں) مگر کونٹا انفریڈ کے بارے میں گفتگو کرنا ایک خطرناک معاملہ ہے۔ اس تقریر سے پادری نے اپنا منہ پھیر لیا تھا۔

نوجوان مسافر اس گفتگو کے بعد تھوڑی دیر کچھ سوچا کیا۔ اور آخر مالک سرا کی طرف گھوڑے کی باگ چینک کر آپ گھوڑے سے نیچے کود پڑا۔ اور کہا: "میں سفر تو معطل نہ کروں گا۔ لیکن تیری سرائین کچھ دیر بیٹھ کر دم لوں گا اس عرصہ میں تو دو قوی تن مزدور پیدا کر دے۔ تاکہ مجھے اس خوفناک رستے کے اوجھڑ پونچا آئیں۔ یہ کام جلد ہونا چاہیے۔ اور اس عرصے میں تو میرے گھوڑے کی ابھی طرح خبر داری کرنا۔" یہ کہا اور سرا کے اندر داخل ہوا۔ اکل و شرب کے لیے بھٹ سے مالک سرا کی بی بی نے تمام چیزیں مہیا کر دیں۔ مسافر اندر کا رخ کرتے ہی پادری صاحب مالک سرا کے پاس جو مسافر کے گھوڑے کو معطل کی طرف لیے جانا تھا پہنچے اور کہا: "آجکی شب نوجوان کو کسی طرح یہیں ٹھہرانا ضرور ہے۔"

مالک مہمال سرا۔ "میں کس طرح مانع و مزاحم ہو سکوں؟۔"

پادری۔ "اُسکے گھوڑے کو لنگڑایا بیمار بنا دو۔ یقین ہو کہ دوسرا گھوڑا کل تک مل نہ سکیگا۔ علاوہ اسکے یہ بھی کہ دنیا مفید ہو گا کہ باوجود بہت سی تلاش کے ہمراہ جانے کے لیے کوئی آدمی نہ ملا۔"

مالک سرا۔ (عاجزی کے ساتھ) "بہت خوب حضور! ایسا ہی کیا جائے گا!۔"

پادری۔ "تم اُسکو اس شتون کی کوٹھری میں رہنے کے لیے جگہ دلاؤ۔"

مالک سرا۔ "جو حکم" پادری صاحب سرا کی طرف سے ہمارے۔ اور مالک سرا مسافر کے گھوڑے کو لیے معطل میں گیا۔ جب پادری صاحب سرا میں داخل ہوئے۔ نوجوان مسافر نے نہایت مردت و تعظیم سے کہا۔ "آپ اس شراب تاب سے تھوڑی سی پی سکیں گے؟ اس مقام کے نظر کرتے یہ کوئی خراب شے نہیں ہے۔"

پادری۔ (مینر پرستے لبالب پیراہن میں لیکر) معلوم ہوتا ہے آج تم بہت دور کا سفر



کیے ہوئے آئے ہو۔“

نوجوان۔ ”ہاں۔ کسی قدر۔ ہم ابھی لنس ڈارٹ کے کونٹ مانفریڈ کا تذکرہ کر رہے تھے مشہور یہ ہو کہ امیر موصوف اپنے پرزور پڑوسی لارڈ روزنٹل سے صفائی نہیں رکھتا۔“

پادری۔ ”ہاں۔ ایسی ہی افواہ ہو۔“

نوجوان۔ ”اور میں سنتا ہوں کہ کونٹ مانفریڈ نے اپنی رعایا پر نہایت دباو ڈال رکھا ہے اور وہ اپنی زندگی عجیب طور سے بسر کرتا ہو۔ میں آگاہ ہوں کہ اسکی بی بی نے انتقال کیا اور وہ لاولد بھی ہو۔ غالباً اس کے بعد وارث ملک و مال کوئی نہیں۔“

پادری صاحب نے (جنہیں گفتگو سے زیادہ شراب نوشی میں لطف اٹھاتا تھا) بھر دی جواب دیا کہ ”ایسی ہی افواہ ہو۔“

نوجوان۔ ”آپ کو معلوم ہو کہ کونٹ مانفریڈ کا ایک بڑا بھائی تھا۔ جو دفعۃً مر گیا۔؟ پادری نے اس مقام پر قطع کلام کر کے کہا۔ ”میان مسافرا میں پادری ہوں۔ مجھے دینی امور سے سروکار نہیں۔ صرف روحانی ہیودی مجھ سے تعلق رکھتی ہو۔ اگر تمہیں ان باتوں میں کوئی مرد یافت کرنا منظور ہو تو مالک سرا سے استفسار کرنا۔“ یہ الفاظ ہنوز پادری کی زبان سے دور سے طور پر ادا نہ ہوئے تھے کہ مالک سرا روم میں آیا۔ مسافر نے اس ترش رو پادری کی طرف سے نفرت کے ساتھ منہ پھیر کر سرا کے مالک سے پوچھا۔ ”کیا خبر لایا ہو؟“

مالک سرا۔ ”آپ کے لیے ایک غمناک خبر لایا ہوں۔ میرا ملازم جو مزدور دن کی تلاش میں گیا تھا نا کام واپس آیا۔ یہاں سے قریب ایک شخص کے یہاں شادی ہو۔ اس جشن میں چھوٹے بڑے سب مدعوین۔ ممکن نہیں کہ کسی شخص کو خواہ زندہ کے لالچ سے ہو یا خاطر دعوت کو ترک کرنے کی ترغیب دی جائے۔“

نوجوان۔ ”(افسردہ دلی سے) اگر ایسا ہو تو مجھے تنہا چیز نہیں۔ جسکا چہرہ دن کے ماتھے پر چلا۔“

اس شہر پر گروہ (ڈاکو دن) کو کچھ فائدہ بھی نہ ہوگا۔

مالک سرائے میں نے پوری حقیقت ابھی آپ سے نہیں کہی۔ آپکا گھوڑا بھی اتفاق سے بچا یک بیمار ہو گیا ہے۔“

نوجوان۔ (جھجھک کر) ”کیا میری تقدیر میں یہی ہے کہ اپنا وقت اس منحوس قریہ میں رائگان کروں؟ (سرائے کے مالک سے) ”مجھے صطبل کا رستہ بتا کہ میں گھوڑے کو دیکھ آؤں“ یہ الفاظ مسافرنے غصے کے انداز میں کہے تھے۔ جس سے مالک سرائے ڈر گیا۔ اور شمع روشن کر کے لانے کے لیے دوڑا۔ کیونکہ اب رات آگئی تھی۔ شمع لے آنے کے بعد مسافر کو صطبل میں لے گیا گھوڑے کی حالت واقعی ایسی ہو گئی تھی کہ اسپر فی الفور سفر کرنے کی امید منقطع ہو گئی۔

نوجوان۔ ”تو نے اُسے بہت جلد پانی پلا دیا۔ خیر۔ آج کی رات یہیں بسر کرنا پڑی۔ (گھوڑے کو تھپکی دے کر) ”میں کسی کا تابعدار تو ہوں نہیں۔“ پھر نوجوان نے زمین کے تھیلوں سے ایک شیشی نکالی اور کہا۔ ”خوشا وقت کہ میں اس دوا کو ساتھ ہی لایا جو چند ہی ساعتوں کے اندر میرے جو اعضاء گھوڑے کو اسکی اصلی طاقت پر لے آئیگی۔ دیکھ! صبح دم نکلنے کے لیے سب چیزیں تیار رہیں۔“ گھوڑے کو دوا کھلا کے نوجوان دہان سے داپس ہوا۔ اسکے آنے ہی سے سرائے میں دسترخوان چنکر ایک تازہ شراب کا شیشہ بھی ساتھ رکھ دیا گیا۔ نوجوان ہر چند چاہتا تھا کہ اپنے میزبان سے کسی طرح کونٹ مانگریڈ اور لارڈ روز تیل کے بارے میں کچھ ماہیت دریافت کرے۔ مگر چونکہ پادری قریب ہی بیٹھا تھا۔ گو کہ وہ خاموش تھا اور جیبہ کے دامن سے اپنا منہ ڈھانپے سوتا ہوا نظر آیا۔ لیکن صرف اسکے موجود ہونے سے مالک سرائے کے لبوں پر مسخر خموشی لگ گئی تھی۔ اسکے ناتمام ادھورے جوابوں سے برہم ہو کر نوجوان اٹھ کھڑا ہوا۔ اور کہا۔ ”میرے سونے کے لیے جو جگہ تجویز کی گئی ہے مجھے اے۔ اے۔ اے۔“ مالک سرائے اسی دم اس حکم کی تعمیل کی۔ یعنی چراغ مانتہ میں لے کر

ایک حجرے میں پہنچے۔ یہ حجرہ نہایت وسیع مگر وحشت ناک تھا۔ اور پہلے مقام کے دیکھتے یہاں کا ساز و سامان بھی عمدہ اور بیش بہا تھا۔ شمع ایک پرانے فن کی میز پر جو دھان رکھی تھی رکھ کر مالک سر اخصت ہونا چاہتا تھا کہ نوجوان نے اُسکا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور حکومتانہ طور پر کہا: ”سچ بتاؤ وہ پادری کون ہے؟“

مالک سر اخصت ایک معزز پادری ہے جسکا نام ”تھیادشس ہے“ یہ لکھ کر جلدی سے حجرے کے باہر ہو گیا۔ اس خوف سے کہ مبادا نوجوان کچھ اور سوال نہ کر بیٹھے۔ مالک سر اس نے چلتے دم دروازہ بند کر لیا۔ نوجوان کو اندازاً معلوم ہوا کہ دروازہ باہر کی طرف سے مقفل کر دیا گیا ہے۔ وہ معاً اسکی تحقیق کرنے کی غرض سے اُٹھا۔ دیکھا تو دروازہ فی الحقیقت بند ہے۔ دل میں کہنے لگا۔ ”یہ کیا معاملہ ہے؟ (دریچے کی طرف بڑھا تو مضبوط لوہے کی سلاخیں لگی ہوئی تھیں) میرے ساتھ کچھ دغا کرنے کی تجویز تو نہیں کی گئی؟“ چراغ اُٹھالیا۔ اور حجرے کو کمال تفحص سے جو طرف دیکھنے لگا۔ وہاں ایک بڑی سی میز پر ایک برتن اور ایک صراحی رکھی ہوئی تھی۔ نوجوان کی نگاہ میز پر پہنچی تھی کہ کسی کا ہاتھ دریچے کے روزن سے اندر آتا دکھائی دیا۔ اور پوری قوت سے میز پر ایک کٹا چھو دینے کے بعد کھینچ لیا گیا۔ اور ساتھ ہی دریچے کا روزن بند ہو گیا۔ یہ سب ہو رآن واحد میں ہوئے نوجوان نے آگے بڑھکے کھڑکی کھولنا چاہی۔ مگر وہ کھل نہ سکی۔ مجبور ہو کر اُس کٹار کی طرف متوجہ ہوا جو میز پر سیدھی کھڑی تھی۔ اسکے دستے پر ایک رسی لپیٹی ہوئی تھی۔ اور رسی میں ایک کاغذ کا ٹکڑا بندھا تھا۔ نوجوان نے اُس کاغذ رسی سے جدا کیا۔ اور نہایت وحشت سے اُن سطور پر نظر کی جو اس پر لکھی ہوئی تھیں۔ اور لکھا مضمون یہ تھا: ”اس کٹار اور رسی کی قسم سے تجھے یہ حکم دیا جاتا ہے کہ تو بغیر کسی دوا کے نہایت خاموشی کے ساتھ اُس شخص کے ہمراہ ہو جانا چاہیے جو آدھی رات کو تیرے پاس آئے گا۔ خبردار! اس حکم کی تعمیل میں سر مو تفادات نہ ہونے پائے۔“ یہ پڑھتے ہی نوجوان رستے سے کاہنے لگا۔ کاغذ ہاتھ سے گر پڑا۔ ایک جگہ بیٹھ کر دل میں سوچنے لگا کہ ”یہ کیا

طلب نامہ ہو کہ کوئی دلیر سے دلیر شخص بھی اسکی عدول حکمی کی جرأت نہیں کر سکتا۔

## دوسرا باب

### عدالت و دم

جب خون کا جوش جو اُس رتھی اور کٹار اور اُس تحریک کے دیکھنے سے پیدا ہوا تھا

۱۔ دم و دم۔ یاد مگر کٹ۔ یہ ایک عدالتی انجمن کا نام ہے۔ گیارہویں صدی عیسوی میں شہر جرمنی میں پیدائش ہوئی اسکے اراکین اکثر پادری۔ فرمانروا۔ ممبران خاندان شاہی۔ دیگر عمائد ہوا کرتے تھے۔ اس انجمن کی ایجاد سے مقصود یہی تھا کہ ملک میں انصاف اچھی طرح کیا جائے۔ کیونکہ اُن جہازن شاہی درباروں میں کسی منصفہ قانون کی پابندی نہ تھی۔ بلکہ جور و ظلم جاری تھا۔ اس انجمن کے مشورے سے عدالتیں بنی گئیں اور پھر ان کے آئینہ اور اراکین بغیر کسی گفتگو کے صرف چند نشانوں سے آپس میں ایک دوسرے کو پہچان جاتے تھے۔ ہر شہر اور ہر قریہ میں اس انجمن کا ایک نائب ضرور ہوتا تھا۔ اور ہر ممبر سے اس بات پر قسم لی جاتی تھی کہ انجمن کی پوشیدہ کارروائیوں سے کسی غیر شخص کو مطلع نہ ہونے دے۔ اُس زمانے میں انجمن کے اختیارات کچھ اس درجہ وسیع تھے کہ اُنکے مقابل شہنشاہی احکام کی اصل حقیقت نہ تھی۔ خود بادشاہ و امرا سے عالیقدر اُننے مانے جاتے تھے۔ کٹار اور رتھی اس انجمن کا نشان تھا۔ جس کسیک عدالت میں بلوانا چاہتے تو اس رتھی سے ایک کاغذ باندھ دیتے تھے۔ جس پر حکم لکھا ہوتا تھا۔ اور اس کٹار کو اُس شخص کے روبرو زمین پر باکسی اور چیز پر کھڑا کر دیتے تھے۔ اگر وہ اس حکم کے بموجب حاضر عدالت نہ ہوتا تو اسے موت کا فتوے جاری ہوتا تھا۔ مگر چونکہ کو بیابان میں ایک درخت سے لٹکا دیا کرتے تھے۔ اور مرنے کے بعد ایک کٹار بازو سے رکھ کر زمین پر لٹا دیا کرتے تھے۔ کٹار دیکھنے کے بعد کسی کا مقدر نہ تھا کہ لاش کو دفن کرے۔ یوں ہی اُنکا گوشت شکاری جانوروں کے حصہ ہوتا تھا۔ رفتہ رفتہ خود اس انجمن کی عدالت میں کثرت سے ظلم شروع ہو گیا۔ اور اراکین نے ذاتی رنجشوں کے سبب لوگوں کو سزا میں دینا شروع کیا۔ ہزاروں بے گناہ اُن ظالموں کے ہاتھوں مارے گئے۔ آخر کار بتدریج اس انجمن کے امور میں خلل واقع ہونے لگا۔ حتیٰ کہ سنہ ۱۷۹۰ء میں پورے طور پر نابود ہو گئی۔

کم ہوا تو نوجوان کے دل پر مایوسی بھاگ گئی اُس حجرے میں ٹھلٹھا ہوا دل ہی دل میں کہنے لگا  
 "میں نے کون سی خطا کی ہو جو عدالتِ روم سے ڈرون؟ میں جانتا ہوں کہ اس سمن کی نافرمانی  
 کرنے کی محمد میں جرأت نہیں۔ اگر میں ایسا کروں تو بے شبہ میری نسبت موت کا فتوے  
 صادر ہو جائیگا۔ اور اس عدالت کے ملازم کسی نہ کسی طرح مجھے ڈھونڈھ ہی نکالینگے۔ (رجوش  
 بن کر) یہ عجیب ظالم جماعت ہے۔ جسکے روبرو شہنشاہ کے اختیارات ہیج ہیں۔" نوجوان کچھ  
 لگا۔ اور خیال کیا کہ شاید کوئی شخص مجھے پوشیدہ عداوت رکھتا تھا۔ جسکے سبب سے میں  
 اس بلا میں گرفتار ہوا۔ انہیں خیالوں میں وہ مضطربانہ ٹھل رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد کہنے لگا  
 "کسی شخص عداوت کے لیے اُس عدالت میں مجھے سزا نہ دی جائیگی۔ کیونکہ ان عدالتوں کی ایجا  
 کاہ عاہی کچھ اور ہے۔ اور یقین سمجھتا ہوں کہ ان قوانین کے خلاف مجھے کوئی کارروائی نہیں  
 ہوئی۔ جس سے میں لائق سزا ٹھہرایا جاؤں۔ لہذا عدالت کے روبرو مجھے بے اختیار نہ کرنا چاہیے  
 بلکہ دیراً بطور پر گفتگو کرنا ضرور ہے۔" اس اثنا میں دو پہر رات گزر گئی۔ نوجوان ایسی جرأت  
 کے ساتھ بیٹھا تھا کہ کوئی چیز اور کوئی بات اسکو خائف نہیں کر سکتی تھی۔ کوٹھری کا دروازہ  
 باہر کی طرف سے آہستہ سے کھلنے کی آواز آئی۔ مگر وہ ڈرا نہیں۔ دروازہ کھلا۔ اور ایک  
 مسلح شخص جسکی صورت سے نوجوان واقف نہ تھا اندر آیا۔ اسکے ہاتھ میں ننگی تلوار تھی۔  
 اور تلوار کے قبضہ پر سی لپٹی ہوئی تھی۔ نوجوان مسافر نے خدا جانے تعجب سے یا خوف  
 سے ایک لفظ بھی نہ کہا۔ صرف اپنا سر اُس جماعت کی نظم کے لیے خم کیا جسکی  
 طرف سے وہ پیغام لایا تھا۔ اُس نے بھی کوئی بات نہ کی بلکہ چپکے سے نوجوان کو اپنے  
 ساتھ چلنے کے لیے اشارہ کیا۔ الغرض وہ دونوں زینے کی راہ سے نیچے اتر کر سرا کے  
 پیچھے والے دروازے سے باہر نکلے۔ اور ایک سڑک پر سے گزرتے ہوئے بیابان  
 صحرانیک پہنچے۔

نوجوان کو پیچھے کی جانب مڑ کر دیکھنے سے معلوم ہوا کہ چند اور مسلح اشخاص بھی اسکے



ساتھ آرہے ہیں۔ بیابان کی حد میں داخل ہوتے ہی اُس شخص نے جو نوجوان کا محافظ تھا ایک مشعل روشن کر لی۔ جو اُس مقام پر غول بیابانی کی صورت نظر آرہی تھی۔ اور یہ سب اسکے پیچھے پیچھے جارہے تھے۔ اسی طرح اُس بیابان کی گجانب پیچیدہ راہوں میں خاموشی کے ساتھ بڑھے جاتے تھے۔ بہت سی مسافت طو کرنے کے بعد ایک کھلے میدان میں پہنچے جہاں دہقانی وضع کا ایک گرجا متقی مسافروں کے لیے بنا ہوا تھا۔ سب یہاں ٹھہر گئے۔ محافظ نے نوجوان سے کہا: ”اب یہاں سے تمہاری آنکھوں پر پٹی باندھ دی جائیگی۔ تم کچھ خوف و ہراس نہ کرو۔ میں صرف تابع فرمان ہوں مجھے یہ منظور نہیں کہ تمہیں کسی طرح کی ایذا دیں۔“

نوجوان۔ (جس پر بے انتہا خوف طاری تھا) ”تم مجھے کہاں لیے جاتے ہو؟“

محافظ۔ ”تمہیں اُس عدالت گاہ میں چلنا ہوگا جسکے نشان یہ ہیں“ (رسی اور کٹار کو بکھا کر جو اسکی کمر میں بندھی ہوئی تھی)۔

نوجوان نے اپنے دلی جوش کو ہمشکل روکا۔ اور بغیر کسی مزاحمت کے آنکھوں پر پٹی باندھ لی۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اس امر میں رد و قدح کرنا بے سود بلکہ آفت سے خالی نہیں۔ سب کے سب چلنے لگے۔ وہ شخص ایک ہاتھ میں مشعل اور دوسرے میں اپنے قیدی کا ہاتھ تھامے چل رہا تھا۔ آدھا گھنٹہ چلتے گزرا۔ یکایک کسی مقام پر ٹھہرے۔ بیوگل (ترہی) کی آواز آئی۔ اور بلندی پر سے کسی نے پوچھا: ”تم کون ہو؟“ مسافر کو لائے ہوئے شخص نے جواب دیا۔ ”ملازم دم گر کیٹ۔“ اس سوال و جواب کے بعد آہنی زنجیروں کی آواز آئی۔ جس سے نوجوان مسافر کو جو فوجی ستر پر رکھتا تھا معلوم ہوا کہ بڑے بڑے خاردار آہنی دروازے کھولے گئے ہیں۔ سختے کے پہلے اٹھائے گئے اور کسی قلعہ کے عظیم الشان پھاٹک کھولے گئے ہیں۔ درحقیقت ایسا ہی عمل میں آیا غرض نوجوان کو اُس قلعہ کے اندر لے گئے۔ اور کسی جگہ پر کھڑا کیا۔

ایک آواز۔ ”آنکھوں کی پٹی کھول دو!“ یہ صدا کسی شخص کی تھی جس سے نوجوان

واقف تھا۔ لیکن اسوقت اسکے خیالات نہایت منتشر و پراگندہ تھے۔ کیونکہ شب گذشتہ کا واقعہ یعنی وہ مخفی سفر۔ اور پھر اس بات کی لاعلمی کہ اب میں کہاں ہوں۔ اور اس عدالت کے اختیارات کا خیال جسکے روبرو اُسے حاضر ہونا تھا۔ یہ وہ باتیں ہیں کہ کیسا ہی دلیر شخص کیوں نہ ہو ضرور ہمت ہار دیگا۔ پس اگر نوجوان بھی پست ہمت ہو گیا تھا تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ جب بیٹی آنکھوں سے غلجہ کی گئی تو اُسے اپنے آپ کو ایک وسیع کمرے میں پایا۔ جو عدالت گاہ کے طور پر سجایا گیا تھا کمرے کے ایک طرف تخت کے چوتھے پر مچلی شامیانے کے نیچے ایک تخت رکھا ہوا تھا۔ اور اس عالی رتبہ مقام پر فرمائی یعنی میر مجلس بیٹھا تھا۔ اُسکا لباس نہایت شاندار اور قیمتی تھا۔ جیسے اُس زمانے کے امرا پہنا کرتے تھے۔

اگرچہ نوجوان پریشان خاطر ہو رہا تھا۔ مگر دیکھتے ہی پہچان گیا کہ یہ وہی پادری ہی جو مہمانسرایین مجھے ملا تھا۔ تخت کے نیچے والے دائرے کے نصف حصہ میں کرسیاں بچھی تھیں۔ اور انپر دم گرکٹ کے ممبر برہنہ سر اور بے ہتھیار بیٹھے ہوئے تھے۔ سکرہ خوب روشن کیا گیا تھا۔ اور اطراف کے محرابوں میں بزرگوں کی تصویریں نصب تھیں۔ میر مجلس عدالت۔ ”خاموش!“ اسی طرح تین مرتبہ پکارا۔ کرنے بھر میں ایسی خاموشی جھا گئی کہ گویا وہ آدمیوں سے خالی تھا۔ میر مجلس نے تھوڑے تو قف کے بعد کہا۔ ”وہ شخص جو بلوایا گیا ہو روبرو آئے!“

نوجوان مسافر۔ (آگے بڑھ کر) ”ارشاد! میں یہیں ہوں۔“

میر مجلس۔ ”تو کس غرض سے یہاں آیا ہو؟“

نوجوان۔ (جس میں اُسکی ذاتی دلیری پھر آگئی تھی) ”آپ کے طلب نامہ کی اطاعت کے لیے حاضر ہوا۔“

میر مجلس۔ ”تو اس عدالت کے اختیارات سے واقف ہو یا نہیں؟“

نوجوان۔ ”ہاں میں اچھی طرح واقف ہوں۔“

میر مجلس۔ ”کیا تو اس عدالت کے احکام۔ اور اسکی کارروائیوں سے نفرت رکھتا ہے؟“

(اس بات کا نوجوان نے کچھ جواب نہ دیا)

”ہم تجھے بہت جلد دکھا دینگے کہ ہماری عدالت شائستہ ہے یا گمراہ ہے۔ اچھا! تیرا نام

کیا ہے؟“

نوجوان۔ ”آپ مجھے اچھی طرح جانتے ہیں۔ ورنہ کیوں مجھے یہاں کھینچوا منگلے؟“

میر مجلس۔ ”صرف ہمارے سوال کا جواب دے! دوسری باتوں سے ہمیں سروکار نہیں

ہے تیرا نام کیا ہے؟“

نوجوان۔ ”میں ویانا کا رہنے والا ہوں میرا نام ”چارلس ہامیل“ ہے۔ اس حکمنامے

کو دیکھیے (دکھلا کر)۔“

میر مجلس۔ ”صرف ویانا کا ایک باشندہ ہے؟ خیر وہی جواب ہمارے پاس مناسب ہے کیونکہ

ویم گرگٹ کے نزدیک اونے والے سب مساوی ہیں تو کمان جانے کا عزم رکھتا ہے؟“

نوجوان۔ ”لارڈ روزنٹل کے قلعہ کو۔“

میر مجلس۔ ”تجھے معلوم ہے کہ تو کیلئے یہاں بلوایا گیا ہے؟“

ہامیل۔ ”جی نہیں۔ میں بالکل اس امر سے آگاہ نہیں ہوں۔“

میر مجلس۔ ”اس کاغذ کو پڑھ!۔“ ملازم عدالت نے ایک کاغذ ہامیل کے ہاتھ میں دیا

ہامیل کاغذ لیکر نہایت غور اور شوق سے پڑھنے لگا۔ اسکا چہرہ کبھی سرخ اور کبھی سفید

ہو جاتا تھا۔ پندرہ منٹ کے عرصہ میں اسنے کاغذ کو ختم کیا۔ اور کمال برہمی سے زمین

پر پھینک کے جج سے کہا۔ ”ہاں میں پڑھ چکا۔“

میر مجلس۔ ”اُس پر دستخط کر دے۔“

ہامیل۔ ”اگر نہ کروں تو کیا ہو گا؟“



میر مجلس۔ (سجیدگی سے) ”جان دینا پڑیگی!“

امیل۔ (سیدھا ہو کر بیخوف طریقے سے) ”تمہیں معلوم ہو کہ تم کسکو دھمکا رہے ہو؟  
رکسلی جان کو رنج دینا چاہتے ہو؟

میر مجلس۔ (بے پروائی سے) ”ہاں۔ ہم سب جانتے ہیں۔ ہم کسی سے عاجزی و نجات  
مین کرتے۔ ہمارا عہدہ فقط حکومت کرنے کا ہے۔ پھر بھی جو مین اس عدالت کا فرمی کونٹ  
میر مجلس) ہوں۔ تجھے خیر خواہانہ طور پر کہتا ہوں کہ تو ان شرائط کو قبول کر لے۔ جو اس  
غذ پر مندرج ہیں۔ اور جنہیں حقارت کے ساتھ تو نے ابھی پھینک دیا۔“

امیل۔ (دلیری سے) ”مین ہرگز قبول نہ کروں گا۔“

میر مجلس۔ ”اگر نہ قبول کریگا تو تجھ پر عدالت کے احکام جاری ہو جائینگے۔ دیکھ باغور کر!۔  
امیل۔ ”مجھے غور کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ تم ہی سوچو کہ ایسی مردم آزاری جائز رکھو گے  
در ظلم کیے جاؤ گے تو روم و جرمن کے باشندوں مین ہر شخص تم سے انتقام لینے پر آمادہ ہو جائیگا۔“  
میر مجلس۔ (غضبناک ہو کر) ”سرکش لڑکے! اپنے ساتھ سختی کا برتاؤ کرنے پر مجھے مجبور کیے  
یتا ہو؟ اور اپنی ہٹ سے باز نہیں آتا؟ ضرور ہوا کہ تجھ پر فتوے جاری کیا جائے۔“ یہ کہہ  
میر مجلس نے تھوڑی دیر تامل کیا تاکہ امیل غور کرے اور اپنی ضد سے باز آئے۔ مگر امیل  
ناموش اور اپنی معمولی علو ہمتی سے کھڑا رہا۔ تمام حاضرین کی نظرین نوجوان امیل پر پڑ رہی  
تھیں۔ سب کے سب تیز نگاہوں سے اُسی کو گھور رہے تھے۔ میر مجلس نے یہ فتوے دیا۔

”ایک شخص پر جب کا نام امیل ہو میرے پاس ناش کی گئی۔ اور اسکی تحقیقات بھی  
بخوبی ہوئی۔ چونکہ وہ اس سلطنت کی بہبودی کے جانے سے مطلق بے پروا ہو۔ لہذا چند  
شرطوں کے قبول کرنے سے جو اسکے سامنے پیش کی گئیں انکار کرتا ہو۔ اور وہ شخص کچھ اس  
عاش کا ہو کہ نہ اُسے عزت کی پاسداری ہو اور نہ انصاف کی۔ اور چونکہ وہ اس سلطنت کی  
قدس عدالت عالیہ سے متنفذ ہو۔ اسلیے مین حکم دیتا ہوں کہ وہ مردود ہو۔ امن۔ انصاف

آزادی کے قابل نہیں۔ اور اُن چاروں عناصر کے بھی لائق نہیں جس سے خداوند عالم اسکا جسم بنایا ہو۔ اسکو ابھی پھانسی دیدی جائے۔ اور اسکا جسم دفن نہ ہو۔ بلکہ گوشت اور کھانے کی طرح ذرا غن ہو۔ مگر اسکی روح میں خدا کو سو پتا ہوں۔ بشرطیکہ وہ قبول کرے۔“

یہ ہولناک فتوے جاری کرنے کے بعد میر مجلس نے ایک رسی اپنے پیچھے سے اٹھا کر اُن لوگوں کی طرف پھینکی جو اُسکے روبرو بیٹھے ہوئے تھے۔ ہامیل مطلق ہراسان نہ تھا۔ وہ ایسا ہی دلیرانہ کھڑا تھا۔ جیسے ایک بہادر شخص کو ہونا چاہیے۔ چھ ملازم آگے بڑھے۔ ایک نے رسی اٹھالی۔ اور باقی پانچوں نے قیدی کو پکڑ لیا۔

میر مجلس۔ (اُن ملازمین سے) ”میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ اس مجرم کو جھگل میں لے جا کر اس ساعت پھانسی دیدو اور اُس درخت پر جس پر یہ لٹکایا جاتا ہے ہمارا نشان استادہ کر دو۔ تاکہ لوگ سمجھیں کہ اسے ڈاکوؤں یا لٹیروں نے نہیں مارا۔ بلکہ یہ اس مقدس عدالت کا مجرم ہے۔“

ہامیل۔ (بہ آواز بلند) ”میں اس ناراست اور ظالمانہ فتوے پر تمام قوانین ارضی و سماوی کی رو سے اعتراض کر سکتا ہوں۔ اور خدا سے التجا کرتا ہوں کہ اگر کوئی جوان مرد بیان ہو تو اس مقدمے کی اطلاع۔۔۔“

میر مجلس (جوش سے) ”حاموش ہوو۔ کیا تجھے نہیں معلوم کہ اس انجمن کے اراکین بیان کی کیفیت کسی کے روبرو کہ نہیں سکتے؟ گو اُنکے اقربا ہی سے کسی پر یہ فتویٰ کیوں نہ جاری کیا جائے۔“ (ملازمین سے) ”اسکو بیان سے لے جاؤ۔“

ملازمان عدالت نو جوان ہامیل کو ساتھ لیکر چلے۔ مگر اسکی آنکھوں پر اب پٹی نہیں باندھی گئی تھی۔ کیونکہ وہ غرقِ مرنے والا تھا۔ اگر اُسکو اُن مقامات سے واقفیت ہو بھی تو کوئی مضائقہ کی بات نہ تھی۔ مگر ہامیل کے دلیر اسوقت ایک ایسی اُداسی چھائی ہوئی تھی کہ اسکو اُن عمارات اور دھچپ مقاموں کے دیکھنے کی ذرا بھی خواہش نہ ہوئی۔ چھ آدمی ننگی تلواریں لیے اُسکے گرد تھے۔ اور وہ اپنی تقدیر پر راضی اور شاکر چپ چاپ چلا جا رہا تھا۔

چاندنی رات تھی۔ ستارے آسمان پر اس طرح چمکتے تھے کہ گویا نیلگوں مچلی شامیانے میں ہیرے  
 بک رہے ہیں۔ جو شخص اس جماعت کا سب کے آگے آگے جا رہا تھا اسکے ہاتھ میں ایک  
 شعل تھی۔ جبکی دھیمی روشنی جو طرف نہ پڑتی تھی۔ اور کبھی کبھی اسکا دھوان پیچھے آنے والوں کے  
 چہروں پر آتا تھا۔ آخر کار وہ اس بیابان سے گذر کر ایک کھلے میدان میں آئے۔ جہاں ایک  
 گرجا بنا تھا۔ یہاں اُس جماعت کے سردار نے ہامیل کو مخاطب کیا۔ اور ایک درخت کو دکھا کر  
 کہا کہ بیڑے مرنے کی ہی جگہ ہو۔ اور اُس مقام پر (گرجا کی طرف اشارہ کر کے) تو اپنے آخرت  
 کی عبادت کر سکتا ہو ہامیل نے اُسکا کچھ جواب نہ دیا۔ ثابت قدمی کے ساتھ گرجا کے آگے گیا۔  
 اور اطمینان سے خدا کی عبادت میں مشغول ہوا چند منٹ کے بعد اُٹھا۔ اور اُن لوگوں سے  
 کہا: ”اب میں تیار ہوں۔“ افسر اسکی دلیری اور اولوالعزمی پر عیش عیش کرنے لگا خیرت  
 سے رہتی باندھی گئی۔ ایک شخص نے ہامیل کے گلے میں پھانسی ڈالی۔ اور دوسرے نے  
 اسکی مشکین باندھیں۔ نوجوان ہامیل نے کوئی کلمہ نہ بان سے نہ نکالا۔ صرف خدا سے لو لگا  
 کھڑا تھا۔ جب تمام سامان مہیا ہو چکا۔ تو اُس جماعت سے دو شخص نوجوان کو اوپر کھینچنے کیلئے  
 آگے بڑھے ہی تھے کہ ایک بلند وبالا آدمی سیاہ لباس پہنے یکا یک اُس مقام پر آ موجود ہوا۔  
 اور اُن لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر حکومتانہ لہجے سے کہا: ”تم اپنے قیدی کو رہا کرو۔“ اور  
 آپ اپنی تلوار کھینچ کر اُس رسی کو جو درخت اور نوجوان کے گلے سے بندھی ہوئی تھی ایک ہی  
 وار میں کاٹ دیا۔ عدالتی گروہ کے افسر نے برہم ہو کر اپنے ہمراہیوں سے کہا: ”اسکو پکڑ لو  
 تاکہ عدالت دم کے فیصلوں میں مداخلت کرنے کا فرا جکھایا جائے۔“ دیکھو! جانے نہ پایا!۔  
 دو شخص نوجوان کو پکڑے کھڑے رہے۔ اور باقی اُس اجنبی کو پکڑنے کی غرض سے دوڑے۔  
 اجنبی۔ (حقارت سے) بد لحاظ احمقو! تم جانتے ہو میں کون ہوں؟ بس میں ٹھہرے رہو۔“  
 نوجوان ڈر کر مہا داس نیک نفس اجنبی پر اُس کارروائی کے سبب کوئی آفت نہ آنے  
 اسکی آواز ہی سے سب کے سب اس درجہ خائف ہو گئے کہ انکے ہتھیار خود بخود زمین پر گر پڑے۔

مشعل بھی گر گئی۔ لیکن برابر جل رہی تھی۔ اجنبی شخص سہولت کے ساتھ ہامیل کے قریب آیا اور ان دونوں شخصوں کو جو اسے سنبھالے کھڑے تھے ڈھکیل کر تلوار سے بند کاٹ ڈالے۔ اور کہا۔ ”میرے ہمراہ چلو۔“ اس شخص کو نہ کسی کے تعاقب کرنے کا اندیشہ تھا نہ کسی کے مزاحم ہونے کا خوف۔ آہستہ آہستہ بے خوف و ہراس آگے آگے چلنے لگا۔ ہامیل گھبراہٹ کے ساتھ اس کے پیچھے ہو لیا۔ ملازمان عدالت بے حس و حرکت اُسی جگہ کھڑے کے کھڑے ہی رہ گئے۔ اُس گری ہوئی مشعل کی روشنی سے جو انکے چہروں پر پڑ رہی تھی ہامیل نے دریافت کیا کہ انکے چہروں سے خوف اور تعجب ظاہر ہو رہا ہے۔

ہامیل۔ (اجنبی سے) ”ہم کو اپنی رفتار اور تیز کرنا مناسب ہے۔ کیونکہ ابھی وہ لوگ تعاقب کر سکتے ہیں!“

اجنبی۔ ”ہر انسان نہ ہو۔ اگر ایک لشکر عظیم بھی تمہارا تعاقب کرے تو جب تک کہ میرے ہمراہ ہو سلامت رہو گے۔ ہامیل نے (جو اپنی رہائی کے وقت اس شخص کی ہمت اور استقلال دیکھ چکا تھا) یہ بات بالکل یقین کر لی اور سمجھا کہ یہ اجنبی عدالت و قہر کا کوئی ذی رتبہ افسر ہو گا۔ جسے چند نامعلوم اسباب کے پیش آنے سے میری رہائی کی۔ پھر بھی جب اُس بیابان میں اُسکے ہمراہ تنہا جا رہا تھا تو ہامیل کے دل میں ایک دشت سی پیدا ہو گئی اور اسی سبب وہ اُس اجنبی سے گفتگو بھی کر سکتا تھا۔ اور وہ بھی خاموشی کے ساتھ جا رہا تھا تھوڑی ہی دیر میں ان دونوں نے بیابان کو طوق کر دیا۔ اور ہامیل کو موضع کبرگ قریب تر ہی نظر آیا۔ جسکے گھروں کی چھتوں پر چاندنی پڑ رہی تھی۔ جب گائون کے قریب پہنچے تو اجنبی شخص نے ہامیل کی طرف پھر کے کہا ”یہیں ٹھہرے رہو میں تمہارا گھوڑا لے آتا ہوں“ یہ کہہ جانے پر مستعد ہوا۔ اور ایک آن واحد میں نظروں سے غائب ہو گیا۔ ہامیل نے اب تک اسکا چہرہ نہ دیکھا تھا کیونکہ وہ اپنے منہ کو چھپائے ہوئے تھا۔ جب وہ چلا گیا۔ تو اُسکے دل پر تنہائی کی وجہ خوف طاری ہو گیا۔ ہزاروں دشت انگیز خیالات آنے لگے۔ گو وہ موت سے نہ ڈرا۔ مگر خوف ہی تھا کہ افسران عدالت پھر

رفتار نہ کر لیں۔ اور اُسکو اس امر کے معلوم کرنے کے لیے بھی تشویش تھی کہ وہ اجنبی کون ہو جس نے مجھے اس جرأت کے ساتھ موت کے پنجے سے چھڑا کر یہاں تک پہنچا یا غرض انہیں خیالات نے اُسکے مزاج کو زیادہ پریشان کر دیا۔ اسی عالم میں اُس نے خیال کیا کہ ابھی بھاگ کر قلعہ روزنتل میں جا پہنچوں۔ جہاں اس حاصل ہونے کا پورا یقین ہو۔ مگر ساتھ ہی یہ بات بھی یاد آگئی کہ لارڈ روزنتل کے نام اپنے ہمراہ جو خط لایا تھا وہ زین کے ساتھ اسی مہمانسرا میں لگیا۔ جہاں قید ہونے کے پیشتر اُترا تھا۔ نوجوان ہامیل انہیں خیالات میں مستغرق کھڑا تھا کہ گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز آئی اور دوہی چارمنٹ کے بعد اُسکا مخفی مخلصی دہندہ گھوڑا دوڑا تا ہوا پہنچا۔ وہ خود ایک کالے قد اور قوی گھوڑے پر سوار تھا۔ اور ہامیل کے گھوڑے کی جوابت سندرست ہو گیا تھا باگ پکڑے ہوئے آیا۔ اور کہا ”سوار ہو جیے“ ہامیل نے خوشی کے ساتھ اس حکم کی تعمیل کی۔ اور سوار ہونے کے بعد اُسکو اس امر سے نہایت درجہ حیرت ہوئی کہ کپڑوں کی گٹھری وغیرہ بجنسہ رکھی تھی گویا کسی نے اُسکو ساتھ ہی نہیں لگایا۔

ہامیل (خوشی سے) ”میرے ملبوسات و کاغذات بھی موجود ہیں“  
 اجنبی: ”جی ہاں! میں سمجھتا ہوں کہ آپ کی کوئی چیز وہاں چھوٹ نہیں گئی۔“  
 ہامیل: ”ایک طبع شخص! تم کون ہو جو میرے حال بار پر ہندو رحم کرتے ہو۔ اور یہ کہو کہ میں اس نام سے تمہارا شکریہ ادا کروں؟“

اجنبی: ”دوسری دفعہ کی ملاقات میں کل کیفیت تم سے کہی جائیگی۔“  
 ہامیل: ”(جوش میں آکر) ”تو ہم بھر ملیں گے؟ کہاں؟“

اجنبی: ”قلعہ روزنتل میں تم وہیں جانے والے ہو نہ؟ راستہ بالکل سیدھا ہے۔ ہرگز ڈر نہ نہیں اب تمہیں کسی سے کچھ تکلیف نہ پہنچے گی۔ تم اچھی طرح امن کی حالت میں ہو۔ جسکی تمہیں پورے طور پر ہنوز خبر نہیں۔ آج کے ساتویں دن قلعہ روزنتل میں ایک عظیم الشان جشن ہونے والا ہے۔ میں وہاں آؤں گا۔“

یہ الفاظ کہہ کر معاً اپنے برق دم گھوڑے کو چپکایا اور چشم زدن میں سوار اور گھوڑا دونوں کے دونوں بگولے کی طرح نظروں سے غائب ہو گئے۔

## تیسرا باب

### قلعہ روزنتل

امیر روزنتل کا عالی شان قلعہ شہر دشن برگ کے قریب ایک ٹیکرے پر واقع تھا جیسا کہ پیشتر بیان ہو چکا ہو وہ اُن شکستہ عمارات سے ایک تھا جنکے اُجڑے نشان آج تک جرمنی کی بڑی بڑی ندیوں کے کنارے والی ٹیکریوں سے کسی باریک بین مسافر کو اُن پر اپنے جاگیرداروں کی شوکت و عظمت کو یاد دلاتے ہیں۔ قلعہ روزنتل دو فرلانگ مربع تھا۔ اور اُسکی فصیلوں کے اندر ایک نہایت سرسبز شہر آباد تھا۔ اور وہ اس مضبوطی اور استواری سے باندھا گیا تھا کہ ضرورت کے وقت ایک مدت کے محاصرے کا تحمل ہو سکے۔ اسی بنا پر قلعہ کے مختلف اندرونی مقامات میں غلہ خانے، سلاح خانے اور بارکس وغیرہ بنائے گئے تھے جس میں ایک ہزار پانچ سال بھر تک بغیر قلعہ میں و خجالت کے زندگی بسر کر سکیں۔ لارڈ روزنتل ایک باحشمت صاحبِ جہوت امیر تھا۔ اُسکی جاگیر میں وسیع زمینیں۔ اُسکے تابعین بہت تھے۔ خزانہ معمور تھا۔ اُسکی عظمت و شان کا اندازہ اسی سے ظاہر ہو کہ اُسکی بیٹی تریزا شاد ما کسی قلعہ کے ہمشیر اور لیبولڈ سے ایام طفولیت ہی میں منسوب ہو چکی تھی۔ مگر لارڈ روزنتل کو ایک امر ہمیشہ کے لیے باعثِ رنج رہا۔ وہ یہ کہ انیس ڈارٹ کا کونٹے مانفریڈ جو روزنتل کی طرح جرمنی کا ایک ہی چہ امیر تھا۔ اُسکے ساتھ کمالِ عداوت رکھتا تھا۔ مخالفت کی یہ وجہ تھی کہ کونٹے مانفریڈ نے ماہِ جبین تریزا کے ساتھ شادی کا پیغام بھیجا۔ مگر چونکہ مانفریڈ کی عمر پچاس برس سے متجاوز ہو گئی تھی سو اس کے تریزا پہلے ہی سے لیبولڈ کے ساتھ منسوب ہو چکی تھی۔ لیبولڈ اس کا پیغام ناقابلِ قبول ٹھہرا۔ اور رد کر دیا گیا۔ اُس تاریخ (ہمارا مہ شروع ہونے کے دو سال پیشتر)



سے کونٹ مانفریڈ لارڈ روزنٹل سے سخت عداوت و بغض رکھتا تھا۔ اور چونکہ ان مراکی سرحدیں ایک دوسرے سے ملی ہوئی تھیں لہذا رعایا میں آگے دن جھگڑے و فسادات برپا ہوا کرتے تھے۔ اور فریاد یوں اور چارہ سازیوں کا بازار دونوں جانب گرم تھا۔ اس صورت میں باشندگان شہروٹن برگ پر کوئی دن ایسا نہ گذرتا تھا جس میں وہ ان دونوں امیروں میں بر ملا جنگ چھڑنے کا اندیشہ نہ کر سکتے تھے۔

لارڈ روزنٹل کی بی بی تریزا کے پیدا ہونے کے تھوڑے ہی دن بعد فوت ہو گئی تھی مگر لارڈ نے دوسری شادی کرنے کا مطلق خیال نہ کیا۔ اس لیے کہ اُسکو اپنی پیاری اکلوتی بیٹی تریزا سے کمال محبت تھی اور چاہتا تھا کہ اپنے بعد کل جائیداد کی مالک وہی قرار دی جائے اور یہ بھی سمجھے ہوئے تھا کہ اس تمول اور جاہ و شہرت کے سبب تریزا کی عظمت اُسکی ذی شان مرد کی نظروں میں بڑھ جائیگی۔ ہم اپنے قصے کو مکرر شروع کرنے کے قبل اتنا کہہ دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ تریزا اور اُسکے منسوب شوہر دونوں نے باہم ایک دوسرے کو نہ دیکھا تھا۔ اور لارڈ روزنٹل کو بھی اپنے داماد کے دیکھنے کا صرف ایک ہی دفعہ اتفاق ہوا تھا اور اس وقت اسکی عمر صرف چھ سال کی تھی۔ پس جب یہ قصہ شروع ہوا اس وقت واقعات اس طرح پر تھے۔

اب ناظرین تصور کر لیں کہ حور و شہ تریزا اپنے باپ کے عالی شان رفعت نامحسوسرا کے ایک خوبصورت اور وسیع کمرے میں بیٹھی ہوئی زردوزی میں مصروف تھی۔ اسکی دونوں صہبن بیٹیاں اور میر یا قریب والی رومی چوکیوں پر بیٹھی چرخہ کات رہی تھیں۔ جو اُس زمانے کے اعلیٰ خواصوں کا عمدہ مشغلہ تھا۔ تریزا کا حسن و جمال درجہ کمال سے متجاوز تھا۔ اسکا اونچا مذہر قسم کے عیب سے پاک تھا۔ اُسکی کمر تپتی تھی۔ چال میں اسقدر نزاکت تھی کہ وقت رفتہ لڑا ایک پھول بھی زیر قدم آجاتا تو مسلمانہ جاتا تھا۔ گیسوے پر خم کی لڑیاں اُسکے صاف اور لربا چہرے کے حسن کو اسقدر ترقی دیتی تھیں کہ دیکھنے والا کیا ہی سخت دل کیوں نہ ہو۔ ضرور بے خود ہو جائیگا۔ با اینہم اُسکا حسن کچھ ایسا دلکش و فریب اور شاندار نہ تھا۔



مگر مجھے معلوم ہوتا ہے کہ فوسٹ ہنوز زندہ ہے۔ اور میری محبت اسکے دل میں باقی ہے۔ مگر مجھے خبر ہے کہ اسکی خبر نہج تک کس طرح پہونچی۔ تمہیں یاد ہوگا جو اُس دن مجھے یکایک خبر ملی کہ فوسٹ چند جرائم کے سبب چھ ماہ تک قید میں رکھا گیا۔ اور اُس پر موت کا فتوے جاری کیا گیا۔ وہ کبھی صبح حسین اُس جان کے لینے کے لیے دار کا اسباب تیار کیا جانے لگا۔ جسکو بچانے کا کاش میں نے اپنی جان دی ہوتی۔“

میریا۔ ”تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو ہنوز اُس نوجوان کے ساتھ کمال محبت ہے۔“  
 ترنیرا۔ ”ہاں! تو جانتی ہے کہ میں اُس سے کس قدر الفت رکھتی ہوں۔؟ ایک دن میرے خاص کمرے میں صفہ پر بیٹھی اُسی کی تصویر دیکھ رہی تھی (ایڈاسے مخاطب ہو کر) وہی تصویر اٹھا کر تیرے بھائی نے کھینچی تھی اور جسکی خبر فوسٹ کو نہ تھی۔ غرض اُس شبیہ کو میں حسرت اور محبت سے دیکھ رہی تھی۔ اور دعا کر رہی تھی کہ خدایا اسکے اصل سے جلد ملا دے۔ اسوقت ایک عجیب و غریب آواز آئی۔ ایک مجھے اس طرح معلوم ہوا کہ فوسٹ مجھے دور سے دیکھ رہا ہے اور ہم دونوں ایک دوسرے سے اپنا عشق ظاہر کر رہے ہیں۔ مگر یہ سب چند ہی منٹ کے بعد موقوف ہو گیا مجھے یقین ہے کہ یہ میرا خیال خام تھا۔“

ایڈا۔ ”مگر ہم یہ واقعہ عجیب و غریب معلوم ہوتا ہے۔“

میریا۔ ”ہاں بہت ہی عجیب!!!“

ترنیرا۔ ”افسوس وہ پیارے خیالات آبا جان کے کمرے میں داخل ہوتے ہی محو ہو گئے۔ اندر آئے اور یہ خبر بد سنائی کہ فوسٹ عنقریب مرنے والا ہے۔ اور دار کا کل اسباب مہیا ہو گیا ہے۔ آہ! اس جگر مور حالت میں جب میں نے اُسے الزاما کہا کہ اُس سارے فتنہ و فساد کے بانی آپ ہی ہیں“ تو انھوں نے کمال برہمی کے ساتھ اُس امر کا انکار کیا۔ اور میں بیہوش ہو کر اُنکے قدموں پر گر پڑی۔“

ایڈا۔ ”تب ہی انھوں نے ہلکو بلوایا۔ اور ہم نے آپ کو اٹھا کر کوچ پر لٹا دیا۔ جہاں آپ چلے

ہنٹے تک بے حس و حرکت لیٹی رہیں۔

رینا۔ مان جب میں بیدار ہوئی اور متنے یہ خوشخبری سنائی کہ ”فوسٹ سچ کر بھاگ گیا۔ اور یہ سیکو نہیں معلوم کہ وہ کیونکر چلے یا اسوقت میں کس درجہ مسرور ہوئی تھی۔“  
 بڑا۔ ”مگر یہ بات سب کو حیرت میں ڈال رہی ہو کہ فوسٹ کس طرح نکل بھاگا۔“  
 میرا۔ ”میں نے سنا ہو کہ افسران سرکاری نے بھی اس بارے میں کچھ دریافت کرنے کی کوشش نہ کی۔“

رینا۔ ”اُس وحشت ناک واقعہ کو گزرے کامل دو ہفتے ہو گئے۔ مگر اب تک میں اُسکو نہ دیکھ سکی۔“  
 بڑا۔ ”نہایت تعجب کی بات ہو کہ وہ اسی شہر میں رہے کئی آدمیوں نے اُس سے ملکر بات چیت کی مگر سرکاری لوگ اُسکو کسی قسم کی اذیت نہ دے سکے۔“

رینا۔ (تیزی سے) ”خدا کا ہزار ہزار شکر کہ وہ ہر طرح کی تکلیف سے نڈر ہو۔“  
 جب اس طرح کی گفتگو ان تینوں لڑکیوں میں نہایت سرگرمی کے ساتھ ہو رہی تھی اسوقت ایک ایسی واردات ہوئی جس سے اُنکے دلوں میں بہت بڑا اندیشہ پیدا ہو گیا۔“

## چوتھا باب

### حملہ

جب لیڈی تریزا اور اُسکی خواصین بات چیت میں مصروف تھیں تو یکایک ایک مسلح شخص کمرے کے اندر آیا اور کہنے لگا ”لیڈی صاحبہ! میری اس مداخلت کو معاف فرمائیے گا۔ میں آپ کے نازک کانون کے لیے غمناک خبر لایا ہوں۔“

رینا۔ (جمجمک کر) ”وہ کیا خبر ہو؟ ڈیونڈ جلد بیان کر (یہ مسلح شخص ڈیونڈ نامے قلعہ برٹل کے نگہبان گارڈ کا پتلا تھا اور اُسکی پریشانی دسرا سیگی تریزا اور اُسکی خواصینوں پر منتشر و بدحواس کیے دیتی تھی)۔“

ڈیونڈ۔ ”آپ اُس استحکم عمارت میں تشریف لے جائیے۔ کیونکہ چند ہی منٹ میں فسیلون پر آتش برستی ہوگی۔ اور اگر دشمن کے فوج کی ایک گولی اس کمرے میں بھی آجائے تو عجیب تریزا۔ (اضطراب سے) ”دشمن! ”کون دشمن؟“

ڈیونڈ۔ ”لیڈی صاحبہ! خوف نہ کیجیے۔ کونٹ مانفریڈ ایک فوج عظیم کے ساتھ ہمارے ملک پر بورش کرنے والا ہے۔ آپ اُس عمارت میں چلی جائیے وہاں آپ کے لیے کوئی خوف نہیں۔“

تریزا۔ (ڈیونڈ کا ہاتھ پکڑ کر) ”ابا جان کہاں ہیں؟“

ڈیونڈ۔ ”وہ فسیلون پر قلعہ کے بچاؤ کی تیاریوں میں مشغول ہیں۔ اور مجھے آپ کی مدد میں یہ پیام پہنچانے کے لیے روانہ کیا ہے۔ نوجوان ہامیل بھی وہیں ہے اور اس کام میں مدد کرنے پر دلی جوش سے عازم ہے۔“

ڈیونڈ نے یہ لکڑی سرخڑ جھکایا۔ اور روانہ ہوا۔ جاتے ہوئے اس کی تلوار کی آواز جو کمرے نیچے لٹک رہی تھی ان تینوں لڑکیوں کو ایک شگون بد کی طرح سنائی دینے لگی۔

تریزا نے اپنے باپ کے حکم کے موافق اُس محفوظ مقام پر جانے میں دیر نہ کی۔ اس اثنا میں ایک ایلیچی سفید نشان لیے ہوئے قلعہ روزنتل کے دروازے پر آیا۔ اور لارڈ روزنتل سے گفتگو کرنی چاہی۔ لارڈ مع ہامیل اُس مینار پر رونق افروز ہوا جبکہ نیچے ایلیچی کھڑا تھا۔

روزنتل۔ ”تو مجھے کیا چاہتا ہے؟“

ایلیچی۔ ”میں عالیجاہ کونٹ مانفریڈ کی طرف سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ ایک شخص ہامیل نام جو اس قلعہ میں پناہ گزین ہے۔ میرے ہمراہ بہ حفاظت تمام ذی شوکت کونٹ مانفریڈ کے حضور میں روانہ کر دیا جائے۔ اور اس طلبی میں ہمارے بلند مرتبت سردار کو معقول جواب

جنگ کی حالت میں جب ایلیچی دشمن کی فوج میں گفتگو کے لیے جاتا ہے تو سفید نشان اُس کے ہاتھ میں رہتا ہے جو صلح کی نشانی ہے۔

ہیں۔ جنگے اظہار کی ضرورت نہیں۔“

رڈ روزنٹل: ”مسٹر ہامیل نے تمہارے آقا کی گویسی ہی خطا کی ہو۔ مگر اب وہ میرا  
ہمان ہو۔ اور آئین ممانداری کی رو سے میں اہمکی جان کو اخیر دم تک بچانے کی کوشش  
کر دوں گا۔ تم اپنے سرکش سردار سے میرا یہ پیام کہ دو۔“

ہامیل: ”اگر آپ اس بات پر راضی نہیں ہیں تو میں کونٹ مانفریڈ کے نام سے پکار کر کہتا ہوں  
سکے لیے تیار ہو جائیں۔“

رڈ روزنٹل: ”میں جنگ پر آمادہ ہوں۔“ (ایچی رخصت ہو گیا)

ہامیل: (لارڈ روزنٹل سے) ”خداوند! مجھے یہ بات گوارا نہیں کہ بندگان خدا کا خون میرے لیے  
پایا جائے جو جنگ کا ضروری نتیجہ ہے اور میں آپ سے قسمیہ عرض کرتا ہوں کہ مجھے اس امر سے  
مطلق آگہی نہیں کہ کونٹ مانفریڈ مجھے کیوں عداوت رکھتا ہے؟ کیونکہ میں نے اپنی زندگی بھر  
سکوکھی نہیں دیکھا۔ ہاں ایک پادری سے کونٹ کی نسبت چند امور دریافت کیے تھے۔  
یسکو دوسرے مقام میں بھیس بدلا ہوا پایا۔“

لارڈ روزنٹل: ”خیر۔ مگر اب تم میرے ہمان ہو۔ اور تمہیں اس دنیا ایک ضروری امر کیونکہ  
ہانس نے تمہاری سفارش کی ہے کہ تمام امراے دولت تمہاری تواضع و تکریم کریں۔ اور مجھے ظاہر  
اس بات کا حکم ہے اس صورت میں مجھ پر لازم ہوا کہ اُس شخص کا خیال رکھوں جسے تمہیں  
بے پاس بھیجا ہے۔ مگر اُس جابر مخالف کے حملہ کو روکنے میں تمکو بھی مدد دینا پڑے گی۔“

ہامیل: (اپنی تلوار پر ہاتھ لیجا کر) ”مادم مرگ میں آپ کی مدد کرنے میں کوتاہی نہ کروں گا۔“  
رڈ روزنٹل: ”تمہاری دلیری و جوانمردی بیکار نہ جائیگی۔“ لارڈ ڈنڈ کو رنوجوان ہامیل سے  
تکو کرنے کے لیے کسی جاٹھرا نہیں بلکہ فسیلون پر نہایت مسرت و تجربہ کاری کے ساتھ  
کام جاری کرنا پھر اسکی عمر پچاس سال کی تھی۔ اور وہ قوی تن تھا۔ اسکی صورت اور سیرت  
نے سخت و غرور اور سنگدلی کے آثار ظاہر تھے۔ اور خونریزی اسکی نزدیک ایک آسان

بات تھی۔ جسکو وہ سمجھتا تھا کہ اپنے عمدے کا ایک ضروری فرض ہے۔ سر پر ایک چمکدار ٹوپی پہنے تھا جس پر ارغوانی کلفی لگی تھی۔ فولادی زرہ زیب تن تھی۔ کمر میں ایک بیش قیمت تلوار اور ہاتھ میں بندوق تھی۔

لارڈ روزنٹل۔ (کپتان ڈیونڈ سے) ”کیا کیا تیاریاں ہیں؟“  
ڈیونڈ۔ ”پیر و مرشد!۔ ملاحظہ فرمائیے۔ بیس عمدہ توپیں اس رخ پر لگی ہوئی ہیں جدھر سے دشمن حملہ کرنے والا ہو۔ اور دوسرے ناکے پر بھی بخوبی حفاظت کی گئی ہو۔“  
لارڈ روزنٹل۔ ”تم نے کتنے آدمی جمع کیے ہیں؟“

ڈیونڈ۔ ”فی الحال تین سو سات یہاں ہیں۔ اور شہر سے بہت سپاہی آنے والے ہیں۔ آپ کے تمام محکوم سرداروں کو حکم بھیج دیا گیا ہے کہ اپنی اپنی فوج ہمراہ لیکر جلد آئیں۔“  
لارڈ۔ ”یہ سب کچھ ٹھیک ہے۔ مگر دشمن کے فوج کی تعداد بھی معلوم کیجئے؟“  
ڈیونڈ۔ ”وہ شخص جو پہلے پہل اس فوج کی آمد کی خبر لایا کرتا تھا کہ کل نو سو جنگ آزمودہ سپاہی ہیں اور دوسری ایک خبر سے معلوم ہوا کہ پورے ہزار آدمی ہیں۔“

لارڈ۔ ”انکی فوج کی زیادتی کا پتہ ان خوف کسکو ہے؟ مجھے اس بات سے کمال خوشی ہوئی کہ کونٹ مافرڈ کے ساتھ بر ملا جنگ کی ٹھہری یہ آئے دن کے جھگڑوں سے میں بے تنگ ہو رہا تھا۔“  
لارڈ روزنٹل اور کپتان ڈیونڈ اسی گفتگو میں تھے کہ دشمن کی فوج دور سے نظر آئی۔ کونٹ مافرڈ خود فوج کے ہمراہ تھا۔ ڈیونڈ نے دشمن کے حرکات کو بخور دیکھنے کے لیے کسی قدر کھینچ لیا۔ اور آخر جب غنیم کی فوج کا رخ قلعہ روزنٹل کی طرف پایا تو اپنے سپاہیوں کو حکم دیا فوراً ہی گولہ اندازوں نے جو فصیلوں پر تیار کھڑے تھے اپنی توپوں سے گولے برسانا شروع کیے۔ دھواں ابر کی طرح بلند ہوا۔ اور بارود کی مہیب آواز سے تمام قلعہ گونج اٹھا۔ توپیں ٹھہر چکی تھیں۔ کیونکہ چند ہی منٹ میں دشمن کی فوج پر پراگندہ چھا گئی۔ لارڈ روزنٹل اطمینان سے کھڑا دیکھ رہا تھا۔ اسوقت کونٹ مافرڈ کے فوج کے

تین بنائی گئیں۔ اور نہایت تیزی کے ساتھ قلعہ کی طرف روانہ ہوئیں۔ دیکھنے سے معلوم ہوا کہ دشمن کا ارادہ قلعہ کے بڑے دروازے پر حملہ آور ہونے کا تھا۔ لارڈ روزنٹل نے اس جانب بے سچاؤ کا حکم دیا حالانکہ قلعہ روزنٹل سے برابر گولہ باری ہوتی رہی۔ مگر دشمن کسی طرح اس پانہ ہوا۔ بلکہ اسی تیزی کے ساتھ بڑھا چلا آتا تھا۔ اس اثنائے کونٹ مالفریڈ نے بھی بٹیکرے پر سے گولہ زنی شروع کی۔ اور آخر جنگ کمال سرگرمی کے ساتھ شروع ہوئی۔ می تن سپاہیوں کی ایک جماعت جسکے ساتھ سٹیرھیان تھیں۔ قلعہ پر چڑھنے کے بعد سے خندق کے اس جانب آپہنچی۔ اور اس آگ کا بھی خیال نہ کیا جو دیواروں پر سے اس رہی تھیں مجھد قریب پہنچنے کے تختوں کے ذریعے خندق میں اتر کر دیواروں پر چڑھنے کی کوشش کی گئی اور دوسری طرف سے ایک فوج نے سخت حملہ کر دیا۔ ہمارے ناظرین یاد ہو گا کہ لارڈ روزنٹل کے قلعہ میں صرف تین سو فوج تھی۔ اور غنیم کی سپاہ کا شمار ایک ہزار کے تھا۔ اس صورت میں قلعہ کی محافظت کامل طور پر بیہوشانہ ممکن امر تھا۔

اب جنگ نہایت زور شور سے ہو رہی ہو۔ دشمن کے تین شدید حملے روکے گئے ہیں۔ لارڈ روزنٹل۔ ہامیل اور ڈیونڈ داد شجاعت دے رہے ہیں۔ مگر فوج مخالف کی تعداد ہیشا وہ تھی اور انکے گولے لارڈ روزنٹل کی سپاہ پر خوب کامیاب ہوتے رہے۔ عین اس مقامہ دار و گیر میں ایک ایسی افواہ اڑی جس سے روزنٹل کی تمام فوج میں ایک تسک لیا۔ وہ یہ کہ قلعہ کے ایک کونے سے کونٹ مالفریڈ کے چند سپاہی اندر داخل ہوئے اور ڈوکی پیاری بیٹی پر ہی جمال تیز کی گرفتاری کی غرض سے اس مقام پر حملہ کر دیا۔ جہاں من کے ساتھ تھی۔ ایک زخمی سردار لارڈ روزنٹل کے پاس دوڑتا ہوا آیا۔ اور یہ ہو چکی۔

لارڈ روزنٹل۔ میری پیاری بیٹی! (اپنی فوج کی طرف خطاب کر کے) دوڑو اور میری مدد سے زیادہ عزیز بیٹی کی مدد کرو۔ مگر اسکے اس حکم کی تعمیل نہ ہو سکی۔ کیونکہ کپتان یونڈ



منتشر فوج کے فراہم کرنے میں مصروف تھا۔ اور ہامیل اُس جماعت کو روکنے میں سرگرم تھا جو سیڑھیوں کے ذریعے سے قلعہ پر چڑھائی کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اُس ٹکڑی کے چند آدمی تفصیل پر قدم بھاگ چکے تھے۔ اور دوسرے بھی برابر چڑھنے کی کوشش کر رہے تھے ہامیل تنہا اُنکے حلقے کو روک رہا تھا۔ وہ نہایت زخمی ہو چکا تھا۔ اور بدن سے خون بہہ رہا تھا۔ قریب تھا کہ وہ ناتوانی کے سبب غش کھا کر گر پڑے اور قتل کیا جاوے۔ اسے اپنے میں ایک نوجوان جو فوجی لباس پہنے تھا۔ اور جس کے سر پر سفید کلغی لگی ہوئی تھی بچا پاک دیوار پر آہو بچا۔ اور ہامیل پر حملہ کرنے والے سپاہیوں کو اپنی تلوار سے اشارہ کیا کہ ہٹ جاو۔“ اس اشارے کے ساتھ ہی وہ لوگ جو چند منٹ پیشتر نہایت دلیری سے لڑ رہے تھے کچھ اس پر انگنڈگی اور بدحواسی کے ساتھ بھاگے کہ فضیلوں پر سے خندق میں گر کر جانیں دیں۔ اس نوجوان نے جلدی سے دوسری جانب رخ کیا۔ جب وہ اپنی تلوار سے اشارہ کرتا تو کونٹ مانفریڈ کی فوج تتر بتر ہو کر بھاگنے لگتی تھی۔ لارڈ روزنٹل کی سپاہ جو منت منت ہو گئی تھی از سر نو باقاعدہ جمع ہو گئی۔ اور چند ہی منٹ میں فضیلوں کو غنیمت کی فوج سے پاک کر دیا۔ نوجوان نہایت بھاری زرہ پہنے ہوئے اس تیزی کے ساتھ چلتا تھا کہ نہ عساکر روزنٹل اُسکے برابر چل نہ سکتے تھے۔ وہ بڑھا اور برابر اس وقت بڑھے گیا۔ جب تک کہ مغربی حصہ قلعہ کی تفصیل پر نہ پہنچ گیا جو کونٹ مانفریڈ کی فوج کے قبضہ میں آچکا تھا۔ یہ پہنچ کر نوجوان سرداران لشکر روزنٹل کی طرف متوجہ ہوا۔ اور کہا: ”حملہ کرو۔ تمہیں فتحیابی ہوگی۔“ اتنا سننا تھا کہ ادھر کے سپاہی جان توڑ کر بے باکانہ فوج مخالفین ٹوٹ پڑے۔ اور شکست فاش دی۔ اُس نووارد سردار کے دل بڑھانے اور مدد کرنے سے لارڈ روزنٹل کی فوج میں جس قدر عالی ہمتی اور دلیری پیدا ہو گئی۔ اُس قدر کونٹ کی سپاہ کے چھلکے چھوٹ گئے۔ اور زیادہ تر تعجب انگیز بات یہ تھی کہ وہ نوجوان خود اپنے ہنگامے میں کچھ دخل نہ دیتا تھا۔ مگر اپنی تلوار زمین پر ٹیک کر تھوڑے فاصلہ پر کھڑا تھا۔

راے دل دینے سے صاف طور پر معلوم ہوتا تھا کہ صرف اسکی موجودگی لارڈ روزنٹل کی کانیا  
 یں بنا ہو۔ اور ایسا ہی ہوا۔ آفتاب مغرب کے شفق گون پردون میں جھپا۔ اوقادہ نذر تل  
 ل طور پر چھڑا لیا گیا۔ مگر افسوس! یہ جھگڑا بغیر ایک آفت عظیم برپا کرنے کے طو نہ ہوا۔ بہت  
 سے اولوالعزم صاحب ہمت سرداروں کے مارے جانے کے علاوہ لارڈ روزنٹل کو ایک اور خبر  
 سی پہونچی۔ جس سے فتحیابی کی خوشی غم والہم سے مبدل ہو گئی اور وہ یہ کہ دشمن کی فوج اپنے  
 قلبہ کے وقت لارڈ روزنٹل کی نازک اندام بیٹی تریزا کو قید کر کے لے ہی گئی۔!! وہ نوجوان  
 بویا ایک قلعہ روزنٹل کے بچانے کے لیے آیا تھا۔ اور جبکہ سبب فتح نصیب ہوئی تھی کسی  
 میل دیا یہ کوئی نہ جانتا تھا کہ وہ کون تھا۔ اور کس طرح اس واقعہ قیامت خیز میں نصیل پر پہونچا۔  
 رکمان گئی۔ یہ ایک ایسا راز تھا جو کسی سے افشا نہ ہو سکا۔ ہامیل کے دل میں ایک بات کی  
 مردہ اُسکو ظاہر کرنے کی جرات نہ کر سکتا تھا۔ یعنی وہ جان گیا کہ یہ وہی نوجوان ہو جس نے مجھے  
 عدالت و تم کے پنجے سے چھڑا یا تھا۔ مگر جب وہ اس بارے میں کچھ کہنا چاہتا تھا تو اسقدر خوف  
 اس پر طاری ہو جاتا تھا کہ زبان سے کچھ نکلنا ممکن نہ تھا۔ الغرض ہامیل انہیں خیالات مستغرق  
 تھا کہ ایک فوجی افسر آیا۔ اور کہا: ”لیڈی تریزا کو قید سے چھڑانے کی تجاویز سوچنے کے لیے ایک  
 کونسل جمع ہونے والی ہو جس میں آپ کا شریک ہونا بھی ضروری ہو۔“

## پانچواں باب

### ہامیل اور ڈیونڈ

کونسل جمع ہوئی۔ لارڈ روزنٹل نے اس طرح کہنا شروع کیا: ”میرے دوستو! وفادار تا بعد از ادا  
 میں شک نہیں کہ مردود کونٹ مانفریڈ نے بہ ایک بہ قول حرکت کی میری پیاری بخت جگر کی بڑی خواص  
 اڈا کے بیان سے مجھے معلوم ہوا کہ کونٹ مانفریڈ کے چہ سپاہی اُس کمرے میں داخل ہوئے  
 جہاں لیڈی تریزا اور اسکی خواصین چھپی ہوئی تھیں اور دوسری عورتوں سے جھوڑ کر صرف



تریزا ہی کو بہ جبر اٹھا لیگئے۔ تم سب جانتے ہو کہ مین نے اُس حور و ش لڑکی کو اپنے سرگرم  
ساتھ شادی کرنے سے انکار کیا تھا۔ اور اب وہ میرے اس جواہر کو بہ زور چھیننے کا ارادہ  
کے لیے مخصوص کیا گیا تھا۔

ڈیونڈ۔ خداوند! کل علیٰ اصباح شہر وٹن برگ سے دو سو پاہ۔ دانہ کیے جانے کہ  
ہو چکا ہے۔ اور آپ کے ماتحت کے دوسرے افسر بھی یکے بعد دیگرے جمع ہونے لگے ہیں۔  
کل قبل طلوع آفتاب بارہ سو فوج ہمارے زیر حکم رہ گئی۔ حضور اگر مناسب سمجھیں تو اس  
کل فوج کو اس ناچیز و فادار غلام کے ماتحت کیجیے۔ خدا نے چاہا تو بیشک لیڈی تریزا  
چھڑاؤنگا۔ یا اپنی عزیز جان قلندہ کوٹ مائفریڈ کی دیواروں کے نیچے دے دوں گا۔  
لارڈ ورنٹل۔ مگر اس عرصے میں کوٹ مائفریڈ میری عزیز بیٹی کو اپنے ساتھ لے کر  
مجبور کر چکا۔“

ہامیل۔ کیا کوٹ مائفریڈ اس امر سے آگاہ نہیں کہ لیڈی تریزا شہزادہ جرمنی سے فسوس  
لارڈ ورنٹل۔ ”ہاں وہ خوب جانتا ہے۔ مگر وہ کچھ ایسا آدمی ہے کہ خود شہنشاہ جرمنی سے  
کرنے میں دریغ اور خوف نہ کرے گا۔ وہ چند ایسے اختیارات رکھتا ہے جو بعید از فہم ہیں۔ اور  
محطات و جوانب کے اعلیٰ ہمت اور با حیثیت لوگ اسکی نہایت خاطر بلکہ مدد کرتے ہیں۔ اور  
اکثر اس بات پر فخر اور ناز رہتا ہے کہ قیصر کسی تین بھی اسکے چھیڑنے کی جرأت کر نہیں سکتا۔“  
ہامیل۔ (حقارت سے) ”وہ بڑا ہی سرکش معلوم ہوتا ہے۔ (تھوڑے تامل کے بعد) چونکہ  
آفتین فقط میرے ہی سبب آپ پر نازل ہو رہی ہیں۔ مجھے اجازت دیجیے کہ میں ہی اس  
کوٹ کے مقابل جاؤں اور اس بدکرداری کے انتقام کا مزا چکھاؤں۔“

لارڈ ورنٹل۔ ”مگر تمہاری جان مفت معرض خطر میں آ جائیگی۔ تمہیں معلوم ہے کہ تم  
جرم کے سبب کوٹ مائفریڈ کے غضب میں پڑے؟ جبکہ لیے اُسے تمہارے حوالہ کرنے کی مجھے  
درخواست کی تھی؟“

میں نے مجھے صرف اس قدر معلوم ہو کہ میں نے ایک روز کمر برگ کے مہمانسرای میں کسی پادری سے یہ بات فرودکش تھا کوئٹہ انفریڈ کی نسبت چند سوالات کیے۔ شاید ان باتوں کی خبر پہنچنے سے اس کا دل بے چین ہو گیا ہو۔ ساتھ ہی ہاسیل کے دل میں یہ بات آئی کہ کوئٹہ انفریڈ نے مجھے ایلیچی کے ذریعے طلب کیا تھا۔ اُس کا سبب عدالت و تم سے تعلق رکھتا ہوگا۔ مگر میں نے آپ میں کسی سے کچھ کہنے کی جرأت نہ پا کر خاموش ہو رہا۔“

یہ سارا سارا روز نسل۔ (کیا ایک چونک کر) میں نے مجھے سبب معلوم ہو۔ کوئٹہ انفریڈ پیاری تریزا کو یہاں سے چھین لیجانے کا قابو ڈھونڈ رہا تھا۔ اور اُسے یہ بھی یقین تھا کہ میں ایک مہمان کو تیری کی طرح اُس کے حوالہ کرنے میں انکار کر دوں گا۔ پس یہاں نہ کافی سمجھا گیا۔ اور اُسے شہر پر چڑھائی کی۔“

ڈیونڈ نے پیر و مرشد! بیشک اُس کا ولی منشاء وہی ہوگا۔ اُس کو اس ناچیز کا رروائی کی سزا ضرور دینی چاہیے۔

لارڈ ورنٹل۔ (غصے کے ساتھ نیر پر ہاتھ مار کر) ”ہم اپنی تلوار کی نوک سے اس جھگڑے کا انفصال کریں گے۔“ (کپتان ڈیونڈ کی طرف مخاطب ہو کر) ”تم نے ابھی جس طرح بیان کیا ہے۔ کل فوج کو جمع کر کے آمادہ و تیار ہو جاؤ۔ میں خود اپنی پیاری بیٹی کے چھڑانے کے لیے اُس فوج کے ساتھ چلوں گا۔“

(لارڈ ورنٹل اٹھا۔ اور کونسل برخواست ہوئی)

رات بھر قلعہ ورنٹل کا مہمان خانہ ویران پڑا تھا۔ ہر شخص صبح کے چلنے کی تیاری میں مصروف تھا۔ اور کھانے کے لیے جو کچھ سردست بہم پہنچ سکا۔ وہ ہر ایک نے جدا جدا کھایا۔ ڈیونڈ اگرچہ انتظام و نگرانی میں سرگرم و مشغول تھا۔ تاہم تھوڑی فرصت ایسی ملی جس کو اُس نے ہاسیل کے ساتھ گفتگو کرنے میں گزاری۔ ڈیونڈ ہاسیل کی شجاعت و جوانمردی کا امتحان کر چکا تھا۔ پہلے اُس نے ان کے جانب سے ڈیونڈ کے دل میں ایک خاص رغبت و محبت پیدا ہو گئی تھی۔

کیونکہ وہ سمجھتا تھا کہ صرف جو فردی کسی کو لائق تعظیم بنا دینے کے لیے کافی ہے۔

ہامیل۔ (ڈیونڈ سے) ”تمہاری دانست میں کل کی لڑائی کا نتیجہ کیا نکلیگا؟“

ڈیونڈ۔ ”مجھے یقین ہے کہ اگر ہماری سپاہ ثابت قدمی سے لڑی تو چوبیس گھنٹہ کے اندر روز تیرا سرخ پھریرا کونٹ مانفریڈ کے قلعہ پر اڑتا ہوگا۔“

ہامیل۔ ”کیا کونٹ مانفریڈ کا قلعہ نہایت مستحکم سمجھا جاتا ہے؟“

ڈیونڈ۔ ”ہاں! مگر اُس کے چند کمزور حصے بھی ہیں جو تمہیں کل بتاؤں گا۔ علاوہ برین اس قلعہ

بیابان اس قدر نزدیک ہے کہ محاصرہ کرنے والی فوج کی توپوں کے لیے مقام امن ہو سکتا ہے۔“

ہامیل۔ ”وہ قلعہ کس رخ واقع ہے؟“

ڈیونڈ۔ ”قریہ کبرگ کی مشرق طرف تین کوس کے فاصلہ پر۔“

ہامیل۔ (ہجھک کر) ”کیا اس جانب کوئی دوسرا قلعہ نہیں؟“

ڈیونڈ۔ ”نہیں۔“

ہامیل۔ (جوش میں آکر) مجھے صاف صاف اتنا بتا دو کہ کسی قلعہ کے بڑے بھانگ پر بند

بنایا گیا ہے۔ جس پر گول فسیل بنی ہے۔ کیا وہی قلعہ کونٹ مانفریڈ کا ہے؟“

ڈیونڈ۔ ”ٹھیک ہے! کیا اس سے پہلے تمہیں اس قلعہ میں جانے کا کبھی اتفاق ہوا ہے؟“ (ہامیل

نے کچھ جواب نہ دیا) اور یقین کر لیا کہ عدالت گاہ و دم اسی قلعہ میں تھی۔ اور یہ بھی خیال کر لیا

کہ کونٹ مانفریڈ نے اس پر بھی کے ساتھ جو مجھے طلب کیا۔ اس کا سبب عدالت و دم سے متعلق

ہوگا۔ مگر ہامیل اس بدکردار انجمن کی قدرت و اختیارات سے بخوبی واقف تھا اس سبب سے

اس بارے میں کچھ کہنا نہ چاہتا تھا۔ بلکہ اُسے خوف تھا کہ مبادا یہی شخص اس انجمن کا کارکن نہ ہو

جس سے میں ہمکلام ہوں۔ اسی لیے فوراً ڈیونڈ کے سوال کا جواب نہ دیا۔ مگر تھوڑی دیر تا

کرنے کے بعد یوں کہا۔ ”کونٹ مانفریڈ کی نسبت بہت سی افواہیں اُڑ رہی ہیں تم کچھ جانتے ہو؟“

ڈیونڈ۔ (جو کونٹ سے دلی نفرت رکھتا تھا۔) ”میں اُس کو خوب جانتا ہوں۔ مجھے اچھی طرح

یاد ہو کہ اٹھارہ اُنیس برس پہلے وہ شاہی فوج کا ایک ادنیٰ افسر تھا۔ اسکے باپ کے صرف دو بیٹے تھے۔ ایک تو یہ۔ اور دوسرا اُسکا بڑا بھائی گسمنڈ نامے تھا۔ چو نہایت رحم دل اور نیک طبیعت شخص تھا۔ کونٹ مانفرڈ کی عادتیں بچپن ہی سے بگڑی ہوئی تھیں۔ اور گویا شرارت و بدکرداری اُسکی گھٹی مین پڑی تھی۔ اونے دلیل یہ ہو کہ باپ اور بڑے بھائی کو زہر دینے کی کوشش کر رہا تھا۔ آخر یہ راز اُسکے باپ کو معلوم ہو گیا۔ اور اُسنے بگڑ کر عاق کر دیا تو یہ فوج میں بھرتی ہوا جسوقت مین بھی اُسی فوج میں تھا۔ خیر۔ جب باپ مر گیا تو اُسکا بڑا بھائی مسند نشین ہوا۔ اُسکی شادی ایک نہایت ذی قدرت مالدار عورت کے ساتھ ہوئی تھی جب چند روز گزرے۔ گسمنڈ یعنی مانفرڈ کا بڑا بھائی ایک دن شکار کو گیا تھا۔ اور شکار کے خیال میں اپنی فوج سے جدا ہو گیا اور پھر واپس نہ آیا۔ مگر اُسکی لاش جنگل میں پڑی ہوئی ملی۔

ہامیل۔ ”اُسکا قاتل گرفتار نہیں ہوا؟“

ڈیونڈ۔ (تھوڑے تامل کے بعد آہستہ سے) ”سنا گیا ہو کہ اُسکی لاش پر تسی اور کٹار رکھی تھی“

ہامیل۔ (کاٹتے ہوئے) ”خدا اپنا ہ مین رکھے۔ اُسکی بی بی کا کیا حال ہوا؟“

ڈیونڈ۔ ”افواہ ہو کہ جب موت کی خبر اُس نیکخت عورت کو پہونچی تو اپنی اکلوتی بیٹی کو پہلے مار کر آپ بھی مر گئی۔ لیکن حقیقت حال کی مجھے پورے طور پر خبر نہیں۔“

اُسوقت مانفرڈ فوجی عمر سے سے مستعفی ہو کر مسند پر بیٹھا خیر۔ ابین اس گفتگو میں زیادہ وقت ضائع نہیں کر سکتا۔ پہرے کے جوانوں کو مستعد اور ہوشیار رکھنے کا بندوبست کرنا ضروری ہو۔ تاکہ وہ غافل نہ ہوں یہ کہکر ڈیونڈ نے ہامیل کو سلام کیا۔ اور چلا گیا۔ ہامیل فضیلون پر سے اتر کر اُس کمرے کی طرف گیا جو اسکے رہنے کے لیے مقرر کیا گیا تھا۔ جب وہ دہلیز سے گذر کر اُس جگہ پہونچا جان سے کمرے میں جانے کی سٹر حیان شروع ہوتی ہیں۔ تو کسی مبتلائے الم عورت کی غمگین آواز اُسکے کان میں آئی۔ وہ ہٹکا بٹکا ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگا اسکے جانب راست میں ایک کھڑکی تھی جسکا ایک پٹ کھلا ہوا تھا۔ اور اندر

چراغ کی دھیمی روشنی پڑ رہی تھی ہامیل نے آگے بڑھ جانے کا قصد کیا۔ مگر جیسے کہنے کی آواز آئی۔ اور اُسکے ساتھ چند غم کا اثر پیدا کرنے والے فقرے سنائی دیے۔ تو ضرور سمجھا کہ اس حالت میں حتی الامکان کسی بندہ خدا کی تائید کرنی ضرور ہے۔ دریکچہ کھول کر اندر داخل ہوا تو اپنے آپ کو گرجا میں پایا۔ دو کا فوری شمعیں ایک کونے میں پھیلکی روشنی دے رہی تھیں۔ منبر کے قریب ایک عورت دوزانو بیٹھی نہایت خلوص دل سے عبادت کر رہی تھی۔ ہامیل اسکی بیٹھک کی جانب تھا۔ اسی سبب وہ ہامیل کو نہ دیکھ سکی۔ ہامیل قریب گیا۔ اور غور سے نگاہ کی۔ اُس عورت کے حسن و جمال نے اسکو از خود رفتہ بنا دیا۔ وہ نہایت موثر اور نازک آواز میں یہ التجا کر رہی تھی۔ ”اے خداوند کریم! تو میری بی بی کو اس میں رکھ۔ اے اور اسکو ضرر سے بچا جسے آج تک کسی کو ضرر نہیں پہونچایا۔ اور جس مقام پر دعا سے لوگ اُسکو لینگے ہوں۔ ان اپنی رحمت بھی ساتھ رہنے دے۔“ ایسے ہی الفاظ وہ زبان سے کہے جاتی تھی۔ اور رو رہی تھی۔ ہامیل تھوڑے فاصلہ پر ایک سکوت کے عالم میں کھڑا تھا۔ وہ نہ واپس جاسکتا تھا نہ اُس عورت کو مخاطب کر کے کچھ گفتگو کر سکتا تھا۔ کیونکہ عبادت کے وقت دخل دینا بے ادبی ہے اسی شش و پنج میں کھڑا تھا کہ وہ عورت اُٹھی۔ اسوقت نوجوان ہامیل کی نظر اُس دلربا اور روشن چہرے پر پڑی جسکی ادوی آنکھیں اور گلابی رخسار دل پر نیرو سنان کا کام کر رہے تھے۔ وہ حسین لڑکی ہامیل کو قریب کھڑا ہوا دیکھ کر ٹھٹھک گئی۔

ہامیل۔ (آگے بڑھ کر) ”بی بی! مجھے معاف رکھو۔ کہ میں اسطرح بے اجازت یہاں آیا۔ جب میں اپنے کمرے میں جا رہا تھا تو کسی کی غمگین آواز آئی۔ اور میں اس ارادہ سے اندر آیا کہ اس حزن و ملال کا سبب دریافت کروں اور اگر ممکن ہو تو مدد بھی کروں۔“

میریا۔ (یہ تریزا کی جھوٹی خواص تھی) ”میں اپنی پیاری بیوی تریزا کی سلامتی کے لیے دعا مانگ رہی تھی۔“

ہامیل۔ (میریا کی خوش خرامی پر فریفتہ ہو کر) ”تو آپ اپنی بیوی سے کمال درجہ محبت کہتی ہیں۔“

میریا۔ (شرم سے سر جھکا کر) ”میں نے بچپن ہی سے اُسکے ساتھ تعلیم پائی۔ اور وہ مجھے ہمیشہ جتنا نہ سلوک کرتی رہی۔ اگر میں اُسکی محبت سے اپنا دل خالی کر دوں تو بیشک ناقدر شناس و راحسان فراموش ثابت ہونگی۔“

میل۔ (دلی جوش سے) ”خدا تمکو تمھاری بیوی سے جلد ملائے۔ میں یقین کرتا ہوں تمھاری گریہ و زاری سے خداے تعالیٰ تریزا پر رحم کرے گا۔“

میریا۔ (اپنی پرخم آنکھیں جھکا کر) ”عبادت الہی میں مشغول رہنے سے دلکو تشفی سی ہوتی ہے۔ افسوس! کونٹ مانفریڈ کے بارے میں ایسی خراب شہرتیں ہوئی ہیں جس سے پیاری تریزا کی ملامتی کی بہ مشکل امید کیجا سکتی ہے۔“

میل۔ ”اسقدر اختیار اور جتنی قدرت لارڈ روزنٹل رکھتا ہے۔ اُسکے ذریعہ سے اپنی بیٹی کے مڑالانے میں وہ کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کرے گا۔ فوجین جمع کی جاتی ہیں۔ اگر خدا نے چاہا تو ہم بہت جلد تمھاری دلارام بیوی کو اُس ناخدا ترس ظالم کے پھندے سے نکال لائینگے۔“

میریا۔ میری دعا بھی تمھارے ساتھ ساتھ رہے گی۔“

یہ کہہ کر میریا گرجا سے چلی گئی۔ مگر اُسکا دل فریب حسن نوجوان کے دل پر نقش ہو گیا۔ اور جب تک وہ کھڑکی سے باہر نہ ہوئی اپنی مشتاق نظر کو اُسکے نورانی چہرے سے ہٹانہ سکا۔ جب وہ چلی گئی تو میل بھی اپنے کمرے میں آیا۔ رات کا زیادہ حصہ ساکنان قلعہ روزنٹل کو دلی جوش کے ساتھ ریون میں گنڈا۔ مگر جب اسی جوش و خروش سے لیس ہو کر چلنے کا عزم کیا گیا تو ایک پوشیدہ آواز اُس کو چمکاتے ہوئے نظر آئی۔

## چھٹوان باب

### قلعہ کونٹ مانفریڈ

اب ہم لیڈی تریزا کا حال اسوقت سے بیان کرتے ہیں۔ جبکہ کونٹ مانفریڈ کا پابو



اسکے کمرے میں گھس پڑے تھے۔ وہ بالکل بیہوش تھی۔ اور دو قوی تن سپاہی اسکو اٹھا لے جاتے تھے۔ اور افسران فوج وغیرہ بھی گرد تھے تاکہ لارڈ روزنٹل کی باقی ماندہ سپاہ میں سے کوئی جھڑا لیجانے کی جرأت نہ کر سکے۔ اس طرح لیڈی تریزا کو خندق کے دوسرے کنارے تک لے گئے جہاں کونٹ مانفریڈ کا ایک صاحب ایک تیز و گھوڑے کو لیے ہوئے کھڑا تھا وہ گھوڑے پر سوار کرائی گئی۔ وہی لوگ جو اسکو گرفتار کر کے یہاں تک لائے تھے اور جنگے گھوڑے بھی یہاں تیار تھے اسکے محافظ بن گئے۔ وہ نامراد بھولی لڑکی اس طرح اسپرینچہ ستم بنی اور گھر سے جدا کی گئی۔ دنیا میں انسان کے لیے اس سے زیادہ کوئی منحوس ساعت نہ ہوگی جس میں وہ اپنے وطن اور غنا و اقارب سے جدا ہوتا ہو خصوصاً ایک کم سن معصوم عورت کے لیے جسے عمر بھر گھر سے باہر قدم نہ نکالا ہو۔ اس سے زیادہ کوئی مصیبت نہ ہوگی۔ جبکہ اس طرح غیر مردوں کی جھڑپاں بین جازانہ جانا پڑے۔ ناظرین سمجھ سکتے ہیں کہ اُس وقت تریزا کے نازک دل پر کیا کچھ نہ گزری ہوگی۔ جب میں آئی تو اُن لوگوں سے نہایت عاجزانہ طور پر پوچھنے لگی کہ ”مجھے کہاں لے جاتے ہو۔“

ایک سپاہی ”لیڈی صاحبہ! آپ کو بہت جلد معلوم ہو جائیگا کہ ہم کہاں لے جاتے ہیں۔ خوف نہ کیجیے۔ آپ کو کسی طرح کی تکلیف نہ پہونچے گی۔“ تریزا نے دیکھا کہ اُن بے رحم سپاہیوں نے منت کرنا بے فائدہ ہو لہذا وہ اپنی تقدیر پر بھروسہ کیا خاموش چلی جا رہی تھی۔ اور اسکو یقینی طور پر معلوم ہو چکی تھی کہ جو ظالمانہ برتاو میرے ساتھ ہو رہا ہے۔ وہ کونٹ مانفریڈ ہی اغوا سے ہے۔ تھوڑی دیر میں ظالم کونٹ مانفریڈ کی مجلسِ رائے میںار و ختون کے اوپر پر دکھائی دینے لگے اور تریزا کی جھپٹتی خوف کے مارے دھڑکنے لگی۔ چند ہی منٹ میں ظلم اندر داخل ہوئے۔ ایک افسر نے گھوڑے سے اُترنے میں لیڈی تریزا کی تائید کی۔ کونٹ مانفریڈ کا ایک صاحب اسکو ساتھ لیے ہوئے ایک کمرے میں گیا۔ جہاں اُس محلہ چار میناروں میں سے ایک مینار کا دروازہ تھا۔ وہ نازک اندام تریزا کو ایک زینے پر بہت بلندی طرز کرنے کے بعد ایک سطح پر پہونچے۔ وہاں ایک کمافی دروازہ ملا۔

اپنی تلوار کے قبضہ سے دروازے کو کھٹکھٹایا۔ بجز آواز کے ایک بڑھی عورت نے دروازہ کھولا۔ جس کا چہرہ کچھ اس وضع کا تھا جس میں علم قیافہ جاننے والے کی عقل بھی اپنی ناریں مقرر ہو۔ یعنی ایسا چہرہ جس کے دیکھنے سے مزاج کا طریق اور طبعی عادات کا اندازہ بالکل کیا جاسکے بہر طور ضعیفہ کی وضع اور لباس سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ ایک اعلیٰ درجہ کی آدمی ہو اور درحقیقت ایسا ہی تھا۔ کیونکہ تمام انتظام خانہ داری اُسی کے ذمے تھا اور خدمت اُس زمانے میں بہت اعلیٰ سمجھی جاتی تھی۔

صاحب۔ (جو تریزا کو ہمراہ لایا تھا) ”ڈیم ونفریڈ (اس عورت کا نام) میں اس مہمان لایا ہوں جس کے لانے کا اقرار آج صبح کو قبل از کوچ ہو چکا تھا۔ تمہیں معلوم ہی ہو گا کہ اس آدمی کے ساتھ جو ہمارے آقا کی معشوقہ ہو کس طرح کا سلوک کرنا چاہیے۔“ اور وہ شخص تریزا کو دُوب سے سلام کر کے چل دیا۔

ڈیم ونفریڈ۔ (تریزا سے) ”ٹیڈی صاحبہ! اندر آئیے۔“ تریزا اُس کے ساتھ ایک عالیشان روم میں گئی۔ جو نہایت پر تکلف سجا ہوا تھا۔ ایک میز پر نفیس کھانے خوشگوار شراب اور دہ میوے پئے ہوئے تھے۔

فریڈ۔ ”آپ کچھ تناؤ فرمائیے۔ حضور کو جس چیز کی ضرورت ہو مجھ سے فرما دی جائے۔ اُس کے ہمہ بخانے میں ذرا بھی تامل نہ ہو گا۔“

تریزا۔ (منت سے) ”مجھے اس قدر بتا دو کہ میں یہاں کیوں لائی گئی ہوں۔“

ضعیفہ۔ ”میں صرف آپ کی خدمت بجالانے کے لیے مامور کی گئی ہوں۔ نہ کہ سوالات کے جواب دینے کے لیے۔“

تریزا یہ دُل دکھانے والا جواب سن کر ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔

ضعیفہ۔ (تھوڑے تامل کے بعد) ”وہ دروازہ (بتا کر) ایک بڑے کمرے کا ہے جو آپ کے لیے مقرر کیا گیا ہو۔ میں نہیں چاہتی کہ اپنی دائمی موجودگی سے آپ کو تکلیف دیتی رہوں۔“



تریزا: ”ہاں مجھے تنہائی زیادہ تر پسند ہے۔“ بڑھیا ایک چراغ روشن کر کے اس کمرے میں  
لیگتی جیسے تین حصے تھے۔ پہلا دیوان خانہ۔ دوسرا خواہگاہ۔ تیسرا عبادت گاہ کمرے کا نام  
آرائشی سامان کنگلی کے سبب نظر کو ناگوار تھا۔ اور دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ یہ جگہ بہت دور  
سے ویران پڑی ہو۔ عبادت گاہ کے سامنے والے حصے میں گلدانوں میں پھول رکھے ہوئے تھے  
اور ادھر ادھر کچھ آرائشی اسباب بھی رکھا تھا۔ کمرہ بہت بلند تھا۔ اور چوڑھے چھوٹی چھوٹی کھڑکیاں  
تھیں۔ وہاں ایک قسم کی بو تھی جو بہت روز سے مکان بند رہنے کا ثبوت دے رہی تھی۔ اس  
کمرے کی بھیانک صورت سے تریزا کی افسردگی دوچند ہو گئی۔ بڑھی عمرت چراغ میز پر رکھ کر کنگلی  
دیکھتی صاحبہ! میں اسی کوٹھری میں ہمیشہ رہو گی جسمیں تہ ہو کر آپ ابھی گزری ہیں جب  
کبھی آپ مجھے یاد فرما بنگلی حاضر ہو گئی۔ گویہ کمرہ آپ کے پریشان دل کو مسرور بنانے پر گامیابی حاصل  
نہیں کر سکتا اگر مجھے معاف رکھیے۔ کیونکہ آج ہی صبح سے ہمارے کونٹ صاحب نے آپ کو یہاں  
مہمان رکھنے کی غرض سے تاکید کر دی تھی کہ اسکو معاف کر دیں۔ لیکن افسوس کہ مجھے بہت ہی  
کم ملت دی گئی۔ جس سے حسبِ درخواست آراستگی نہ ہو سکی۔ اور اس قلعہ بھرمین ہی ایک کمرہ ہوا  
آپ کی سی ذی وقار لیڈی کی سکونت کے قابل ہو سکیونکہ ہمارے خداوند نعمت کسی اعلیٰ  
کی عورت کو اپنی مجلسِ امین نہیں رکھتے۔ اس لیے یہ مکان ایک امیر کے گھر کی بہ نسبت بارک  
زیادہ مشابہت رکھتا ہے۔“ اس لمبی تقریر کا جواب تریزا نے کچھ نہیں دیا۔ ضعیفہ کمرے کا دروازہ  
بند کر کے اپنے خاص مقام پر چلی گئی۔ جب تریزا نے اپنے آپ کو تنہا پایا تو نہایت درد  
آنسو بہانے لگی۔ اور جلا کر بولی۔ ”میں کس انجام کے لیے یہاں رکھی گئی ہوں۔ آہ خدا  
میرے باپ پر کیا حشر ٹوٹا۔ اسکا قلعہ لوٹا گیا۔ اسکی فوج کو شکست دی گئی۔ اسکی دلیری  
لگایا گیا۔ آہ آج کے ایک منحوس دن میں کتنے پروردگاہات گزر گئے۔“ انھیں غم غم  
خیالوں میں تریزا بہت دیر تک ڈوبی رہی۔ آخر کیا یک چونک پڑی۔ کیونکہ اس کے دل پر  
اس قید مصیبت سے نکل بھاگنے کا خیال پیدا ہوا۔ مگر ساتھ ہی اس بات نے ہمت کو پسند

دیا کہ کونٹ مانفریڈ جو مجھے زمانہ دراز سے اپنے دام میں لانے کی کوشش کر رہا ہے وہ ایسی  
 ہنہ چھوڑیکا جہان سے بہ آسانی بھاگ سکوں یہ سوچ کر رونے لگی۔ پھر تھوڑی دیر و خراش  
 سورات میں محور ہننے کے بعد یہ خیال آیا کہ بعض دفعہ ایسے بدکاروں سے کچھ نہ کچھ خطا ضرور  
 جاتی ہے اگر اُسے سب دروازے بند کر دیے ہوں تو عجب نہیں کہ خدا کی جانب سے کوئی رستہ  
 ملا ہو۔ وہ اُٹھی۔ اور اُس کمرے کے تمام حصوں کو چراغ ماتھ میں لیکر دیکھنے لگی۔ اُس وقت نرینا  
 وہی حال تھا جو کسی ڈوبتے ہوئے آدمی کا ہوتا ہے۔ یعنی ایک تنکے کا سہارا بھی اپنی نجات کے لیے  
 نہ سمجھتا ہو۔ پہلے پہل دیوانخانے میں آکر نکلنے کا رستہ ڈھونڈنے لگی۔ مگر ناکامی ہوئی۔ ساتھ ہی  
 بات بھی دکھائی دی کہ اس حصے کا تمام اسباب بھی پہلے حصہ سے بدرجہا زیادہ کمزور تھا۔  
 برصاف مایہ زور پر معلوم ہوتا تھا کہ عرصہ دراز سے یہاں کسی فرد بشر کا گزر نہیں ہوا ہے۔ مگر وہ  
 انشی سامان دیکھنے سے خیال کیا جاسکتا تھا کہ وہ ابتداءً نہایت نفیس اور قیمتی ہوگا۔ مگر  
 بکریموں کے مخملی میچے گرد آلود اور بے رونق ہو رہے تھے تمام جو بیسہ اسباب کرم خوردہ تھا۔  
 لہٰذا کو بچوں کی جھالریں یُرزے یُرزے ہو گئی تھیں۔ حالانکہ اُس دن کچھ درستی اور صفائی کا  
 ہی انتظام کیا گیا تھا۔ لیکن جب کبھی کسی چیز کو حرکت دی جاتی تو بے انتہا گردا بر کی طسح  
 مری بھر میں پھیل جاتی تھی۔ تیسرا حصہ جو عبادت گاہ کے نام سے موسوم تھا وہ اور وہ  
 بے چھوٹا تھا۔ ایک لکڑی کے چبوتری پر منبر رکھا ہوا تھا۔ اور اُس کے روبرو ایک چلمن چھوٹی  
 لی تھی جو گرد آلود تھی چار نفری گلدستے رکھے تھے۔ جو ایک مدت تک استعمال نہ کیے جانے  
 بسبب نہ ہونے کے سبب سیاہ ہو گئے تھے۔ عبادت گاہ کے ایک جانب کسی جوان شخص  
 پوری تصویر تھی۔ اسپر بھی گرد و غبار نے پھانٹ کر صرف کیا تھا کہ شکل محسوس نہ ہوتی تھی  
 اس نے ایک مونڈھے پر چڑھ کر تصویر کو گرد سے پاک کیا۔ اُس کے لباس سے معلوم ہوتا تھا کہ  
 ہی بلند مرتبہ امیر کی تصویر ہے۔ اسی کے مقابل ایک اور تصویر کسی نوجوان حسین عورت  
 کی۔ جس کے دیکھنے سے صاحب تصویر کی نازک اندامی کا ثبوت ملتا تھا۔ چہرے سے نرمی و ندرت

اور علم کے آثار نمایاں تھے۔ اُس تصویر سے تریزا کو ایک خاص قسم کی رغبت پیدا ہو گئی۔ کیونکہ  
اُسے معلوم ہوا کہ یہ کوئی اجنبی شکل نہیں ہے۔ کالے بال۔ اووی آنکھیں۔ نازک چہرہ۔ اونچی  
پیشانی۔ اور وہ دلربا تبسم جسکو مصور کے کمال نے تصویر میں بھی اچھی طرح ظاہر کیا تھا وہ کھل  
تریزا کے دل پر ایک عجیب طرح کا اثر ہوا۔ ایسے غور سے دیکھنے کے لیے آگے بڑھی اور اس  
دھن میں اپنی موجودہ حالت بھی بھول گئی۔ تصویر کے قریب آئی اور مونڈھے پر کھڑے ہو کر  
اُسکو صاف کرنے کے لیے حرکت دی۔ بھر جوش کے اُسکے نیچے سے ایک کھڑکی کھلی۔ اور  
اس قدر ہوا آئے لگی کہ تریزا کا چراغ قہ قریب تھا کہ ٹیچہ جائے۔ وہ ڈری اور چند قدم پیچھے ہٹ گئی  
ہو کر دیکھنے لگی کہ شاید اُس راہ سے کوئی شخص اُمد آئے۔ مگر یہ قیاس غلط نکلا۔ پھر اُس نے اپنے  
مستقل ارادے کو قوی کیا۔ اور اُس کھڑکی کی نقبش حال کے لیے آگے بڑھی۔ پھر اسے دیکھنے  
کے بعد معلوم ہوا کہ وہ کھڑکی اسی دیوار میں تھی۔ اور صرف تصویر کو حرکت دینے سے اُسکے  
کنہ قلابوں کو صدمہ پہونچ کر کھل گئی۔ کیونکہ تصویر اب تک اُسی مقام پر لگی ہوئی ہی جاں بے  
تھی۔ تریزا نے ٹھیک طور پر اُسکے کھولنے کی ترکیب دیکھ لی۔ اور بند کر کے اپنے کمرے میں  
واپس چلی آئی اس خوف سے کہ مبادا بڈھی عورت میری ان کارروائیوں سے واقف نہ  
جب چراغ نیچے رکھا تو کمرے کے ایک کونے سے کچھ آواز سی آئی۔ وہ متحیر اور خوف زدہ ہو کر  
آدھر دیکھنے لگی تو وہ دلفریب صورت نظر آئی جسکی تصویر دل پر نقش ہو گئی تھی۔ یعنی فوسٹ  
اُسکے روبرو کھڑا تھا۔ تریزا اُسے بہت سمجھی۔ کیونکہ فوسٹ کا جسکی خبر بہت دنوں سے اُسکے  
معلوم نہ تھی یک بیک بیان آنا ناممکن سمجھی تھی۔ دہشت سے چہرے پر ہوائیاں اُٹنے لگیں  
اور خوف کے مارے چند قدم پیچھے ہٹی۔ فوسٹ جسکے دل میں جن نے تریزا کی بے وفائی  
ثابت کر دی تھی۔ سمجھا کہ یہ میری صورت سے انکار و نفرت رکھتی ہو۔ پھر اُسکی بے مہربانی یاد آگئی  
فوسٹ۔ (اُسکے بڑھکر) ”تریزا! میرے بیان آنے سے تھیں ملال ہوا ہو؟“  
تریزا ”ہاں یہ تو وہی ہو وہی۔“ اُسکا کہا اور دوڑ کر فوسٹ کے گلے سے لپٹ گئی۔“

فوسٹ۔ (اُسکے ہاتھوں کو بوسہ دیکر) ”اب تم پھر میری ہوئیں۔“  
 ترنیزا۔ (اضطراب سے) ”فوسٹ! پیارے فوسٹ! تم یہاں کیونکر آئے کیا تم بھی میری طرح  
 سیر کیے گئے ہو۔“

فوسٹ۔ (غور سے) ”میرے آنے کے لیے لوہے کے مضبوط کٹھرے مانع نہیں ہو سکتے۔“  
 ترنیزا۔ (جسکو فوسٹ کے اصل حال سے خبر نہ تھی) ”میں جانتی ہوں کہ تم بڑے ہی دلیر ہو مگر  
 ہائیک گذر کس طرح ہوا۔“

فوسٹ۔ (جلدی سے) ”ترنیزا مجھے کچھ نہ پوچھو اور جو کچھ میں کہتا ہوں بغور سنو۔ وقت  
 بہت کم ہے۔ چند منٹ کے عرصے میں کونٹ مانفریڈ یہاں آئے گا۔“  
 ترنیزا۔ ”کیا؟“

فوسٹ۔ ”یہاں۔ اس کمرے میں۔“

ترنیزا۔ (چلا کر) ”خداوند کریم مجھے اپنی امن میں رکھے۔“

فوسٹ (جلدی سے) ”مجھے اتنی قدرت حاصل ہے کہ تمہیں یہاں سے بہ آسانی نکال دیاؤں۔“  
 ترنیزا۔ (عاجزی سے) ”فوسٹ اگر تمہیں اس قدر اختیار حاصل ہے تو دیر نہ کرو۔ تمہیں قسم دیتی ہوں  
 خدا را دیر نہ کرو۔“

فوسٹ۔ ”ہاں مجھے یہ قدرت حاصل ہے۔ کہ تلو آفت سے بچاؤں۔ اور یہاں سے لیجاؤں۔  
 اور اس بے رحم کونٹ کے پھندے سے پھڑاؤں جو تم سے جبراً عقد کرنے کا قصد رکھتا ہے۔  
 مگر کیا تم میری ہو جاؤ گی۔ ترنیزا! کیا تم میرے ساتھ وہاں چلو گی جہاں میں لیجانا چاہتا ہوں؟  
 اور اتنی دور کہ تمہارے باپ مزارحم نہ ہو سکیں۔“

ترنیزا۔ (روتی ہوئی) ”فوسٹ! کیا یہ بات ممکن ہے؟ ایسے وقت میں تم مجھے شکر ادا چاہتے ہو؟“  
 فوسٹ۔ ”وہاں بیشک میں شرط چاہتا ہوں۔ کیونکہ مجھے تم سے ایسی محبت یا عشق ہے کہ  
 بغیر تمہارے دنیا بیچ دوں گا۔ یہ کہہ کر فوسٹ نے پیاری ترنیزا کو کمال محبت کے ساتھ اس زور سے

گلے لگا لیا کہ وہ جھٹک کر الگ ہو گئی۔

تریزا۔ (جسکے سرخ گالوں پر خجالت کے سبب خون دوڑ رہا تھا) ”میں اپنے باپ کو چھوڑ نہیں سکتی۔ گو وہ تمہارے ہی لیے کیوں نہ ہو۔“

فوسٹ۔ (پست آواز سے) ”اگر ایسا ہو تو میں چھڑا نہیں سکتا۔ تمہیں سرتا پاسیری اطاعت میں رہنا ہو گا۔“

آسوقت اس ضعیفہ یعنی ڈیم ولفریڈ کے کمرے سے ایک آواز آئی۔

فوسٹ۔ (اضطراب سے) ”کونٹ مانفریڈ آتا ہے۔ تریزا کیا تم میری اطاعت میں رہو گی؟ جلد کمد و دقت تنگ ہے۔“

تریزا۔ (مجنونا نہ عالم میں) ”فوسٹ! مجھے بچالو۔ یہاں سے لے چلو۔“

فوسٹ۔ ”میں لے چلنے پر مستعد ہوں۔ مگر قسم کھاؤ کہ میری فرمانبرداری میں رہو گی۔“

تریزا۔ (درومند آواز سے) ”آہ! میں اپنے باپ کی بددعا کی طرح لون مجھ میں اتنی برا نہیں

فوسٹ۔ ”تو ضرور ہوا کہ تمہیں یہیں جھوڑ جاؤں۔ مگر ڈرو نہیں۔ میں پھر یہاں آؤں گا۔ کونٹ مانفریڈ

کی تجویز کا جواب دینے کے لیے دو دن کی مہلت لو۔“

تریزا۔ ”وہ مجھے چھوڑے جاتا ہے۔ وہ مجھے علیحدہ کیے دیتا ہے۔“ یہ کہہ کر گردن جھکائے

\* دوزانو بیٹھ گئی اور ایک لمحے کے بعد سر اٹھا کر دیکھا تو فوسٹ چلا گیا تھا۔ اسی وقت روز

گھلا۔ اور کونٹ مانفریڈ کمرے میں داخل ہوا۔ اسکی جوتوں سے ادا سی پائی جاتی تھی۔ اور

اسکے دبلے چہرے سے غصہ نمایاں تھا۔

کونٹ مانفریڈ۔ (اپنی ترش آواز میں دلچسپی پیدا کرنے کی کوشش کر کے) ”لیڈی صاحبہ!

اہل فرنگ کے نزدیک دوزانو بیٹھنا نہایت ادب اور تعظیم کی نشانی ہے یا تو عبادت کے وقت

دوزانو بیٹھتے ہیں یا کسی سے نہایت عاجزی و منت کرنے کے وقت۔ پس فوسٹ کے روبرو تریزا کا

دوزانو بیٹھنا اس غرض سے تھا کہ اسکو اس آفت سے نجات دی جائے۔

یوں میرے روبرو دوزانو بیٹھی ہو۔ اگر میں بھی کوئی شوخ طبع شخص ہوتا تو ضرور تھا کہ  
تھارے ساتھ اسی تعظیم سے پیش آتا مگر مجھے عشق کی لوک جھونک اور دلربا یا نہ ناز داند  
سے کہیں زیادہ جنگ و جدال کی ترکیبین یاد ہیں۔“  
یہ کہہ کر ونٹ مافریڈ نے تریزا کو جبراً اس تعظیمی حالت سے اٹھایا۔ وہ سمجھے ہوئے تھا کہ  
یری ہی تکریم کے لیے تریزا دوزانو بیٹھ گئی ہو۔ کیونکہ فوسٹ کے آنے کی خبر اسکے فرشتے  
وہی نہ تھی۔

تریزا۔ (اپنی خاندانی وقعت چہرے سے ظاہر کرنے والی ادائیں) ”خداوند! آپ مجھے  
باجا ہتے ہیں؟“

ونٹ مافریڈ۔ ”بجا ہی۔ مجھے بیکار اور فضول تقریر کرنے کی فرصت تو ہی نہیں۔ کل تمہیں  
برے ساتھ عقد کر لینا ہو گا۔ خواہ یہ امر تمہاری مرضی کے مطابق ہو یا خلاف۔“  
تریزا۔ ”کل! آہ خیال کیجیے کہ میں اس بات کے لیے بالکل تیار نہیں ہوں۔“ جنابہالی! خدا کے لیے  
میں عجلت نہ فرمائیے۔ (فوسٹ کی نصیحت کو یاد کر کے) مجھے دودنکی مہلت دیجیے تاکہ میں اس تجویز پر غور کروں۔“  
ونٹ مافریڈ (تھوڑے تامل کے بعد) ”اچھا یوں ہی سہی۔“ یہ کہا اور جلدی سے چلا گیا۔  
تریزا۔ آہ! ابا جان!!۔ اسنے میرے باپ کا کچھ حال نہ کہا۔ اسی خیال میں بیٹھی زار قطار رو رہی تھی۔

## ساتواں باب

### کوہ برکن

صبح کا وقت ہے۔ آفتاب مشرقی میدانوں سے بلند ہو رہا ہے۔ ایک ہموار ریتیلے

\* کوہ برکن کوہ ہارز کی بلند ترین چوٹی جسکی بلندی ۳،۴۲۰ فٹ کی ہے۔ اگر آدمی صبح یا شام کے وقت اس  
ٹی پر کھڑا ہے تو اسکا سایہ ابر پر پڑنے سے صیبت ظلمین نظر آتی ہیں۔ یہ پہاڑ ملک ساکسنی صوبہ جرسن میں واقع ہے  
ظلمین نظر آنیکا سبب انکی ہوا کی حالت تصور کی جاتی ہے کہ ۱۲۔ ۱۳ کس ان سیکلو پیڈیا۔



سیدان سے نکل کر کوہ براکن اپنی بلندی کو آسمان تک پہنچاتا ہے۔ وہ مہیب دیو (پسار) جس کا جسم پتھر کا ہے اور جس کے بازو تو ہے۔ سونے۔ روپے کے کانوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ بہت سی نہریں اپنے جسم سے خارج کرتا ہے۔ جو چو طرف بہ رہی ہیں۔ پانی اُن پتھروں پر ایک وحشت ناک آواز سے گرتا ہے۔ جو زلزلے سے یا پانی کی قوت سے ہلکرا لگ ہو گئے ہیں۔ اس پر منظر میں نیچر نہایت ہی مہیب لباس میں نمایاں ہے۔ براکن کی چوٹی پر سے کوئی چیز بجز آسمان کی بلند نہیں دکھائی دیتی۔ اور اطراف میں ایک سو پچاس میل کی مسافت تک کوئی چیز نظر کو مانعِ حاصل نہیں۔ پتھروں کے اُن بلند ڈھیروں سے جو پٹانوں سے الگ ہو گئے ہیں۔ نکل کر اُن میں اور اُوپر اُن میدانوں میں پہنچتی ہیں جو دامن کوہ میں واقع ہیں۔ اور اُن ندیوں کے کنارے پر سرسبز اور املہاتے ہوئے کھیت اور سایہ دار درخت ہیں۔ مگر اُس بلندی (کوہ براکن کی) پر جہان سے یہ زراعت و درخت نظر آتے ہیں نیچر اپنے پورے عجب سے جلوہ آرا ہے۔ ایسے بلند مقام سے آدمی کی آواز تمام پہاڑ پر پھیل کر سیکڑوں ہولناک صداؤں سے گونجتی ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شیاطین انسان کی آواز کا متبع کر رہے ہیں۔ اس پہاڑ پر چڑھنے کی تنگ راہوں کے بازو مہیب غار اور اونچے اونچے ٹیلے ہیں۔ بڑے بڑے درختوں کی جھکی ہوئی ڈالیاں اور جھاڑیاں مسافروں کے امن میں خلل انداز ہوتی ہیں۔ ان راستوں پر چلنے والوں کی نظر مہیب غاروں سے ہو کر اُن نالوں تک پہنچتی ہے جہاں پانی کی وحشت ناک آواز سے کان بہرے ہوئے جاتے ہیں۔ پہاڑوں کا گونجنا۔ آب روان کی سخت آواز۔ سانپوں کا ادھر ادھر سرسراہٹ۔ بند کون کی پر شور صدائیں۔ منجوس پرندوں کا اُڑتے پھرتا۔ یہ سب ایسی باتیں تھیں کہ کوئی شخص گو وہ کیسا ہی دلبر کیوں نہ ہو دہشت سے کانپنے لگے۔ اُس پہاڑ کی انتہائے بلندی پر دو شکلیں دکھائی دین۔ (وہ فوسٹ اور جن تھے)۔ جن دست بستہ رو برو کھڑا ہوا فوسٹ کو بغور دیکھ رہا ہے۔ اور فوسٹ حیرت اور وحشت

یعنی اس پہاڑ سے بہت سی ندیاں نکلتی ہیں۔ لہ لہ ندیوں کے نام۔

س سین پر نظر ڈال رہا ہے۔

جن: ”کیا تیرا ہنوز وہی ارادہ ہے؟“

فوسٹ: ”ہاں وہی ہے۔ میں نے تجھے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ لارڈ روزنٹل کی فوج کے کوچ میں تاخیر ہونا میرے لیے عین مصلحت ہے۔“

جن: ”میں تیری تدبیر سے واقف ہونا نہیں چاہتا۔ مجھے صرف تیری خواہشیں پوری کرنا ضرور ہیں۔“

فوسٹ: ”میری خواہش یہی ہے کہ کچھ ایسی تدبیر کی جائے جس سے لارڈ روزنٹل آج ہی اپنی بیٹی کو چھڑانے کے قصد سے باز رہے۔“

جن: ”(سمارت سے) میں نے جو اختیارات تجھے دیے ہیں۔ اس کے ذریعے تو خود اتنا کام کر نہیں سکتا؟“

فوسٹ: ”سچ ہے۔ ایک لفظ سے فوج عظیم کو غارت کر سکتا ہوں۔ اور آں واحد میں تیرا کو قید سے چھڑانا ممکن ہے۔ مگر میرے تمام اختیارات ایک کم سن دوشیزہ معصوم لڑکی کے دل کے بھرنے میں بالکل عاجز ہیں۔“

جن: ”ہاں بیشک عاجز ہیں۔“ یہ لہکر برہی سے مسکرانے لگا۔

فوسٹ: ”تو فوج کے نکلنے میں تاخیر کر دے تاکہ میں اس پر ہی جمال لڑکی کے دل کے پھول کی کوشش کروں۔ تو کیلے شک دشبہ میں پڑتا ہے۔ یہ تو میں تجھے پہلے ہی کہہ چکا ہوں۔“

بھر مجھے یہاں کیوں کھینچ لایا؟“

جن: ”میں تجھے ایسے یہاں لے آیا کہ تیری خواہش یہیں پوری ہو سکتی ہے۔ مگر نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ سرسبز منظر جو نظر آ رہا ہے۔ دیران و برباد ہو جائیگا۔“

فوسٹ: ”سو اس تدبیر کے جس میں آدمیوں کا خون بہایا جائے تو جو چاہے کر سکتا ہے۔ کیونکہ خون بہانے کی تدبیر مجھے بھی ممکن ہے۔“ اس وقت آفتاب خوب بلند ہو گیا ہے۔ اور فوسٹ



بدحواس ہو رہا ہے کہ مہار دوزن تل کی فوجیں روانہ نہ ہو گئی ہوں۔  
جن۔ ”ہاں! میں تیرے حکم کی تعمیل کرتا ہوں۔“ یہ کہہ کر اپنا سیدھا ہاتھ شمال کی طرف بڑھا  
اور طوفان کے لیے منتر پڑھنے لگا۔ فوسٹ اس جانب نظر کر رہا تھا جدھر جن ہاتھ در  
کیے کچھ پڑھنے میں مشغول تھا جون جون وہ پڑھنے لگا۔ افق چرخ میں اندھیرا چھانا  
شروع ہوا۔ اور صبح کے آفتاب کی شعاعیں جو اس طرف پڑ رہی تھیں۔ بتدریج زائل  
ہونے لگیں۔ پہلے کچھ دھواں سا معلوم ہوا۔ پھر محیط ہو کر سیاہ ابر بن گیا۔  
فوسٹ۔ ”تو بادل اور بجلیوں کو بلاتا ہو؟“

جن۔ (جسکے چہرہ سے غضب پایا جاتا تھا۔) ارے نادان! بادل اور بجلیاں اُسی کے  
تابع فرمان ہیں۔ جس کا مقدس نام میں اپنی ناپاک زبان پر لائیں سکتا۔ اس گفتگو  
کے بعد تھوڑی دیر سکوت رہا۔ کیونکہ فوسٹ ندامت سے نظر نیچی کیے کھڑا تھا۔ اور جن کے  
ڈرانے سے خائف بھی ہو گیا تھا۔ آخر چونکا۔ اور پھر اُسی طرف دیکھ کے جن سے کہا  
”دو کیوں تو نے اپنے کام میں کیوں تا مل کیا؟“  
جن۔ ”کیا تو مجھے پورا عمل کرنے کی اجازت دیتا ہو؟“  
فوسٹ۔ (استقلال کے ساتھ) ”ہاں میں اجازت دیتا ہوں۔“

جن۔ ”اچھا تو پھر تیری تمنا بر آنے دے۔“ یہ کہہ کر جن منتر پڑھنے لگا۔ بتدریج شمال کی طرف  
سے آہستہ ہی نہایت جوش و خروش کے ساتھ شروع ہوئی۔ یہاں تک کہ ایک طوفان عظیم کی تائید ملنے لگی  
پیدا ہو گئیں اور اُسوقت وہ خوفناک طوفان آیا۔ جس سے شہر ۶۰ میل دور وسیع قطع زمین  
تاراج ہو گیا۔ جوالب کے نہروں کے درمیان واقع تھا۔ اور جسکے واقعات ملک ساکسنی  
کی تاریخ میں مندرج ہیں۔

ایسے بڑے بڑے پتھر جنہیں ہزاروں آدمیوں کی مجموعی قوت ہلانہ سکے۔ ان واحد میں  
دھلک پڑتے تھے۔ اور اُنہی ایسی آواز پیدا ہوتی تھی کہ گویا ہزاروں توپیں ایک ساتھ

رہو رہی ہیں۔ وہ عظیم الشان درخت جو ابھی نظر کے سامنے کھڑے تھے۔ طرفۃ العین  
نہ بنے چلے جا رہے ہیں۔ اس تباہی کے سبب سرسبز کھیت اور ہرے بھرے جنگلون پر  
ایک ویرانہ پن چھا گیا۔ قریہ اور شہر دن کی عمارتیں دہل گئیں۔ اور گرجاؤں کی گھنٹیاں  
وہ بخود بجنے لگیں۔ پورے چھ گھنٹے یہی حال رہا مگر نہ بادل کی پرخوف صدا سنی گئی نہ بجلی  
کڑک وچمک نظر پڑی۔ جب طوفان شروع ہوا فوسٹ براکن پر نہ تھا مگر جن دہن کھڑا  
داموشی کے ساتھ دیکھ رہا تھا۔“

## آٹھواں باب

### قلعہ کونٹ مانفریڈ کی خفیہ باتیں

بیڈی تریزا طوفان شروع ہونے کے کچھ وقت قبل بیدار ہوئی۔ تھوڑی دیر اسکو یہ خیال  
ہا کہ گزشتہ روز کے واقعات صرف ایک وحشت انگیز خواب کا نتیجہ تھے۔ مگر جب چوتھیں  
بہ کی اور وہ کہنے پٹنیں اور بوسیدہ اسباب نظر آیا۔ تو فوسٹ کی خارج از عقل ملاقات اور حکام  
کے کا برآمد ہونا ساتھ ہی یاد آگیا۔ اپنی اصلی حالت سے باخبر ہو گئی۔ موجودہ پرورد حال اور  
ہا کی کیفیت کی لاعلمی نے اسے بے انتہا پریشان کر دیا۔ ان غم انگیز خیالات کے دور کرنے  
لیے اپنے کوچ سے اٹھ کر ٹیلنے لگی۔ مگر وہ کیوں دور ہونے لگے آخر دل ہی دل میں یوں  
اٹھی۔ دو دن میں کونٹ مانفریڈ کو جواب دینا ہی۔ فوسٹ نے اسنے کا اقرار تو کیا مگر کیونکر  
کھتا ہو؟ جب تک کہ وہ میرے دشمنوں سے ملا ہوا نہ ہو۔ یقین ہو کہ اسکو میرے ساتھ وہ  
ش محبت باقی نہیں جو پہلے تھا۔ کیونکہ ایسی جانکاہ مصیبت کے وقت وہ عہد و پیمان  
نے پر تلا ہوا ہو۔“

انہیں خیالوں میں تریزا بیٹھی رہ رہی تھی کہ ییزال ولفریڈ کے سے میں داخل ہوئی اور  
ترخان تیار ہو۔ اسی اثنا میں وہ مہیب طوفان شروع ہوا جسکا ذکر گزشتہ باب میں

آچکا ہے۔ ہوا اس زور و شور سے چل رہی تھی کہ تمام قلعے میں کسی آواز کا سنا جانا ممکن نہ تھا۔ مگر جبراً کمرے میں ترزا تھی اُسکی دیواریں بہت موٹی ہونے کی وجہ سے طوفان کا زور کسی قدر کم ہو کر پہونچتا تھا۔ پھر بھی ڈیم و نفر ٹیکے دو دفعہ کسنے پر ترزا کو معلوم ہوا کہ کھانا تیار ہے۔ آخر اسی عالم سکوت میں ضعیفہ کے ہمراہ ایک کمرے میں گئی۔ جہاں اکل و شرب کی چیزیں ایک میز پر رکھی ہوئی تھیں۔ لیکن اس غم نصیب بیچاری سے کب کھایا جاتا تھا۔ وہ بالکل نہ کھا سکی۔

ضعیفہ ۲۲ اپنے کچھ بھی متبادل نہ فرمایا۔ شاید میرا بیان ہونا آپ کی طبع مبارک پر گراں گذرتا یا طوفان کی شدت پریشان کیے دیتی ہو۔ میں اسلئے بیان حاضر ہوں کہ ترزانی کے سبب دشمنوں کے مزاج میں وحشت نہ پیدا ہو۔“

ترزا۔ کیا میرا نگلین رہنا تجھے تعجب دلاتا ہے؟۔ میں کیونکر خوش رہ سکتی ہوں جبکہ اپنے دل اور عزیزان وطن سے جدا کر کے اس عجیب و غریب قلعہ میں مقید رکھی گئی ہوں۔“

ضعیفہ ۲۲۔ کیونکہ یہ وہ قلعہ ہے جسکا مالک آپ سے کمال درجے کی محبت رکھتا ہے۔ اگر آپ اپنے شیخ نیک نفس متمول شخص سے عقد کرنے پر نہ راضی ہو نگلی تو غالباً عقلمندوں میں تباہ کیا جائیگی۔ اگر اڑی ہوئی افواہ ٹھیک سمجھی جائے تو آپ ایک کم حیثیت طالب علم کو زیادہ نظر شفقت سے دیکھتی ہیں۔“

ترزا۔ (جلدی سے) ”تو اُس طالب علم کو جانتی ہے؟۔“

ضعیفہ ۲۲۔ میں نے اُسکو دیکھا تو نہیں۔ مگر نام البتہ سنا ہے۔ اور یہ بھی سنا ہے کہ وہ زبوا نہایت شکیل ہے۔ آہ! طوفان کس زور و شور سے آرہا ہے۔“

ترزا۔ (اندیشہ سے) ”تو نے اُس طالب علم کو دیکھا ہی نہیں؟۔“

ضعیفہ ۲۲۔ ایک غریب طالب علم کے لیے اس جوش کے ساتھ کیوں باتیں ہو رہی ہیں؟

لیڈی صاحبہ! میں اُسکو جانتی تک نہیں۔ کیونکہ مجھے باہر نکلنے کا اتفاق بہت ہی کم ہوا اور وٹن برگ کو گئے سال سے دراز کا عرصہ گذرا۔ رانا اُسکو بیان دیکھنا یہ بات تو ممکنات

نہیں۔ پھر میں کیونکر دیکھ سکتی تھی؟ یہ سنکر ترنیزا سر نیچے کیے ہوئے تھوڑی دیر سوچ میں رہی۔  
ترنیزا۔ (کچھ دیر بعد سر اٹھا کر) ”تمہارے آقا کے اس کمرے میں داخل ہونے کے تھوڑی  
پریش تر کوئی اجنبی شخص تمہاری کوٹھری میں آیا تھا؟“

حنیفہ۔ ”ہرگز نہیں۔ یہ صرف آپ کا وہم و گمان ہو۔“  
ترنیزا۔ ایک اور بات پوچھنے کی باقی ہو وہ یہ کہ تیری کوٹھری سے باہر نکلنے کے لیے  
اور اپنی بہن۔“

حنیفہ۔ (ترنیزا کو تعجب سے دیکھ کر) ”نہیں آپ نے کوئی پریشان خواب دیکھا ہو اور معلوم  
ہوتا ہو کہ اس طالب علم کے خیال نے ہنوز آپ سے مفارقت نہیں کی۔ اس خیال کو ترک  
لیجیے اور صرف ہمارے آقا کا تصور دلیں رکھیے۔“

ترنیزا۔ (جوش سے) ”میں تجھے پسند و نصیحت سننے کی آرزو مند نہیں ہوں۔ ایک خدمت  
ہو۔ اگر تجھے اسکی سجا آوری ممکن ہو تو کون۔“

حنیفہ۔ ”کونسی خدمت؟“

ترنیزا۔ ”میں تجھے اپنی آبا جان کی خبر پوچھتی ہوں۔ کل کے خون ریز فساد کا نتیجہ کیا ہوا؟“  
حنیفہ۔ ”اگر اس خبر کے سننے سے آپ کو تسلی ہوتی ہو تو میں۔“

ترنیزا۔ ”ہاں بیشک مجھے نہایت تسلی و تشفی ہوگی۔ اگر مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ میرے  
آبا جان بخیریت ہیں تو میں صبر و استقلال کو اس قید مصیبت میں بھی ماتھ سے نہ دے کر زندگی  
بسر کر دوں گی۔“

حنیفہ۔ ”تمہارے آبا سلامتی سے اپنے قلعہ میں ہیں، کل ہمارے آقا نے اپنے ارادے  
پر کامیابی حاصل ہوتے ہی کل فوجیں قلعہ روز نسل سے واپس بلا لیں۔ بڑھاپے اس  
واقعہ سے ترنیزا کو آگاہ کرنا مناسب نہ جانا۔ جو اخیر میں کونٹا نفر ٹیڈ کی فوجوں کو شکست  
ہولی تھی اور وہ بہت سے نقصان کے ساتھ قلعہ روز نسل سے ہٹائے گئے تھے۔“

تریزا۔ (اطمینان سے) ”اگر میرے والد زندہ و سلامت ہیں تو مجھے کبھی اس ظالم۔  
پھندے میں پھنساؤں گے۔“

ضعیفہ۔ ”لیڈی صاحبہ! آپ ہرگز اس بات پر اعتماد نہ کیجیے کہ آپ کے پدر بزرگوار آپ  
کو یہاں سے چھڑا لیجانے کی کچھ تدبیر کر سکیں گے۔ انکی فوج پر اگندہ ہو گئی انکی قوت ٹوٹ گئی۔  
یقین ہو کہ آپ کو ہمارے آقا کے نامہ دار کے ساتھ عقد کرنے پر صلح بھی ہو جائے۔“

تریزا نے کچھ جواب نہ دیا۔ اُسے معلوم تھا کہ اس بات پر گفتگو بیکار ہے اور اسکا کوئی مفید  
نتیجہ نہ نکلا گیا۔ اور اُسکو خواجہ گادین جانے کی جلدی پڑی تھی۔ کیونکہ وہاں بغیر کسی کی مزاحمت  
کے اپنے خیالات میں مصروف رہ سکتی تھی۔ ضعیفہ بھی تریزا کے ساتھ رہنے کی خواہش نہ تھی کہ  
طوفان کا زور جواب بہت بڑھ گیا تھا۔ اُسکے دل میں دہشت پیدا کرنے لگا تھا چاہتی تھی  
کہ گرجا میں جا کر اپنی سلامتی کی دعا کرے۔ آخر وہ اپنے کمرے میں گئی۔ اور تریزا نے خواجہ  
رستہ لیا۔ وہاں جانے پر بھی اُسکے پریشان دل کو اطمینان نصیب نہ ہوا۔ اُسوقت اُسکو اُن  
تصویر کی یاد آئی جو کل رات کو دیکھی تھی۔ اور جسکے اچھی طرح دیکھنے کے لیے دل میں ایک دوا  
پیدا ہو گیا تھا۔ خواجہ گادین کا دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ تاکہ ضعیفہ اسکے عزم میں خلل انداز نہ ہو  
اس امر سے مطمئن ہونے کے بعد وہ عبادت گاہ میں گئی جہاں تصویر آویزاں تھی۔ دروازے  
اندر پہنچ کر نگاہ کرتے ہی اُسکو ایسا معلوم ہوا کہ وہ تصویر اُسکو دیکھ کر مسکرا رہی ہے۔ مگر یہ  
تصویر تھا لیکن دل پر خود بخود پورا رعب و داب پیدا ہوا۔ جب اس تصویر کو غور سے دیکھا  
تو اُسکو اپنی جھوٹی خواص میرا سے نہایت مشابہ پایا۔ وہ تعجب ہوئی۔ اور زیادہ تعجب  
انکی تو یہ بات تھی کہ جب پہلے روز دیکھا تو یہ شباب نہ تھی۔ شاید یہ سبب ہو کہ تریزا جب  
پہلے اس کو دیکھی تھی تو اُسکے دل کی حالت دگرگون تھی۔ یعنی قید کا اول روز تھا  
اور اس لیے پر اگندہ وہ ہو رہی تھی اور دوسرا ایک اور سبب بھی ممکن ہے کہ وہ  
رات کے وقت چراغ کی روشنی میں دیکھی گئی تھی اور اب روز روشن ہے۔

۱۔ (تعجب سے) ”بڑی حیرت دلانے والی بات ہے، صورت بالکل برابر ہے۔ وہی  
 حسین۔ وہی انداز تبسم۔ وہی گردن۔ یہ کیا واقعہ ہے کہ ایک دہقان زاوی میر یا اس  
 درجے کی لیڈی کی تصویر سے اس قدر مشابہ ہو؟“ ترنیز کی نظر تصویر سے گزر کر دیوار  
 تختہ بندی پر پڑی۔ اور دل میں جوش پیدا ہوا کہ اُسکے راز کی بھی خوب جہان بنان  
 لائے باہر طوفان اس زور شور سے چل رہا تھا کہ اُسکے دل کی دھڑک اور اضطراب  
 بڑھائے دیتا تھا۔ وہ چاہتی تھی کہ ان پریشان کن خیالات کے دور کرنے کے لیے  
 دی دیر کسی شغل میں مصروف رہے۔ طوفان کے سبب کسی تکلیف کے پہنچنے کا بھی  
 وچند ان احتمال نہ تھا۔ کیونکہ اُس کمرے کی دیواروں کی جوڑائی ایسی نہ تھی کہ اندر سے والوں  
 آئو بیرونی صد مات کا اثر پہنچ سکے۔ مگر پھر بھی کبھی کبھی مکانات کی چھتوں سے پتھر اور کھیرٹل  
 دے گرنے کی مہیب آواز اُسکو ڈرائے دیتی تھی۔ اور کیوں نہ ہو۔ یہ کاری و تنہائی کے  
 میں انسان ذرا سی بات میں خوف کھا جاتا ہے۔ انہیں خیالات کو دل سے نکالنے  
 رض سے وہ اٹھی۔ تصویر کے نیچے ایک کھڑکی جو کل کے روز اسکو دکھائی دی تھی  
 کل پر انگلی رکھنے سے کھل گئی۔ مگر ترنیز کو اندر داخل ہونے میں تردد ہوا۔ آخر تھوڑی  
 کے تامل کے بعد یہ خیال پیدا ہونے سے کہ قدیم امرا کے محلوں میں ایک کمرے سے  
 سرے کو مخفی راہیں ہوا کرتی ہیں اپنی ہمت کو چیت کیا اُس کھڑکی سے جو اُسکے روبرو  
 ہوئی تھی ایک برآمدہ نظر آیا جس میں دیواروں کے روزنوں سے روشنی آرہی تھی۔  
 برآمدے میں داخل ہوئی۔ اُسکے آخر میں اس پہلی کھڑکی سے جس قدم کے فاصلے پر  
 اور کھڑکی دکھائی دی۔ ترنیز اندر جا کر دیوار سے کان لگائے تھوڑی دیر کھڑکی سے  
 سی آدمی کی آواز نہ آئی۔ کھڑکی بند تھی اور تختہ اس قدر بوسیدہ ہو گیا تھا کہ ازب اندام  
 کی انگلی کی قوت سے دروازہ کھل گیا۔ وہ اندر داخل ہوئی۔ معلوم ہوا کہ یہ کمرہ  
 ماہ کا کام دینے کے لیے سجا یا گیا تھا۔ کیونکہ کل لوازم اسی کے تھے۔ مگر سب بوسیدہ



یہاں تک کہ کوچ کے پردوں اور جھاروں کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے ہوں۔ دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ سالہا سے دراز سے بیکار پڑے ہوئے ہوں۔ ترنیزا کو یہ بات نہایت عجیب معلوم ہوئی جو اس کمرے کی ہر چیز زبان حال سے کہہ رہی تھی کہ اُسکا اخیر ساکن نکال جانے کے بعد پھر کسی انسان کا یہاں گذر نہیں ہوا ہے۔ بچھونے کے لیےٹے ہوئے کپڑوں کی دھجیان اُٹا گئیں اور اپنا سرقد گرد و جی تھی کہ اُنکے اصلی رنگ کا امتیاز ممکن نہ تھا۔ مینر پر رکھے ہوئے کھانے کی چیزوں کی نشانیاں کچھ کچھ باقی تھیں۔ زانو پوش کے پزے زمین پر گرد آلود پڑے۔ چھری کا ٹون پر بے انتہا رنگ لگ رہا ہے چینی کے برتن غبار سے سیاہ ہو گئے تھے اور ریالیوں پر مگڑی کے جالے تن گئے تھے۔ ان تمام چیزوں کے دیکھنے سے وہ ان سے ہوتا تھا کہ اس کمرے کے آخری ساکن نے نہایت حسرت و اندوہ سے زندگی کے دن گئے ہوں۔ اُس کمرے میں ایک کھڑکی تھی جس پر لوہے کے مضبوط ڈنڈے لگے ہوئے تھے اور اس طرح واقع تھی کہ اندر کا آدمی باہر نہ کسی سے بات کر سکے نہ آواز سن سکے۔ جب ترنیزا کو یہ خیال کہ اس مقام پر داخل ہونے کی کھڑکیاں مخفی طور پر لگائی گئیں ہوں۔ اور نیز یہ کہ اس کے یہاں ہونے کی خبر سیکو اس وقت تک ہونہیں سکتی جب تک کہ وہ ان مخفی راہوں واقف نہ ہوئے۔ تو سمجھی کہ یہ کمرہ پرائوٹ قید خانے کے طور پر رکھا گیا ہو۔ اور اس پر بد قسمت نے خوف تنہائی اور مایوسی کی راتیں وحشت ناک طریق پر بسر کی ہوں۔ اس کے غذا کے ساتھ خون کے گھونٹ پیے ہوں جس کا نشان مینر پر موجود ہے۔ ان چیزوں کے اُسکے دل میں ایک وحشت سی پیدا ہو گئی۔ لہذا وہ جلد پلٹ آنے کے خیال سے تو اُسکی نظر دیوار کی طرف ایک الماری پر جا پڑی جس کا دروازہ آدھا کھلا تھا۔ اُسکے سے ترنیزا کو شوق نے ابھارا کہ اُسکی بھی قلم دریافت کرے۔

الماری کے قریب جا کر اچھی طرح کھول کر دیکھا تو چند زنانے کپڑے رکھے ہوئے معلوم ہوئے۔



۔ (اپنے آپ سے) معلوم ہوتا ہو کہ کوئی عورت یہاں رہتی تھی۔ افسوس! ہمیں پتہ نہ چل سکا کہ وہ قیدی تھی۔ اور یہ بھی ظاہر ہوتا ہو کہ اُس سے نیک سلوک نہیں کیا گیا۔ یہ وہ اُسکا آخری کھانا تھا جسکے آثارِ مینہ پر نظر آتے ہیں۔ جب وہ یہ خیال کر رہی تھی تو اُس اندھی اس زور سے چلی کہ قلعہ کے نشان کا بلند ستون ایک وحشت دلاسنے والی آواز کے ساتھ دو ٹکڑے ہو کر زمین پر گرا۔ تریزا کا دل دھڑکنے لگا۔ اور ایسا اضطراب پیدا ہوا کہ وہ ان سے نکل آنے پر مستعد ہو گئی۔ مگر وہ دلی جوش و ولولہ جو ان رازِ دن کے دریافت کی بدلت پیدا ہوا تھا۔ وہی اسکے خوف و ہراس کے دور کرنے پر بھی کامیاب ہوا۔ وہ اپنی رست ہمتی کو بالائے طاق رکھ کر الماری کو مکرر غور و تامل سے دیکھنے لگی۔ کاغذات کا ایک ٹکڑا نظر آیا جو پیٹا ہوا وہاں پڑا تھا۔ اور جسکو گرد اور جالے چھپائے ہوئے تھے۔ وہ لپیٹ کر دور سے ہاتھ دیا گیا تھا۔ ادھر کے کاغذوں کے حاشیے گرم خوردہ ہو رہے تھے۔

تریزا نے اُن کاغذوں کو احتیاط سے صاف کیا۔ اور دیکھا تو اندر کچھ لکھا ہوا۔ اسکو کھولنا ہمتی ہی تھی کہ ساتھ ہی یہ خیال گذرا کہ مجھے اپنے خاص کمرے سے آئے ہوئے بہت عرصہ پہلے سے یاد تھا کہ بڑھیا کسی کام کے لیے وہاں آجائے۔ لہذا وہ کسی مناسب موقع تک اپنی قحط کو موقوف رکھ کر کاغذات لیے ہوئے عبادگاہ میں آئی۔ اور اسکو حفاظت کے ساتھ رکھ دیا۔ اور یہ بات دل میں ٹھان لی کہ پھر کبھی اس خفیہ کمرے میں نہ جاؤں گی۔ اسکے بعد اپنی خوابگاہ میں آئی اور دروازہ کھول کر دیوانخانے میں پہنچی۔ اب تک وہ طوفانِ غم بوری قوت دکھا رہا تھا۔ فوجی محافظ فیصلوں پر ٹھہر نہ سکے۔ کل تو بین گر پڑیں۔ اور ان کا ستون بھی وہ ہو کر زمین پر آ رہا جسکا ذکر پہلے ہو چکا ہو۔ تریزا نے جب یہاں سے ہو کر طوفان کا زور دیکھا۔ تو اُسکے دل میں ہول سا لگی۔ بے اختیار کہنے لگی: اے اوند کریم! تو اُن غریبوں کو اپنی امن میں رکھ جونا پائیدار چھوٹیڑوں میں زندگی بسر لے رہے ہیں۔ افسوس! اس طوفان کا نتیجہ بہت برا ہوگا۔ وہ لوگ اچھے رہینگے جو حکمرانوں کی

میں سہتے ہیں۔ مگر آہ! آفت ہو تو ان بے بضاعت کسانوں پر جو چھوٹے چھوٹے گھر  
میں گزارا کرتے ہیں۔ تریزا انہیں خیالات میں ڈوبی ہوئی تھی کہ دروازے پر کچھ کھٹکا  
اور فوسٹ کمرے میں داخل ہوا۔

## نوان باب

### تصفیہ

تریزا۔ (فوسٹ کی جانب دوڑ کر) ”فوسٹ! تم صادق الاقرار ہو۔“  
فوسٹ۔ (تریزا کو گلے لگا کر) ”تو تمہیں میرے خیال تھا؟ اور میرے آنے کی راہ تک ہی نہیں  
تریزا۔ کیا تم کو اس بات میں شک ہو؟ جب سے ہم تم دونوں پہلی دفعہ ملے۔ پھر ایک وہ  
گھڑی ہو۔ جس میں میرے دل نے تمہارے دلاؤ پر خیال کو نکال دیا ہو؟“  
فوسٹ۔ (تریزا کو جھپتی ہوئی نظر سے دیکھ کر) ”تریزا! کیا تم اس غریب طالب علم کو اب تک  
نہیں بھولی ہو جو دشن برگ کے سنگ و تار یک اور وحشت ناک قید خانے میں زندہ دفن  
کر دیا گیا تھا؟۔“

تریزا۔ (جوش سے) ”آہ نہیں۔ ایک لمحہ بھی بغیر تمہاری یاد کے خالی نہ گذرا۔ میں نے سنا تھا  
کہ تم کسی رزبل عورت کو لیکروڈن برگ سے بھاگ نکلے۔ اور نہایت مقروض ہو جانے کے  
دعا و فریب کی راہ سے اپنے ہم سبق طالب علموں کا بہت ساماں اڑا لیا۔ یہ تمام باتیں میرے  
دل کو تمہاری طرف سے پھیر دینے کے لیے گئی تھیں مگر نہیں مجھے اُن پر بالکل اعتماد نہ آیا۔ اور  
ہمیشہ سچا و فادار اور با وقار سمجھتی رہی۔“

فوسٹ۔ (حیرت سے) ”مہم! تریزا! جو کچھ تم کہ رہی ہو کاش یہ واقعی ہوتا۔“  
تریزا۔ (چلا کر) ”فی الواقع! کیا تم میری باتوں کو نملات جانتے ہو؟ میں نے کبھی تھے دعا کی  
یا تمہیں کوئی ایسا موقع ملا ہو جس میں میری محبت کا عدم استقلال تم پر ثابت ہوا ہو؟“

سٹ۔ (حقارت سے) "تریزا! وہ تصویر جسکو تم کمال محبت سے دیکھا کرتی ہو۔۔۔"  
 تریزا۔ (استعجاب سے) "تصویر! وہ تصویر تھے دیکھی ہو؟۔"

سٹ۔ "ان میں سب جانتا ہوں۔ جب کبھی تمکو اپنے کمرے میں تنہائی نصیب ہوتی ہو  
 تصویر کو اٹھا کر ایسی الفت و پیار سے دیکھا کرتی ہو کہ اگر وہ شخص جسکی وہ تصویر ہے ایک  
 بار بھی دیکھ لے تو اُسکے لیے زندگی بھر ایک دائمی مسرت کا اثر پیدا کر نیوالی خوشی کا سبب ہو۔"  
 تریزا۔ (فوسٹ کو حیرت سے دیکھ کر) "کیا اسوجہ سے میں ملزم ٹھہری؟۔"

سٹ۔ "تم مجھے بیوفا سمجھیں۔ اور ایک مفلس اور بدنام شخص جانا (غرو کے لہجے میں) اگر  
 میں ایسا شوہر ضرور ہو جو دنیا کے تمام جواہرات سے تمہارے دل پر باجسم کی زیب و زینت کو  
 لگا کر دے۔ اگر ایسا شوہر درکار ہو جو تمہیں شاہی محلوں میں رکھے۔ جہاں ایک غار  
 دن کی نیرین تمہاری تعمیل حکم کے لیے دوڑیں۔ اگر تمہیں ایسے شوہر کی خواہش ہو جس سے  
 جاہ و جلال دولت عزت اور مرتبت حاصل ہو تو کہو۔ کیونکہ میں انسان کی فضول سے  
 بے خواہش کو بھی پوری کرنے کی قدرت رکھتا ہوں۔" جب فوسٹ یہ کہہ رہا تھا تو اُسکے  
 سے دب دبہ اور رعب پایا جاتا تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ الفاظ کہہ کر اس نے  
 تباہ کی زبان سے نکل رہے ہیں۔ جسکے ہاتھ کل روے زمیں کے ٹکڑے ٹکڑے ہوتے ہیں  
 ڈری اور سمجھی کہ اسکو خلل دماغ ہو گیا ہو۔ مگر اُسنے ایسی مثالیں اور استقلال سے کہا تھا  
 کہ دماغ کا گمان بھی نہو سکتا تھا۔ تریزا حیران ہو رہی تھی کہ یہ ماجرا کیا ہو۔

تریزا۔ "تمہاری تقریر سے معلوم ہوتا ہو کہ تم مجھے خود غرض۔ حریص اور فضول گو سمجھتے ہو۔  
 میں کس قدر دھوکا ہوا ہو۔ تم کہتے ہو کہ میں غریب و بے گناہ ہوں۔ اور پشیمین اپنے  
 ویسے ہی بھیس میں کیوں نہ چھپاؤں۔ مگر خوب یاد رکھو کہ میں تمہیں ایک غریب و بے گناہ  
 زیادہ نہیں جانتی تھی۔ میں نے اپنا دل بغیر اس دریافت کے کہ تم کون ہو۔ بدیا۔ اور  
 اہل حقیقت سے واقف تھی تو پھر دریافت کی کیا ضرورت تھی؟۔"

چھوڑے دیتا ہوں۔ میں تم سے کسی قسم کی شرط نہ لوں گا۔ صرف تمہاری خالص الفت پر کافی ہو۔“ (جوش سے) چونکہ میں اس قید سے تمہیں چھڑا سکتا ہوں۔ اس لیے آج دوپہر شب میں تم اپنے باپ کے پاس جانے کے لیے تیار ہو رہو۔“

تریزا۔ (خوشی سے بھول کر) ”کیا تم وہی ہو جو میں سمجھتی تھی؟“

فوسٹ۔ ”برابر دوپہر شب کو میں بیان آؤں گا۔“ یہ کلمہ ڈیم و نفریڈ کے کمرے سے ہوتا ہے باہر چلا گیا جو اب تک گر جا میں مصروف دعا تھی۔“

تریزا۔ (کمال مسرت سے) ”آج شب کو وہ آئیگا۔ اور آبا جان کی زیارت مجھے نصیب ہو گزرہ اس آسانی سے کیونکر بیان آتا اور جاتا ہو؟“

## دسواں باب

### نوشتہ

طوفان کی شدت اب تک کچھ کم نہیں ہوئی ضعیفہ ڈیم و نفریڈ اپنے کمرے میں داخل ہو وہ آسوقت تک برابر دعا کر رہی تھی۔ اور سمجھے ہوئے تھی کہ میری تاثیر دعا کے سبب پر نہیں نہ سہی مگر مجھ پر تو طوفان کی وجہ سے کوئی صدمہ نہ ہو گا۔ تریزا کو دوپہر کا کھانا کھا اور اس کام سے فراغت ملنے ہی بڑھیا پھر گر جا میں گئی۔ تریزا اپنی خواجگاہ میں پہونچ کر دروازہ پہلے ہی نہایت ہوشیاری سے بند کر لیا تھا رٹائی کی مستقل امید نے اسکے دل کو قوی بنا دیا تھا۔ اور پوری تسکین و طمانینت حاصل تھی۔ چاہا کہ تھوڑا وقت چھوڑ دے جلد گزر جائے۔ بس اُن کا غذا کو اٹھا لائی جسے صبح کے وقت معبد میں جھپکا اور جو ایک عجیب طرح پر اسکے ہاتھ لگا تھا۔ اپنے کمرے کے ایک کوچ پر بیٹھی آسکو پڑے ہم آگے ہی کہ آئے ہیں کہ زمانہ دراز گزر جانے کے سبب وہ کا غذا نہایت بوٹ ہوئی خط کسی عورت کے ہاتھ کا لکھا تھا۔ اور کرم خوردہ ہو جانے سے کہیں کہیں مضمون بھی اڑ گیا تھا

م جو کچھ باقی تھا۔ اسکو باہر جبین ترزا اسی قید کے عالم میں بھی نہایت رغبت و شوق سے رہ رہی تھی اور وہ یہ تھا۔

دستِ ترین ظلم جو قیاسِ بشری سے خارج ہو! اس زندانِ بلا میں اسیر کیا جانا بغیر امر کی آگہی کے کہ کس جرم کی علت میں مجھے یہ قید نصیب ہوئی۔ اور اسکی پاداش میں بے لیے کون سزا تجویز کیا جائیگی۔ آدہ یہ مشتبہ حالت نہایت خوفناک ہو! نہیں معلوم کہ زندہ رہے۔ ماتھے کیا سلوک کرنا چاہتا ہو۔ کیا مجھے بے رحمی سے قتل کر دیا۔ میں نہیں سمجھ سکتی کہ اسکا عقاد ہو۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو ایک دن کے لیے بھی مجھے زندہ نہ چھوڑتا جبکہ میں پورے طور پر اختیار میں ہوں۔ میں نے چھ ہفتے اس بلا خیز قید خانے میں ایسی مصیبت سے گزاری کہ جب کبھی کھڑکی کے کھلنے کی صدا آئی۔ میرا دل ایک بے چین ادا سے دھڑکا کیا ہو۔ بس کسی قسم کی آواز کان میں آئی تو کلیجہ بیرون تھر تھر کرنے لگا ہو۔ ہاے! دفعۃً ایسی غائبال اور مسرت ناک زندگی کے عالم سے نکال کر اس آفت میں مبتلا کیا جانا کسی کے لیے دمجنون بنانے کے لیے کافی ہو۔ بعض وقت میرا دماغ چکر کھانے لگتا ہو۔ آنکھوں پر پردہ مصیب شکلیں کھڑی ہوتی ہیں اور کانوں میں عجیب و غریب صدائیں گونجتی ہیں۔ جانے شومی طالع کہاں لیے جاتی ہو۔ میں ایسا جگر کمان سے لاؤں جو زمانے تک ان مصیبتوں کی برداشت کا تحمل ہو سکے۔ کیا میرے لیے دنیا میں کوئی ایسی چیز باقی رہی جو بقیہ زندگی کے آفات کی سپر ہو۔ اے ارحم الراحمین! کب..... (ہاں ٹھوڑا سا ٹیڑھوں کی نذر ہو گیا تھا) رسی اور کنار اسکی موت کی ہولناک نشانی! میں سوچ کہ کبھی اسے مارا۔ گو اسے خود اپنے ہاتھوں نہ مارا ہو۔ مگر میرے بچے کو مجھے جبین لیا گو وہ کو جان سے زیادہ عزیز بیٹی سے خالی کرنا افسوس یہ بہت بڑا ظلم ہو۔ میں جسے کبھی ایذا رسانی پر کمر نہیں باندھی۔ کبھی اپنی دولت و منصبِ نخوت و غرور کو پاس نہ دیا وہ میں جو ان غریبوں کے جھوڑوں میں جا کر انکی مدد کرتی رہی جسکے وہ جتنی



چھوڑے دیتا ہوں۔ میں تم سے کسی قسم کی شرط نہ لوں گا۔ صرف تمہاری خالص الفت میری کافی ہو۔ (جوش سے) چونکہ میں اس قید سے تمہیں چھڑا سکتا ہوں۔ اس لیے آج دوپہر شب میں تم اپنے باپ کے پاس جانے کے لیے تیار ہو رہو۔“

تریزا۔ (خوشی سے بھول کر) ”کیا تم وہی ہو جو میں سمجھتی تھی؟“

فوسٹ۔ ”برابر دوپہر شب کو میں بیان آؤں گا۔“ یہ لکڑ ڈیم و نفریڈ کے کمرے سے ہوتا ہوا باہر چلا گیا جو اب تک گر جا میں مصروف دعا تھی۔“

تریزا۔ (کمال مسرت سے) ”آج شب کو وہ آئیگا۔ اور آبا جان کی زیارت مجھے نصیب ہوگی۔“

گلدہ اس آسانی سے کیونکر بیان آتا اور جاتا ہو؟“

## دسواں باب

### نوشتہ

طوفان کی شدت اب تک کچھ کم نہیں ہوئی جیسیفہ ڈیم و نفریڈ اپنے کمرے میں داخل ہوئے وہ آسوقت تک برابر دعا کر رہی تھی۔ اور سمجھے ہوئے تھی کہ میری تاثیر دعا کے سبب پر نہیں نہ سہی مگر مجھ پر تو طوفان کی وجہ سے کوئی صدمہ نہ ہوگا۔ تریزا کو دوپہر کا کھانا کھا کر اور اس کام سے فراغت ملنے ہی بڑھیا پھر گر جا میں گئی۔ تریزا اپنی خواجگاہ میں پہونچ کر دروازہ پہلے ہی نہایت ہوشیاری سے بند کر لیا تھا رنائی کی مستقل امید نے اسکے دل کو قوی بنا دیا تھا۔ اور پوری تسکین وطمیننت حاصل تھی۔ چاہا کہ تھوڑا وقت ہو وہ جلد گزر جائے۔ بس اُن کا غذا کو اٹھا لائی جسے صبح کے وقت معبد میں چھپا کر رکھا اور جو ایک عجیب طرح پر اسکے ہاتھ لگا تھا۔ اپنے کمرے کے ایک کوچ پر بیٹھی آسکوٹھ پر ہم آگے ہی کہ آئے ہیں کہ زمانہ دراز گزر جانے کے سبب وہ کا غذا نہایت بوٹ ہوئی۔ انہی کسی عورت کے ہاتھ کا لکھا تھا۔ اور گرم خورہ ہو جانے سے کہیں کہیں بخمون بھی آؤ گیگا

ہم جو کچھ باقی تھا۔ اسکو راہِ جنینِ ترنیر اسی قید کے عالم میں بھی نہایت رغبت و شوق سے  
رہ رہی تھی اور وہ یہ تھا۔

”سخت ترین ظلم جو قیاسِ بشری سے خارج ہو! اس زندانِ بلا میں اسیر کیا جانا بغیر  
امری کی آگہی کے کہ کس جرم کی علت میں مجھے یہ قید نصیب ہوئی۔ اور اسکی پاداش میں  
میں نے کون سا تجویز کیا کیجائیگی۔ آدہ یہ مشتبہ حالت نہایت خوفناک ہو! انہیں معلوم کہ زندہ  
ہے۔ مانتہ کیا سلوک کرنا چاہتا ہو۔ کیا مجھے بے رحمی سے قتل کر لیا۔ میں نہیں سمجھ سکتی کہ اسکا  
مقتاد ہو۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو ایک دن کے لیے بھی مجھے زندہ نہ چھوڑتا جبکہ میں پورے طور پر  
اختیار میں ہوں۔ میں نے چھ ہفتے اس بلا خیز قید خانے میں ایسی مصیبتات کائے  
کہ جب کہیں کھڑکی کے کھلنے کی صدا آئی۔ میرا دل ایک بے چین ادا سے دھڑکا کیا ہو۔  
جب کسی قسم کی آواز کان میں آئی تو کلیجہ پھریں تھر تھر کرنے لگا ہو۔ ہاے! دفعۃً ایسی  
عجیب اور مسرت ناک زندگی کے عالم سے نکال کر اس آفت میں مبتلا کیا جانا کسی کے  
دلی و مجنون بنانے کے لیے کافی ہو۔ بعض وقت میرا دماغ چکر کھانے لگتا ہو۔ آنکھوں  
پر پردہ مہیب شکلیں کھڑی ہوتی ہیں اور قانون میں عجیب و غریب صدائیں گونجتی ہیں۔  
جانے شومی طالع کہاں لیے جاتی ہو۔ میں ایسا جگر کھان سے لاؤں جو زمانے تک ان  
مصیبتوں کی برداشت کا تحمل ہو سکے۔ کیا میرے لیے دنیا میں کوئی ایسی چیز باقی  
ہی جو بقیہ زندگی کے آفات کی سپر ہو۔ اے رحمِ الہامین! اکب..... (ہیان ٹھوڑا سا  
لیٹرون کی نذر ہو گیا تھا) رسی اور کٹار اسکی موت کی ہولناک نشانی! میں سچ کہہ سکتی  
ہوں اسے مارا۔ گو اسے خود اپنے ہاتھوں نہ مارا ہو۔ مگر میرے بچے کو مجھے جھین لیا  
گو وہ کو جان سے زیادہ عزیز بیٹی سے خالی کرنا افسوس یہ بہت بڑا ظلم ہو۔ میں جسے کبھی  
ایذا رسانی پر کمر نہیں باندھی۔ کبھی اپنی دولت و منصبِ سخوت و غرور کو پاس  
نہ دیا وہ میں جو ان غریبوں کے جھوڑوں میں جا کر انکی مدد کرتی رہی جسکے وہ جتن



تھے۔ اور ایسے درد مندوں کی دلہی کرنا میرا شعار تھا جو زمانے کے ماتون ستائے گئے  
 بیماروں کی عیادت کرنا بندگانِ خدا کی خوشنودی کی ہمیشہ خواستگار رہنا۔ میں اپنا  
 سمجھتی رہی اور جسکے سبب سے میرے نیک دل اور فیاض شوہر کے تمام ملازم مجھے دم  
 دیتے تھے۔ وہ میں جو..... (بیان بھی کاغذ کرم خوردہ تھا۔) میری سخت جگہ کیا میں  
 زندگی میں تجھے پھر ایک دفعہ دیکھ سکوں گی؟۔ افسوس وہ جفا کار اگر اتنی اجازت دے  
 اسکی سرکشی اس بات کو گوارا کرے کہ تجھے ساتھ لیکر میں ایک غریب سے غریب جھونپڑ  
 زندگی بسر کر سکوں تو میں خوشی سے قبل کروں گی۔ مگر اسکی آج صبح کی ملاقات اور گفتگو  
 تمام امیدیں منقطع ہو گئیں۔ اسکی بجا تجا دینے کے جا بجا نہ حصول سے معلوم ہو گیا کہ اسنے  
 عوض سے مجھے زندہ رکھا ہے۔ وہ ایک شیطانِ ملامت سے کہتا ہے کہ عام خدا کے کی دانی  
 میں میں گر گئی ہوں اور اسوقت تک میرے دنیا میں کسی طرح کی امید نہ رکھنا چاہیے جہاں  
 اس ظالم سے عقد کر لینے پر رہنا سزا مند ہو رہا۔ اور اسکو افسین پیار کی نگاہوں سے دیکھوں  
 اپنے عزیز شوہر کو دیکھا کرتی تھی۔ جسکو اسی پرست نے مارا ہے۔ مگر یہ کیسی تجویز ہے؟ کہیں  
 رعایت کا توقع نہ ہو گیا اسکی غرض ہے کہ دنیا میں بشمول کرے کہ میں گر گئی۔ میری  
 بیٹی میرے سوائے کچا بلی۔ اور آزادی تو نہیں لیکن موجودہ حالت کی سختی میں کمی ہوگی  
 بھی اس شرط پر کہ میں اپنے اور اپنی عزیز بیٹی اور بیٹا سے ہر کے نام پر رہے لگاؤں۔  
 یقین نہیں کر سکتی کہ کیونکر وہ میرے روبرو آیا؟ اور اسکو کس طرح وہ الفاظ ملے۔ جسے  
 بے حرستی کی تجویز کو بیان کیا۔ وہ کس بے حیائی کے ساتھ میری دلہی کرنے کا پہلو لے  
 لیتا تھا کہ باوری کو بلوا کر اس عیادت گاہ میں جو قید خانے کے متصل ہے خطبہ نکاح پڑھا یا  
 وہ باوری بھی اس ظالم کی بد کرداری میں شریک ہوگا۔ مگر جب میں نے اسکو حقارت  
 سے دیکھا اور اسکے اعمال بد پر لعنت و ملامت کرنے لگی تو اسنے کس قدر آنکھیں سرخ کر لیں  
 غصے سے کانپنے لگا۔ اب مجھے اس سے رحم کی امید وار رہنے کے عوض مرنے کے لیے

چاہیے۔ اور خدا سے نجات کی دعا کرنا ضرور ہے۔ کیا عجب کہ آنے والی گھڑی موت ہی کی  
 سی ہو۔ ہر دم کسی کی آہٹ پر مجھے گمان ہوتا ہے کہ میرا قاتل آ رہا ہے۔ میری پیاری بیٹی !  
 برا خیال و انگیرہ حال : ہوتا تو میں کیسی مسرت سے مرنے پر تیار ہوتی۔ نہیں بلکہ اس وقت  
 موت کی آرزو مند رہتی۔ سگرافسوس ! اب جیتک کہ یہ ارمان اور یہ تمنا میرے دل میں رہے  
 تھے اور ایک مرتبہ دیکھ لوں۔ اور خداوند عالم مجھ پر اتنا رحم کرے کہ تیرا دیدار مجھے بھر نصیب ہو  
 تاکہ مجھے زندہ رہنے کی ہوس باقی رہیگی۔ اور کچھ یوں ہی سی امید بندھتی ہے کہ تجھ کو  
 لکے سے لگا کر پیار کرنا مجھے میسر ہوگا۔ کیونکہ وہ آدمی جس کا نام ہیوگو ہے۔ جو میرے لیے  
 تالاف تھا اور جس نے میری حالت زار پر ترس کھا کر یہ کاغذ اور لکھنے کا سبب لا دیا جس پر میں  
 زندہ و ناک حالت کو لکھا ہے۔ وہ میرے حال کو درد مندانه طور سے دیکھتا ہے اور مار  
 ادا ہے تو وہی میری گریہ و زاری و بقراری کے سبب واجب الرحم جانکر مخلصی کی کوئی راہ  
 لے تو میں اس بلا سے عظیم سے نجات پاسکتی ہوں۔ با اینہم میرا دل اندر سے گواہی دے رہا ہے کہ  
 دلی امیدیں ہیں۔ جو کسی طرح پوری نہیں ہو سکتیں۔ .... (بیان کاغذ چٹا ہوا تھا۔)  
 پھر ہیوگو کے قدم پر گری۔ منت و سماجت کی۔ اور پھر دھکی دی۔ مگر اس نے کچھ التفات نہ کیا۔  
 ہم اپنی دلدرا بیٹی کی یاد میں مجھے فریاد و فغان کرتے دیکھ کر بے اختیار اسکی آنکھوں سے آنسو  
 ہی ہوتے شاید وہ بھی صاحب اولاد ہے۔ اسلئے وہ ایک مان کی گریہ و زاری کو دیکھ نہیں سکتا  
 یہ غریب بچے کی جدائی میں کرتی ہو۔ مگر میں اسکی اُداس حالت اور خموشی کے ساتھ سر ہلانے  
 نہایت بدحواس ہوئی جاتی ہوں۔ اور اسکا یہ حال میری دلی امیدوں کو حسرت و یاس سے  
 لکے دیتا ہے جب میں قلم و دوات کاغذ کے لانے پر اسکا شکریہ ادا کرنے لگی۔ تو اس نے  
 کی کی طرف اشارہ کیا۔ اور خاموش رہنے کے لیے کہا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آفا کو اسکی  
 ت بدگمانی پیدا ہو گئی ہے۔ اور جب وہ میرے پاس آتا ہے۔ اسکی حرکات کی نگرانی کے لیے  
 شخص کھڑکی کے پاس اکھڑا ہوتا ہے غالباً اسکی خاموشی کا یہی سبب ہو۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو

وہ میری روائی کی کچھ نہ کچھ ندیر کرتا۔ شاید اب بھی موقع پا کر کسی دقت تنہا میرے پاس آئے۔ اس نئے خیال سے مجھے کچھ تسکین سی ہوتی ہو۔ جب میں اپنا دکھ درد اس کا غد پر لکھ رہی ہو تو غم کا جوش کچھ دھما معلوم ہوتا ہو۔ اور افسردگی و بھینی بین کمی دکھائی دیتی ہو۔ میں کیلئے حال لکھنا چاہتی ہوں؟ آہ اگر میں اُس ظالم کے حکم سے ماری جاؤں جسے ابتدا ہی سے مجھے انتہا کا رنج پہونچایا ہو اور یہ کاغذ جسے کسی کی آہٹ پاتے ہی چھپائے دیتی ہوں۔ زرا کے اُلٹ پھیر سے محفوظ رکھ کر کسی منصف مزاج کے ہاتھ لگ جائے تو وہ ضرور میرا انتقام اس ہوا سے لیگا۔ افسوس! میرا دل کس قدر بدل گیا ہو۔ اور کیوں نہ ہو جب کوئی انسان درجہ رفعت سے لگا کر ایسے ضعیض غم کے اندھے کنوین میں ڈھکیل دیا جائے۔ اور اُس کے ساتھ ایسا بُرا سلو کیا جائے اور جو رد و جھار وار کھی جائے جو قابل بیان نہو آہ! یہ فطرت انسانی سے بے بعید ہوگا بے رحم سے انتقام لینے کا خواستگار نہو جو ان مصائب کا بانی ہوا ہو۔ . . . . (بیان کا غد بٹھا ہوا تھا) جب وہ ستم شعار آج تین پر میں اگر اپنی دشمن تجویز کو مکر پر پیش کرنے تو میں کس قدر سہم گئی۔ اور جوش سے کہا 'کیا تو مجھے ایسی ذلیل اور کم ظرف عورت سمجھتا' اُس مقام پر جہاں خداوند عالم کی عبادت ہوتی ہو تیرے ہاتھ میں ہاتھ دون (یعنی عقد) اور تیرے اسی ہاتھ میں جو ہنوز میرے بے گناہ شوہر کے خون سے رنگین ہو رہا ہو۔ اس نے کہا: 'بد لکھا عورت! تجھے معلوم نہیں کہ میری معزز در خواست کو اس خسارت سے کرنے کے سبب سے شکو کیا سزا بھگتنا پڑے گی۔ تیرے شوہر نے قوانین عدالت و قہر کے خلاف کارروائی کی۔ اور اُسی کی سزا میں وہ مارا بھی گیا۔ میں نہایت جوش میں آکر بولی۔ کہہ کیا عدالت و قہر نے میرے شوہر کی نسبت بھی وہی کیا۔ جو عموماً دوسرے مجرموں کے ہوا کرتا ہو۔ کیا اُسکو طلب نامہ بھیجا گیا تھا کہ وہ کسی مکان میں یا پہاڑ کی چوٹی پر عدالت رو برو حاضر ہووے جیسا کہ معمولی ہو۔ جواب دیا 'میں تجھے فضول باتیں کرنے کے لیے آیا۔ بلکہ اُن شرائط سے آگاہ کرنے کے لیے آیا ہوں جس سے تیری بیٹی تجھے دی جائے'

جگو زندگی نصیب ہوگی۔ میں نے کہا: آئندہ زندگی میں مجھے کیا خاک لطف دے۔  
 جب ساری عمر کا عزیز مونس اور سچا رفیق ہی مار ڈالا گیا۔ اور میں اس وحشت آگ  
 میں ڈال دی گئی ہوں۔

یہ سنکر ظالم نے یہ فقرے کہے اور روپوش ہوا۔ میں تین دن کی مہلت دیتا ہوں  
 تو میری تجویز پر خود کرے۔ مگر خیردار! جب میں دوسری مرتبہ آؤں تو اس طرح پیش نہ آنا۔  
 نہ بہتر نہ ہوگا۔ . . . . . (بیان بھی کاغذ پھٹا ہوا تھا۔) ہیوگو آیا۔ آج  
 قدر اسکے بشرے سے میری نسبت ہمدردی کے آثار پائے جاتے ہیں اس قدر کبھی  
 نہ دیکھے گئے ہیں نے اُس کے قدم لیے اور اپنی خلاصی کے لیے خوشامد کرنے لگی۔ اُس نے  
 سبکی سے کہا: لیڈی صاحبہ! تمہارے حال زار پر مجھے نہایت افسوس آتا ہے۔ مگر میرا آقا مجھے بدگما  
 رہا ہے۔ گو میں اُس کے وفادار تا بعد ارون میں شمار کیا جاتا ہوں۔ تاہم ایک اور شخص میری حرکات  
 فی کے لیے مقرر کیا گیا ہے۔ اور آج بمشکل اُس سے پیچھا چھڑا کر تنہا یہاں آیا ہوں۔  
 ۱۔ میری عزیز بیٹی کہاں ہے؟

لو! تمہاری لڑکی سلامتی سے اچھی طرح ہے۔ وہ حفاظت میں۔ . . . . . (کاغذ کی  
 ہلکی بہان بھی رنگ لائی)۔ اب مجھے صرف اس قدر امید باقی ہے کہ یہ دفتر جس میں اپنی  
 شہادت لکھی ہے۔ کسی کے نظر پڑے گا۔ اور وہ خواہ میرے شوہر کا یا مجھ مظلوم کا انتقام اس مردود  
 ہیوگو کی تقریر سے معلوم ہوتا ہے کہ میری سچی کی جان کو ضرر نہ پہنچے گا۔ شاید وہ شقی  
 بے گناہ بچے کا خون اپنی گردن پر لینے سے ڈرتا ہے۔ خدا کرے میری نور نظر ایک  
 پسندیدہ حقوق کو پہنچے۔ موت کا خوف مجھے ہرگز اُس ظالم کی راے پر عمل کرنے کی  
 بند دے سکیگا آہ وہ ظالم جو میرے شوہر کا قاتل اور میرا ایذا رسان ہے۔ نہیں۔  
 عمت کے اندر ہی اندر وہ میرا مافی الضمیر دریافت کرنے کے لیے یہاں آئیگا۔ پھر  
 رہنے پر تیار اور مستعد ہو جانا چاہیے۔ آج ہر چیز میری نظروں میں نخواست بھری

اب یہ دونوں مجلسرا کے باہر تھے۔ دن کے خوفناک طوفان کے بعد آسمان نہایت شفاف ہو گیا تھا۔ چاندنی کی دلفریب کیفیت اونچے میناروں اور بلند فصیلوں سے عجیب لطف پیدا کرتی تھی۔ وہ دونوں یہاں سے بے کھٹکے گزر کر دروازے پر پہنچے جس پر آہنی زنجیریں اور موٹی موٹی سلاخیں لگی تھیں۔ ایسے بن عظیم الشان دروازے کو فوسٹ نے چشم زدن میں کھو نہ زنجیروں کے متحرک ہونے کی آواز آئی نہ پھاٹک کے کھلنے کی آہٹ سنی گئی اس سے بھڑک چیرت کی یہ بات ہوئی تو کہ دو نگہبان یہاں آہستہ آہستہ ٹہل رہے تھے۔ اور آپس میں کچھ بات بھی کرتے جاتے تھے۔ مگر انھیں بالکل محسوس نہوا کہ کوئی اندر سے نکلا جا رہا ہو۔ پھر تریزا اور خوف طاری ہوا۔ اور وحشت سے ان مسلح جوانوں کو دیکھنے لگی۔ اور ساتھ ہی منہ پھیرا اور دروازے کے باہر تھی اب وہ خندق پر پہنچے جو راہ میں حائل تھی۔

فوسٹ۔ (آہستہ سے) ”ہم کو ایک کشتی کے ذریعے پارا ترنا چاہیے جو ہمارے لیے تیار ہو۔“ یہ کمکر تریزا کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور اس کشتی میں کود پڑا۔ جو کنارے پر لگی تھی۔ تریزا کشتی میں ایک جانب بیٹھ گئی۔ وہ اس خیال میں غرق تھی کہ کیونکر اس قدر جلد اور اس قدر آسانی سے پارا ترے گا۔ یہ تمام باتیں اُسے اس درجہ عجیب معلوم ہونے لگیں کہ فوسٹ کی حرکات سے ہر دل میں خوف پیدا ہوا۔ فوسٹ نے اُسکے دلی جذبات کو فراست سے دریافت کر کے تشنہ کلمات کہے۔ تھوڑی ہی دیر میں کشتی اُس پار جا پہنچی۔ فوسٹ تریزا کو ساتھ لیے کنارے اُترا اور کہا ”پیاری تریزا! اب تم آزاد ہو۔ خدا نے تمہیں بند غم سے آزادی بخشی۔“ اس خوش خبری نے لیڈی تریزا پر کچھ ایسا اثر کیا کہ وہ تمام دہشت و خوف کے جلا دور ہو گئے۔

فوسٹ ”میرے ہاتھ تمام لو۔ میدان کے قریب گھوڑے کھڑے ہیں۔ وہاں تک پیادہ چلنا ہو گا۔“ دونوں نہایت سرعت سے ایک مقام پر پہنچے جہاں دو گھوڑے دخت بندھے ہوئے تھے۔ مگر کوئی آدمی نہ تھا۔ فوسٹ نے نازک بدن تریزا کو ایک گھوڑے پر سوار کیا

میرا آپ سوار ہو کو ڈراتا ہوا جنگل کی پیچیدہ راہوں کو طوطا کرنے لگا۔ رہائی کی بے انتہا  
 نوح کی نزدیکی کا خیال۔ گھڑوں کی تیز روی سے پیدا ہونے والا جوش۔ باپ سے  
 سب نے مل ملا کر پیاری تریزا میں ایک دلیری پیدا کر دی تھی مگر جب بھی گھڑوں  
 پون کی آواز یا گنجان درختوں سے گرے ہوئے سوکھے پتوں کی کھڑکھڑاہٹ اسکے کانوں  
 پہنچتی تھی تو قید خانے کی وحشت کا سماں آنکھوں کے سامنے ہوتا تھا۔

جب گھڑے دم لینے کی غرض سے روک لیے گئے تھے ”تم جانتے ہو گے کہ میں ایک  
 دل لڑکی ہوں لیکن جب ہم اس قلعہ سے نکلنے لگے اور ابھی پورے طور پر اسکے حدود کے  
 رنوائے تھے۔ میرے دل پر چھائے ہوئے ہیبت ناک خیالات کے سبب قریب تھا کہ میں  
 شہ ہو کر گر پڑوں۔“

فوسٹ۔ تریزا کو دلچسپی کے ساتھ غور سے دیکھ کر جسکے چہرے کی نزاکت چاندنی میں دوبالا ہو گئی  
 تھی کہا ”وہ کون سے خیالات تھے؟“

تریزا۔ ”نہیں وہ مہل اور بیجا تھے۔“

فوسٹ۔ ”آخر بیان تو کرو۔“

تریزا۔ ”تم ہنسو گے۔ اور مجھے نادان سمجھو گے۔“

فوسٹ۔ ”نہیں بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ چند در چند توہمات کی وجہ ہمارے حواس مختل  
 اور خیالات پر اگندہ ہو جاتے ہیں۔“

تریزا۔ ”ہاں یہ سچ ہے۔ فکر و تردد کے وقت ایسے اندیشوں کو دل میں جگہ دینا قابل الزام نہیں  
 اب سنو میرے دل میں وہم پیدا ہوا کہ ہم دونوں جبریل رہے ہیں۔ نہ تو کپڑوں ہی کے رگڑے  
 جانے کی صدا سنی جاتی ہے نہ پانوں کی آہٹ معلوم ہوتی ہے۔ ایک سایہ ہے کہ گذر رہا ہے یہ  
 کیا بات تھی؟“

فوسٹ۔ ”(کے چہرے پر ہوا بیان اٹھنے لگیں) ”اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تم اس وقت



دوڑی ہوئی تھیں۔ مگر میں وقت لانگان نہ کرنا چاہیے۔ گھوڑے تارو دم ہو گئے۔  
 ہی گھنٹے میں تھوڑے باپ کے پاس پہنچا گئے دیتا ہوں۔“

گھوڑے نہایت تیزی سے دوڑنے لگے۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ زمین بھی ہل رہی ہے۔  
 ہمراہ بھاگی جاتی ہو۔ پس فوسٹ اور تریزا نصف گھنٹہ میں قلعے رورنٹل کے عالی شان  
 پر پہنچ گئے۔

تریزا۔ (جب فوسٹ نے اسے گھوڑے سے نیچے اُتار دیا) ”خدا تمہیں سلامت رکھے فوسٹ  
 اسے تریزا سے خصوصی ملاقات کرنے کے لیے ہاتھ بکڑا تو اس وقت فوسٹ کے ہاتھوں میں ہتھیار  
 عرشہ تھا جیسے کسی کو انتہائی خوف یا بیماری کے عالم میں ہوتا ہو۔“

تریزا۔ (تعجب اور خوف سے) ”تمہارے ہاتھوں میں عرشہ ہو! کیا فیصلہ عداوت تمہارا ہو گیا ہے؟“  
 فوسٹ نے نہیں بولیں۔ میرے دماغ پر دھتکہ کچھ دھتکہ ہو چکا (جلد ہی سے) خیر بے ہوش ہو  
 ہوں۔ خدا حافظ۔ تم اپنے باپ کے پاس جاؤ۔ اور بے تردد کہہ دو کہ اسے فوسٹ نے جو کسی نہ بنے

میں ایک ناگزیر ظالم تھا۔ مجھے رانی دلوانی۔ پھر ہم فریب تریشنگ۔ تمہارے آبا جسام  
 دو ہی چاروں میں وہ جشن کریں گے۔ جسکی تیاریاں مدت سے ہو رہی ہیں۔ ملوانوں میں  
 بھی شہر یکس ہو گا۔“ یہ لکھا اسنے ایک بیوگل پر لکھا۔ جو خندق کے کنارے ایک ستون

سے آویزاں تھا۔ مٹا پھر والدیوار پر چڑھ آیا۔ تریزا خود اس سے کچھ لانی جسکے شہر ہی و  
 آواز کو پہچان کر سب اختیار نہایت سے جھومتا ہوا دروازہ کھولنے کے لیے دوڑا۔

فوسٹ۔ ”پیارے تریزا! اب میں رخصت ہوتا ہوں۔ پھر تم سے ملو گا جیسا کہ  
 ابھی کہا ہے۔“

تریزا۔ ”خدا حافظ فوسٹ! سدا عارو۔“ تریزا قلعہ میں داخل ہوئی۔ دروازے کے بند  
 ہونے کی آواز اور بخیر و ن کی صدا اسکو اب سنائی دی۔ فوسٹ گھوڑے پر سوار ہوا اور دوسرے  
 گھوڑے کی باگ پکڑے ہوئے وٹن برگ کو راہی ہوا۔“



## بارھوان باب

### جشن

گزشتہ باب میں جن واقعات کا ذکر ہوا ہے۔ اُسکے دو دن بعد قلعہ روزنتل میں ایک ہمہ شان جشن ہوا اُمراے عالیقدر و عمائد و افسران شہر و ٹن برگ مع عیال و اطفال ہوتے۔ لارڈ روزنتل کے قلعہ میں کئی سال سے اتنا بڑا جشن نہوا تھا۔ بارکون میں بہت سی طرح باقاعدہ فوج رکھی گئی تھی۔ کیونکہ لارڈ روزنتل بد ذات کونٹ مانفرڈ کی جانب سے بیفکر تھا۔ دعوت کے ہال میں جھنڈے نصب کیے گئے تھے۔ اور زینت کے لیے قرینے سے انوار باندھے گئے تھے۔ اور دیگر آرائشی اسباب اور جنگی ہتھیار رکھے ہوئے تھے۔ باورچی نشین لہذا غذا کی تیاری میں سرگرم تھے۔ شام کے پانچ بجے کپتان ڈیونڈ نے تعظیمی فوج کو ٹائیک کے ہر دو جانب صف بستہ کیا۔ اور خانسان مہمانوں کی ایک طویل فہرست ہاتھ میں لیے ایک مناسب مقام پر ٹھہرا۔

لیڈی تریزا اپنے عالی مرتبہ کے موافق ایک بیش قیمت اور مکلف لباس پہنے ہوئے جس سے اُسکا دل فریب حسن اور دو بالا ہو گیا تھا اپنی دونوں خواصین میریا اور ایڈا کو ہمراہ لیکر محاسر کے بڑے کمرے میں داخل ہوئی۔ ہامیل جفٹلین کے لباس میں پہلے ہی سے وہاں موجود تھا۔ جب تریزا داخل ہوئی۔ تو وہ تعظیم کے لیے اُٹھ کھڑا ہوا اور اُس زمانے کے دستور کے مطابق اُس سے دست بوسی کی۔ ہامیل کی حرکات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ میریا کے ساتھ دلی انس اسوقت سے رکھتا ہے۔ جب پہلے پہل اُسکو گرجا میں تریزا کی رہائی کے لیے دعا کرتے دیکھتا تھا تریزا ایک عالی شان رومی چوکی پر بیٹھ گئی۔ مگر اُسکے چہرے سے شگفتگی کے آثار بالکل نہ پائے جاتے تھے۔ زبردست سارے دھڑکتا ہوا سینہ فکر میں ڈوبی ہوئی نگاہ بتا رہی تھی کہ اُسکا دل رنج و فکر سے خالی نہیں ہے۔ لارڈ روزنتل سلطنت جرمنی کے ایک جلیل القدر

امیر کا لباس پہنے ہوئے دو صاحبوں کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا۔ اور اپنی بیٹی بیٹی کی افسردگی کو دیکھ کر اُسکے قریب گیا۔ اور جھک کر اُسکے کان میں کہا۔ ”تجھے اس بات غم ہو گا کہ میں نے اُس غریب طالب علم کو دعوت نہیں دی۔ جو تیری محبت کا دم بھرتا ہے۔ کہ اپنے باپ کے مہمانوں کے کشادہ پیشانی سے ملنے اور اخلاق ظاہر کرنے کے لیے آئیں سکتی تریزا۔ (اوب سے) بعض وقت انسان اپنے دلی جذبات کے روکنے پر قادر نہیں ہو سکتا (شرم سے سر جھکا کر) وہ تو وہی طالب علم ہے جس نے مجھے ایک ظالم کے پھندے سے چھڑایا ہے خیر۔ میں جتنے الامکان اُن لوگوں کو اخلاق سے لو لگی جو یہاں آ رہے ہیں۔“

باپ ”بیشک میں اقرار کرتا ہوں کہ اُس نے تیری رمانی کی وجہ سے مجھ پر بڑا ہی احسان کیا۔ میں نے اُسکے پاس اپنے وفادار ڈیوڈ کو یہ پیام کھلا بھیجا تھا کہ اس احسان کے معاوضے میں جو انعام طلب کرے میں دینے کے لیے موجود ہوں اور اُسکو وہ روپیہ بھی دیدیا جائیگا جو باسانوں کی رشوت دہی میں صرف ہوا ہے۔ میں حیران ہو رہا ہوں کہ اتنا زرخشاں کے پاس آیا کہاں سے؟“

بیٹی۔ اُسکی اصلی حالت کچھ اور ہی ہے۔ حالانکہ میں کوئی دلیل پیش نہیں کر سکتی۔ مگر مجھے یقین ہے کہ اُسکا قول۔ اُسکا رتبہ اور اُسکے اختیارات اس سے کہیں بڑے ہوئے ہیں جس قدر آپ کا قیاس ہے۔“

باپ ”اس بارے میں زیادہ بحث کرنے کی کوئی ضرورت نہیں لیکن میں جو کہتا تھا۔ یعنی اس سے ایسا سلوک کیا جائے جو ایک کم حوصلہ اور بے مائیت شخص کے ساتھ ایک عالیشان امیر کر سکتا ہے۔ مگر اُسے اس قسم کے مراعات کے قبول کرنے سے انکار کیا۔ حالانکہ خود ڈیوڈ اُسکے گھر گیا تھا۔ اور نہایت مروت و اخلاق سے میرا پیغام پہنچایا تھا۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ایک شیخی باز دیوانہ شخص ہے۔“

لارڈ روزتیل نے اپنی تقریر ہنوز پوری نہ کی تھی کہ داروشہ دعوت خانہ ایک بھاری سونے

کے عہدے کی نشانی تھی پہنے ہوئے کمرے میں آیا۔ اور واجب التعظیم مسٹر کرپ  
سروٹن برگ کے آمد کی خبر سنائی۔ یہ بزرگوار (جیٹ جج) تقریباً بچاس سال کی عمر کے  
عظیم الجثہ مگر شکیل صورت تھے۔ بال صرغ اس قدر سفید تھے کہ ایک بھورا رنگ پیدا  
کے۔ آنکھوں سے فراست چمکتی تھی مگر قبسم سے سنگ دلی کے آثار نمایان تھے۔ غرض جج  
ب کرے میں تشریف فرما ہوئے۔ اور لیدی تریزا کو سلام کیا۔ ساتھ ہی لارڈ ورنٹل  
ایک گوشے میں بیجا کر بون باتیں کرنے لگا۔ میری عزیز لڑکی نے ہنوز اس غریب طالب علم  
دل سے دور نہیں کیا۔ جسے چند روز پہلے آپ نے قید کیا تھا۔ اور جو ایک ناقابل قیاس  
سے بھاگ گیا تھا۔ اتنا سننا تھا کہ جج صاحب کے چہرے سے جو خوشخواری عیاں تھی۔  
بت اور وحشت سے مبدل ہو گئی۔

خداوند! اس نوجوان کے مقدمہ میں میں کچھ دخل دے نہیں سکتا۔  
ورنٹل ”نہیں۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ اسکو کسی قسم کا نقصان پہونچایا جائے کیونکہ اسے  
را احسان کیا ہو میں اسی قدر کارروائی چاہتا ہوں کہ وہ شہر بدر کر دیا جائے۔ اور آپ  
طالب ہوں کہ اسکو نہایت مخفی طور پر جلد اس سرحد سے نکال دیجیے۔“  
اگرچہ کل روئے زمین کے خزانے بھی مجھے دیے جائیں۔ تاہم میں اس کام میں دخل  
نہیں لگاؤں۔ جب وہ قید سے نکل بھاگا۔ اور اسی شہر میں ہماری حکومت کی ہنسی اٹوانے لگا۔ اگر  
اسکان میں ہوتا تو اسی وقت میں نے گوشمالی کی ہوتی؟  
ورنٹل ”یہ کیا بات ہے کہ آپ اس درجہ اس سے خائف ہو رہے ہیں اور الگ تھلک  
چاہتے ہیں؟“

نے تھوڑی دیر سکوت کیا۔ اور گھبرائی ہوئی آواز سے کہا ”میں وہ بات اس شخص سے  
بھی جرات نہیں کر سکتا جو مرنے کے وقت ایمان کی تلقین کے لیے آتا ہے۔“ اتنا سنکہ  
ورنٹل کو دوسرے مہمانوں کے آجانے سے اُدھر متوجہ ہونا پڑا۔ غیافت کے وسیع ہال پر

بہت سے جٹلین اور لیڈیان جمع تھیں۔ عمدہ داران دارالعلوم و مینوسپالٹی سرکاری لباس میں شریک جشن ہوئے تھے۔ اکثر لیڈیان حسین تھیں۔ مگر حور و ش تریزا کی دلفریب صورت اور بھولے چہرے سے کسی کا حسن فوق نہ لیجا سکتا تھا۔ قلعہ کی بڑی گھنٹی بجنا شروع ہوئی۔ جو دسترخوان تیار ہونے کی نشانی تھی۔ کمرے میں بیٹھے ہوئے تمام میہان مع صاحب خانہ اٹھ کر جلوس کے ہمراہ دعوت خانہ کی طرف چلے۔ وہاں نہایت شفاف روشنی تھی۔ عمدہ کھانے اور نفیس میوے طلائی برتنوں میں منبر پر رکھے تھے لارڈ روزنٹل میز کے سرے پر بیٹھ گیا اور لیڈی تریزا اُس کے جانب راست تھی جسکی آنکھیں اُن سے زیادہ مہمانوں میں فوسٹ کو حسرت سے ڈھونڈ رہی تھیں۔ ہامیل میریا کے قریب بیٹھا تھا جب تمام مہمان کھانے میں مشغول ہوئے اور آپس میں ایک دوسرے سے باتیں کرنے لگے۔ تو ہامیل کو میریا کے ساتھ گفتگو کرنے کا اچھا موقع ملتا تھا آیا۔

”بیکم صاحبہ! گو تھوڑے ہی دنوں سے میں آپ کو جانتا ہوں۔“  
 نیک صلت اور شریفانہ ناز و ادا میرے دل پر سحر خیز اثر پیدا کر رہے ہیں۔“  
 میریا سمجھ گئی کہ ہامیل کی تقریر کا حاصل کیا ہے۔ اور کہنے لگی۔ ”مسٹر ہامیل! آپ یہ بڑھاتے ہیں میں صرف ایک غریب کسان کی نیم لڑکی ہوں۔ اور اگر لیڈی تریزا کی متو میرے حال زار پر ترس نہ کھاتیں تو میں آج اتنی عزت کو ہرگز نہ پہنچ سکتی جو ایسے عا جشن میں شریک ہونے سے مجھے حاصل ہے۔“  
 ہامیل۔ (دلی جوش سے) ”اگر آپ ایک جھوٹے کی رہنے والی ہوتیں اور بالفرض یہ کا ایک ذی رتبہ شاہزادہ ہوتا بھی تو آپ کی ایسی نیک سیرت سنجیدہ مزاج خوش اطوار لیڈی عقد کرنا اپنا فخر سمجھتا۔“

میریا نے کچھ جواب نہ دیا۔ اور خرم سے آنکھیں نیچی کیے ہوئے اُس کو سے چلی گئی۔  
 انداز سے ہامیل سمجھ گیا کہ وہ مجھے عقد کرنے پر راضی ہے۔ خیر۔ میریا ابھی گئی ہی تھی اور اُسکا

صورت ہامیل کی آنکھوں سے پورے طور پر غائب نہ ہوئی تھی کہ اُسکے کندھے پر کسی کا ہاتھ پڑا۔ ہامیل نے پلٹ کر دیکھا تو ایک خوبصورت نوجوان عمدہ لباس پہنے بازو کے قریب آ بیٹھا۔ تھوڑی دیر غور کرتا رہا کہ یہ بھی انھیں مہمانوں میں ہے۔ مگر جب غور سے نگاہ کی تو معلوم ہوا کہ وہ اجنبی شخص ہے۔

اجنبی۔ (آہستہ سے) ”آپ اُس نوجوان لیڈی سے محبت رکھتے ہیں؟ جو ابھی اس کمرے سے گئی ہے؟“

ہامیل۔ (برہمی سے) وہ بات تم سے کیا تعلق رکھتی ہے؟“

اجنبی۔ (ملاؤمت سے) ”میں ابھی آپ پر ثابت کر دوں گا۔ آپ کو یاد ہے کہ کسی کا احسان آپ پر ہے۔ ایسے کہ اُسے کسی وقت موت کے پنجے سے چھڑایا تھا؟“

ہامیل۔ ”ہاں بے شک ایک شخص کا بار احسان میری گردن پر ہے۔“

لیکن اب کیا آفت مجھ پر نازل ہوئی ہے جس سے بچانے کے لیے آپ آئے۔“

اجنبی۔ ”ہاں وہ تو گزر گئی۔ مگر یاد ہے کہ کسی نے آپ کو عدالتِ دہم کی پچانسی پانے سے بچایا تھا؟“

ہامیل۔ ”ابھی طرح یاد ہے۔ اگر آپ میرے اس محسن کو جانتے ہوں تو۔۔۔“

اجنبی۔ ”میری تقریر پوری سن لیجیے۔ آپ کو یاد ہے کہ کسی شخص نے اس قلعہ کی فصیلوں پر بھی آپ کی جان بچائی تھی۔“

ہامیل۔ ”یاد ہے۔ آپ اُس سے واقف ہیں جو ایسی مصیبت کے عالم میں میرے لیے سینہ سپر ہوا؟“

اجنبی۔ ”وہ ایک ہی شخص تھا جو دو مرتبہ آپ کے کام آیا۔“

ہامیل۔ ”میں اُسکا نہایت ممنون ہوں۔ جسے دو دفعہ ایک عجیب طرح سے میری جان بچائی۔“

اجنبی۔ ”اب وقت بیکار نہ کھونا چاہیے یہی وہ وقت ہے جس میں آپ اُن احسانات کا عوض اپنے محسن سے کر سکتے ہیں۔“

ہامیل۔ (تعجب سے) ”میرا محسن! کہاں ہے؟ اور اسکی وہ کیا خواہش ہے جسکو میں پوری کر دوں؟“

اجنبی: ”دو مہینے ہوئے۔ میں ہی ہوں۔“

ہامیل: ”آپ!“

اجنبی: ”جی ہاں میں ہی۔“

ہامیل: ”وہ چہرہ، خواہش بیان کیجیے۔ میں قسم کھاتا ہوں کہ اگر مجھے ممکن ہو تو اسکی ہجرت کر کے  
میں کوتاہی نہ کروں گا۔“

اجنبی: ”آپ میری خواہش نہایت آسانی کے ساتھ پوری کر سکتے ہیں۔ یہ ایک آپ کا دینی التوا  
تہذیب کی چھٹی خاص میراث ہے۔“ اٹھا کما اوچھپا سے ایک کٹا کٹا لکڑی ہامیل کے ماتحتون میں  
پر پڑا۔ ہامیل نے لکھا ہوا تھا۔ ہامیل نے عجیب نظر سے عبارت پڑھ کر اس اجنبی کو حیرت اور ہلکانی  
سے دیکھتے لگا۔

اجنبی: ”میں دوسرے آپ کی جان بچانے کا سبب ہوا ہوں۔ اس کے علاوہ میں یہ کوئی بڑا کام  
نہیں کر سکا۔ آپ کو دیکھ کر دیکھ کر۔“

ہامیل: ”آپ میری زندگی کے باعث ہوئے ہیں۔ اور اس نظر سے بیشک یہ کچھ شکل امر نہیں۔  
لیکن اس وقت لکھنے کا سامان یہاں موجود نہیں ہے۔ میں کیسے دستخط کر سکتا ہوں۔ ان اپنے ہاتھ  
کے میں ہو۔ پچھنے کے بعد ضرور کروں گا۔“

اجنبی: ”میرے پاس سب چیزیں موجود ہیں۔“ یہ لکھا جیب میں سے قلم اور دو است نکال کر  
ہامیل کے آگے رکھ دی۔

ہامیل: ”دوسرے مہمان ہمیں دیکھ رہے ہیں۔ غالباً لارڈ ریفز تھیں ہمارے اس حرکت کو انہیں  
کے خلاف سمجھیں گے۔“

اجنبی: ”آپ ملاحظہ فرمائیے۔ کسی کی نظر ہم پر نہیں پڑ رہی ہے۔ تمام لوگ اپنی اپنی گفتگو میں  
مغور ہیں۔ ہامیل نے نگاہ کی تو اجنبی کا قول صحیح پایا۔ اُس نے بے تامل قلم اٹھا کر اس کا غنڈ پر کچھ  
لکھ دیا۔ اُسیدم اجنبی شخص نے کاغذ اس کے ہاتھ سے لیکر ایک شخص کے حوالہ کر دیا جو اس کے پیچھے کھڑا تھا۔



ہامیل تعجب سے اُسکو دیکھنے لگا۔ جو کاغذ پا کر چلتا ہوا تھا۔  
 اجنبی ”وہ کاغذ میں نے اپنے خدمتگار کے حوالے کیا ہی۔ وہ کمال حفاظت سے رکھیگا۔“  
 ہامیل کچھ جواب دینے ہی کو تھا کہ دعوت خانے میں ایک پر خوف شور بلند ہوا۔ اور لارڈ رزٹل  
 کا سرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ اس ناگہانی واقعے کے سبب تمام مہمان اپنی اپنی جگہ سے  
 اٹھ کھڑے ہوئے۔

## تیسرا باب

### جشن میں تہلکہ

ایسے جشن عظیم میں جو موقعہ دیر ہی پیدا ہوئی اُسکا اصلی سبب معلوم ہونے کے لیے  
 ہمیں یہ بیان کرنا چاہیے کہ جب ہامیل اور اجنبی شخص بائین کر رہے تھے تو دوسرے مہمانوں  
 میں کیا گزر رہا تھا۔

ماہ جین تریزا اپنے قریب بیٹھنے والے مہمانوں سے نہایت خلق کے ساتھ باتیں کرنے  
 میں شریک تھی۔ مگر اُسکی اندرونی افسردگی اور بیچ و تاب سے ظاہر تھا کہ اُسکا دل ریچ والہ  
 خالی نہیں ہو۔ جج صاحب ہادہ ٹوشی میں مشغول تھے۔ ہرن کے کباب جو نہایت عمدگی  
 سے لگائے گئے تھے۔ زیادہ کھا جانے کی وجہ سے اُسکے ہضم کرنے کے لیے اُنہیں اسی  
 مقدار کی شراب بھی ضرور تھی۔ لارڈ رزٹل کو ایک معزز مہمان کے ساتھ دینے میں کوتاہی کرنا  
 ٹھیک نہ معلوم ہوا۔ اور دوسرے اُمراء عمائد و معززین کو بھی ان دونوں کی پیروی کیے بغیر  
 چارہ نہ تھا۔ لیڈیان بھی انگوری شراب کا ایک ایک جام چڑھائے بیٹھی تھیں۔ ہنسی اور  
 قہقہے کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ اور مہمانوں میں اقسام نقل و حکایات اور کپ شپ  
 شروع ہوئی۔ جج صاحب نشہ شراب سے خوب گرم ہو کر لارڈ رزٹل اور دوسرے مہمانوں  
 سے جو قریب بیٹھے تھے کہنے لگے ”اب تک آپ لوگوں نے جو نقلیں بیان کیں یا سنیں۔ اس سے



صرف اس قدر فائدہ ہوا کہ محفل میں ہنسی دل لگی ہوتی رہی۔ مگر میں آپ کی اجازت سے ایک ایسی نقل بیان کرنا چاہتا ہوں۔ جس سے نہایت لطف اُٹھے گا۔“

لارڈ روزمٹل: ”جناب جج صاحب کے فرمان کی طرف سب صاحب متوجہ ہوں۔ تمام لوگ خاموش ہو گئے اور دور بیٹھے ہوئے لوگوں نے بھی اپنی کرسیاں نزدیک ہٹالیں۔“

جج: ”دو چوبیس سال کا زمانہ گزرا جب میں نے اول اول عدالت ویا نہ میں ملازمت کی۔ سرکاری دفتر اور خاندان شاہی کے رجسٹر کے متعلق جو جو کام ہوتے تھے اُس کا بجالانا میرے

ذمے تھا۔ خیر۔ نوکری کے ایک سال بعد امیر کیہ چارلس کے محل سے میری طلبی آئی۔ چوتھنشا حال کے بھائی ہیں۔ عرض یگی مجھے ایک عالی شان کمرے میں لے گیا۔ وہاں وزیر اعظم اور

دوسرے اعلیٰ عہدہ دار ملازم بھی موجود تھے۔ مجھے معلوم ہوا کہ امیر صاحب کے مشکوے سے ملے میں عنقریب وضع حمل ہونے والا ہے۔ میں نے اس امر عظیم کے درج رجسٹر کرنے کی غرض

سے فوراً کاغذات وغیرہ تیار کر لیے۔ اس کمرے کے تین دروازے تھے پہلا وہ جس سے ہو کر میں اندر پہنچا تھا۔ دوسرا دروازہ امیر چارلس کی بی بی کے کمرے کو جاتا تھا۔ اور تیسرا

گہوارے کا کمرہ تھا۔ آپ لوگ شاید واقف نہ ہونگے کہ جرمن کے شاہی خاندان میں بچہ پیدا ہونے کے بعد کیا کیا رسوم ادا کیے جاتے ہیں۔ ایسے مجھے یہ بیان کرنا ضرور ہوا کہ گہوارے

کا کمرہ کسے کہتے ہیں اور اس کے استعمال کی ترکیب کیا ہے۔ جب شہزادہ یا شہزادی پیدا ہوتی ہے۔ تو دایہ اُس کو اپنے ماتھوں میں لیے ہوئے اُس کمرے میں آتی ہے جہاں عہدہ داران سلطنت

جمع رہتے ہیں اس وقت رجسٹرار اُس بچے کے پیدا ہونے کی ساعت اور اس کا حلیمہ وغیرہ قلمبند کر لیتا ہے اور چند نشان جنھیں ڈاکٹر بناتا ہے۔ وہ بھی درج کیے جاتے ہیں۔ غرض اس کے بعد

دایہ بچے کو گہوارہ خانے میں لیجاتی ہے۔ اور دوسرے دن صبح تک وہاں سے نہیں نکلتی۔ شاہی گارڈ کا ایک سپاہی نہایت مستعدی سے اُس کمرے پر پیرہ دیا کرتا ہے۔ اگر اُس نے سوا ڈاکٹر کے

کسی اور کو کمرے کے اندر جانے کی اجازت دی تو گویا دی ہی اُسکی موت کی علامت ہے۔ تو لڑکی

دوسری صبح کو تمام فوج محسّر کے روبرو صف بستہ کی جاتی ہے۔ اور اُس سپاہی کو جو پہرے پر تھا یہ عزت حاصل ہوتی ہے کہ بچے کو ماتھ میں لیکر بالا خانے پر آتا ہے۔ اور تمام فوج اور دوسرے لوگوں کو دکھاتا ہے۔ سپاہی کو انعام و اکرام ملنے کے سوا اسکا عمدہ بھی بڑھایا جاتا ہے۔ بس گوارہ خانے کی رسم ختم ہو جاتی ہے۔“

سامعین ”عجیب نا در رسم ہے!“

جج ”اسکا بہت دلون سے رواج ہے جب آپ لوگ یہ سن چکے تو جس قصّے کو میں بیان کرنے والا ہوں وہ بھی آسانی کے ساتھ بخوبی سمجھ جائیگے۔ میں نے ابھی بیان کیا تھا کہ امیر کبیر کے مان سے میری طلبی ہوئی اور میں وہاں جا کر اپنی خدمت کی بجا آوری کے لیے کاغذ وغیرہ تیار لیے بیٹھا تھا۔ تھوڑی دیر میں خود امیر کبیر اُس مقام پر تشریف لائے جہاں ہم سب بیٹھے ہوئے تھے۔ پورا ایک گھنٹہ سکوت اور تردد کے عالم میں گزرا۔ آخر ڈکڑ برآمد ہوا۔ اور شہزادے کے پیدا ہونے کی خبر دی۔ اب جو ہمارے امیر لیبولڈ ہیں۔ یہ وہی ہیں جنکی ولادت کا ذکر میں کر رہا ہوں۔“

لارڈ روزنٹل۔ (جلدی سے) ”اور جس سے میری عزیز بیٹی ترنیزا منسوب ہے۔ اور جو عنقریب اس قلعہ کو شادی کے لیے آئیگا۔“ ترنیزا کے دل سے بے ساختہ ایک گہ نکلنے لگی جسکو اُس نے بہ مشکل روک لیا۔

جج ”خیر جب شاہزادے کے تولد کی خبر آئی تو ہم سبھوں نے ڈیوک (امیر) صاحب کو مبارکباد دی ایک نہایت قیمتی انگوٹھی ڈاکٹر کو انعام میں دی گئی۔ اور وہ بچے کو ماتون میں لیے ہوئے آئی۔ میں اپنی خدمت سے سبکدوش ہو گیا۔ لیکن تاریخ و ساعت ولادت لکھ چکا۔ شہزادہ تندرست اور قوی تھا۔ ڈیوک صاحب انتہائے مسرت سے بھولے نہ سماتے تھے۔ اُسی وقت پہ سالار کو حکم بھیجا گیا کہ جو سپاہی گوارہ خانے کی حفاظت کے لیے منتخب کیا گیا ہے۔ وہ معارفہ روانہ کیا جائے۔ سپاہی آیا۔ ایک اونچے قد کا

شکست خوردگی تھا۔ جبکی عمر تیس سال کی ہو گئی۔ وہ شہر ہنگری کا باشندہ تھا۔ اور اس کا نام ڈاکٹر کینس تھا۔ میرے دل میں دیکھتے ہی اس کی جانب سے ایک نفرت پیدا ہو گئی۔ مجھے خود نہیں معلوم کہ اس کا سبب کیا تھا۔ اپنے دل خیالات اس وقت کسی سے ظاہر کرنا بھی ممکن نہ تھا۔ دستور کی طرح کل کارروائیاں ہونے لگیں۔ وایہ اس نامور بچے کو لیے ہوئے گوارے خانے میں گئی۔ اور سپاہی پرے پر کھڑا ہو گیا۔ تمام اراکین سلطنت جو فراہم ہوئے تھے اٹھ کر ایک سرے کمرے میں گئے جہاں سب کے لیے سامان دعوت فراہم تھا۔ میں جلدی سے فراغت باکر دیاں سے نکلا۔ کیونکہ میرے دل میں اس سپاہی کی نیک نیتی کی نسبت شک پیدا ہو گیا تھا۔ خیر داناں سے اٹھ کر اس کمرے میں گیا جہاں وہ سپاہی پرہ دے رہا تھا۔ مجھے یہ قدرت حاصل تھی کہ ہوشیاری سے پرہ دیے جانے کے بارے میں تاکید کروں۔ میں آہستہ کمرے میں پہنچا۔ بہت سی شمعیں روشن تھیں۔ اور ان کی شفات روشنی آئینوں پر پڑنے سے تمام کمرہ جگمگا رہا تھا۔ سپاہی جس مقام پر کھڑا ہونا چاہیے وہاں نہ تھا۔ میں قریب جا کر گوارہ خانے کے دروازے پر کمان لگا کر سننے لگا۔ کسی کی بانوں کی آواز آرہی تھی۔

ایک آواز۔ (جو ڈاکٹر کی تھی) ”اُدھی رات کے وقت سب سوتے رہینگے سوقت کوئی نہیں“ دوسری آواز۔ (سپاہی کی) ”سیرالنام؟“

ڈاکٹر ”میں تجھے یہ انگشتی دیتا ہوں جو ڈیوک نے مجھے بھی دی۔ جس وقت تبادلہ ہو جائیگا۔ اور مجھے معلوم ہوگا کہ تو میری اور میری بہن کی بیہودی کا سبب ہوا ہو اس وقت یہ انگلی میری انگلی سے تیری انگلی میں آجائیگی۔“

سپاہی ”اگر ایسا ہو تو میں اپنے اقرار پر ثابت قدم رہتا ہوں۔“

وایہ ”تو ہمیشہ مجھے اور میرے شوہر کو اپنی مدد پر متدبا کیگا۔“

ڈاکٹر ”ہاں۔ میں اس تجویز کی کامیابی کے لیے اپنی جان تک موصض خطر میں ڈالنا گوارا کرتا ہوں۔“ سپاہی ”آپ کی خواہش انشاء اللہ پوری ہوگی۔ کیون میں نے شام ہی کو نہ کہا تھا

کہ اس بارہ خاص میں جذبِ منفعت کی غرض سے ہر آنے والی آفت کا مقابلہ کر دینگا۔“  
ڈاکٹر دیشک۔ صرف یہی ایک انگوٹھی تجھے بہت بڑی دولت ہو۔“

اب گہوارہ خانے سے ہل چل کی آواز آنے لگی۔ میں سمجھا کہ سپاہی پہرے پر آ جائیگا اور چونکہ مجھے یقین ہو گیا تھا کہ کچھ فریب ہونے والا ہو۔ لہذا میں کمرے سے باہر نکل گیا۔  
لارڈ روزنٹل۔ ”اس سازش کا نتیجہ کیا ہوتا ہو۔ سب لوگ غور سے سنے جاؤ۔“

یہ الفاظ لارڈ کی زبان سے ابھی پورے نہ ادا ہوئے تھے کہ کوئی شخص اُنکے پیچھے سے محفل میں دراندہ چلا آیا اور ایک کٹار زور سے میز پر چھوڑ دی۔ یہ حرکت ایسی تیزی سے کی گئی کہ حاضرین میں سے کسی کو اُسکے دیکھنے کی مہلت نہ ملی اور وہ نکل گیا۔ لارڈ روزنٹل غصے سے کانپنے لگا۔ جسکے سبب سماعتوں کی حالت بھی دگرگون ہو گئی۔ کٹار پر رسی لپٹی ہوئی تھی جو عدالت و قلم کا نشان تھا۔ اور جس رسی سے ایک کاغذ کا پرزہ بندھا ہوا تھا۔ لیڈی تریزانے جب بیچشم خود کٹار کے آئینگی ترکیب دیکھی تو خوف سے چلا اُٹھی۔“

لارڈ روزنٹل۔ ”دیشک یہ بڑا ہی دلیر شخص تھا۔ جسے ایسا کام کیا۔ خد شکار و باد و ڈر واد دیکھو کوئی قلعہ کے باہر نہ نکلنے پائے۔ پہرے والوں کی تعداد بڑھا دو۔ اور دیواروں کی نگہبانی ہو شکاری سے کی جائے۔ دیکھو اپنی جان کی سلامتی چاہتے ہو تو پھر قتل سے کام لو۔“  
جو لوگ مسلح دروازے پر پہرہ دے رہے تھے اُس حکم کی تعمیل کے لیے دوڑے۔

لارڈ روزنٹل۔ ”دیکھیں تو سہی یہ یہودہ پیغام کس بارے میں ہو۔“ گواستے جو انگریز کی راہ سے یہ فقرے گئے۔ مگر دل دھڑک رہا تھا۔ اور جب اُس کاغذ کا مضمون یہ آواز بلند پڑھنے لگا تو اُسکے ہونٹ کانپ رہے تھے۔ ”اُس رسی اور کٹار کی قسم پر تمہیں یہ حکم دیا جاتا ہو کہ اتوار کے دن (اس حکم کے پہنچنے کے بعد آنے والی اتوار) ولنس ٹین کے پناہ پر لیون کے پاس کے نیچے تم بے ہتھیار اور بغیر جلوبس کے حاضر ہو۔ خبردار قصور نہ ہو۔“

لارڈ روزنٹل۔ (جو غصے سے سرخ ہو رہا تھا) ”میں قسمیہ کرتا ہوں کہ اگر کوئی اُس بانی سادہ

لوگ رقتا کر لائے اور اُسکے صلے میں جو کچھ طلب کرے۔ میں اُسکے دینے میں دریغ نہ کروں گا۔ بشرطیکہ وہ چیز میرے قبضہ قدرت میں رہے۔“

”جج۔ آمین۔“

اجنبی شخص۔ (جو ہامیل کے قریب بیٹھا تھا اٹھ کر) ”وہ خدمت میرے سپرد کیجیے۔“  
لارڈ روزنٹل: ”کیا! فوسٹ؟ وہ فوسٹ کو اپنے مہمانوں میں دیکھ کر بہت متعجب ہوا۔  
اور کہا: ”خیر میں تیری خواہش کے موافق وہ خدمت نبھی کو دیتا ہوں۔“

## چودھواں باب

### تین اعتراف

جشن میں تہلکہ پڑنے کے سبب قلعہ روزنٹل کے مہمانوں میں ایک تشویش سی پیدا ہو گئی۔ سب لوگ فوسٹ کو دیکھ رہے تھے۔ اور ہامیل جب کو اپنے محسن کا نام اسی وقت معلوم ہوا تھا۔ اور جبکہ لیے کسی کاغذ پر آسنے دستخط کر دیا تھا متحیر بیٹھا رہا۔ حاضرین کے دلوں میں جو جوش پیدا ہو گیا تھا اُسکے فرو کرنے میں کچھ اہتمام نہ کیا گیا۔ فوسٹ اٹھا اور سب کو اشارے سے کہہ دیا کہ میرے واپس آنے تک اسی طرح بیٹھے رہیں۔ یہ کہہ کر سے سے باہر چلا گیا۔ کچھ دیر تک سکوت رہا۔ اور بعدہ کہیں کہیں آہستہ آہستہ گفتگو ہونے لگی۔ اسی شان میں کمرے کا دروازہ کھلا۔ اور فوسٹ اندر آیا۔ اور کہا: ”مخداوند! مجرم کو آپ کے افسر اور سپاہ کے حوالہ کر آیا ہوں!“

لارڈ روزنٹل: ”شکریہ صاحب! میں اپنے اقرار کو اس مقدمہ کے فیصلہ ہوتے ہی پورا کر دے گا۔ خوش نصیبی سے ہمارے چیف جج صاحب بھی یہیں موجود ہیں۔ وہ ہماری کارروائیوں میں مدد کریں گے۔ اور میں جج صاحب سے یہ پوچھتا ہوں کہ عدالتِ وقم کو جرمنی کے ایک عالیشان امیر کو اپنے ناہون کی معرفت ایسی دھمکیاں دلوانا قرین انصاف ہو؟“

جج: ”ایک باآئین عدالت کے افسر کی حیثیت میں میں کہہ سکتا ہوں کہ یہ کارروائی نفاذ  
بیجا ہو۔ اور میری رائے یہ کہ اگر اکیں عدالت و تم باغی تصور کیے جانے کے قابل ہیں“  
چیف جج نے گو یہ فقرے پورے استقلال سے کہے تھے۔ لیکن بہت لوگ اُسکو سنکر کا  
کانپ اُٹھے۔ اور تمام مہانوں پر خوف طاری ہو گیا۔ اسلئے کہ چیف جج نے اس خانہ خراب  
انجمن کی نسبت گستاخانہ کلمات کہے تھے۔

لارڈوز نٹل: ”یقیناً ان خفیہ خونیوں کی سختیان حد سے تجاوز کر گئیں۔ اس میں شک نہیں  
کہ یہ کونٹ مانفریڈ کی ترغیب و اشتعال کا نتیجہ ہو۔ جو انجمن و تم کا ایک بلند مرتبہ رکن ہونے  
سے شہر ہو گیا ہو وہ مرد و دلڑائی سے مجھ پر غلبہ نہ پاسکا۔ اب اس عدالت کے ذریعے میری  
جان لینے پر آمادہ ہوا ہو۔ (جج سے) آپ فرمائیے کہ اس کمبخت کو کیا سزا دی جائے۔ جو  
آج ہمارے جشن میں خلل انداز ہوا۔“

جج: ”کیا وہ ثابت کر سکتا ہو کہ جس شخص کے نام طلب نامہ بھیجا گیا۔ وہ کسی خطا کا مرتکب ہو؟“  
فوسٹ: ”وہ اس بات سے انکار نہیں کرتا۔ اور اُسکے بالادست حاکم کے مخفی احکام اُسکے  
ساتھ ہیں۔“

جج: ”اگر ایسا ہو تو ہمیں ان مہانوں کو اس بدکردار انجمن کے ایک رکن کے دیکھنے کی  
وحشت سے محفوظ رکھنا چاہیے (لارڈوز نٹل سے) خداوند! آپ اسی وقت حکم دیجیے کہ  
وہ شخص قلعہ کے بڑے دروازے پر بھی لٹکایا جائے۔ تاکہ اُن لوگوں کو جو اُس بے رحم خونی انجمن  
کے احکام کی پیروی کرنے ہیں عبرت ہو۔“

لارڈوز نٹل: (ڈیونڈ کو بلا کر) ”جج صاحب کے فرمان کے مطابق اس مجرم کو ابھی سزا دیدو  
اس میں کچھ اندیشہ اور تامل نہ کیا جائے۔ اور کچھ رحم کا برتاؤ نہ ہو گو وہ کوئی ہو۔“

جج: (ڈیونڈ سے) ”میرا بھی یہی حکم ہو۔ اُسکے ساتھ نرمی یا رحم یا تامل سے بالکل کام نہ لیا جائے  
اگر اُس ناپاک انجمن کا اور کوئی رکن بیان ہو تو اس ہمارے سچے حکم سے عبرت حاصل کرے۔“



جرمنی کے تمام جج عدالت و قلم کے پورے مخالف تھے۔ اور اسی لیے یہ جج صاحب بھی اپنے دلی جوش کو روک نہ سکتے تھے۔ ڈیونڈ نے یہ حکم سن کر تسلیم نہ کیا۔ اور اسکی تعمیل کے لیے دوڑا جج اور لارڈ روزنٹل کی یہ دلیر کارروائی حضار محفل پر اسقدر اثر کر گئی کہ کمرے میں کسی کی آواز نہ سنی جاتی تھی۔ کوئی لیڈی بھی مجرم پر رحم کیے جانے کی طالب نہ ہوئی۔ صرف تریزا نے ایک غمخوار نظر سے اپنے باپ کی طرف دیکھا۔ مگر لارڈ روزنٹل کے گھر کئے سے وہ بھی خاموش ہو رہی۔ لارڈ روزنٹل۔ (کسی قدر تامل کے بعد) ”ان طالب علم صاحب! میں نے قسمیہ وعدہ کیا تھا کہ جو شخص اس موذی کو گرفتار کر لائے اور اس خدمت کے بدلے جو کچھ مانگے دوں گا۔ میں اس قول سے کسی طرح پھر نہیں سکتا۔ مگر اتنا خیال رہے کہ وہی چیز مانگی جائے جو میں دیکھوں۔ اگر کوئی طلب کی ہوئی چیز میری دانست میں مناسب نہ معلوم ہو تو مجھے اختیار ہے کہ وہ نہ دوں۔“

فوسٹ۔ (دلیرانہ اداسے) ”آپ نے صرف اس قدر کہا تھا کہ جو شخص اس مجرم کو پکڑ لائے گا۔ اُسکو وہی چیز انعام دی جائے گی جو وہ طلب کرے۔ بشرطیکہ وہ شرمیرے اختیار میں ہو۔“

لارڈ۔ ”خیر تم نے میری پیاری اور عزیز بیٹی تریزا کو قید سے چھڑایا ہے یہ احسان بھی مجھے پہنچا ہے۔ تم ج چاہے مانگو۔ میں خوشی سے دوں گا۔ تاکہ تمہارے دونوں احسانوں کا معاوضہ ہو جائے۔“

فوسٹ۔ ”میں اپنی خواہش ظاہر کرنے کے قبل اپنی ایک اور خدمت یاد دلانا چاہتا ہوں۔ جو محض آپ ہی کے لیے کی گئی تھی۔ جسدن کونٹ مافریڈ کی فوج نے آپ کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ اور قریب تھا کہ آپ کو فاش شکست ملے۔ اُسوقت میں ہی تھا جو ایک سردار کے لباس میں آیا۔ اور آپ کی بیدل اور منتشر سپاہ کو جرات دلا دلا کر دشمن پر غالب کیا۔ جس سے اُسکو پوری پوری شکست حاصل ہوئی۔“

لارڈ روزنٹل۔ ”شاید تم نے کہیں سُن لیا ہو۔ میں باور نہیں کر سکتا کہ وہ تمہیں تھے۔“

فوسٹ۔ ”مگر آپ کو اس امر میں شبہ ہو تو مسٹر ہامیل سے پوچھ لیجیے۔“

ہامیل۔ ”مجھے ذرا بھی شک نہیں وہ وہی نوجوان تھا۔ اور درجہ میری جانبی کا باعث ہوا ہے۔“



لارڈ روزنٹل۔ (بے پروائی سے) ”تو مجھے اس خدمت کا انعام بھی دینا ضرور ہوا۔ اچھا تم ان یتیموں خدات کے صلہ میں بے تامل کوئی شکر طلب کرو۔“

فوسٹ۔ (زور سے) ”بہت خوب۔ میں وہی ہوں جسے آپ کے آبائی مقام اور آپ کے خاندان کو کھٹنے یا پامال ہونے سے بچایا۔ میں وہی ہوں جسے آپ کی صاحبزادی کو ایک قوی دشمن کے پنجے سے چھڑا کر آپ کے یہاں پہنچا دیا۔ میں وہی ہوں جو ایک ایسے ظالم کو جسے مہمانوں کے روبرو آپ کے مبارک دل کو صدمہ پہنچایا ہو۔ آسانی کے ساتھ پکڑ لایا۔ جب میں نے اس قدر دلیری سے کار ہائے نمایاں محض آپ کی خوشنودی کے لیے کیے ہیں تو اس کے مقابلہ میں کیا یہ کوئی بڑی بات ہے کہ آپ کی دختر مجھے منعقد کی جائے۔“

سب لوگ لارڈ روزنٹل کی طرف دیکھنے لگے۔ اور وہاں سے سبکی نگاہیں تریزا پر پڑ گئیں۔ لارڈ روزنٹل غصے کو روک رہا تھا۔ اور تریزا شرم سے سر جھکائے بیٹھی تھی۔

لارڈ روزنٹل۔ (بہت دیر کے بعد) ”تو مجھے بہت سے احسان کیے ہیں۔ ایلے میں کچھ گستاخانہ جواب دے نہیں سکتا۔ مگر تمہاری تمنا ایسی ہے جو کسی طرح پوری نہیں ہو سکتی میں پہلے ہی کہ چکا ہوں کہ وہی خواہش پوری کرونگا۔ جو میری نگاہ میں مناسب معلوم ہو۔“

فوسٹ۔ (جسکی تقریر کا حرف حرف حاضرین غبت و شوق سے سن رہے تھے) ”خداوند! آپ کی دانست میں صرف تین سبب ہونگے۔ جو میرے ساتھ لیڈی تریزا کے عقد کرنے میں مانع ہوتے ہیں۔ پہلا یہ کہ میں غریب اور کمینہ ہوں۔ دوسرا لیڈی تریزا خود مجھے راضی نہ ہوگی۔ تیسرا وہ ڈیوک لیڈی سے منسوب ہو چکی ہیں۔ وجہ اول کی تردید میں میں یہ کہتا ہوں کہ شہر دیاباک کے قریب جو اردناگی جاگیریں ہیں۔ اور جسکی وسعت اور شکے مالک کی تو قریب کسی طرح آپ سے کم نہیں۔ وہ اب میری ہیں۔“

لارڈ روزنٹل۔ (تعجب سے) ”وہ تمہارے ہاتھ کیونکر آئیں؟ میں جانتا ہوں کہ ان جاگیرت کا مالک لاوارث مر گیا اور وہ سرکار میں ضبط کر لی گئیں۔ سلطنت جرمنی میں کون ایسا شخص؟“



لارڈ نے اس خط کو کھول کر پڑھا اور افسردہ دلی سے میز پر پھینک دیا۔ اور کہا: ”ڈیوک  
لیپولڈ نے اپنی نسبت کو خود اپنی خواہش سے منسوخ کر دیا ہے۔“ جج صاحب بھی اُس خط کو  
لیکھ پڑھنے لگے اور پڑھنے کے بعد کہا: ”ڈیوک صاحب سے یہ نہایت مناسب کارروائی  
عمل میں آئی۔ چونکہ لیڈی تریزا کی طبیعت دوسرے پر مائل ہے۔ اور وہ خود بھی اقرار کرتی ہیں  
کہ میزادل کسی اور لیڈی کے حسن و جمال پر فریفتہ ہو گیا ہے۔ اس صورت میں اُنھوں نے  
جو کچھ کیا۔ نہایت مناسب کیا۔“

تھوڑی دیر مجلس میں سکوت رہا۔

فوسٹ۔ (لارڈ روزنٹل سے) ”آپ اس بارے میں کیا جواب دیتے ہیں؟“  
لارڈ روزنٹل۔ ”کونٹ آرونا آپ نے ہر اعتراض کو نہایت معقولیت سے رد کیا ہے۔  
اب مجھے بغیر اس کے چارہ نہیں کہ آپ کی تمناے دلی کے مطابق عمل کر دوں۔“  
اہل محفل فوسٹ کو جواب کونٹ آرونا ہو گیا تھا اور لارڈ روزنٹل کو مبارکباد دینے لگے۔

## ۱۵ پندرھواں باب

شرط۔ اور اہتمام

نکودے بالا حالات کا وقوع اس جلد ہی سے ہوا کہ ہم اذن کو وقت کے گزرنے کا  
خیال ہی نہ رہا۔ اور اُن امور میں دلچسپی بھی کچھ ایسی تھی کہ حاضرین اُس کے سننے اور دیکھنے  
کے لیے ہر ایک، دائرہ ایک خاص قسم کی رغبت پیدا کرنے والا  
تھا۔ اور سب کا خیال اتنی جانب پھینچنے کے لیے مقناطیسی اثر کا کام کرتا تھا۔ جس  
کے اثر پر میز پر بیٹھنے والے جج صاحب کے ہوا رہے خاستے کی نقل کا کسی کو خیال نہ رہا۔ اور جب  
لارڈ روزنٹل نے عدالت و م کے ایک رکن کو بغیر کسی تحقیقات کے لٹکائے دیا تو  
دیدیا۔ تو کل موجودین کو مجرم کی خطا کی بد نسبت اُسکی سزا زیادہ ترمیم ہو گئی۔

اُسکے بعد فوسٹ کے حالات کا مشاہدہ کر کے سب لوگ حیرت کرنے لگے۔ خیریت سام  
مہان دعوت خانے سے نکل کر ایک دوسرے مال میں گئے جہاں میوے اور ٹھائیاں بچنے  
ہوئے تھے۔ فوسٹ کسی بہانے وہاں سے نکل کر فیصلون کی طرف چلا گیا۔ اور وہاں  
ایک مخفی کونے میں اُس شخص سے ملا جس کے قریب سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ فوسٹ کا منتظر  
کھڑا ہے۔ وہ جن تھا۔ جو انسانی شکل میں وہاں کھڑا ہوا تھا۔

جن نے فوسٹ کو کامیاب ہوا۔

فوسٹ نے وہاں بیشک میں اپنے ارادے پر کامیاب ہوا۔ اور آج کے تیسرے دن  
عقد قرار پایا ہے۔ کیا تو اپنے اُن وحشت انگیز شرائط سے باز آ نہیں سکتا؟  
جن نے کسی فرد بشر کا یہ مقدور نہیں کہ میرے ارادے کو بدل سکے۔ اے احمق آدمی زاد!  
کیا تو گزشتہ حالات پر تاسف کرتا ہے؟ اور نیکو کچھ آئندہ کی فکر بھی ہے؟

فوسٹ۔ (حسرت سے) ”آئندہ! آہ میرے دل میں وہ خیال ایک وحشت پیدا کر رہا ہے“  
جن نے تو صحت مند وہ خوشی کا خیال رکھ۔ ترنیا تیری ہو گئی۔ اب کوئی چیز اسکو سمجھ سے  
جبرائیل کر سکتی۔ اُسکے مغرور اور کینہ ور باپ کو تو نے عاجز کر دیا ہے۔ اُس سے انتقام  
لینے کا قصد جو تیرے دل میں جوش زن تھا وہ پورا ہوا۔ جج جو تجھے سزا دینے کے دیر  
تھا۔ آسکو مقول تنبیہ ملی۔“

فوسٹ نے وہ بات اب تک اُسے معلوم ہی نہیں۔

جب فوسٹ کی کامیابی کے متعلق جن اپنی کارروائیاں بتانے لگا۔ تو فوسٹ  
سرت سے جھوم رہا تھا کہ اس نئے رفیق کے سبب۔ جس کے متعلق وہ اتنے  
جن نے اُس شخص کے بچانے کے لیے جو عدالت وہ۔ جس کے متعلق وہ اتنے  
میں نے جو تجھے راے دی وہ کس قدر عاقلانہ تھی۔ پھر جب قلعہ روز قتل کی فیصلوں پر  
اُسکی جان بچانے کے لیے جو کچھ کہا۔ کیا وہ بات تیری بہتری کی نہ تھی۔ اور کیا یہ کام

تھے

لرتا تو اس

بیون کو ویرانہ بنا دیا۔

سے کے خلاف اسکو

ترزا۔

ی اور فریب پر غالب آگئی۔

دی کہ ترزا کسی اور پر مائل ہو؟ اور اس

میر کے بارے میں مجھے کتنا فریب دیا گیا۔

جن۔ (ہنس کر) ”خیر اپنے کلام کو کہیں ختم بھی کر تجھے اپنا مطیع بنانے کے لیے جو کچھ کرنا ضرور تھا  
 دیکھا۔ مگر اب کیا تیری خدمت ایک با وفا غلام کی طرح نہیں بجالاتا ہوں۔ تو کہہ۔ ماہر کہ آج کے  
 تیسرے دن میری شادی ہوگی۔“

فوسٹ۔ ”ہاں تیسرے دن۔ مجھے اس تیری بے رحمانہ شرط کی تکمیل میں تردد ہی۔ جس سے  
 اپنا پہلا بیٹا تیری نذر کرنا ہو گا۔“

جن۔ ”نہیں۔ تو اپنی بیہودی اور فرح مند زندگی حاصل کرنے سے پہلو ہتی نہ کر۔ اور مجھے  
 ملامت کرنے سے باز آ۔“

فوسٹ۔ ”تجھے نہیں تو اور اسکو ملامت کروں؟“

جن۔ ”تو خود اپنے نفس پر لعنت بھیج۔ تجھے اُن شرائط پر غور کرنا ضرور تھا۔ جسے چوبیس  
 سال تک میں تیرا تابع فرمان رہوں گا۔ اور اچھا دن ایام کے تو میرے حوالے ہو جائیگا۔“  
 فوسٹ۔ (دردناک لہجے میں) ”افسوس! اگر میں نے تیری شرطوں کے ہر فقرے پر غور  
 کیا ہوتا۔ اور اُسکے ہر پہلو پر بحث کی ہوتی تو میرے لیے نہایت مناسب تھا۔“

جن۔ ”خیر اب جو ہو نیوالا ہو وہ ہو چکا۔ ہمارا اقرار یہی تھا کہ تو کسی عبادت گاہ میں پاکسی اور  
 مقدس جگہ پر بغیر میری اجازت کے نہ جائے۔ اور اُنھیں شرائط میں یہ بھی ہو کہ اگر تو مجھے

باب کی ج

اب تجھے منور ہو

امر کی نصحت نہیں دے

کا اقرار نہ کرے۔“

فوسٹ: ”ای میرحم شیطان! کیا۔۔۔ یہی سنگدل ہوا کرتے ہیں؟ ہنور میرے عقد نہیں ہوا۔ اور تو ابھی سے چاہتا ہے کہ میں اپنے بیٹے کے دینے کا اقرار کر لوں۔ کاش تو اس وقت میرے دل میں مال اندیشی ہوتی تو تیری دی ہوئی حکومت اور دولت پر افلاک کو ترجیح دیتا۔ میں تو سرتاپا تیرا ہورہا ہوں۔ میرے بچے کو کیوں مانگتا ہے؟“

جن: ”انسانوں پر نصرت اور فتح حاصل کرنے کا میں بہت بڑا حرص ہوں۔ تیری برہم اور افسردگی سے میں اپنے ارادے کو ہرگز نہ بدلوں گا۔ اس بات پر تجھے غم بالآخر کم کرنا چاہیے۔“ فوسٹ: ”بدکاری اور خدا کے غضب میں مبتلا ہو کر حاصل کی ہوئی ثروت اور اعزاز نیکی کے ساتھ تنگدستی اور افلاس میں بسر کرنا ہزار درجے بہتر تھا۔“

جن: ”میں تیری آئندہ کی راحتوں اور مسرت خیز زندگی کا ایک شمع بیان کرتا ہوں۔ غور سے سن! ایک سرسبز و شاداب اور خوشگوار باغ ہو گا جہاں دل بھانسنے والے گل بوٹے اور چیدہ و متنوع میوہ دار درختوں کی قطاریں ہوں گی۔ شفاف پانی کی خوشنما نہریں نہایت آب و تاب سے بہتی ہوں گی۔ اور اطراف کے میدان سبز و نویدہ سے لہلہا رہے ہوں گے۔ سایہ دار درختوں پر نغمہ سرا طیورا اپنی خوش الحانی اور نازک آوازی سے سننے والوں کو وجد میں لانے ہوں گے۔ ایسے دلکش سین میں ایک عالیشان محل ہو گا۔ اور اس میں تمام سامان عیش و عشرت مہیا ہو گا۔ سنگ مرمر کے نفیس بالون میں بے نظیر انوارے جاری ہوں گے۔ خیال کرنا چاہیے کہ ایسے طرب خیز مقام میں اپنی حودش معشوق



ہامیل: ”پیارے بی بی! تم کیسی خوش مزاج اور نیک طبیعت ہو۔ اور تمہارا دل کس قدر پاک ہے۔ میری جانب سے جو فریب تمہیں دیا گیا اُس سے تم انجان ہی رہیں۔“

میریا: (اپنے شوہر کا ہاتھ پکڑے ہوئے) ”تسے مجھے فریب دیا؟ نہیں میں یقین نہیں کر سکتی تیرا مجھے کچھ فریب دیا۔ یا آئندہ کبھی اس معنی کا خیال کرو گے۔ خدا کے لیے جلد کہو کہ ان الفاظ سے تمہارا دل عاکیا ہو؟“

ہامیل: میں نے پہلے ہی تسے کہہ دیا تھا کہ میں ایک متوسط احوال آدمی ہوں۔ لیکن اب تمہیں اس گھر کے دیکھنے سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ یہ ایک غریب سے غریب آدمی کے بھی قابل نہیں۔“

میریا: ”جو کچھ ہر ذی بہت ہو کھانے کے لیے سب سامان موجود ہے۔ رہنے کے لیے مکان اور تمہاری مرغوب صحبت۔ پھر اس سے زیادہ اور کون چیز ہو؟“

ہامیل: ”تم نہیں اعتبار کر سکتی ہو کہ میں نے دغا و فریب دیکر تسے شادی کی۔ مگر جب تم اپنی حالت دیکھو گی یعنی یہ بے آرائشی سامان اور یہ ناچیز غذا تو ضرور خیال گذرے گا کہ مجھے دغا و فریب کا برتاؤ کیا گیا۔“

میریا: ”خدا شاہد ہے۔ میں خلوص دل اور پاک نیت سے کہتی ہوں کہ مجھے خوش رہنے کے لیے عظمت اور جاہ و جلال کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس حالت میں بھی میں اپنے آپ کو دنیا کی تمام عورتوں سے خوش و خرم سمجھتی ہوں۔ کیونکہ میری پہلی زندگی کہ صرف ایک خادمہ۔“

ہامیل: ”تم ایک وسیع اور عظیم الشان مجلسِ امین رہا کرتی تھیں۔ اور اب بنی محمد صہ کے ساتھ محافلِ طرب میں شریک ہونے کا اتفاق ہوتا تھا۔“

میریا: (آنسو بہا کر) ”پیارے ہامیل! تم میرے دلی حالات سے ابھی پورے طور پر واقف نہیں ہو اگر تم ایک کسان ہوتے جو صبح سے شام تک روزی کے لیے محنت کرتا ہو اور اُس حال میں تم سے بیاہ ہوا ہوتا۔ اور مجھے کترین خدات بجالانے کی ضرورت پڑتی۔ اور

ہمارے۔ لیے اتنا مکان بھی نہ ہوتا۔ صرف آسمان کے نیلگون شامیانے کے نیچے شبیہ کرنا پڑتی۔ تب بھی میں اپنی زندگی کو خراب نہ سمجھتی۔“

ہامیل (میریا کو گلے لگا کر) ”تم کیسی پاکباز اور بے طمع ہو۔ جب میں نے تمہارے ساتھ اس گرجا میں شادی کی جہاں فوسٹ اور تریزا کا بھی عقد ہوا تھا تو مجھے اصلاً خبر نہ تھی کہ تم ایسی نیک دل عورت ہو۔“

میریا ”جب تم ایسی باتیں کرتے ہو تو مجھے یہ خیال گذرتا ہے کہ اگر ایک عمدہ اور نفیس محل میں رکھنے کے وعدے سے لاکر کسی غریب جھونپڑے میں رکھا ہوتا۔ تب بھی میرے دل کو گراں نہ معلوم ہوتا۔“

ہامیل ”خداوند کریم اس پاک دلی کا ثمرہ تمہیں دیگا۔ گو یہ مکان تاریک ہے۔ اور اس شمع کی دھیمی روشنی اس تاریکی کے دور کرنے میں عاجز ہے لیکن تمہارے دلفریب حسن کے جلوے سے مجھے ہی مکان روشن اور منور نظر آتا ہے۔ میں اپنے آپ کو نہایت خوش نصیب تصور کرتا ہوں کیونکہ تمہی نیک بیوی مجھے نصیب ہوئی۔“

میریا ”اگر خدا نے چاہا تو مجھے تمہیں کسی قسم کا رنج نہ پہنچے گا۔“ یہ الفاظ میریا کی زبان سے ایسے سچے دل اور بے لوث نیت سے نکلے تھے کہ اس کے قول کو باور نہ کرنا اور صحت پر شک کرنا یہاں ہی تھا جیسے روز روشن کو شب ناکرنا۔“

ہامیل (تھوڑے تامل کے بعد) ”اگرچہ ہم غریب ہیں۔ لیکن میں یہ نہیں چاہتا کہ یہ شہر کے بے رنگ گلیوں کی طرح عرصاً گریں۔ اس شہر میں بہت سی عمدہ اور نادر چیزیں ہیں۔ جہاں غریب و امیر ہمارے ساتھ سے خطا اٹھا سکتے ہیں۔ ان چیزوں کے دیکھنے سے جو بہت کچھ کل انشاء اللہ ہم ایک شاہی محل دیکھیں گے۔ جس کے مالک کے کین سفر جانے سے چند روز تک وہاں کے ملاحظہ کے لیے کھلا ہوا ہے۔ چونکہ تم فنِ مصوری کی زیادہ شائق ہو۔ وہاں بہت سی خوبصورت اور گرامشیا دیکھ سکو گی۔“

میریا۔ ”وہ کس کا محل ہے۔“

ہامیل۔ ”وہ ڈیوک ایپولڈ کا ہے۔“

میریا۔ ”وہی شہزادہ نہ جسکو لارڈ روزنٹل بہت دنوں تک اپنا داماد بنانے کی امید رکھتا تھا۔“  
ہامیل۔ ”ہاں وہی مگر سنا کہ شہزادہ کسی دوسری عورت سے ملقت ہو کر لیڈی تریزا سے دست بردار ہو گیا۔ تم کیا کہتی ہو۔ اُسے خوب کیا ہے۔“

میریا۔ ”بیشک بہت اچھا کیا۔ جبکہ لیڈی تریزا خود اُس سے نفرت اور دوسرے سے محبت رکھتی تھی تو اُسکو یہ کب مناسب تھا کہ اُسی لیڈی کے ساتھ شادی ہونے میں اصرار کرے۔“

ہامیل۔ ”ہاں متنے ٹھیک کہا۔ خیر۔ کل ہم اُس محل کو دیکھ آئینگے۔ اور چونکہ ہمارا لباس عمدہ ہونا چاہیے تم اپنا عروسی لباس اور وہ زیورات جو لیڈی تریزا نے تمہیں دیے ہیں پہن لو۔“

میریا۔ ”اگر اسی میں تمہاری خوشی ہو تو میں ایسا ہی کر دوں گی۔“ اس گفتگو کے بعد ہامیل اور اسکی نیک بی بی میریا دونوں اُس کمرے میں گئے جو سونے کے لیے مخصوص تھا۔ دوسرے

دن علی الصباح دونوں نے اپنی اپنی پوشاک بدلی۔ اور صبح کے کھانے کے بعد شاہی محل کے دیکھنے کے لیے نکلے۔ میریا اپنے عروسی لباس میں نہایت حسین نظر آ رہی تھی۔ اور

ہامیل بھی اپنی پوشاک میں پورا طرحدار معلوم ہوتا تھا چلتے چلتے دونوں محل کے بڑے دروازے پر پہنچے۔ اور بے روک ٹوک اندر داخل ہوئے۔ اس عمارت کا بڑا ہال نہایت

وسیع تھا۔ اور اس میں چند عمدہ دارمکلف اور عمدہ لباس زیب تن کیے بیٹھے تھے۔ اُس ہال سے گذر کر یہ دونوں ایک سنگ مرمر کے زینے پر چڑھے اور چند مختلف کرون میں گئے جہاں

متعدد تصویریں اور بیش بہا چیزیں قرینے سے رکھی گئی تھیں۔ ان تمام کے دیکھنے میں تھوڑا وقت صرف ہوا۔ اُس کے بعد ایک اور فراخ کمرے میں پہنچے جو ”ہال رسوم“ کہلاتا تھا۔ اور

اُس سے دو دروازے دوسرے کمروں کی طرف جاتے تھے۔  
ہامیل۔ (ایک دروازے کی طرف اشارہ کر کے) ”یہ گوارہ خانے میں جاتا ہے۔“ یہ کہہ کر

ہامیل نے اپنی بیوی سے گہوارہ خانہ کی حقیقت اُسی طرح بیان کی۔ جس طرح جج صاحب قلم روزِ قتل کے جشن میں بیان کرتے تھے۔

ہامیل : ”ایک نہایت عجیب قصہ اس گہوارہ خانہ کی نسبت مشہور ہے۔ یعنی جب شہزادہ ڈیوک لیپولڈ پیدا ہوا تو ڈاکٹر اور دایہ نے تجویز کی کہ ڈاکٹر کی بہن کا بچہ جو اتفاق سے اُسی وقت وہ بھی پیدا ہوا تھا۔ شہزادے کے بدلے وہاں رکھ دیں۔ ڈاکٹر نے بڑی سعی اور کوشش سے دایہ کی خدمت اپنی بی بی کو دلوائی۔ اور پہرے کے سپاہی کو رشوت دے کر اپنا کر لیا۔ رجسٹرار اس محل سے آگاہ ہو کر یو را بند دہست نہ کرتا تو بے شبہ ڈاکٹر اپنے والد کے کامیاب ہو گیا ہوتا۔ اُسے خوبی وقت سے ڈاکٹر دایہ اور سپاہی کے درمیان جو گفتگو ہو رہی تھی سن لی اور شہزادے کے باپ سے جا کر من و عن بیان کر دی۔ اُسی وقت ہوشیار رہی ساتھ نگرانی کے بے چوہہ لوگ کھڑے کر دیے گئے۔ دو پہر رات کو ایک عورت ڈاکٹر کی بہن کا بچہ لیے ہوئے آئی۔ آخر نتیجہ یہ ہوا کہ سب قید کر لیے گئے اور معقول سزا ملی۔ وہ رجسٹرار جو افشائے راز کا سبب ہوا کون تھا؟ وہی جواب وٹن برگ کا چیف جج ہے۔ اور جو اسے شریکِ جشن تھا۔“

میر یا : ”وہی شخص! جو اُس شب کو اپنے بیٹے کے غم میں دیوانہ ہو گیا تھا؟۔“

ہامیل : ”ہاں وہی جس نے اپنے بیٹے کے لٹکائے جانے کا آپ ہی حکم دیا!۔“

میر یا : ”کیا فوسٹ کو اس معنی کی خبر نہ تھی کہ رسی اور کٹار کا طلب نامہ لانے والا شخص اُسی جج کا سخت جگر ہے؟۔“

ہامیل : ”ایسی امید نہ کرنا چاہیے۔ بہر طور وہ اپنی نادانستگی ثابت کر رہا تھا اور اُسے

میر سے ساتھ دو مرتبہ ایسا نیک سلوک کیا ہے کہ میں کبھی بدگمانی کو دل میں جگہ دے نہیں سکتا۔“

ہامیل میر یا کو گہوارے خانے میں لے گیا۔ اور وہاں سے محل کے اندر کمرہ میں دو تون

بھرتے رہے۔ میر یا اس جلیل القدر محل کی رفعت و شان دیکھ کر متحیر ہو گئی۔ اُسکی دہشت

میں قلعہ روز تیل ہی ایک عجوبہ روزگار عمارت تھی۔ جب اُسے یہ محل دیکھا تو دونوں بیویوں کی نسبت ایسی ٹھہری۔ جیسے کھرے اور کھوٹے سونے میں ہوا کرتی ہو۔ وہ شاہانہ اباب۔ وہ مرصع نگار کو بیچ اور کرسیان۔ وہ چاندی کی دیوار گیربان جو موقع سے لگائی گئی تھیں۔ وہ زر کار چلوئین جو دروازوں پر پڑی تھیں۔ وہ مٹلا گلہ ان جن میں عمدہ اور نفیس بھول نہایت سلیقے سے چنے گئے تھے۔ اور ہر آنے والے کو اپنی طرف متوجہ کر لیتے تھے۔ ہامیل ان تمام چیزوں کو برابر دیکھتا جاتا تھا۔ مگر اُسکو نہ کسی شے کے دیکھنے سے حیرت ہوئی اور نہ خاصکر کسی چیز کی جانب اپنی رغبت ظاہر کی۔ میریا کو یہ بات بہت عجیب معلوم ہوئی۔ اس بے پروائی کا سبب ہامیل سے دریافت کیا تو اُسے صرف اس قدر کہا کہ ”میں پہلے بھی اس محل کو دیکھ چکا ہوں۔ اسی مشغلے میں تین گھنٹے گزر گئے۔“

ہامیل اب فقط ایک ہی مقام حویلی بھر میں دیکھنے کو باقی ہو۔ جو تمام دیگر مقامات سے زیادہ قابل دید اور لائق توجہ ہو۔ یعنی تصویر خانہ۔ وہاں بہت سے شہزادوں کی تصویروں ہیں۔ اور اگر میرا قیاس غلطی پر نہ ہو تو شہزادہ وقت لیپولڈ بسکی نسبت تم بہت کچھ سن چکی ہو تصویر بھی وہیں ہے۔“

میریا: ”ہاں مجھے بڑی تمنا ہے کہ اُس شہزادے کی تصویر کو ایک نظر دیکھوں کیونکہ وہ میری بی بی تریزا سے پہلے منسوب تھا۔“

ہامیل۔ (مسکراتا ہوا) ”میں ڈرتا ہوں کہ اگر وہ تمہیں زیادہ حسین نظر آئے تو مبادا اُس سے کہیں دل نہ لگا لو۔“

میریا: ”آہ! تم میری محبت کا مضحکہ اڑاتے ہو۔“ ہامیل پھر مسکرایا۔ اور کچھ جواب نہ دیا۔ اب وہ دونوں تصویر خانے میں پہنچے۔ جسکے چار طرف دیواروں پر شاہی خاندان کی تصویریں نہایت عمدگی سے لگی تھیں۔

ہامیل: ”ڈیوک لیپولڈ کی نسبت میں نے چند اور کیفیتیں سنی ہیں۔ وہ یہ کہ اپنا لیڈی تریزا

سے منسوب ہونا اُسکو اپنے باپ کے انتقال تک معلوم نہ تھا جسکو فرے ہوئے ڈیڑھ سال کا عرصہ ہوا۔ ایام ماتم منقضی ہونے کے بعد اپنے کل امور ضروری کا بندوبست کر کے تریزا کے شوق دیدار میں نکلا اور اپنے آپ کو لوگوں میں کسی اور نام سے ظاہر کیا۔ اپنے تہہ کا حال بھی کسی پنکشف نہ ہونے کی کوشش کی تھی۔ غرض ایک معمولی معزز شخص خشت میں تریزا سے ملا۔ اور چند روز میں اُسکو معلوم ہو گیا کہ تریزا کا میلان طبع کسی اور کی ہے۔ یہی امر اُسکی محبت سے باز رکھنے کے لیے کافی تھا۔ مگر ایک اور وجہ ایسی ہوئی۔ سبب تریزا کے نقش الفت کا دل سے محو کرنا ضروری سمجھا گیا یعنی وہیں اُسے ایک لڑکی کو دیکھا۔ جسکے حسن و جمال و نزاکت و لطافت پاک نظری اور بھولے پن کا وہ گردہ ہو گیا۔ ہامیل کی یہ تقریر میریا کو حیران و متعجب بنائے دیتی تھی۔ اُسی خیال میں وہ اُن تصویروں کو غور سے دیکھنے لگی۔ جو دیواروں سے ملی آویزان تھیں۔ دفعۃً ایک تصویر کے دیکھنے سے اُسکی حیرت وہ چند ہو گئی۔

میریا: ہامیل! میں کیا دیکھ رہی ہوں؟ وہ تصویر جو دیوار لگی ہے بعینہ تمہاری سی ہے کچھ فرق نہیں۔ آہ! میں ڈرتی ہوں۔ جلد بتاؤ کہ یہ کیا بھید ہے؟“

ہامیل: (نہایت جوش اور مسرت سے) تم پوچھتی ہو کہ یہ کیا بھید ہے۔ بات یہ ہے کہ تکلیف اور آزمائش کے دن گزر گئے۔ اور اب اُسکے نعم البدل پانے کے دن آئے ہیں اور تم آج سے دنیا کی جلیل القدر شاہزادیوں سے ہو۔ یہ عزت تمہاری اُس نیکی کو دینی ترقی ملی جو تمہاری ذات میں موتی کی طرح چمک رہی ہے۔ یعنی تم شہزادہ لیپولڈ کی پیاری بیوی ہو جو آج تک ہامیل کے نام سے مشہور تھا۔“

میریا: ”میرے خداوند! اے بادشاہ عالی جاہ! اس سے زیادہ کچھ کہہ نسکی۔ اور بے اختیار ہو کر اپنے بلند مرتبت اور ذمی وقار شوہر کے قدم جو منے لگی۔“

شہزادہ لیپولڈ ہی نے ہامیل کے نام سے سفر کیا تھا۔



شہزادہ لیپولڈ (جو اب تک ہامیل کے نام سے مشہور تھا) آٹھواں آج سے تمہیں رہو۔ اور مجھے معاف رکھو کہ میں نے غربت کے حال میں تمہاری سخت آزمائش کی۔ اس خشت و جاہ کے سبب مجھے اگر پوری خوشی کبھی نصیب ہوئی ہو تو وہ یہی وقت ہے۔ کیونکہ تم آج سے ملک جرمنی کی عالیقدر شہزادی ہو۔ اب ہم بے فائدہ سمجھتے ہیں کہ اس وقت کی باہمی خوشیاں اور ان کے دلی حالات کا بیان کرنے میں وقت ضائع کریں۔ شہزادہ تم یہ نہ خیال کرو کہ میں نے جھوٹے نام سے تمہیں شادی کی۔ جس پادری کی زبان سے رسم نکاح ادا کی گئی۔ وہ اس بات سے آگاہ کر دیا گیا تھا۔ اور جسٹرین ہامیل کے حوض ہیرا صبح نام جو والد مرحوم نے رکھا تھا۔ دسج کیا گیا۔ خیر میرے ساتھ آؤ۔ یہ کمکر شہزادہ لیپولڈ میرا کو دوسرے بڑے کمرے میں لے گیا۔ جہاں بہت سے اُمراء و عہدہ داران سلطنت مع اپنی اپنی بیلیون کے موجود تھے۔ جس وقت لیپولڈ اور میرا کمرے میں داخل ہوئے۔ مسلح فوج نے جو دور و یہ صفت بستہ کھڑی تھی سلامی ادا کی۔ اور حاضرین محفل سے ہر شخص نے اٹھ کر تعظیم خم کیا۔ اور اس شاہی نوشاہ و عروس کو مبارکباد دی۔

## ستر ہوان باب

### دو خاندان

انھیں ایام میں فوسٹ اہد ترنیا آرون کے پر فضا اور فلک رتبہ ایوان نین مسند نشین ہوئے۔ اور آرون اور دینا دونوں قریب ہی قریب تھے۔ جن نے اس بمبیل عمارت اور اسلی فرحت خیز سرزمین کے متعلق جو کچھ کہا تھا۔ وہ کوئی بیجا اور خلات بات نہ تھی۔ ترنیا اپنے شوہر کے ساتھ نہایت مسرت و شادمانی سے زندگی بسر کرتی تھی۔ فوسٹ نے اسے ایل کے اصلی نام اور رتبے سے آگاہ کر دیا تھا۔ ترنیا اس سے رشک و حسد کرنے کے بدلے بہت ہی خوش ہوئی کہ میرا کے مقدر نے عروج پایا۔ اب قیاس کیا جاسکتا ہے کہ ان دونوں

خاندان کا باہمی اتحاد درجہ کمال کو پہنچ گیا تھا یعنی شہزادہ لیپولڈ ہی سمجھتا رہا کہ مجھے عمر حبس فوسٹ کا ممنون احسان رہنا چاہیے کیونکہ اس نے دو مرتبہ میری جان بچائی ہے۔ اور میرا کبھی ترزا کے بار احسان سے سبکدوش ہونین سکتی تھی اسلئے کہ ایام طفولیت سے شادی ہونے تک ترزا اُسکے حال پر برابر لطافت و عنایات مبذول کرتی رہی۔ پس فوسٹ اور اُسکی بی بی ہمیشہ ڈیوک لیپولڈ کے محل میں حمان رہا کرتی تھی۔ اور کبھی خود لیپولڈ اور میرا بھی حویلی آروتا میں مدعو ہوتے تھے۔ شہنشاہ ماکس ملین اپنے ہم شیرزادے لیپولڈ کے میرا سے کتھا ہونے کو پسند کر چکا تھا۔ وہ شہزادے کو بہت عزیز رکھتا تھا۔ اور اُسکے ہر کام سے خوش ہوتا تھا۔ غرض یہ دونوں خاندان کمال عیش و عشرت کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے۔ مگر افسوس! فوسٹ کے دل میں ایک بات کانٹے کی طرح کھسکتی رہی۔ اور اُسکے سینے میں ایک ایسی آگ مشتعل تھی جو کسی طرح بجھائے نہ جھپتی تھی۔ تاہم وہ اپنا اندرونی رنج و ملال اور غم و الم ترزا سے پوشیدہ رکھنے پر کامیاب ہوا۔ اُسکی محبت بھری باتیں اُسکے دلی غم اور افسردگی کو کچھ کم کر دیتی تھیں۔ لیکن جب چند مہینوں کے بعد ترزا کے آثار حمل نمودار ہوئے تو فوسٹ کے اسوقت کے اضطراب اور بیچ و تاب کا حال قابل بیان نہیں۔ برخلاف اُسکے ڈیوک لیپولڈ کی محوشی اعتدال سے بڑھ گئی۔ اسلئے کہ میرا بھی انھیں دونوں میں حاملہ ہوئی۔ فوسٹ اسے دن تنہا اپنے کمرے میں جا کر پر دن اسی فکر و تردد میں رہتا تھا۔ اور اکثر آپ ہی آپ کیا کرتا تھا۔ دو آہ میں کس قدر بد نصیب ہوں۔ میرے بچے کا انجام جسکو ترزا جننے والی ہو مقرر ہو چکا میں بھی ایک بھوت ہوں کہ اپنی خواہشات نفسانی پوری کرنے کے لیے تمام عمر آفات کا مستحق ٹھہرا۔ افسوس! یہ کیسا جانکاہ صدمہ ہے کہ جیتے جی اپنے پیارے بچے کو اس ناپاک جن کے حوالے کر دوں۔ خدا سے التجا کروں؟ کیا مجھے آسانی مدد نہ پہنچے گی؟ مان! مجھے کسی تقدیر بزرگ کے ذریعہ سے خدا سے پاک کی درگاہ میں عجز و نیاز سے توبہ کر کے اس بلا سے بے درہان سے نجات حاصل کرنا چاہیے۔ بے شک میں کسی ایسے بزرگ سے جو تارک الدنیا ہو جو

لاؤنگا۔ اور اسکو شفیع ٹھہرا کر پروردگار سے اصلاح و زاری کے ساتھ التجا کرونگا۔ یقین ہو کہ میری توبہ قبول ہوگی۔ یا اس نیک بندے کو اپنے تمام حالات سے آگاہ کر کے میرے لیے دعا کرنے پر مجبور کرونگا۔ آہ مجھے اپنے معصوم بچے کو ان صعوبات سے بچانا ضرور ہو وہ بچہ جو کسی وقت مجھے ”باپ“ کہہ پکارے گا۔“

جن ”ہمارے عہد و بیان کے مطابق کسی بزرگ کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی تیرا خاتمہ ہو جائیگا۔“ فوسٹ۔ (غصہ اور ناامیدی سے) کیا تو بغیر بلائے آنے لگا۔ اب کیلئے آیا ہی؟

جن ”میں تجھے مبارکباد دینے کے لیے آیا ہوں کہ عنقریب تو صاحب اولاد ہوگا۔“ جن نے یہ الفاظ اپنے معمولی لہجے میں کہے تھے۔ مگر فوسٹ کے دل پر ایک ایسا اثر پیدا کیا کہ وہ برداشت نہ کر سکا اور جن سے مخاطب ہو کر کہا ”تو میری مصیبت ناک حالت پر ہنستا ہے؟ تیرے دیکھتے ہی وہ تمام آفتیں مجھے یاد آ جاتی ہیں۔ جنین میں پھنسا ہوا ہوں۔ اور ہر وقت مزاج میں اس قدر غصہ ہو کہ میں کہہ نہیں سکتا۔ اے دوزخی! یہاں سے دور ہو! چلا جا۔“ جن نے اپنی جگہ سے حرکت نہ کی۔ فوسٹ تو مطلوب الغضب ہو ہی رہا تھا۔ اسی عالم طیش میں تلووار کھینچ کر اسکی طرف بڑھا اور یہ کہہ کر کہ ”تو مجھے بیباک بنائے دیتا ہے اس میرے حلے کو روک لے۔ میں نے مصمم ارادہ کر لیا ہے کہ یا تو تجھے اصل جہنم کروں یا خود مر جاؤں۔“ پوری قوت سے ایک وار کیا۔ جن نے حقارت کے ساتھ تلووار چھین لی۔ اور دھمکے کر کے پھینک دیا۔ جن ”بیوقوف! میری قدرت سے تو واقف نہیں؟ تو سمجھتا ہے کہ انسان کی طرح میں بھی ان ہتھیاروں سے ڈرونگا۔ آہ! کیا خوب بات تھی۔ اگر ان آلات سے میری جان نکل سکتی“ فوسٹ۔ (اپنے چہرے کو ہاتھوں سے ڈھانپ کر) ”بیشک میں نادان محض ہوں کہ تجھے چھپا چھڑانے کی امید رکھتا ہوں۔“ اب جن فوسٹ کو غور سے دیکھنے لگا۔ اسکے چہرے سے افسردگی دور ہو گئی۔ اور نہایت مسرت سے فوسٹ کی زبون حالت کو دیکھ کر اپنی فتمندی پر نازان ہوا آخر تھوڑی دیر کے بعد جن کسی طرف چل دیا۔ اور فوسٹ وہیں بیٹھا ہوا اپنے

خیالات میں مستغرق رہا اس اشار میں ڈیلوک لیپولڈ کے آمد کی خبر پہنچی۔ اور وہ ہستقبال کے لیے اٹھا۔

لیپولڈ "پیارے کونٹ صاحب! میں اور میری عزیز میریا آج بن بلائے آپ کے محل میں گھس آئے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ اس ہماری بے وقت کی آمد سے آپ ناخوش نہ ہونگے۔ لیڈی ترزا کے ساتھ ہے۔ اور میں آپ کی ملاقات کے لیے حاضر ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس بات جو خوشی میرے دل میں جوش زن ہے اور مجھے انتہا سے زیادہ مسرور بنائے دیتی ہے وہ یہ ہے کہ آپ کو سنائے بغیر نہ نہیں سکتا۔ کیونکہ میں آپ کو اپنا ایک عزیز اور خالص دوست سمجھتا ہوں۔ فوسٹ۔ (جو اپنے غم کو دوست کے آنے سے بھول گیا تھا) "آپ کی اس نوازش کا میں ممنون ہوں۔"

لیپولڈ "ٹان سنیے! وہ دلنواز خوشی یہ ہے کہ میری بی بی حاملہ ہے۔" فوسٹ "تو میں آپ کو خلوص دل سے مبارکباد دیتا ہوں بڑے شکر کا مقام ہے کہ آپ کو اور مجھے ایک ساتھ یہ مسرت حاصل ہوئی۔"

لیپولڈ "میں نے گزشتہ شب کو ایک خواب دیکھا ہے کہ قریب قریب ایک ہی وقت میں لیڈی ترزا اور میریا کا وضع حمل ہوا اور آپ کے محل میں دختر اور میرے مکان میں فرزند پیدا ہوئے اور ایسا معلوم ہوا کہ ایک آن واحد میں زمانہ دراز گزر گیا اور دونوں نوجوانوں کو بچے نہایت حسین اور فخر خاندان نکلے ہیں۔ اور آخر انھیں دونوں کی شادی بھی کر دی گئی میں اس بات سے بہت خوش ہوں کہ والدین کا اتحاد بچوں میں بھی جاری رہا۔"

فوسٹ۔ (حکے دل میں اپنا بچہ جن کے حوالے کرنے کا خیال آگیا) "ٹان خداوند! مجھے اس سے زیادہ اور کسی وقت خوشی نہ ہوگی کہ آپ کا خواب صحیح نکلے۔"

لیپولڈ۔ میرے لیے وہ کس خوشی کی گھڑی ہوگی کہ جب خداے کریم مجھے لڑکا دے گا۔ اور جب اُسے گوارہ خانے میں لیجائینگے۔ میں بذات خود ایسی حفاظت و نگرانی کرونگا جس قدر کہ

ممكن ہوتا کہ کوئی بد معاش ایسا فریب نہ کرنے پائے جیسی میرے ولادت کے دن وغلبہ دہی ہونے والی تھی۔“

فوسٹ۔ (جسکو یہ قصہ معلوم نہ تھا) ”میری سمجھ میں نہیں آیا کہ آپ کیا فرما رہے ہیں۔“  
لیپولڈ۔ آپ نے شاید وہ عجیب کہانی نہیں سنی۔ میرا سے میں نے اسی دن بیان کیا جس روز اسکو محل میں لے گیا تھا۔ لارڈ روزنٹل مجھے کہتے تھے کہ جشن کی شب میں ٹن برگ کے چیف جج کرچ صاحب اس مقدمے کو بیان کر ہی رہے تھے کہ اتنے میں رسی اور کٹار کا طلب نامہ پھینکا گیا۔ اسوقت آپ اور میں اس کاغذ کے دستخط کرنے میں اسد جبہ محو ہو گئے تھے کہ اُدھر کا خیال تک نہ کیا۔ اب وہ قصہ کہتا ہوں۔ اور بعد ازاں ہم محل میں جا بیٹھے۔ یہ لکڑیوں کو لیپولڈ نے گہوارہ خانے کا قصہ تمام و کمال کہ سنایا۔ جس سے ناظرین واقف ہیں۔ فوسٹ غور کے ساتھ سنتا رہا۔ آخر تمام حالات سن کر اُسکے چہرے سے خوشی ظاہر ہوئی۔ کیونکہ اُسکے دل میں ایک ایسا خیال پیدا ہوا جو آئندہ معلوم ہو گا۔ جب لیپولڈ نے قصہ تمام کیا تو فوسٹ اُسکو ہمراہ لیکر اُس کمرے میں گیا جہاں تریزا اور میرا بیٹھی باتیں کر رہی تھیں۔ اسدن کا باقی حصہ عیش و عشرت میں گذر گیا۔ مگر فوسٹ گہوارہ خانے کی سرگزشت نہ بھولا۔

## اٹھارھواں باب

### آئینہ خانہ

فوسٹ کے دل میں وہ جوش عشق تریزا کی نسبت باقی نہ رہا۔ جو شادی کے قبل تھا۔ گو اُسکے ساتھ پوری محبت رکھتا تھا۔ خاص توجہ سے اُسکے اعزاز و احترام میں سرگرم تھا۔ اور ہر امر میں اُسکی رضا جوئی اور خوشی کا خواہاں تھا۔ لیکن پریشان خاطر کی کا اثر اور جن کی تابعداری کا راز ایسا تھا کہ وہ دم بھر اطمینان اور شگفتہ دلی سے گزار نہیں سکتا تھا۔

اور وہ ظالم راز بھی ایسا نہیں کہ کسی سے کھرا اپنے درد و غم سے کچھ دیر نجات پائے۔  
 فوسٹ کی عالی شان حویلی میں ہمیشہ جشن ہوا کرتے تھے۔ سلطنت جرمنی کے بڑے  
 بڑے امرا اسکی دوستی کو فخر و عزت سمجھتے تھے۔ اور انکی عورتیں تریزا سے ربط و پیوند  
 کرنے کی خواہاں تھیں۔

فوسٹ کی دو باتیں صرف لیڈی تریزا ہی کو نہیں بلکہ تمام اُسکے دوستوں کو حیرت میں  
 ڈال رہی تھیں پہلی یہ کہ اور امرا و عمائد کی طرح اسکے محل میں کوئی پادری نہیں رکھا گیا تھا  
 دوسری۔ خود فوسٹ کبھی کسی عبادت گاہ میں قدم نہ رکھتا تھا۔ اُس زمانے کا ہر امیر و فوجی قائد  
 شخص ایک پادری کو خاص طور پر نوکر رکھتا تھا۔ فوسٹ کا ایسے نیک امر سے باز رہنا  
 سب کے لیے تعجب خیز بات تھی۔ میری نے ایک دن تریزا سے نہایت نرمی سے ساتھ ذکر کیا  
 کہ ”عام لوگ اس کام کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتے ہیں۔“ اور تریزا نے اُس سے وعدہ کیا کہ  
 فوسٹ سے اس بارے میں ضرور گفتگو کجائیگی۔ ایک دن صبح کو فوسٹ اور لیڈی تریزا  
 اپنی بے مثل اور شاندار حویلی کے ایک عمدہ کمرے میں بیٹھے تھے۔ جان سے آرونا کی جاگیر  
 کا سرسبز اور نظر فریب حصہ دکھائی دیتا تھا۔ تریزا نے اپنے شوہر کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور بولی ”کل  
 اتوار کو لبشپ گرجا میں دعا کریں گے۔ آپ کو ضرور میرے ہمراہ چلنا ہوگا۔ تاکہ ہم دونوں اپنے پیدا  
 ہونے والے بچے کی بہبودی کے لیے دعا کریں۔“

فوسٹ۔ (جلدی سے) ”تریزا! تم میرا کہے ہمارا گرجا کو جاؤ۔ میرا آنا نہیں ہو سکتا۔“  
 تریزا۔ ”یہ نہوگا۔ جب سے ہماری شادی ہوئی ہو اُس دن سے آج تک نے کبھی خداوند عالم  
 کا شکر نہیں کیا کہ اُس نے اس درجہ ہمیں اپنی رحمت سے سرفراز کیا ہو۔“

فوسٹ۔ ”تریزا! اگر تم عبادت الہی کے بجا آوری میں ثابت قدم ہو تو اچھی بات ہی میری ہے۔“  
 ”تم ہی دعا کرو۔“

تریزا۔ ”آہ! مذہبی امور میں اس درجہ بے پروائی نہ کرنا چاہیے۔ دیکھو صرف چھ مہینے قبل



کب ہمارے ملنے کی امید کیجا سکتی تھی۔ اور اب خدا نے کس طرح ہکھولا کر دائمی مسرت سے زندگی بسر کرنے کے قابل بنا دیا۔ تم اس موت سے بچے جو حج نے تمہارے لیے مقرر کر رکھی تھی۔ آہ! جب کبھی تمہاری مصیبتوں کا خیال آتا ہے تو میرے دل کی حالت دگرگون ہو جاتی ہے۔ ان تمام آفات سے خداے پاک نے تمہیں بچایا۔ اور اُسی نے تمہارے لیے ایک ایسا دوست بھیجا جو تمہارے دو لہند اور صاحب اقتدار بننے کا باعث ٹھہرا۔ جیسا کہ تم اکثر مجھے کہہ کرتے ہو۔“

فوسٹ: ”خیر۔ تریزا یہ تمام باتیں مجھے بخوبی معلوم ہیں۔ تمہارے یاد دلانے کی ضرورت نہیں۔“  
 تریزا: ”میں تمہیں اس لیے یاد دلاتی ہوں کہ یہ تمام سامان عیش جو خدا نے ہمارے لیے میتا کیا ہے اس کا شکر بجالانا ہمارا اول فرض ہونا چاہیے تھا۔ نہ کہ اُسکے عوض یہ بے دینی عمل میں لائی جائے۔“ یہ تقریر سن کر فوسٹ سے ضبط کرنا محال تھا۔ اُسکی دلی خواہش تھی کہ کسی طرح بن سے پیچھا چھڑاؤں اور خدا سے عفو تقصیر چاہوں۔ مگر مجبور تھا۔ تریزا کی پراثر تقریر سے فوسٹ کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ اور وہ اس کا ہاتھ پکڑے غور سے صورت دیکھ رہی تھی۔

تریزا: ”یہ تو بتاؤ کہ تمہیں خدا کی ہستی کا اعتقاد بھی ہے یا نہیں جو آسمان و زمین کا خالق اور حاکم ہے؟“

فوسٹ: ”ہاں بے شک مجھے اعتقاد ہے۔ اور میں اُس سے ڈرتا بھی ہوں۔“  
 تریزا: ”خدا کا ہزار شکر کہ تم نے اتنا اقرار تو کیا۔ اچھا۔ آپ ڈرتے بھی ہیں تو اُسکی عبادت کیوں نہیں کرتے؟“

فوسٹ: ”خیر۔ تریزا میں تمہاری اس خواہش کو ضرور پوری کروں گا۔ مگر آئندہ اتوار کو نہیں۔ کسی اور دن۔ جبکہ مجھے کوئی دوسرا کام نہ ہوگا۔ فوسٹ عذر کرنے میں گھبرا یا۔ اور تریزا کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ بزدل چھڑا کر مکان کے پیچھے والے باغ کی طرف گیا۔ اُسوقت اس کا دم سینے میں گھسنا جاتا تھا۔

فوسٹ: ”(خود بخود) ”میں کیسا دودھ ہوں۔ وہ فرشتہ سیرت عورت (تریزا) مجھے نکر سمجھ رہی ہے۔“

کیا اُس سے حقیقت حال بیان کر دوں کہ میں آسمانی رحمت کا مستحق نہیں؟۔ یہ بات تو ہو نہیں سکتی۔ جب اُس نے دولت اور ثروت ملنے کا سبب بیان کیا تو میں کس قدر گھبر گیا۔ افسوس! وہ بالکل اس بات سے بیخبر ہے کہ اس ناپاک دولت کے حاصل کرنے کے لیے مجھے خدا سے اور اس کی رحمت سے دور ہونا پڑا۔ مے میں بھی عجب راندہ درگاہ و رد خلائی ہوں۔“ یہ کلمہ غم و غصے سے ہونٹ چبانے لگا۔ اس وسیع باغ کے کنارے ایک آئینہ خانہ تھا۔ جس میں رنگترے۔ زیتون۔ تیموچین اور دیگر قسم کے ثمر دار درخت تھے۔ اور اس آئینہ خانہ کی مصنوعی گرمی بہت سے عمدہ اور خوشنما پھولوں کو شاداب و شگفتہ رکھتی تھی۔ جب فوسٹ وہاں پہونچا تو اُن آئینوں سے کسی عورت کی شکل محسوس ہوئی۔ وہ معاً پہچان گیا کہ وہ بیڈی تریز کی بڑی خواص اور خوابگاہ کی محافظ ایڈا ہے۔ قرینے سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ کسی ضروری کام میں مشغول ہے۔ فوسٹ کے آنے کی اُسے بالکل خبر نہ تھی۔ اور فوسٹ نے اُس دن تک کبھی اُس کی دریا صورت کو غور سے نہ دیکھا تھا۔ اب اُس کا بھولا چہرہ دلکش قدر بڑی بڑی آنکھیں اور گلابی رخسار دیکھ کر دیوانہ ہو گیا۔ یکایک ایڈا نے سر اٹھایا تو معلوم ہوا کہ فوسٹ سر تاپا اُس کو تعجب کی نظر سے دیکھ رہا ہے۔ اُس نے اضطرابی کے ساتھ اپنی نگاہیں نیچے کر لیں۔ مگر ایڈا کی اس ایک نظر سے فوسٹ کے دل میں کامیابی کی امید بندھ گئی۔ وہ کچھ دیر تک شش و پنج میں کھڑا رہا۔ اور آخر کار آئینہ خانے میں داخل ہوا۔“

فوسٹ۔ ایڈا! یہ خوشنما پھول جو تمہارے اطراف میں ہیں میری نظر میں تم سے زیادہ خوش نہیں معلوم ہوتے۔“

ایڈا (حجاب سے) ”میرے خداوند! —“

فوسٹ۔ (ایڈا کا ہاتھ پکڑ کر) ”یقین جانو کہ ان پھولوں کی بہار تمہارے جمال جہان آرا کے مقابل کچھ نہیں ہے۔ جسے نہیں ایک نظر دیکھ لیا۔ ممکن نہیں کہ پھر دوسری دفعہ دیکھنے کی تمنا نہ کرے۔ اور کوئی ایسا ہی سخت دل ہوگا جو ایک ہی جگہ رہ کر تمہارے دلفریب انداز واداکے دام میں گرفتار ہو۔“

ایڈا۔ (گھبرا کر) خداوند آپ کے الفاظ اس نیک طینت لیڈی کے ساتھ یوفانی ثابت کرتے ہیں جسکی خدمت گزاری میری عزت کا سبب ہو۔ اگر میں آپ کی تعریف کو خوشی سے قبول کر لوں تو آپ میری عادات کی نسبت کیا خیال کریں گے؟  
فوسٹ۔ (ایڈا کے ہاتھ کا بوسہ لیکر) ”میں اپنے آپ کو بہت خوش نصیب سمجھوں گا۔ کیونکہ تم قابل پرستش ہو۔“

ایڈا۔ ”خداوند! آپ میری محنت کا امتحان کرتا چاہتے ہیں؟ اور شاید آپ کا مدعا اس امر کے دریافت کرنے کا ہو کہ آیا میں آپ کی بگیم صاحبہ کی صحبت میں رہنے کے قابل ہوں یا نہیں۔ مجھے چھوڑ دیجیے بندہ پرور! یہ آپ کو زیا نہیں۔“ ایڈا کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔  
فوسٹ۔ ”نہیں میری عزت کی قسم تم میرا مدعا غلط سمجھی ہو میں تم سے خالص محبت رکھتا ہوں۔“  
ایڈا۔ (غم انگیز لہجے میں) ”کاش یہ سچ ہوتا۔“ یہ لکڑ فوسٹ کے چہرے کو دیکھنے لگی۔  
فوسٹ۔ ”سچ۔ اور بیشک سچ۔ تمہارے حسن و جمال کی قسم میں تم سے محبت رکھتا ہوں۔ اور امید ہو کہ تم میری محبت کو بے التفاتی کے سپرد نہ کر دو گی!۔“

ایڈا۔ (شرم سے سر نیچے کیے ہوئے) ”آہ! میرے خداوند! درحقیقت میرا خیال آپ کے خلاف نہیں۔ اگر میں ذی شعور مال اندیش اور اپنے ارادے پر مستقل ہوتی تو آپ سے یہ جبر اپنا ہاتھ چھڑا کر بھاگ کھڑی ہوتی۔ مگر افسوس! میں نادان ہوں۔ مجھ میں غایت بینی نہیں۔ اور اب شاید آپ کو میرے دل کا حال معلوم ہو گیا ہو گا۔“  
فوسٹ۔ (ایڈا سے بغلیں ہو کر) ”تم مجھ سے محبت رکھتی ہو؟“

ایڈا۔ ”ہاں میں بہت دنوں سے آپ پر فریفتہ ہوں۔ مائے میرے بارے میں اب آپ کی کیا رائے ہو گی۔“

فوسٹ۔ (دو چار قدم پیچھے ہٹ کر) ”مجھے یقین ہو کہ تم میری زندگی کو فرحت دو گی۔ میں جو کچھ کہتا ہوں غور سے سنو۔ تمہیں یہ تعجب ہو گا کہ باوجود تمام دنیا کی نعمتیں اور راحتیں

حاصل ہونے کے پھر اسکی فرحت کو میری شرکت کی کون ضرورت ہے۔ لیکن درحقیقت یہی بات ہے۔ اسکو ایڈا! (دل پر ہاتھ رکھ کر) نہ است ویشیانی شکار کر رہی ہے۔ اور ایکٹ نہیں آگ میرے تمام جسم کو جلا لے دیتی ہے۔ مین لیڈی تریزا سے محبت رکھتا ہوں۔ مگر وہ میری ہمراز ہونین سکتی۔ کیونکہ میرا ظالم راز اس کے نازک دل پر زہر کا کام کر لگا۔ اور اسکی بھور طبیعت اور سادہ مزاج کو منتشر بنا دیا۔ اسلئے مجھے ایک ایسے شخص کی ضرورت ہو جو مستقر بنکر میری واژوئی قسمت کا حال سن سکے۔ آہ! مین تنہا اس کے بار کا تحمل نہیں ہو سکتا۔ اب یہ بتاؤ ایڈا! کیا تم میری رازدار بنو گی؟۔ اگر ایسا ہوا تو یقین سمجھو کہ تم عمر بھر خوش و خرم رہو گی اور میری محبت تمھارے ساتھ کچھ اور طرح کی ہو گی جس میں اگرچہ بدکاری کا دھبہ رہیگا لیکن سچی مسرت اور دائمی انبساط سے عمر بسر کر سکتی ہو، ایڈا فوسٹ کو ایسی نظر سے دیکھنے لگی جیسے کوئی اپنے مقابل والے شخص کی فراست میں شبہہ واقع ہونے کے سبب اسکو دیکھنے لگتا ہو اسنے کہا۔

ایڈا: ”میرے خداوند! آپ مجھے ڈرائے دیتے ہیں۔“

فوسٹ: ”تمنے ابھی سے بہت ہار دی۔ اور جرأت و دلیری کو خیر باد کہا تو اس جانکاہ قصے کو سن نہ سکو گی جسکو اگر بغیر کسی سے کہے اور اپنا ہمدرد بنائے، سید طرح رہون تو یقین ہو کہ میں جلد مر جاؤنگا۔ کیونکہ انسان اپنے ہوم اور افکار کو کسی دوست سے کہہ بہت تسلی حاصل کر سکتا ہے۔“

ایڈا: ”آپ اس بات کا بالکل اندیشہ نہ کیجیے کہ میں گھبراؤنگی۔ گو میں عورت ذات ہوں لیکن خدا نے مجھے دلیر بنایا ہے۔ آپ امتحان میرے ہاتھ میں تلوار دے کر اپنے کسی دشمن کا کام تمام کرنے کے لیے فرمائیے۔ اگر میں ذرا بھی شش و پنج کردن تو جانیے کہ بزدل ہے۔“

فوسٹ: کچھ دیر تک ایڈا کو تعجب سے دیکھتا رہا اور کہا: ”ہاں پیاری ایڈا تم بڑی دلیر ہو! اور میں یقین کرتا ہوں کہ تم میری ہمراز ہونے کے قابل ہو۔“ یہ کہہ کر فرما محبت سے

گلے لگا لیا۔

فوسٹ: ”میں وہ راز یہاں روز روشن میں بیان نہیں کر سکتا۔ اُسکے افشا کے لیے اندھیری رات چاہیے۔ اس لیے پیاری ایڈا آج شب کے بارہ بجے تم ضرور سینٹ اسٹیفن کے گرجا کے بڑے دروازے پر مجھے ملو۔ کیا تم اس قدر جرات کر سکو گی؟“

ایڈا: (استقلال سے) ”آپ دیکھ لیجیے۔ بارہ بجے گرجاے اسٹیفن کے بڑے دروازے پر تباہ مان میں ضرور دمان موجود ہو گئی۔“

فوسٹ: ”تو پھر خدا حافظ سدھارو۔“

ایڈا: ”تمہارا بھی خدا حافظ۔“ دونوں ایک دوسرے سے گلے مل کر رخصت ہوئے۔

## انیسواں باب

### راز مخفی

رات اندھیری اور ہوا اور طوفانی ہے۔ بادند قلعہ کی دیواروں کے اطراف چکر کھاتی ہوئی دیانہ کے کوچوں میں ایک مسیب آواز پیدا کر رہی ہے۔ ہر طرف سناٹا سناٹا ہو کا عالم ہے۔ آسمان پر ابر سیاہ تیزی سے دوڑ رہا ہے۔ چاند اور تارے اپنے روشن چہرے کو ابر کی تاریکی میں چھپائے ہوئے ہیں۔ قلعہ کے قوی ہیکل درخت اپنے مغرور سروں کو طوفان کے سامنے خم کیے ہوئے خوف کے مارے اپنی پُرزور شاخیں ادھر ادھر ہمارے ہیں۔ تیز ہوا کے جھونکے کانپتی ہوئی ڈالیوں اور پتوں سے ایک ہیبت ناک آواز پیدا کر رہے ہیں۔ گرجاٹے سینٹ اسٹیفن کے اطراف و جوانب کا حصہ بہت دور تک جاندار مخلوق سے خالی ہے۔ وہ مستحکم عمارت اندھیری شب میں ایسی نظر آتی ہے کہ گویا تمام

۱۵ سینٹ اسٹیفن کا گرجا شہر دیانہ کی عظیم الشان عیسائی عبادت گاہ اُسکے نیچے ایک تہ خانہ جہنم میں مدے پھینکے جاتے تھے۔ اور آج کل بھی شاہی خاندان کا مدفن ہی مقبرہ ہے۔ اس گرجا کے گھنٹے کا وزن اٹھارہ ٹن کا ہے اور

و کمال سنگ سیاہ سے تعمیر ہوئی ہے۔ بنار کے پاس نو قدم کی بلندی سے اس گھنگھوڑا نے بہت حصہ چھپا لیا ہے۔ ابھی آدھی رات میں چند محطے کم ہیں۔ ایک عورت سیاہ پوشاک پہنے ہوئے گر جا کے بڑے دروازے پر کھڑی ہے۔ سیوفت ایک مرد بھی دوشارہ اوڑھے وہیں آ پہنچا۔  
مرد: ”ایڈا!“

عورت: ”فوسٹ! تم ہو؟“

فوسٹ: ”اُف وہ! تم بڑی دلیر عورت ہو۔ کیا اندھیرے سے تم گھبراتی ہو؟ اور کیا اس طوفان کی ہولناک آواز تمہارے نازک کانوں کو مہیب معلوم ہوتی ہے؟“  
ایڈا: ”اگر ایسا ہوتا تو میں یہاں ٹھہرنا کب گوارا کرتی؟“

فوسٹ: ”ٹھیک! تم بیشک میری محبت کے قابل ہو۔ آہ! تمہاری محبت بے دیوانہ بنائے دیتی ہے۔ اچھا میرے ہمراہ چلو گی؟ جہاں کہیں میں لے جاؤں۔“

ایڈا: ”اسی لیے تو میں آئی ہی ہوں۔ مجھے تمہاری خالص محبت پر پورا بھروسہ ہے۔ جہاں چاہو لے چلو!“

فوسٹ گر جا کی پیچھے والی سر کی طرف گیا۔ ایڈا بھی عقب میں تھی۔ وہ ایک جھوٹے دروازے کے پاس ٹھہر کر اندیشہ کرتا رہا۔ آخر تھوڑی دیر کے بعد اُسے کھولا۔ دونوں نے اندہونچکر دروازہ بند کر لیا۔ اور ایک تنگ راستے سے گزرنے لگے اُسکے آخر میں بھی ایک اور دروازہ تھا فوسٹ نے اُسے کھول کر ایڈا کا ہاتھ پکڑا اور کہا دیکھو! یہاں سے پتھر کا زینہ شروع ہوتا ہے۔ یہ کھردر دروازہ بند کیا اور ایک شمع اپنی جیب سے نکال کر روشن کر لی۔ ایڈا کو مطلق خبر نہ تھی کہ شمع کس ذریعے سے روشن کی گئی۔ اُسکی دھیمی روشنی میں اُس مقام کی وحشت انگیز حالت کچھ کچھ نظر آرہی تھی۔ ہوا میں انتہا کی عفونت تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آدمیوں کے شرے ہوئے اجسام کی بو ہے۔

فوسٹ: ”(نیچے ایک غار کی سیڑھیوں کی طرف شمع دکھلا کر) ”ایڈا تم میرے ساتھ اس غار میں



”سنگوگی؟“ ایڈا ایک لمحہ مترددا اور سکوت کے عالم میں کھڑی رہی اور بعدہ چونک کر  
”تم جہان چاہتے ہو میں آنے کو مستعد ہوں۔“

فوسٹ۔ (فکر اور غصے سے) ”ایڈا! تم کو کچھ اندیشہ ہے۔“

ایڈا ”میرے اس ایک۔ ناہانستہ قصور کو معاف کرو۔ وہ ساعت گزرنے لگی۔ یقیناً یہ کچھ عجیب سی  
ساتھ نہ ہوگی۔ دیکھو میری آواز سے کوئی گھبراہٹ پائی جاتی ہے۔ یا خوف کے سبب سیر  
کامپ رہا ہے؟“

فوسٹ ”نہیں تمہاری آواز ہمیشہ کی طرح خوش الحان ہے۔ ایڈا میں تمہارا دیوانہ ہوں میرے  
”دو لون آہستہ آہستہ زینے کی راہ سے اترنے لگے۔ شمع کی روشنی سے صرف اندھیری  
دو چاندہ کر دئی گئی تھی۔ جب بہت نیچے اتر گئے تو غفونت اور زیارہ ہوئی۔ آخر کار  
ایک تنگ برآمدے میں پہونچے اور وہاں سے سیدھے جانب پھر کر ایک اور زینے کے  
قریب آنے۔ بدبو ان بہت زیادہ تھی۔“

فوسٹ ”یہ جگہ نہایت بلاخیز اور وحشت انگیز ہے۔ ایڈا!“

ایڈا ”کیوں؟ اگر ہم چاہیں تو باہر چلے جاسکتے ہیں۔ ڈرنے کی کون بات ہے؟“

فوسٹ۔ ”ان اگر تم چاہتی ہو تو واپس جاؤ۔“

ایڈا ”نہیں جب تک تم وہ راز نہ کہو میں کیسے جاؤنگی؟“

فوسٹ ”بہت خوب۔ تم سگوگی؟“ اب وہ دو لون زینے سے نیچے اترے اور چند قدم  
چل کر کے ایک وسیع اور مربع تہ خانے میں پہونچے۔ فوسٹ نے ایڈا کو مخاطب کر کے کہا۔  
”فوسٹ۔ اب ایڈا! کیا میرے ساتھ آگے بڑھنے کی ہمت رکھتی ہو یا واپس جاؤنگی؟“ اگر  
وہ اپنی کا قصد ہے تو بیشک جاؤ۔ لیکن میں نے جو افشاے راز کی نسبت کہنا تھا اسکو صاف  
بھول جانا ہوگا۔“

ایڈا ”میں تمہاری عاشق ہوں لہذا تمہارے کل حالات سے واقفیت حاصل کرنا ضروری ہے۔“

یہ الفاظ ایڈیٹیڈ زبان سے ایسی ثابت قدمی اور استقلال سے نکلے تھے کہ فوسٹ کو کسی قسم کا شبہ باقی نہ رہا۔

فوسٹ: ”تو اس جگہ کو اچھی طرح دیکھ لو۔ اُس راز کا افشاہین ہو سکتا ہے۔“ یہ لکھ فوسٹ نے شمع بچے کی۔ تاکہ ایڈا اس ہولناک مقام کو غور سے دیکھے۔ اُس سنگی سطح زمین پر بیشمار لاشیں بے کفن اور وحشت پیدا کرنے والی بنائیت سے پڑی ہوئی تھیں۔ وہ سبٹ اٹھین کے گرجا کا تہ خانہ تھا جس میں مردے پھینکے جاتے تھے۔ لاشیں بوسیدہ تو تھیں مگر سوکھ گئی تھیں کہیں ایک مردہ پڑا ہے جس کا سر اور ہاتھ الگ ہو گئے ہیں۔ کہیں کسی لاش سے پانوں جدا ہو گئے ہیں۔ وہ سیکڑوں لاشیں بے سر پڑی ہیں۔ غرض وہ ایسی جگہ تھی کہ ہر شخص کو وہ کیسا ہی دلیر کیوں نہ ہو اس کو دیکھ کر خوف سے تھر تھرانے لگتا۔ اس دائمی خواب کے عالم میں بھی تمام مردے زندہ نظر آتے تھے۔

فوسٹ تھوڑی دیر خاموش کھڑا رہا جب ایڈا اس جگہ کو بخوبی دیکھ چکی تو پوچھا۔ ”اب تم گھبراتے ہو کہ نہیں؟“

ایڈا۔ (جرات سے) ”نہیں میں مردوں کی بہ نسبت زندوں سے زیادہ ڈرتی ہوں۔“

فوسٹ: ”اچھا۔ تو اس پتھر پر بیٹھو۔ میں تم سے وہ راز بیان کرتا ہوں جو میرے سینہ کو بچا رہا ہے۔ تم کہتی ہو کہ تمہیں میرے ساتھ محبت بلکہ عشق ہے۔ جب میری مصیبت کا حال سنو گی تو غالباً سمجھ جاؤ گی کہ مجھے کسی تسلی دینے والے کی کس قدر ضرورت ہے۔ تمہاری دلیری اور ثابت قدمی دیکھا۔ مجھے یقین ہو گیا کہ تم سے زیادہ اُس کام کے لیے کوئی بہتر نہیں۔ اپنے یہاں تک لانے کا سبب پہلے سن لو۔ وہ راز جو ابھی تم سے کہنے والا ہوں ایسا ہے کہ سخت سے سخت دل آدمی بھی سنا کر گھبرا بیگا۔ اور ممکن ہے کہ سماعت کی تاب نہ لاسکے۔ اس لیے میں تمہاری ثابت قدمی اور جرات کا امتحان کرنے کے لیے یہاں لایا کہ ان مردوں کے دیکھنے سے خائف ہوتی ہو نہیں۔ تم اس امتحان میں پوری اتریں۔ یہ بھی کہے دیتا ہوں کہ میرا راز روز روشن میں کما نہیں جا سکتا۔“

در شب کا وقت بھی کھلی جگہ پر اُسکا ذکر مناسب نہیں۔ تاکہ کوئی تیسرا بندہ خدا سے نہ لے۔ یہ خانہ جہان مردوں کے انبار لگے ہیں۔ اور جسکے دیکھنے سے موت کا گھر معلوم ہوتا ہے۔ اور بسیدہ اجسام نہایت پراگندگی سے پڑے ہیں۔ یہی جگہ اس راز کے افشاں کیلئے ٹھیک ہے۔“

ایڈا۔ (استقلال سے) ”میں سننے کے لیے تیار ہوں تم بے تردد بیان کرو۔“ فوسٹ نے منع نیچے رکھ دی۔ اور ایڈا کا بوسہ لیکر کہا ”پیارے ایڈا تم بیان قسم کھاؤ کہ جو کچھ میں کہوں گا سوا میرے کسی اور کے روبرو بھولے سے اُسکا ذکر نہ کر دو گی۔ کوئی شخص اگر مرتے دم بھی تمہیں پوچھے تو اس راز کے متعلق ہرگز ہرگز کچھ نہ کہنا۔ اور اس بات پر بھی قسم کھانا چاہیے کہ تم ہمیشہ میرے ساتھ خالص دل سے محبت رکھو گی۔ غمگین اور اُداس حالت میں اپنی پیاری مہین آواز سے میرے رنجور دل کو خوش کرتی رہو گی۔“

ایڈا۔ ”پیارے فوسٹ! میں قسم کھاتی ہوں کہ اگر میری جان پر بھی بھلے تو اس راز کو افشا نہ کروں۔ اور تمہیں ہمیشہ کے لیے محبت رکھنے کے بارے میں میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔ خدا ہی خوب جانتا ہے کہ میں کس قدر دلی جوش سے تمہیں پیار کرتی ہوں۔ جو راز تم مجھے بیان کرنا چاہتے ہو اگر اُسکے ذریعہ سے مجھے یہ بھی معلوم ہو جائے کہ تم بڑے قاتل اور بے ایمان ہو۔ اور یہ ہاتھ جسکو میں پکڑے ہوں کسی بے گناہ کے خون میں آلودہ ہوا ہے۔ تب بھی یقیناً میری محبت کچھ کم نہ ہو گی۔ میں ایسی قوی ہمت ہوں کہ کوئی منفعت بخش چیز سے خواہ وہ کیسی ہی دشوار کیوں نہ ہو دست بردار ہونا پسند نہیں کرتی۔ صرف تمہاری الفت میں میں ایک عاجز اور غریب عورت معلوم ہوتی ہوں۔ تم بے تامل مجھے اپنا محرم راز بنا دو۔“

فوسٹ۔ (تھوڑے سکوت کے بعد آہستہ سے) ”سنو! تمہیں پوری کیفیت بیان کرنا ہوں۔ رن چند مہینے قبل میں ایک غریب طالب علم بے کس و بے زر تھا۔ قید کی مصیبت تریزا کا شوق اور تاسے وصال میرا کام تمام کیے دیتی تھی۔ اسوقت مجھے اپنے ایذا دہندوں سے انتقام

لینے کی جی آرزو تھی۔ کیونکہ خود لارڈ روزنٹل میری ان مصائب کا باعث ہوا تھا۔  
ایڈا۔ (تعجب سے) ”کیا لارڈ روزنٹل؟“

فوسٹ۔ ”ہاں وہی مغرور لارڈ جو نہیں چاہتا تھا کہ میں اُسکی بیٹی کا مالک ہوں۔ مگر یہ بات  
اب تک تریزا سے نہیں کہی۔ کیونکہ مجھے یہ گوارا نہ تھا کہ ایسی دل دکھانے والی بات کہہ کر اسے بخیر  
کروں۔ اس صورت میں مجھے اپنی جان بچانا۔ عشق میں کامیاب ہونا۔ مخالفوں سے خاطر  
استقام لینا ضرور تھا۔ آہ۔ ایڈا کیا یہ کوئی تعجب کی بات ہے کہ میں نے عین غم و غصہ کے عالم میں ادھر  
سولی اور موت اور اُدھر حیات اور حشمت دیکھ کر تاریکی چھوڑ کر تجلی کو قبول کیا۔ اور اپنے جسم و  
روح کو شیطان کے سپرد کر دیا۔“

ایڈا۔ (کاہنتی ہوئی) ”نہیں نہیں۔ فوسٹ! آہ یہ کبھی نہ ہوا ہوگا۔“

فوسٹ۔ (ٹھگین لہجے میں) ”کیا تم ابھی سے میری تحقیر کرتی ہو؟“

ایڈا۔ ”نہیں میں قسم کھا چکی ہوں کہ تم چاہے کیسے ہی کیوں نہ ہو۔ میں تم سے باز نہ آؤں گی۔ اور اگر  
قسم بھی نہ کھائی ہوتی تو میرا دل تم سے کبھی نہ پھرتا۔“

فوسٹ۔ ”میری بدگمانی کو معاف کر دو۔ اب تم سمجھ سکتی ہو کہ کیوں آتش غم میرے جگر کو  
جلارہی ہے۔ اور مجھے کسی تسلی دینے والے کی ضرورت کیلئے لاحق ہوئی۔ افسوس! اگر میں  
گذشتہ واقعات کو لوٹا سکوں۔ اسی تاریک قید خانے میں پھر جا رہوں اور پھانسی پانے کا  
انتظار کروں۔ اُسوقت البتہ ممکن ہو کہ شیطان سے جو عہد کیا گیا ہو توڑ دوں۔ جب یہ سب محالات  
سے ہو تو اُسکے دام تزدیر سے رہائی پانا بھی ناممکن ہے۔ چوبیس سال تک شیطان لعین میرا غلام  
اور تابع فرمان رہا اور اس مدت کے بعد اب تک میں اُسکا ہو جاؤنگا۔ یہی میرا راز مخفی ہے۔“

ایڈا۔ ”تم بہت بُرے دلیر اور جواہر ہو۔ انسان کے معمولی اقتدار سے ہزار درجہ تجاوز کر گئے  
آخرین ہو تمہاری ہمت اور اولوالعزمی پر۔ اب میں تمام و کمال تمہاری ہی ہوں۔“

فوسٹ۔ ”تمہاری جوش الفتن سے مجھے ایسی تشفی ہوتی ہے کہ بیان نہیں کر سکتا۔ ابھی اس

قصے کے متعلق کچھ اور کہنا باقی ہے۔ جن کے ساتھ میری یہ بھی شرط تھی کہ میں نہ کسی عبادت گاہ میں جاؤں نہ کسی پڑھنے والے کا عابد و صالح کی صحبت اختیار کروں۔ تریزا سے شادی کر نیکی لیے اگرچہ میں جانا ضرور ہوا۔ اور اس ایک وقت کے جانے کے لیے نہایت سنگین اور خوفناک کام کی ادائیگی کا اقرار جن سے کر چکا ہوں۔ وہ یہ کہ اپنے پہلے لڑکے کو اسکے حوالے کر دوں۔

ایڈا: ”بڑی وحشت ناک تدبیر کی گئی۔“

فوسٹ: ”بیشک وحشت ناک۔ اسیلے۔ ایڈا تم خدا سے التجا کرو کہ وہ بچہ جو تریزا کے پیٹ میں ہو لڑکی ہو۔ لڑکا نہ ہو۔ کیونکہ شیطان نے صرف لڑکے کی شرط کی تھی۔ اسے میں دے بھی نہیں کر سکتا۔“

ایڈا: ”میں ضرور صبح و شام دعا کروں گی۔“

فوسٹ: ”میرے لیے بھی دعا کرو حالانکہ میں جانتا ہوں کہ میرے حق میں دعا کچھ مفید اور سودمند نہ ہو گی اب ہمیں یہاں سے پلٹنا چاہیے۔ تم میرے دلی راز سے واقف ہو گئیں یقیناً کہ اس امر کے سبب میرے ساتھ کچھ انکار نہ رکھو گی۔“

ایڈا: ”نہیں۔ مجھے ہرگز ایسی امید نہ رکھو۔ میں ہمیشہ تمہاری الفت اور غمگساری کو اپنا فرض سمجھوں گی۔“ دونوں گلے مل کر اس ہیبت ناک مقام سے واپس ہوئے۔

## بیسواں باب

برادر

اب گذشتہ باب کے واقعات سے تین مہینے گزر گئے ہیں ایک نوجوان جسکے لیے کچھلے کپڑوں سے افلاس ظاہر ہوتا تھا۔ اور اسکی گردن اور پوٹا شک اور ہاتھ بالوں سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ بہت بڑی مسافت طے کیے آ رہا ہے محل آرونا کے قریب آ پہنچا۔ اسکا چہرہ خوبصورت تھا۔ مگر آفت زدہ۔ فاقہ کشی اور مفکرانہ حالت کے سبب سے اسکی کالی کالی

آنکھوں کی تجلی میں کچھ فرق نہ آیا تھا۔ شام کا وقت تھا جب وہ تھکا ماندہ مسافر محل آرونا کے کھڑے کی ایک کھڑکی کھول کر باغ میں داخل ہوا۔

مسافر۔ (دل میں) اس مقام تک پہنچنے کے لیے تیش میل چکرنا پڑا تیس طوفانی سہل ! وہ بھی اس تکلیف و زحمت کے ساتھ کہ سوا اس ٹھنڈے پانی کے جو شرک کے نالوں سے بتا ہوا کھانے کو کچھ نہیں۔ مگر ہمت نے میرا ساتھ نہ چھوڑا۔ اور میری دلی جرات ہمیشہ میری مددگار رہی۔ یہ امید مجھے ابھار رہی تھی کہ اس محل میں پہنچنے پر اُن تمام تکالیف کا بدلہ ہو جائیگا۔ اور رنج فاقہ کشی سے نجات ملے گی۔ افسوس ! اگر میری محنتانہ کوششوں سے روٹی مل سکتی تو قبل اسکے کہ کسی کی مدد چاہوں۔ جان دینے پر مستعد اور آمادہ ہو جاتا۔ گو وہ مدد میری بہن کی کیوں نہ ہو۔ مجھے معلوم ہو کہ وہ ایک نچوڑت پسند بیباک عورت ہو۔ اور نہایت حریص اور باندہ خیال نہ تاہم وہ اپنے بھائی کو دیکھ کر برادرانہ محبت کے جوش کو روک نہ سکیگی۔ ہاں وہ مجھ کو دیکھ کر بہت خوش ہوگی۔ اگر فوسٹ نے اپنے ہم کتب کو دل سے فراموس کر دیا ہو تو کچھ مضائقہ نہیں میری بہن بذات خود مجھے پرورش کرنے کی قدرت رکھتی ہو۔ افسوس میری غریب ماں ! صرف چند ہفتے گزرے کہ میں نے تیری آنکھیں بند کیں۔ تین ہی ہفتے گزرے کہ میں تجھے دائمی مکان میں چھوڑ آیا۔ اور تیری تجھیز و تکفین کے لیے اپنی کل جائیداد بیچ ڈالی۔ اے میں نے اس قبر پر کس قدر گریہ و ناری کی۔ اے مادر مہربان ! اگر مردوں کو اتنی قدرت حاصل ہو کہ زمین پر اُن لوگوں کی حالت دیکھ سکتے ہیں جنہیں وہ پیار کرتے تھے تو اپنے بیٹے کی موجودہ حالت دیکھ کر تجھے کس درجہ رنج و الم نہوگا۔ میری غربت اور نہ میرا افلاس کا ہلی عیاشی یا فضول خرچی کی وجہ سے نہیں بلکہ اسکا سبب میری بدنصیبی اور کم قسمتی ہو۔ آج میں ایک فلک زدہ منظر و غریب ہوں۔ لیکن خدا کا شکر ہو کہ میرے نام پر کوئی بدنامی کا دغ نہیں لگا۔ اور اسی ایک بات سے میں دنیا میں سچ نہ ہوں۔“

ایسے ہی خیالوں میں وہ غریب مسافر محل کی طرف بڑھتا جاتا تھا۔ شب کی اندھیری



چو طرفہ غالب آگئی تھی۔ مگر اس عالیشان عیالی کے دیبچوں سے بڑے والی۔ روشنی اُسکی بیتابی نے بے کافی تھی۔ آخر کار مسافر ایک کمرے کے قریب پہنچا جو عیالی اور باغ کے درمیان میں تھا۔ اور جسکے پاس سے وہ جارہا تھا۔ اتنے میں ایک کھڑکی نظر آئی جو قفل نہ تھی۔

مسافر۔ (باغ میں پہنچکر) یہ نہایت نیک نالی ہو کہ کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔ خدا کرے میری بہن میرے آسنے سے خوش ہو۔ اگر اُسکے دل میں بھی مان کی محبت ویسی ہی ہو ویسی مجھے تھی۔ تو خبر مرگ سکر وہ کیونکر مفہوم نہوگی۔ آہ! ایسی مان ہمیشہ کے لیے ہمسے جدا ہو گئی۔ اسی خیال میں محو ہو کر وہ جارہا تھا کہ یکایک محل سے تنوگڑ کے فاصلے پر اُسکے بائیں جانب روشنی نظر آئی۔ سمجھا کہ روشنی باورچی خانے سے آئی ہو۔ یہ سوچ کر اسطرت بڑھا کہ وہاں پہنچکر اپنی بہن کا حال دریافت کروں۔ روشنی ایک گنبد کے دیچے سے پڑ رہی تھی۔ اور گنبد محل سے کچھ دور ہٹ کر ایک چھوٹے سے تالاب کے قریب بنایا گیا تھا۔ دروازہ کھلا ہونے سے سانس بے روک ٹوک اندر جانے لگا۔ مگر چونکہ پیر قدم رکھتے ہی خیال آیا کہ اگر صاحب خانہ اندر ہوا تو میرا بے دھڑک وہاں جانا اچھا نہیں ہو۔ لہذا وہ تھوڑی دیر اندیشہ اور تردد میں کھڑا رہا۔

مسافر۔ (دل میں) ”میں اُس محل میں بھی اس پریشان حالی سے جا نہیں سکتا۔ کیا عجب کہ میری مغرور بہن مجھ ایسے خستہ حال کی قرابت سے انکار کرے۔ بھوک اور رستے کی تکان میرا لگ دم فنا کیے دیتی ہو (کیقدرت تامل کے بعد) مان یہیں دریافت کر لینا مناسب ہو۔“ یہ کہہ کر زینے کی راہ سے برآمدے میں پہنچا۔ وہاں ایک ہی دروازہ تھا جو اندر سے بند نظر آیا۔ وہ اسکو کھٹکھٹانے والا ہی تھا کہ اندر سے کسی کی بات چیت کی آواز آئی جس سے مسافر بخوبی قہقہا۔ وہ وہیں کھڑا ہو کر چپکے سننے لگا۔

فوسٹ۔ ”تو تم مجھے کون سی تدبیر کرنے کے لیے کہتی ہو۔ ایڈا!“

مسافر۔ (دل میں) ”فوسٹ ادا پڑا یہاں ہیں۔“

ایڈا۔ (فوسٹ سے) ”میرے پیارے شوہر! مجھے اس شرمندگی اور ندامت سے بچالو۔“

فوسٹ : کس طرح؟ اگر کہنے کوئی تجویز دل میں سوچ رکھی ہو تو بتاؤ۔ تمہیں میرے قول اور میری قدرت کا حال تو ابھی طرح معلوم ہو۔ پھر بتاؤ کس طریق سے اس بارے میں تمہاری مدد کروں؟

ایڈا : کسی صورت سے میری عزت بچاؤ۔ مجھے اس وقت کوئی تدبیر نہیں سوتھتی ہے۔“  
فوسٹ : پیاری ایڈا! صرف دو صورتیں ہیں جسے تم اپنی عزت کو بحال کر سکتی ہو۔ پہلی یہ کہ تم یہاں سے کہیں دور جا کر دود باش اختیار کرو۔ دوسری بن کسی نوجوان شخص سے تمہاری شادی کر دوں۔“

ایڈا : یہ بھی ترکیب میرے لیے مناسب ہو۔ بیشک شہر ویانا میں بہت سے عالی خاندان لوگ ایسے بیٹے جو کالہی سے غریب ہو گئے ہوں۔ ممکن ہو کہ وہ میرے جہیز اور روپیہ کی طمع میں مجھے شادی کر لینے پر رضا مند ہو جائیں۔ مگر تم مجھے بھول نہ جانا! فوسٹ!۔“

فوسٹ : یہ تمہارے کہنے کی بات ہو؟ میں ہرگز نہ بھولوں گا۔ بلا۔ دو ہی بیٹے ہیں تمہاری مدد کی مجھے ضرورت ہو۔ جسکی تجویز ہم پہلے ہی کر چکے ہیں۔ اگر ایسا اتفاق ہو کہ دونوں واقعات ایک ہی وقت ظہور میں آئیں تو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اس فقرے کے باقی الفاظ مسافرس نہ سکا جب اس دروند کو پہلی دفعہ یہ معلوم ہوا کہ فوسٹ اور ایڈا ایک جگہ ہیں تو اس کے دل پر بوجہ خیالات چند و چند تعجب۔ غم۔ اور غصہ کا اثر ظاہر ہونے لگا۔ جب آنکلی باہمی تقابلاً سنی گئی تو آنکلی نا جائز محبت کا پورا یقین ہو گیا۔ اس کے دل پر ایک کاری تیر لگا۔ خصوصاً ایڈا کے الفاظ سن کر اس کا تمام بدن عرق آلود ہو گیا۔ اور قریب تھا کہ بیہوش ہو کر زمین پر گر پڑے۔ لیکن پھر اپنے حواس جمع کیے اور نہایت غور و تعمق سے سننے لگا۔

فوسٹ : ہاں تم اپنی حالت کو اس وقت تک چھپا سکو گی۔ اور تمہاری شادی کے متعلق جو کہتا تھا۔ اب یاد آیا کہ ایک مغز شخص ظریفین نام جو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ فوسٹ نے فقرہ ابھی پورا نہیں کیا تھا کہ مسافر خشم ناک غیظ و غضب سے تھر تھرا رہا ہوا دروازے کو بہت

تمام کھول کر ان بدکاروں کے سروں پر جا پھونچا  
ایڈا۔ (کو بیچ پر سے جلدی کے ساتھ نیچے کود کر) ”میرا بھائی!“  
فوسٹ۔ (کو بیچ سے اٹھ کر تلوار کے قبضے پر ہاتھ رکھ کر) ”آٹو!“

## اکیسواں باب

### گنبد

ناظرین سمجھ سکتے ہیں کہ ان تین اشخاص کی حالت جنکے بیان سے ہنسنے گزشتہ باب ختم کیا ہو لکھنے سے کیا تھی۔ فوسٹ کے روبرو ایک ایسا نوجوان کھڑا تھا جو کسی زمانے میں اسکا ہم سبق تھا۔ اور اب اُسکی بہن کی وجہ سے اُسکے نام پر داغ لگ گیا تھا جب ایڈا نے اپنے بھائی کے زرد اور غضب ناک چہرے کو دیکھا۔ تو انفعال و شرم سے اُسکے تمام عضو کا پٹنے لگے۔ اور آٹو اسی خیال میں کھڑا تھا کہ افسوس! میری بہن وہاں جسکے ساتھ مجھے انتہا کی محبت تھی ہمیشہ کے لیے اپنے تمام خاندان کی رسوائی و ذلت کا باعث ہوئی۔

آٹو۔ (اپنے دیدہ پرخم سے اچھٹا کو دیکھ کر) ”ہائے! اے بہن! میں نے کیا سنا؟ میں وٹن برگ سے اس شہر تک اپنے طاقت جسم کو اس امید پر کھینچتا ہوا لے آیا۔ کہ اپنی عزیز بہن سے ملوں اور اُسے گلے لگاؤں۔ افلاس۔ آفت۔ بھوک پیاس۔ غرض بے حساب تکلیفیں سہیں۔ اور ان تکالیف میں دل کو خوش کرنے اور بہت کو قوی کرنے والا یہی ایک خیال تھا کہ تو مجھے خوشی سے لیگی۔ آہ! اُسی خیال نے مجھے اب تک زندہ رکھا۔ ورنہ میں غریبی اور بیکسی کے ہاتھوں کبھی کا شہر خوشان آباد کر چکا ہوتا افسوس! جب کبھی رات کے وقت میں کسی کسان سے کچھ غذا یا سردی سے سر چھپانے کے لیے جگہ طلب کرتا تھا اور وہ جھڑک کر مجھے ٹکا سا جواب دیتا تھا تو میں خداوند کریم کا

شکر ادا کرتا تھا کہ میری عزیز بہن ان صعوبات اور بان نکالیفت سے محفوظ ہے۔ جب میں سفر میں بھوک سے عاجز ہو کر کسی چرواہے سے ایک سوکھی روٹی کے ٹکڑے کا سوال کرتا تھا اور وہ اس لیے رحمی سے میری طرف پھینکتا تھا جیسے کوئی کتے کی جانب پھینکتا ہے تو مجھے یہ خیال آتا تھا کہ میری بہن فضل خدا سے مرفہ الحال ہے۔ بلکہ دوسرے کو روٹی دینے کی بھی قدرت رکھتی ہے۔ غرض تمام مصائب اور تمام آفات میں مجھے اس خیال سے تسلی ہوتی رہی کہ تو مغرز لوگوں کے ساتھ ہے۔ اور وہ تجھ ایسی یتیم لڑکی کو ہمیشہ عزت کے ساتھ امن دینگے۔

ایڈا: ”میں یتیم تو بیشک ہوں۔ مگر میری مان!“ (آنسو بہاتی ہوئی)

آٹو: ”تیری مان! (عم انگیزہ بچے میں) وہ مان جو ارچہ غریب تھی۔ لیکن اپنے بچوں کو ایک بیش بسا پونجی سمجھتی تھی۔ وہ مان جو اُن بچوں کے نیک چال چلن کو دنیا کے تمام جواہرات سے بہتر اور عمدہ جانتی تھی۔ وہ مان۔ افسوس!۔“

ایڈا: (اضطراب سے) ”بتاؤ میری مان کیسی ہے؟۔“

آٹو: ”وہ دنیا سے رخصت ہوئی۔ خدا کا شکر ہے کہ اب وہ اس زمین پر زندہ نہیں رہی جو اسکی بیٹی کی بدکاری کا سین ہے۔“

ایڈا (فرط غم سے نیچے گر کر) ”میری مان! ماے میری پیاری مان! تو چل بسی ہے۔“

آٹو: ”اٹھ اٹھا! تجھے صرف خدا کے روبرو عاجزی و فروتنی سے سر جھکانا چاہیے تاکہ تیرے گناہ بخشے جائیں۔“ یہ لکڑاٹھ کو اٹھا کر کوچ پر بٹھلایا۔ اور فوسٹ سے مخاطب ہو کے کہا ”صاحب! یا۔ حضور! میں جانتا ہوں آپ نے بہت بڑی عظمت و بزرگی پیدا کی ہے۔ مگر آپ کی خصلت میں نہایت کمینہ پن ہے۔ مجھے آپ ہی سے کام ہے!۔“

فوسٹ: ”میرے قدیم دوست آٹو! جو شہ فی تھا گذر گیا۔ اسکا خیال دل سے نکال دو لیکن آئندہ پیش آنے والے امور کی درستی البتہ ہو سکتی ہے۔“

آٹو۔ (حقارت اور برہمی سے) ”ڈرستی؟ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ دنیا کی تمام متاع و دولت اس بدبخت لڑکی (ایڈا کو دکھلا کر) کی گئی ہوئی عزت کو پھیر لا سکتی ہے؟“ آپ سمجھتے ہیں کہ کل روئے زمین کے جواہرات کی چمک دمک عورت کی عصمت پر فوق حاصل کر سکتی ہے؟ نہیں حضور! نہایت چمکدار اور درخشان ہیرے کی تاب بھی اُس کرے میں اپنی چمک نہیں دکھلا سکتی۔ جہاں کسی وقت عصمت کی تجلی جلوہ فرماتھی۔ یہ سچ ہے کہ میں ایک مفلس غریب اور فاقہ کش ہوں لیکن وہ تمام دولت جو آپ مجھ کو دے سکیں گے۔ میرے دل کو خوش کرنے پر کامیاب نہو گی۔ میری عزت جو غریبی میں تھی۔ وہ اس ننگ خاندان کے سبب سے جاتی رہی۔ جو اپنی حیا و شرم کو پوشیدہ رکھنے کے لیے ابھی آپ سے کچھ تجویز کر رہی تھی۔

فوسٹ۔ ”آٹو! تیری زبان سے ناشائستہ الفاظ نکلتے ہیں جو غور کرنے سے تجھے خود معلوم ہونگے۔“  
 آٹو۔ (نہایت جوش و خروش سے) ”اُن واقعات کو جو ابھی اتفاقاً میرے گوش زد ہوئے ہیں اگر اپنی تمام دماغی قوت کو جمع کر کے سوچوں تاہم مجھے یقین نہیں آتا کہ میری رائے بدل سکے۔“  
 آپ تصور کرتے ہوں گے کہ ایک ذی جاہ صاحب شوکت امیر کا جیسے کہ آپ ہیں اپنی بی بی کی ایک غریب اور عاجز خادمہ کو بے حرمت کرنا چند اُن قابل گرفت اور بیجا بات نہیں ہے۔ صرف یہ بھی ایک دل لگی تھی جسکی تلافی ہمارے مال و دولت سے بخوبی ہو سکتی ہے۔ اور شاید یہ بھی سمجھتے ہوں گے کہ بہن کی عزت ریزی کے سبب سے میری تعلیم و توقیر کرنے سے میں خوش ہوں گا۔ آہ نہیں۔ یہ اُنھیں بھائیوں کو شایان ہے جن کے اطوار آپ کی طرح کمینہ اور ذلیل ہیں۔ خداوند یقین جانیے کہ آٹو اُس خاک سے نہیں بنا ہے۔ مگر مان! میں کیلئے آپ سے بحث کرتا کھڑا ہوں کیا آپ مجھے اس عزت ریزی کا بدلہ حاصل کرنے کی اجازت دیں گے؟“

فوسٹ۔ ”ہاں۔ بیشک۔ تو جو چاہتا ہو مانگ!“

آٹو۔ ”میں اس وقت ہی چاہتا ہوں کہ ایک پیالہ شراب انگوری کا مجھے دیا جائے تاکہ سفرِ ماندگی دور ہو۔ اور بعدہ ایک تلووار میرے ہاتھ میں دیکھیے اور دیکھیے کہ خلائی کو تعویب

کر گیا جو راستی پہنچا۔“

فوسٹ۔ (بے پروائی سے سُکراتا ہوا) ”بیہودہ لڑکے! مجھے کیا چاہتا ہے؟ تو ناتوان اور نحیف الجشتہ ہے۔ اور تیری جان میرے اختیار میں ہے۔ میں قاتل ٹھہروں گا۔“

آٹو۔ لڑائی کا دار و مدار کچھ قوی نئی ہی پر موقوف نہیں ہے۔ آپ کیا صادق الاقرار نہیں ہیں؟ ابھی آپ نے وعدہ کیا تھا کہ ”تو جو کچھ طلب کرے دوں گا۔“ یہ فقرے آٹو نے نہایت سختی سے کہے۔

فوسٹ۔ (حقارت کے ساتھ ہنس کر) ”اگر میں مرجاؤں تو تیری بہن کا کیا حشر ہوگا۔“

آٹو۔ (اپنا ہاتھ پیشانی پر مار کر) ”ہاں میں بھول گیا تھا۔ اے دغا باز امیر! اگر میں تجھے قتل کر دوں تو ایک بچے کو جو ابھی دنیا میں نہیں آیا ہے۔ یتیم بنا دوں گا۔ لیکن اگر تجھے اسی طرح بچھوڑ دوں تو دنیا مجھے نامرد تصور کرے گی۔ اور میں حقیر نہ ہوں۔“

فوسٹ۔ (ایڈا کی طرف دیکھ کر۔ جو اپنے آنسو پونچھنے کے پھر مستقل ہو گئی تھی) ”میں نے تیری بہن کی حرمت کو ضرر پہنچایا۔ اور اپنی پوری قدرت سے اُس کا معاوضہ کرنے پر مستعد ہوں۔ میں اُسکے اور اُسکے بچے کی پرورش کا اہتمام کامل طور پر کروں گا۔“

آٹو۔ (نائل کے بعد) ”آپ اس بات کا اقرار واثق کرتے ہیں؟“

فوسٹ۔ ”ہاں! بیشک میں اقرار واثق کرتا ہوں۔“

آٹو۔ ”اچھا۔ تو جو کچھ میں کہوں ایک کاغذ پر لکھ دیجیے۔“

فوسٹ۔ (جو بغیر کسی تشہیر کے اس مقدمے کا انفضال چاہتا تھا۔ اس لیے کہ مبادا تریزا کے کان تک اس بدکاری کی خبر پہنچے) میز کے قریب جا بیٹھا۔ اور لکھنے پر آمادہ ہو گیا۔

آٹو۔ (نزدیک جا کر۔ تاکہ فوسٹ کچھ غلط نہ لکھ دے) ”یوں لکھیے حضور! میں اس بات کا اقرار کرتا ہوں کہ وہ بچہ جو ہنوز ایڈا کے شکم میں ہے میں اُس کا باپ ہوں۔ یہ وصیت نامہ لکھیے دیتا ہوں کہ ایک ہزار کروڑ اُس کو دیا جائے تاکہ . . . .“



فوسٹ۔ (زور سے) ”نہیں۔ دس ہزار کروں لکھنا چاہتا ہوں۔“  
 آٹو۔ ”نہیں حضور! آپ کے ذریعہ سے وہ کچھ تو نگری حاصل کرنا نہیں چاہتی۔ فقط اس قدر اسکا بچہ بشرطیکہ زندہ رہے اور وہ دونوں کی پرورش بغیر کسی کی اعانت کے ہو سکے۔  
 مان تو لکھے خداوند! ”تاکہ وہ اُس بچے کو جو میری بدکاری اور اُسکی بیوقوفی کا نتیجہ ہے پرورش کر سکے۔ اور میں اُن لوگوں کو وصیت کرتا ہوں جو میرے بعد میرے ملک و مال کے وارث ٹھہریں گے اس میرے اقرار کو بلا تردد پورا کریں۔“  
 فوسٹ۔ ”بس اسی قدر؟“

آٹو۔ ”مان آپ دستخط کر دیجیے۔ بس یہی میری خواہش ہے۔“ فوسٹ نے اس پر دستخط کر دیے۔  
 آٹو نے اس دستاویز پر اپنی گواہی لکھ کر لپیٹ دیا۔ اور ایڈا کے ہاتھ میں دیکر کہا ”یہ ملے۔  
 مجھے نہیں معلوم کہ کس قدر جاہل و سوسائٹ کاغذ کے کوئی اور ذریعہ اپنی پرورش کا باقی رہے۔“  
 ایڈا۔ (دستاویز کو اپنی جیب میں ڈال کر) ”میری عقل میں نہیں آیا کہ یہ کیا معنی ہے؟“  
 آٹو۔ ”میرا مرنے کا خطرہ ہے اور امید بھی یہی رکھتا ہوں کہ اب ہمارے حضور مجھے ایک گلاس شراب اور ایک تلوار دیں گے۔“ ایڈا کو سخت دل اور دلیر عورت تھی۔ مگر بھائی کی تقریر سن کر وہ جوش رشتہ داری جسکو خداوند عالم نے ناشائستہ اور غیر مہذب اقوام میں بھی رکھا ہے۔ اور جسکو نہایت بیرحم آدمی بھی روک نہیں سکتا۔ اُس پر غالب آگیا۔ بے تابانہ ادا سے اپنے بھائی کا ہاتھ پکڑ کر بولی۔

ایڈا۔ ”میرے عزیز بھائی! صرف میرے لیے تم اپنی جان کو زحمت میں نہ ڈالو۔“  
 آٹو۔ ”تو ان باتوں میں دخل نہ دے۔ کیونکہ وہ ہماری بدنامی دفع کرنے کے لیے ہے۔“  
 (فوسٹ سے مخاطب ہو کر) حضور! کیا آپ مجھے شراب اور تلوار دیں گے۔ یا گھنہ مار کر آپ کو غصہ دلاؤں؟“  
 فوسٹ۔ (جسے اب غصہ آگیا تھا) ”ٹھکویہ جرات ہرگز نہیں ہو سکتی۔ ایسا نادان یہ بات

سمجھ لے کہ تیری جان میرے ہاتھ میں ہے۔“

آٹو۔ (بے پردائی سے) ”سماعت کیجیے میں ان دھمکیوں میں نہیں آنے کا۔“  
فوسٹ۔ ”اچھا یوں ہی سہی محل کے کمرے میں شراب کی بوتلیں ہیں۔ وہاں جا کر جو تجھے پسند ہو پی لے۔ وہیں تلواریں بھی ہیں۔ جو تیری نظر میں اچھی معلوم ہو اٹھا لا۔ اور وہی خواہش ہے تو کسی اندھیرے مقام میں مجھ سے مقابلہ کر۔ تاکہ مجھ کو بچانے کے لیے لوگ اگر تیرا کچھ مرہی نہ نکال دیں۔“

آٹو۔ ”بہت خوب! آپ کے فرمان کے مطابق عمل کروں گا۔ (اپنی بہن سے مخاطب ہو کر) خدا حافظ ایڈا! اس جھگڑے کا نتیجہ چاہے جو کچھ ہو۔ لیکن تو مجھے پھر نہ دیکھ سکیگی۔ کیونکہ اگر میں غالب بھی ہوں تو وطن چھوڑ کر کسی دور و دراز ملک میں سکونت اختیار کروں گا۔ ایڈا! ہماری ماں نے جبکہ وہ بستر مرگ پر پڑی تھی تجھے دعا دی ہے۔ اس بڑھیا کے اخیر محبتانہ الفاظ کا خیال رکھ۔ اور اُسے ہرگز نہ بھول۔ وہ تجھے مانند ایک طلسم کے آئندہ گناہوں سے بچائینگے۔ خدا حافظ۔“

ایڈا۔ ”خدا حافظ۔“

آٹو۔ (فوسٹ سے) ”اب چلیے گا حضور! میں تیار ہوں۔ یہ کھردرانے کی طرٹھا۔“  
ایڈا۔ (بھائی کے قریب دوڑ کر) ”میرے پیارے بھائی! میں تم سے عاجزی کے ساتھ کہتی ہوں کہ خدا کے لیے اس خیال سے باز آؤ۔ کیونکہ تم اس شخص کے اختیارات سے بالکل واقف نہیں ہو۔ جس سے مقابلہ کرنے جاتے ہو۔“ فوسٹ نے ایڈا کا ہاتھ پکڑ کر بڑبڑا دیا اور کان میں کہا۔ ”تم اپنی قسم کو بھول گئیں۔ میرا راز افشا کیے دیتی ہو؟“ اتنا سننا تھا کہ ایڈا دفعۃً خاموش ہو گئی۔ اور وہ ہیبت ناک سین اُس کے پیش نظر ہو گیا جہاں قسم کھائی گئی تھی۔  
ایڈا۔ (تھوڑے تامل کے بعد فوسٹ کے کان میں) ”مگر تمہیں ضرور ہو کہ اس بیچارے کی جان بچالو۔“

فوسٹ: ”ہاں ایڈا۔ مین اسکی جان کو ضرر نہ پہونچاؤنگا۔ تم میرے آنے تک یہیں رہو۔“  
یہ کہہ کر آٹو کی طرف چل دیا۔ ایڈا ایک کوچ پر جا بیٹھی۔ اور اپنے منہ کو ہاتھوں سے ڈھانپ کر  
آنسو بہاتی ہوئی دل ہی دل میں کہنے لگی: ”میری ماں ہمیشہ کے لیے مجھے جدا ہو گئی۔ میرے  
بھائی کا انجام کیا ہوگا؟ یہ اور ایسے ہی چند خیالات اُسکو تھوڑی ہی دیر اُبھائے رہے۔  
کیونکہ اُسکا مزاج ہی کچھ اس طرح کا تھا کہ اُس نے عزت کی پروا نہ آفت کی فکر رہتی تھی۔ غرض  
آنسو پونچھ کر اُس کا عقد کو حیب سے نکالا۔ جو بھائی دے گیا تھا۔ اور جلد جلد پڑھنے لگی۔ ”وہ  
اقرار کرتا ہے کہ بچہ اسی کا ہے۔ تو یہ کاغذ میرے بہت کام آئے گا۔ اور اسی سے میں اپنے ارادے  
پر کامیاب ہوں گی۔ تاہم وہ وقت ابھی نہیں آیا۔ نہیں وہ پورے طور پر میرے اختیار میں  
آنے کے بعد۔۔۔۔۔“

ایڈا کی حرص اُس غم پر غالب آگئی تھی جو ابھی ماں کی خبر انتقال اور بھائی کی مصیبت  
میں مبتلا ہونے کی وجہ سے پیدا ہوا تھا۔  
ایڈا۔ (دل میں) ”ہاں مین فوسٹ سے الفت رکھتی ہوں اور اُسی کے ذریعے سے مجھے  
دولت و ثروت ملنا چاہیے۔ وقت گزرتا ہی نہیں کیا اُن دونوں کا ابھی جھگڑا ختم نہ ہوا ہوگا۔  
غالباً فوسٹ کو کسی طرح کا ضرر نہ پہونچے گا۔ لیکن خدا جانے میرے بھائی کا کیا حال ہو؟ (کچھ  
سوچ کر) نہیں فوسٹ نے اُسکی جان بچانے کا اقرار کیا ہے۔“ وہ کھڑکی کے پاس کھڑی  
ہو کر محلِ آردنا کو دیکھنے لگی جس میں نہایت نفیس روشنی کی گئی تھی۔ ”تریزا یہ سمجھے ہوئے ہی  
کہ فوسٹ کسی کام کے لیے دیا گیا ہے اسی لیے اُسے لیپولڈ اور میربا کی دعوت کی ہے۔ اے!  
جب میں خیال کرتی ہوں کہ وہ لڑکی میرا ایسی خوش نصیب ہو جائے کہ ایک جلیل القدر  
شاہزادہ اُسکا شوہر بنے۔ آہ اسی خیال نے مجھے اُس غار میں جانے کی جرات دلائی۔  
جہاں فوسٹ اپنا دلی راز کہنے کے لیے لے گیا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ رازدار جانے کے بعد  
وہ ہمیشہ میرا فرمانبردار رہے گا۔ وقت گزرا جاتا ہے۔ وہ ابھی واپس نہیں آیا یہ کیا معاملہ ہے؟

ایک ایک میرے بھائی کا آنا۔ امان جان کے موت کی خبر پہنچنا۔ افسوس! میری تمام ہمت ٹوٹ گئی لیکن یہ واقعات مجھے اپنے مطلب کے حاصل کرنے میں مزاحم نہ ہو سکیں گے۔“ فوسٹ اور آئیڈا کو گنبد سے نکلے پورا ایک گھنٹہ گزر گیا۔ جب آئیڈا کا خیال یہاں تک پہنچا کہ صرف اپنے مطلب کے حاصل ہونے میں کوشش کروں۔ تو کسی کے پائون کی آہٹ معلوم ہوئی۔ پلٹ کر دیکھا تو فوسٹ آ رہا ہے۔

آئیڈا۔ (دوڑ کر) ”تو آئے زندہ چھوڑ دیا؟“

فوسٹ ”ہاں! تمہاری خاطر سے چھوڑ تو دیا ہے۔ مگر اس شرط پر کہ پھر کبھی ہمارے کاموں میں خلل انداز نہ ہو۔“

آئیڈا ”بہت اچھا کیا۔ وہ غیرت دار شخص ہے۔ اپنے اقرار پر ضرور ثابت رہیگا۔“  
فوسٹ ”اب محل کو ملنا چاہیے۔ تم اپنے خاص کمرے میں جاؤ۔ میں ٹیڑھے راستے سے ہو کر آتا ہوں۔ ہم پھر کل شام کے وقت اس بارہ میں گفتگو کریں گے۔ جو آج تمہارے بھائی کے آنے سے ناتمام رہ گئی۔ دونوں آپس میں گلے ملنے کے بعد آئیڈا اسی دم محل کی طرف چلی گئی اور فوسٹ کچھ دیر توقف کر کے گیا۔

## بائیسواں باب

گوارہ خانہ

موسم بہار نے درختوں کو تازہ پھولوں اور پتوں سے آراستہ کر دیا ہے۔ فوسٹ اور آئیڈا ایک دن شام کو اسی گنبد میں کوچ پر بیٹھے باتیں کر رہے ہیں۔ غروب ہوتے ہوئے آفتاب کی شعاعوں کی چمک کھڑکی سے ان بدکاروں پر پڑ رہی ہے۔ میز پر خوشگوار شراب اور عمدہ میوے نفیس بوتلوں اور طلا کار کا بیون میں رکھے ہوئے ہیں۔  
فوسٹ ”اب تک تو ہماری کل تجویزین نتیجہ خیز ہوئیں۔ تریزا ڈیوک لیپولڈ کے محل میں

بھیج دی گئی۔ تاکہ ضرورت کے وقت وہاں کے ڈاکٹر کی مدد پہنچے۔ اور خود ہی ڈاکٹر میری مطلب براری میں سعی کرے گا۔ جہاں تک کہ از روے فراست ظاہری حالات پر نظر کی جاسکتی ہے تو دونوں واقعات ایک ہی وقت میں وقوع پذیر ہونگے۔ پھر بھی چند روز میں سب کچھ معلوم ہوا جاتا ہے۔ میں تم سے کہتا تھا کہ ان دونوں بڑے ڈاکٹروں اور دایہ کو اپنے قابو میں کرنا ضرور ہے۔“

ایڈا ۱۲ بیشک۔ میں نے کب اس امر میں شک کیا تھا؟۔ تمہاری بے انتہا اور خارج از عقل دولت شہنشاہ وقت کے تاج کو خرید کر سکتی ہے۔ ہاں خوب یاد آیا۔ مجھے یہاں وقت رائیگان کرنا نہ چاہیے۔ کیونکہ علی الصباح تمہاری بیگم کے زیور کا صندوق اور توشہ خانہ کا اسباب لیکر ڈیوک کے محل کو جانا ہے۔

فوسٹ ۱۳ تو اور ایک دفعہ میں تم سے نہایت عجز کے ساتھ کہتا ہوں کہ میرے کہنے کے مطابق عمل کرو چونکہ بیدارش کے بارے میں اگر میری ترکیب ٹھیک ہو جائے تو تمہاری شوش پر سب کچھ منحصر ہے۔

ایڈا ۱۴ اس بارے میں تم مطمئن رہو۔ مگر طبیس . . . . .

فوسٹ ۱۵ میں نے اس امر میں بھی پورا بندوبست کیا ہے۔ دونوں ضعیف العمر ڈاکٹر اس طرح کل اہتمام کریں گے کہ کسی کو ان کے حرکات و سکنات معلوم نہوں۔ تم اپنے کام میں ہشیار رہو۔ باقی میں دیکھ لوں گا۔

ایڈا ۱۶ اور ایک بات تم سے پوچھنا چاہتی ہوں۔ وہ یہ کہ تم نے اس سبب سے بھی کچھ بندوبست کیا ہے۔ جو گوارہ خانہ پر پرہ دینے کے لیے مقرر کیا جائے گا۔“

فوسٹ ۱۷ اسکی کوئی ضرورت نہیں۔ میں اپنی قدرت کا حال تم سے پیشتر ہی کہ چکا ہوں میں اپنے آپ کو مع ایک ہمارے ہی کے سب کی نظروں سے غائب کر دے سکتا ہوں۔ بیطرح تو وزیر کو کوئیٹ مانفریڈ کی محل سے لے آیا تھا۔“

ایڈیٹر: ان! مجھے اب معلوم ہوا۔ صرف تمہاری بہودی کے خیال سے مجھے اتنے سوال کرنے کی ضرورت پڑتی ہی معاف کرنا۔

فوسٹ۔ (ایڈاکو گلے لگا کر) ”میں جانتا ہوں۔ پیارمی ایڈا! اب تم جاؤ۔ میں کل تک تم سے مل نہیں سکتا۔ آج صبح میں نے تریزا سے کچھ اقرار کیا تھا۔ اس کے ایٹاکے لیے ڈیوک کے محل کو جانا ضرور ہے۔“

اس ملاقات کے آٹھ دن بعد ڈیوک لیپولڈ کے عالی شان محل میں ہنگامہ مسرت اور چل پھل کے آثار شروع ہوئے۔ پانچ بجے شام کا وقت تھا۔ اور نہایت تعجب کی بات ہو کہ میریا اور تریزا ایک ہی وقت میں جھننے والی تھیں۔ ڈیوک لیپولڈ کا ڈاکٹر ڈارنبرگ میریا کے پاس تھا۔ وہ دروازہ کے عالم میں اُسی کمرے میں تھی جہاں اُسکا شوہر پیدا ہوا تھا۔ ناظرین کو یاد ہو گا کہ اس کمرے سے رسومات کے ہال کی بھی دروازہ تھا۔ تریزا دوسرے کمرے میں تھی اور ڈاکٹر لٹزن اسکے پاس تھا۔ ایڈا اپنی مخدومہ کے بازو کھڑی ہوئی تھی۔ اور اسکے دماغ ہونے سے تریزا کو اطمینان حاصل تھا۔ کیونکہ وہ بظاہر نہایت ہمدردی کرتی تھی۔ اور تریزا بھی اسکو خادمہ نہیں بلکہ اسکو غمزدہ قرابت دار کے جانتی تھی اور اسکے ساتھ سلوک کرتی تھی۔ فوسٹ اور ڈیوک لیپولڈ جسم کے کمرے میں تھے۔ اور وہیں رجسٹرار اور دو تین اعلیٰ عہدہ داران سرکاری بھی جمع تھے میریا کے کمرے میں ایک بڈھی دایہ بھی تھی جو بچے کی حفاظت کے لیے مقرر کی گئی تھی۔ اور جسے فوسٹ نے اپنا طرہ دار بنالیا تھا۔ ڈیوک لیپولڈ فوسٹ کا ہاتھ پکڑے ہوئے ایک کمرے میں لے گیا۔ اور کہا ”میرے پیارے دوست! یہ وقت ہمارے تردد کا ہے۔ مگر عجیب بات ہے۔ اور بیشک یہ خدا کی طرف سے ہے کہ..... کیون! آپ کے جسم میں رعشہ کیون ہے؟ نصیب اعداد مزاج تو اچھا ہی ہے۔“

فوسٹ۔ ”جی نہیں کچھ نہیں حضور! دفعۃً ایک فکر دل میں پیدا ہو گئی تھی۔ اب میں اچھا ہوں۔ فرمائیے۔“



لیپولڈ نے مین ہی کہتا تھا کہ یہ سن اتفاق ہو کہ ایک ہی وقت ہمارے محلات میں آثار ولادت نمودار ہوئے اور مجھے یہ نیک شگون معلوم ہوتا ہے۔ اگر ایک لڑکا اور دوسری لڑکی ہو تو ضرور ہر دو کہ ہن دونوں کی باہم شادی کر دی جائے۔“

فوسٹ۔ (مسکراتا ہوا) ”تو آپ کا خواب صحیح ہوگا (گھبرا کر) یہ کیا آواز ہے؟ لشکریوں کے خیمہ سے شور و غل کی صدا بلند ہو۔“

لیپولڈ۔ ”لشکری اُن دو سپاہیوں کو مبارکباد دے رہے ہوں گے۔ جو آج گوارہ خانہ پر پرہ دینے کے لیے انتخاب کیے گئے ہیں۔۔۔“

فوسٹ۔ (تعجب اور اضطراب سے) ”دو سپاہی حضور!۔۔۔“

ڈیوک لیپولڈ۔ ”جی ہاں۔۔۔ کیا آپ وہ قصہ بھول گئے۔ جو مین نے ایک دن بیان کیا تھا کہ میری پیدائش کے روز کچھ فریب ہونے والا تھا۔ لیکن خدا کو بہتری منظور تھی۔ آخر اسکی تعمیل ہونہ سکی۔“

فوسٹ۔ ”نہیں خداوند! میں کیوں بھولنے لگا تھا؟ مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ اور امیہ رکھتا ہوں کہ آج اُس قسم کا کوئی انقلاب نہ ہونے کے لیے آپ کی جانب سے معقول بندوبست ہوا ہوگا۔“

لیپولڈ۔ ”میں نے اس امر میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کیا ہے۔ اس نیک طینت ڈاکٹر ڈارنبرگ پر مجھے اعتماد کئی ہے۔ اور یہ اعتماد اسقدر جتنا میں اپنے باپ پر کر سکوں۔“

فوسٹ۔ (مسکرا کر) ”بیشک وہ ڈاکٹر قابل اعتماد ہے!۔۔۔“

لیپولڈ۔ ”ہر ڈر نامے دایہ بھی ایک عمدہ معتمد۔ کار گزار نیک بخت عورت ہے۔“

فوسٹ۔ (جسنے دایہ کو اپنا زر خرید بنا لیا تھا) ”بجا ارشاد ہوا! وہ ایسی ہی عورت ہے۔“

لیپولڈ۔ ”علاوہ برین۔ دو سپاہیوں کو پرے کے لیے انتخاب کرنے میں بھی ایک مصلحت تھی۔ کیونکہ ایک دوسرے کے خوف سے کوئی بجا حرکت کرنے کا موقع نہ پاسکیں گے۔“

فوسٹ ”دوست! اس سے زیادہ کیا بندوبست ہو سکتا ہے؟“

لیپولڈ ”با اینہم میرے ذہن میں ایک اور تجویز ہے۔ نہ اس لیے کہ ڈاکٹر دایہ کا اعتبار نہیں بلکہ خاص میری تشفی کے لیے آج شب بھر اسی کمرے میں رہونگا۔ اور اس وقت تک جب تک کہ صبح بچے کو تمام لشکر وغیرہ کے دکھلانے سے فراغت نہ حاصل ہو جائے۔“

فوسٹ ”یہ بھی نہایت معقول تجویز ہے۔ اگر اجازت ہو تو بندہ بھی آپ ہی کے ہمراہ رہے۔“

لیپولڈ ”بیشک میرے دوست! آپ بھی رہ سکتے ہیں۔“ اسی وقت دایہ ہرڈ میریا کے کمرے سے نکلی۔ اور دروازہ بند کر لیا اور رسم کے کمرے میں اگر عقب کے بڑے دروازے سے غائب ہو گئی اور باہر کی جانب پہنچ کر ایڈاسے ملی۔ جو اسی کے طرف آ رہی تھی۔

ایڈا۔ (ادھر ادھر دیکھ کر تاکوئی اور شخص نہ ہو) ”خوب ملین والد! میں اس بہانے سے تمہارے پاس آ رہی تھی کہ لیڈی تریزا نے میریا کو کچھ پیام کہا ہے۔“

دایہ ”میں بھی اسی بہانے تمہیں ڈھونڈھتی ہوئی آئی ہوں۔ بتاؤ کیا خبر ہے؟“

ایڈا ”لیڈی تریزا کے ایک خوبصورت لڑکا ہوا۔“

دایہ ”میریا کے بھی ایک ماہ جین لڑکی پیدا ہوئی ہے۔“

ایڈا ”ڈاکٹر ڈارنبرگ نے میریا سے کہا ہے کہ تم بفضل خدا لڑکے کی مان بنیں؟“

دایہ ”مان اور ڈاکٹر ٹرنن نے تریزا سے کہہ دیا کہ تمہارے بیٹی پیدا ہوئی ہے۔“

ایڈا ”ایسا ہی کہا ہے؟“ اس تقریر کے بعد (جو پانچ چار ہی منٹ کی گئی) دونوں چاہوئیں۔

ایڈا لیڈی تریزا کے پاس اور دایہ میریا کے پاس جانے کے لیے روانہ ہوئیں۔ جب دایہ اس

کمرے سے گزری جہاں فوسٹ اور لیپولڈ کھڑے تھے۔ تو اس نے فوسٹ کی جانب ایک ایسی

نکادہ کی۔ جو سوا مخاطب کے کسی اور کو بالکل خبر نہ ہوئی۔ فوسٹ دایہ کا مطلب تاڑ گیا۔ اور

اس کے چہرے پر مسرت ظاہر ہونے لگی۔ دایہ میریا کے کمرے میں پہنچتے ہی ڈاکٹر ڈارنبرگ باہر

نکلے اور ڈیوک سے کہا کہ ”صاحبزادہ مبارک!“ اور تھوڑے ہی عرصے میں ڈاکٹر ٹرنن بھی

برآمد ہوا۔ اور فوسٹ سے کہا ”آپ کے محل میں دختر پیدا ہوئی“ دونوں ڈاکٹر ونگو انعام  
کثیر دیا گیا۔ اور وہ اسی دم زچہ خاتون میں واپس آئے۔  
شہزادہ لیپولڈ۔ (فوسٹ کا ہاتھ پکڑ کر) ”میرا خواب صحیح ہے۔ بے شبہ میرا بیٹا آپ کی  
بیٹی سے کتھا ہوگا۔“

فوسٹ ”بسر و چشم حضور انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا۔“  
شکر گاہ کو پیام بھیجا گیا۔ اور دو قوی تن سپاہی گوارہ خانے کی حفاظت کے لیے آگے  
ڈیوکل لیپولڈ اور فوسٹ کے درمیان مبارکباد کا جو مبادلہ ہوا اُس کا بیان ہم نظر انداز کرتے ہیں  
ڈیوکل بے انتہا مسرت سے اپنے جامہ میں پھولانہ سماتا تھا۔ اور اس مبارک ساعت کا منظر  
تھا کہ خود آپ جا کر میریا کو اپنی زبان سے مبارکباد دے۔ اور فوسٹ دریا سے فکر میں  
ڈوبا ہوا تھا کہ آہ! اپنے خاص بچے کو غیر دن کے حوالے کر دیا اور اُنکا بچہ میں نے  
لے لیا۔ اس خیال کے ساتھ ہی اُس کا دل دھڑک اُٹھتا تھا۔ مگر اپنے دل رنج و تفکر کو اس  
طرح چھپا رکھا کہ ڈیوکل لیپولڈ کو مطلق آگئی نہ ہوئی۔

تولد کی خبر پہنچنے ایک گھنٹہ گزرا۔ دایہ لیپولڈ کے بچے کو لیے ہوئے اسی کمرے میں  
آئی جہاں لیپولڈ۔ فوسٹ و دیگر مغزز عہدہ دار بیٹھے ہوئے تھے۔ ڈاکٹر ڈارنبرگ بھی دایہ  
کے ساتھ تھا۔ ڈیوکل جلدی سے اپنے بچے کے قریب گیا۔ اور اُسکی پیشانی کا بوسہ لیا۔  
ڈاکٹر ڈارنبرگ ”یہ جگہ نہایت سوہی۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ بچے کے فراج کے خلاف ہوگی“  
لیپولڈ ”اگر ایسا ہو تو گوارہ خانے میں لے چلو۔ ڈاکٹر صاحب بچے کے نشان حبشہ  
سے کہہ سکتے ہیں میں ہر حالت میں بچے کو تکلیف سے محفوظ رکھنا چاہتا ہوں۔“ دایہ  
اسی دم بچے کو لیے ہوئے گوارہ خانے میں چلی گئی۔ دروازہ بند کر دیا گیا۔ اور سپاہی  
پرے پر کھڑے ہو گئے۔

فوسٹ۔ (ڈاکٹر کے کان میں) ”بچے کو جلد اندر لیجانے کی تدبیر نہایت مناسب ہوئی“

یقین ہو کہ اس قدر قلیل عرصے میں ڈیوک اپنے بچے کا کچھ نشان یاد نہ رکھ سکا ہوگا۔“  
ڈاکٹر۔ (آہستہ سے) ”ہاں اگر ڈیوک نے کوئی نشانی رکھ لی ہوتی تو مشکل تھا۔ مگر پہرے  
پر دو شخص ہیں۔“

فوسٹ۔ ”اُسکا کوئی اندیشہ نہیں۔ میں اُن دونوں کو کچھ دے دلا کر راضی کر لوں گا۔“ ڈاکٹر  
اب ریسٹ راک کی طرف متوجہ ہوا۔ اور بچے کے نشان بیان کرنے لگا۔ لکھ چکنے کے بعد  
بچے کا نام ”ماکسی ملن“ ڈیوک لیپولڈ کے خالوشہ شاہ جرمنی کے نام پر رکھا گیا۔ فوسٹ کی  
رے مطلق نہ تھی کہ پہرے والے سپاہیوں کو بھی اس کام میں شامل کیا جائے۔ ڈاکٹر  
جو کہا تھا کہ ”اُنہیں بھی رشوت دیکر اپنا ہمراز بنا لوں گا۔“ صرف ایک بناوٹ تھی۔ تاکہ ڈاکٹر  
کو اُسکے شیطانی اختیارات کا حال نہ معلوم ہو۔

دو پہرے ہوئے۔ فوسٹ اور ڈیوک لیپولڈ رسوم کے کمرے میں میز پر بیٹھے ہیں۔ اور اُس  
میز پر نفیس شرابیں اور عمدہ اغذیہ و فواکھات چنے ہوئے ہیں۔ سپاہی گوارہ خانے  
کے دروازے پر فوجی قاعدے سے کھڑے ہیں۔ کمرے میں نہایت شفاف روشنی کی گئی ہے۔  
اور شمعائے کافوری کی روشنی میز کے زرنکار بلورین گلاسوں پر پڑ کر ایک دل فریب  
کیفیت پیدا کر رہی ہے۔

لیپولڈ۔ (فوسٹ سے) آپ کو مجھے زیادہ خوش ہونے کا مقام ہے۔ کیونکہ میں اپنے خاندان  
کی رسم کے بموجب کل صبح تک بچے کو دیکھ نہیں سکتا۔ اور آپ جب چاہیں دیکھ سکتے ہیں۔ مگر ہاں  
یہ تو کیسے کہ لیڈی تیرزا اڑکی پیدا ہونے کی وجہ سے خوش ہیں یا نہیں؟۔“

یہ ناظرین کو یاد ہو گا کہ ڈیوک لیپولڈ کے ہاں لڑکی تولد ہوئی تھی اور فوسٹ کے ہاں لڑکا۔ مگر چونکہ فوسٹ  
نے اپنے پلے بیٹے کے دینے کا جن سے اقرار کیا تھا۔ لہذا وہ چاہتا تھا کہ ڈیوک کی بیٹی آپ لیکر اپنا بیٹا سے  
دیدے اور جن سے کہ بیٹی ہوئی۔ اسی بے اُسے ڈاکٹر دن اور ذابہ کو رشوت دی تھی کہ اس تبدیل کرنے میں  
مدد کریں۔ حاصل کلام فوسٹ اس تجویز میں تھا کہ شب کو دونوں بچوں کا کسی طرح تبادلہ ہو جائے۔ ۱۲

فوسٹ: ”میں بیشتر ہی عرض کر چکا ہوں کہ بجز وضع حمل کے ڈاکٹر لٹرن نے کوئی خواب دیا ملا دی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اب تک اپنے بچے کو نہیں دیکھا۔“

لیپولڈ: ”ہاں! آپ نے آگے بھی کہا تھا۔ معاف کیجیے میں بھول گیا۔ آپ کہیں نہ سمجھیں کہ میں آپ کے حالات سے دلچسپی نہیں رکھتا ہوں اس وقت مجھے بچے کی ولادت سے اس قدر مسرت ہے کہ سو اگلے کوئی اور خیال دل میں نہیں جتا۔ کیا آپکا بھی یہی حال ہے؟“

فوسٹ: ”جی ہاں۔ قریب قریب ایسی ہی خوشی مجھے بھی حاصل ہے۔“

لیپولڈ: ”میں تھوڑی دیر کے لیے آپ سے جدا ہونگا۔ میں چاہتا ہوں کہ میرا کے مزاج کا حال بخیر خود دیکھوں اور دل کو تسلی دوں۔ آپ تو ہمیں رہینگے نہ؟“

فوسٹ: ”میں یہاں سے حرکت نہ کرونگا آپ بے کھٹکے جائیے!“

لیپولڈ: ”(آہستہ سے)“ یقین ہے کہ میں جس ہوشیاری سے نگرانی رکھونگا۔ آپ بھی سہلچ بندوبست رکھینگے۔“

فوسٹ: ”آپ کو اس بارے میں کچھ تردد کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں آپ سے بھی زیادہ خبردار رہونگا۔“

ڈیوک لیپولڈ: فوسٹ کا شکریہ ادا کر کے میرا کے کمرے میں گیا۔ فوسٹ نے جیب سے ایک شیشی نکالی اور میوہ اٹھانے کے بہانے سے شیشی سے تھوڑی دوا ڈیوک لیپولڈ کے گلاس میں ڈال دی۔ یہ کام اس سرعت اور تیزی سے کیا گیا کہ پہرے کے سپاہی اگر غور سے دیکھتے بھی ہوں تو بھی پہچان نہ سکیں۔ فوسٹ کے چہرے پر دشت یا خوف کی کوئی علامت نہ تھی۔ مگر اس کا دل مضطرب و اندوہین تھا۔

فوسٹ: ”(دل میں)“ میں جن کو ضرور دھوکا دوںگا۔“

تھوڑے عرصے میں ڈیوک واپس آیا۔ جوش مسرت و انبساط سے چہرہ گلدار بن گیا تھا۔

فوسٹ: ”آپ کی زوجہ محترمہ کا مزاج کیسا ہے؟“

لیپولڈ: ”بہت رنجی ہیں۔“

فوسٹ: ”تو اس خوشی میں ہم کو ایک ایک جام شراب نوش کرنا چاہیے۔ بشرطیکہ آپ کے مرغوب طبع ہو۔ دونوں نے شراب پی۔ اور اُس کے بعد ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے۔ اتنے میں ڈیوک لیپولڈ کو کچھ غنودگی سی معلوم ہوئی۔ وہ اٹھکر ٹہلنے لگا۔ مگر کچھ کمی نہ ہوئی۔ پھر کوچ پر بیٹھکر بانڈی کا ایک اور پیالہ چڑھایا۔ اور کچھ میوہ بھی کھائے۔ غنودگی غالب آگئی۔ اور وہ پڑ کر سو رہا۔ فوسٹ نے تھوڑی دیر توقف کیا۔ اُس کے بعد اٹھکر پہرے والے سپاہیوں کے قریب جا کر کہا۔ ”میرے دوستو! پہرے کا کام نہایت سخت ہے۔ ایک جام شراب اور تھوڑی سی غذا کھا لینے کا تم اچھی طرح اپنی خدمت انجام دینے کے قابل ہو جاؤ گے۔ تمہیں اجازت ہو کہ میز کے پاس آ بیٹھو۔ یہ بات کچھ میں اپنی طرف سے نہیں کہتا ہوں۔ خود ڈیوک صاحب نے فرمایا ہے۔ تم میز پر جاؤ۔ میں ابھی واپس آتا ہوں۔“ سپاہیوں نے نہایت شکریہ کے ساتھ یہ دعوت قبول کی۔ اور میز پر آ بیٹھے۔ فوسٹ اس کمرے سے نکل کے گوارہ خانے میں گیا۔ اور ڈیوک کی بیٹی کو ہاتھوں میں لیے ہوئے تریزا کے زچہ خانے میں آیا۔ اور اُس کو وہاں چھوڑ کر اپنے بچے کو اسطرح لیے ہوئے گوارہ خانے میں پہنچا اور دایہ کے حوالے کر دیا۔ سپاہی جو قریب ہی میسر پر بیٹھے تھے اُنکو نہ کسی کی آمد و رفت معلوم ہوئی نہ پانوں کی آہٹ ہی سنی گئی۔ فوسٹ اپنے کام سے فارغ ہو کر کمرے میں آیا۔ جان ڈیوک سو رہا تھا سپاہیوں کو اور ایک ایک جام شراب اپنی جانب سے پلا یا۔ وہ پھر اپنے قاعدے سے پہرے پر کھڑے ہو گئے۔ اُن کے فرشتے کو خبر نہ ہوئی کہ کیا گذرا۔ فوسٹ شب بھر وہیں رہا۔ اور ڈیوک بدستور سو یا کیا۔ صبح دم کل فوج محل کے روبرو جمع ہوئی۔ نومو لوڈ شہزادہ کو دکھائے جانے کی رسم ادا ہونے ہی محل کے اندر لے گئے مہرٹا نے اسے اپنا بچہ جان کر کمال محبت سے بوسہ لیا۔ اتنے میں تریزا اس خواب غفلت سے بیدار ہوئی۔ جس میں اُس کے ڈاکٹر نے اُسے عمدہ آڈال رکھا تھا۔ اور پہلو میں بچہ پڑا ہوا دیکھ کر سمجھی کہ میرا ہی ہے۔ بس اسطرح فوسٹ کا بیٹا میرا کے پاس اور اُسکی بیٹی تریزا کے پاس رہی۔



## تیسواں باب

### کوہ آتش نشان و سودیس

حالات مرثوم الصدر سے ایک سال گزر گیا۔ اب ۱۷۹۵ء کا موسم بہار ہے۔ اور یہاں سے ہمارا سین بدلتا ہو نیپلس کا خوشنما آباد شہر اپنی عظمت و جلال کو بحر اوسط کے کناروں تک پھیلائے ہوئے ہے۔ وہ پر فضا کنارے۔ وہ نگاہوں کو ابھانے والی ٹیکریاں۔ وہ سرسبز پہاڑیاں۔ وہ پیش عالی شان عمارتیں۔ وہ طرب افزا باغوں کی بہار۔ غرض ہر ہر خیر شہر کی صلت و شوکت کا نشان دے رہی ہے۔ اس وسیع شہر میں تخمیناً چالیس ہزار آدمی دولت و شہرت سے مالا مال آباد ہیں۔ اور ساٹھ ہزار اشخاص ایسے بھی ہیں۔ جنہیں سر چھپانے کے لیے جگہ میسر نہیں۔ مگر وہ باغ جن میں بنجر (قدرت) اپنی پوری دلفریبی سے جلوہ افروز ہے۔ ایسے ہیں کہ ہر ایک ہٹکی ہوئی نظر کو آن و حسد میں اپنی طرف متوجہ کر لیں۔ نسیم سحری دریا سے ہو کر ان گلیوں میں پہنچتی ہے جہاں ہجوم خلافت کے سبب سے سانس لینے کے لیے خالص ہوا کا ملنا محال ہو۔ شام کے وقت باغوں سے نکلنے والی ہوا کی خوشبو ساکنان شہر کے گھروں کو حجلہ عروسی بنادیتی ہے۔ آنکھیں دل مسرور اور دماغ معطر ہو جاتے ہیں۔ مگر اوائل صبح کے عالم سکوت میں نیپلس پر عجیب بہار رہتی ہے جب صبح کی مٹی نیند کے سبب باشندوں کے لبوں پر مہر سکوت لگی ہوتی ہے۔ اسوقت شہر

۱۷۹۵ء سودیس ایک کوہ آتش نشان کا نام ہے جو اٹلی کے جنوب کی طرف دس میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اس سے اکثر آتش فشاں کے حادثات نمود ہوئے خصوصاً ۱۷۹۳ء میں جو صدر ہوا کے سبب اٹھارہ ہزار آدمی ہلاک ہوئے۔ اخیر زلزلہ ۱۷۹۴ء میں ہوا تھا۔ ۱۷۹۵ء تا شہر بینون کو اوپر لیجانے کے لیے ایک ریلوے ایجاد کی گئی۔ جو موٹے تار پر چلتی ہے اس طرح کہ ایک گاڑی اوپر جاتی ہے۔ اور دوسری نیچے اترتی ہے۔ ۱۷۹۵ء

۱۷۹۵ء نیپلس پاپیہ تخت اٹلی۔ دنیا کے تمام شہروں میں منایت غرب صورت شہر مشہور

نیپلس ایسا نظر آتا ہے گویا سمندر کی طرف دیکھ دیکھ کر مسکرا رہا ہو۔ وہ شہر کی جانب بڑھے ہوئے ساحل بحر کا دلچسپ توجہ۔ وہ نیلگون شامیانہ (آسمان) جیسے ابر کا کہیں نام نہیں اور جب رنگ صبح کے انتظار میں افق مشرق کی سمت بدلتا رہتا ہے۔ اس وقت شہر نیپلس کے باہر کسی بلند سے دیکھنے والے کو وہ پرفضا سماں اور وہ دُفریب کیفیت نظر آتی ہے کہ وہ بخود ہو جاتا ہے شہر مشرق طرف بہت سی پہاڑیاں ہیں۔ اور اُنکے درمیان کوہِ دِسو دیس اپنے پورے وحشیاء رعب سے کھڑا ہے۔ اُسکی بلندی چار ہزار فٹ سے کم نہیں ہے۔ اور دوسری طرف والے پہاڑ اُسکی نسبت نہایت پست نظر آتے تھے۔ کوہِ دِسو دیس کے چاروں جانب بڑے بڑے شہر بارونق دیات۔ اور عمدہ نظر فریب باغ ہیں۔ اُنکی آبادی۔ اُنکا قدرتی حسن ایسا ہے کہ اس مقام کو بہشت ارضی کہنا کوئی بیجا نہ ہوگا۔ لیکن دِسو دیس پر سرسبزی کے عوض دیرانہ پن س رہا ہے۔ ماہ مئی کی پہلی تاریخ ۱۹۵۵ء کو نیپلس خوشحال اور مطمئن نہ تھا۔ اُسکے سمندر میں تلاطم اور آسمان پر ابر گھرا ہوا تھا۔ کیونکہ صرف گزشتہ روز زمین کے زلزلے سے ایک آفت بپا ہوئی تھی۔ اور آج قبل طلوع آفتاب دِسو دیس نے اپنے مہیب جسم سے کروڑ ہا گھر پتھر خارج کیے تھے۔ اُسکے بعد وہ ہیبت ناک سماں پیش نظر ہوا جو کبھی اس پہاڑ سے دیکھا نہ گیا تھا۔ یعنی پہلی دفعہ پہاڑ سے شعلے نکلنے لگے جو تین ہزار قدم تک بلند ہوتے تھے اور جیسے چند فٹ دھواں بھی گھرا رہتا تھا۔ اُن تباہ کرنے والے شعلوں کی طیش اطراف میں کئی میل تک پہنچتی تھی۔ اور ایسی گرمی تھی کہ کسی ذی روح سے برداشت نہ ہو سکتی تھی۔ عین اُس آتش نشانی میں یکایک پہاڑ میں ایک بڑا شگاف ہو گیا۔ اور پھلے ہوئے ارضی فلازات کی نہرین اس شگاف سے نہایت جوش و خروش کے ساتھ بہنے لگیں۔ وہ پاکیزہ سر بہ فلک عمارت۔ تروتازہ باغ۔ باردار درخت جو پہاڑ کے اطراف و جوانب میں تھے یکے بعد دیگرے فنا ہوتے جاتے تھے۔ مائیں اپنے معصوم بچوں کو گود میں لیے ہوئے۔ مگر سوز آہیں بھر رہی تھیں۔ مرد اپنے بچوں کو ساتھ لیے ہوئے بدحواس دوڑ رہے تھے۔

ساکنان شہر و دیہات پر گویا قیامت نازل ہوئی تھی۔ غریبوں کے جھوپڑے اور امرا کے محل دیکھتے ہی دیکھتے جل بھن کر خاک سیاہ ہوے جاتے تھے۔ ہر تنفس کو جان کے لالے پڑے تھے۔ فتنان و خیزان سراپہ دوڑنے سے کام تھا۔ کیونکہ وہ ہر ایک بھوت کی طرح اُنکے پیچھے آرہی تھی۔ آفتاب طلوع ہوا۔ لیکن اُس وحشت ناک سین کے دکھانے کے لیے شمع آفتاب کی کوئی ضرورت نہ تھی کیونکہ پہاڑ کی آتش فشانی سے جو روشنی پیدا تھی اُس سے دن کا دھوکا تھا۔ اب اُس شگاف سے گرم پانی نکلنا شروع ہوا۔ جو بہت زور سے اڑتا اور بلند ہوتا تھا اور پھر گر کر دور تک کے حصوں کو اپنی بے انتہا گرمی سے نقصان پہنچاتا تھا یہ حال پورے ایک گھنٹے تک رہا۔ بعد ازاں گرم راکھ اور بالونکھنے لگی۔ اور آسمان پر سیاہی نمودار ہوتے ہوئے بالکل ہی تیرگی چھا گئی۔ آفتاب چھپ گیا۔ اطراف میں کئی میل تک ایک طرح کی بند بھیل گئی۔ اور زمین پھر ہلنے لگی۔ دریا میں ایسا تلاطم اور طغیانی پیدا ہوئی کہ موجوں کی میب آواز سے کان بہرے ہوے جاتے تھے۔ تاریکی اس درجہ کی تھی کہ وہاں مصریاد آنے لگی۔ ہنوز پہاڑ کے شگاف سے گرم شعلے نکلتے تھے۔ پتھروں کے ٹکڑے جو بجائے خود اٹکارے تھے نکل نکل کر اطراف و جوانب کے ویرانے کو ترقی دے رہے تھے۔ مصیبت زدہ ساکنان دیہات قرب و جوار اپنے عزیز و وطن گھر بار مال و اسباب کو چھوڑ چھوڑ کر بھاگ رہے تھے۔ بعضوں کی زبان پر دعا تھی اور بعض بددعا کیے جاتے تھے۔ بہت سے والدین اپنے پیارے بچوں کی جان کی پروا نہ کر کے صرف اپنی اپنی جان بچانے میں مصروف تھے۔ جب اُس مقام پر یہ محشر خیز ہنگامہ برپا تھا اس وقت دو شخص پہاڑ پر چلتے ہوئے نظر آنے لگے۔ وہ بیخوف و ہراس پہاڑ پر چڑھ رہے تھے۔ نہ اُن گرم پتھروں سے خائف تھے نہ ہولناک آواز تاریکی جلتی ہوئی بالو اور راکھ سے ڈرتے تھے جب اُن مقامات کے رہنے والے اُس جانکاہ صدمے کی تاب نہ لا کر بھاگ رہے تھے تو یہ دو شخص بخیر اسی شگاف کی طرف بڑھے جاتے تھے جہاں سے شعلے اور پتھر نکل رہے ہیں۔ آگ کے شعلے گرم ہوا کے جھونکے۔ بجلی کی چمک بے انتہا تاریکی

طوفان عظیم۔ دریا کے تلاطم کی آواز۔ یہ اور اسی قسم کی کئی اور بلائیں تھیں۔ مگر ان دونوں کو ان کے عزم سے باز نہ رکھ سکیں۔ وہ بغیر کچھ تکلیف و زحمت کے چڑھے چلے جاتے تھے۔ عورتوں کی گریہ و زاری والدین سے چھوٹے ہوئے بچوں کی فریاد و بکا۔ بڑی بڑی عمارات کے گرنے کی آواز خلقت کی پریشانی و اتہری غرض سب کچھ یہ دونوں دیکھ رہے تھے مگر انکی ثابت قدمی اور استقلال میں کوئی فرق نہ آتا تھا۔ تاریکی میں پہاڑ کی یہ حالت ہو رہی تھی کہ کسی فرد بشر کی مجال نہیں کہ بنگا اٹھا کر دیکھ بھی سکے۔ لیکن انھیں کچھ پروا نہ تھی۔ دفعۃً پہاڑ کے شکاف کی گرمی سُرخی سے بدل ہو گئی۔ اور ان واحد میں پہاڑ سرخ انگاروں کا انبار بن گیا۔ اب اسی آتش فشان بلندی پر یہ دونوں چلتے ہوئے دکھائی دیے۔ گو پہاڑ پر اسقدر آتش لگی ہوئی تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا تمام پہاڑ دشمن کر دیا گیا ہو۔ لیکن اطراف کی تاریکی میں کچھ کمی نہ ہوئی تھی۔ نہایت ہی عجیب و غریب جگہ گاہ قدرت تھا۔ تنے میں ایک مہیب آواز ہوئی۔ اور اسقدر مہبت پیدا ہوئی کہ آسدن کے تمام آفات سے لوگوں میں اتنی وحشت نہ پیدا ہوئی تھی۔ اسوقت وہ عجیب واقعات ظہور میں آئے۔ کوہ دسودیس کی چوٹی میں ایک بڑا شوق پڑ گیا۔ اور لیوکرین نامے تالاب کا پانی مٹنے لگا اس کے پانی کو اس در سے جنبش ہوئی کہ گویا وہاں کی تمام زمین میں عظیم الشان زلزلہ پیدا ہو گیا ہے۔ تھوڑے عرصے میں اس تالاب سے ایک کوہ عظیم نمودار ہوا جسکی بلندی ۵۰۰۰ قدم کی تھی۔ اور جوا تک موجود اور ”کوہ نو“ کے نام سے مشہور ہے۔ اس بلا خیز مقام میں دونوں مسافرا اپنی تیززدی کے جوہر دکھا رہے تھے۔ وہ کون تھے؟ فوسٹ اور جن۔

فوسٹ۔ (جو جن کے پیچھے پیچھے سہولت سے جا رہا تھا) ”کیا یہ سب ترے ہی کارنامے ہیں؟“  
جن۔ (یہاں یہ سب کام میرے ہی ہیں۔ اور اس میں تو بھی شریک ہے۔)۔  
فوسٹ۔ (وحشت سے) ”میں شریک ہوں؟ اس دل آزار کام میں مجھے شریک نہ کر!“  
جن۔ (ایک ڈراونی ہنسی کے ساتھ جس سے فوسٹ کانپ اٹھا) ”او آدم زاد کو تاہ ہیں! تو شاید کہے گا کہ آسدن کوہ برا کن پر جو واقعات گزرے۔ ان سے بھی میں بری الذمہ ہوں؟“

فوسٹ - ( غمگین لہجے میں ) "نہیں۔ اپنی اس بد اعمالی کا مجھے اکثر خیال رہا کرتا ہوں۔  
بلکہ بار بار ان ہیودہ خیانات پر افسوس بھی کیا ہے۔"  
جن - ( مذاق سے ) "بڑی بات کہ تو اپنی خطا کا قائل ہوتا ہے۔ انسان کی عادت ہو کہ اگرچہ  
اپنی خطا سے آگاہ ہی ہو جائے۔ تاہم اپنی بات بالارکھنے کے لیے اُٹھی تکرار اور کج سمجھی  
کیے جاتا ہے۔ آدمی کے سینے پر ایک شیطان سوار ہے۔ اور وہ مخفی طور پر اُسکی آزار رسانی  
کے دیرپور ہوتا ہے۔ اُسی کی اشکال سے انسان ایسی ایسی حرکتیں کر بیٹھتا ہے جو اُسکی تمام  
بد کاریوں سے بدرجہا بدتر ہوتی ہیں۔

فوسٹ - "وہ کیا؟"

جن - "تکبر" انسان کے ہر کام کا رہنما ہی گمراہ کن خیال ہوتا ہے۔ میں نے اکثر دیکھا ہے کہ  
ذرا سی مہل اور بے ثبوت بات پر جھگڑے ہو جاتے ہیں۔ اور عزیز و اقارب بلاکہ عورت و مرد  
آپس میں ایک دوسرے کے خون کے پیاسے بن جاتے ہیں۔ جب اسکا سبب دریافت  
کیا جائے تو یہی نکلتا ہے کہ غرور اُن دونوں کو اس مختصر جملہ کے کہنے سے باز رکھتا ہے یعنی "مجھ  
سے خطا ہوئی معاف کرو۔" بڑے بڑے جلیل القدر بادشاہ اپنے وفادار و وزراء کو گنوا  
دیتے ہیں۔ اکثر لوگ اپنے بچے دوستوں سے دشمنی مول لیتے ہیں۔ ان سب کا بانی  
فساد وہی "تکبر" ہے۔"

فوسٹ - ( جو جن کے طعن آمیز کلام سے تنگ آگیا تھا ) "کیون؟ اتنی لمبی طول طویل  
تقریر کی کون ضرورت تھی؟"

جن - "ہماری گفتگو کے ضمن میں یہ بات یاد آگئی۔ مگر نہ میں اُس قابل نہیں کہ تجھے اخلاق  
سکھاؤں۔ اچھا ہم اپنی گزشتہ تقریر شروع کریں۔" تو ابھی پوچھ رہا تھا کہ ان بلاؤں کا باعث  
تو یہی ہے؟" میں کہتا ہوں کہ ہاں۔ مگر سب کار گزار یاں تیرے ہی لیے عمل میں لائی گئیں۔"  
فوسٹ - ( جھٹاکر ) "میرے لیے؟"



جن۔ ”ہاں۔ تیرے ہی واسطے۔ کیونکہ میں تیرا مطیع اور غلام ہوں۔“

فوسٹ۔ (آہستہ سے) ”غلام؟۔ نہیں تو میرا مالک ہو۔“

جن۔ ”میں اور بائیس سال میں تیرا مالک ہوں گا۔ اپنے لیے ان مصیبتوں کے برپا کرنے کا سبب تو جو دریافت کیا جا رہا ہے۔ میں بہت جلد بتائے دیتا ہوں۔ کل شام کے وقت تو اور میں شہر ویانا میں گفتگو کر رہے تھے۔ اور اشنا گفتگو میں تو نے یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ وہ مملکت جس کا میں بادشاہ ہوں۔ کسی وقت دکھاؤں۔ میں نے بھی کمال خلق سے وہاں آنے کی دعوت دی تھی۔ اور تو نے قبول کیا تھا۔ لیکن تو وہاں چاکر ایسے دشت انگیز مصیبت ناک تماشے دیکھے گا کہ تاب لانا اور ہوش بجا رکھنا مشکل ہو گا۔ لہذا مجھے مناسب معلوم ہوا کہ دنیا کی انتہائی مصیبت و خرابی کا نمونہ تجھے پہلے دکھا دوں۔ تاکہ اُن بلاؤں کے دیکھنے کا متحمل ہو سکے۔ یہ آفات چاہے کیسے ہی سخت اور مہیب کیوں نہ ہوں۔ مگر اُنکے مقابل کچھ نہیں جو تو ابھی زیر زمین دیکھے گا۔ یہ گرم پانی کا اڑنا۔ بالو اور راکھ کا دفعہ نکلنا۔ آگ کی قوت جس نے پہاڑ کی چوٹی کو شق کر دیا۔ تالاب سے پہاڑ نمود ہونا۔ اور ہمارا ان تمام بلاؤں میں حضرت اور بغیر برج کے چلے آنا۔ سب کچھ ایسے کیا گیا کہ تو میری سرحد میں پہنچنے کے آگے ہی دشتوں کا ایک نمونہ دیکھ لے۔ مگر جیسا میں نے ابھی کہا ہے۔ اُس ہنگامہ محشر کے روبرو ان صعوبات کی کوئی اصل و حقیقت نہیں۔ یہاں وہ سانپ کہاں جو آدمی سے لپٹ جاتے ہیں۔ یہاں وہ عجیب الخلق حیوان نہیں جو دریا سے نیل کے مگر مچھون سے ذائقہ ہزار درجے زیادہ مہیب ہیں۔ جو ہر ایک آنے والے سے پہلے کھیل کر بعد اسی کو شکار کرتے ہیں لیکن وہاں موت نہیں ہر وقت نئی نئی آفتوں کا سامنا ہا کرتا ہے۔ وہ لوگ جو کوہ آتش فشان کی آتش فشان سے مرتے ہیں۔ ایک ہی وقت میں اُنکی تکلیف ختم ہو جاتی ہے۔ مگر میرے ملک میں ایسی رنج و ایذا ہے۔“

فوسٹ۔ ”جانے بھی دے۔ ہاں یہ نہایت دشت ناک بیان ہے۔“

جن۔ ”کیا میرا مالک دیکھنے کے ارادے سے تو باز آنا چاہتا ہے؟ اگر ایسا ہو تو اختیار ہے۔“



میں ہرگز جبر نہ کرونگا۔ کیونکہ فی الحال تو میرا مالک ہی۔“  
 فوسٹ: ”نہیں میں ضرور دیکھونگا۔ مجھے بڑی تمنا ہے۔ مگر یہ یاد رہے کہ مجھے آج شام کو  
 ویانا میں رہنا ضرور ہے۔“

جن: ”میں تابع حکم ہوں۔ تو جانتا ہے کہ مجھے فاصلہ کی کوئی پروا نہیں۔“ دونوں پہاڑ کی  
 اس بلندی پر پہونچے جہاں شگاف پڑا تھا۔ وہاں سے دور اہیں نکلتی تھیں۔ جو ان گرم قراروں  
 سے ہو کر کوہِ دُسنو دیس کی دو بڑی چوٹیوں پر پہونچتی تھیں۔

جن: ”میں اس راہ سے بڑھتا ہوں۔ تو اُدھر سے آ۔“

فوسٹ: ”ہمارے جدا ہونے سے کیا مطلب ہے؟۔“

جن: ”اس لیے کہ وہ ٹیکریاں جو شگاف کے دونوں جانب ہیں۔ ایک ہی وقت دو شخصوں کے  
 بار کے تحمل نہ ہو سکیں گی۔“ الغرض وہ جدا ہوئے۔ اور تھوڑی دیر میں چوٹی تک جا پہونچے  
 گوا بھی ان دونوں کے درمیان بہت فاصلہ تھا۔ مگر فوسٹ جن کی باتوں کو اس خوبی سے  
 سن سکتا تھا۔ جیسے کوئی قریب سے سن سکتا ہے۔ تاریکی کم ہو گئی۔ اور آفتاب اپنی پوری چمک  
 دکھا رہا تھا۔ اور اب کوہِ آتش نشان سے آگ وغیرہ کا نکلنا بھی موقوف تھا۔ فوسٹ نے  
 جب نظر اٹھا کر دیکھا تو آسمان کا کبھی نہ سمجھنے والا شاندار چراغ برابر بیچ میں آویزاں تھا  
 اور ساتھ ہی نیچے کے طرف نگاہ کی تو ایک ایسا غار نظر آیا جو غالباً انسان کی آنکھوں نے کبھی  
 اس قدر عمیق غار نہ دیکھا ہو گا دریا کے تلاطم کی آواز کم ہو گئی تھی۔ اور شگاف سے نکلنے والی  
 گرم پانی کی نہریں بتدریج ٹھنڈھی ہوتی جاتی تھیں۔ مگر پہاڑ کے چاروں جانب اُسی طرح  
 ویرانہ تھا۔ شہر نیپلس کے گرجاؤں کے گھنٹے زور شور سے بج رہے تھے۔ گویا ساکنانِ شہر کو  
 خداوندِ عالم کا شکر بجالانے کا اشارہ تھا۔ کیونکہ پہاڑ کی آتشباری شہر تک نہ پہونچی تھی صرف  
 سات اوچھٹی چھوٹی آباد بستیاں جو کوہ کے اطراف میں تھیں اس صدے سے محفوظ  
 رہیں۔ یاد ہی بھی کچھ کم نہ تھی۔ یکایک فوسٹ کی نظر اس مقام پر پڑی جہاں

آب گرم کے فوارے جھوٹ رہے تھے تو وہ کانپ اٹھا۔

جن ۲۰ دیکھ! میرے ملک کی سرحد یہاں سے شروع ہوئی ہے۔ کیا تو دہان آنے کی جرات رکھتا ہے؟“

فوسٹ ۲۰ ”ہاں بیشک ہمت رکھتا ہوں۔“

جن ۲۰ اچھا تو دیر نہ کر۔“

اس وقت پہاڑ حرکت کرنے لگا۔ اور اسکا دوسرا شق بند ہو گیا۔ دفعۃً جن فوسٹ کے قریب آکھڑا ہوا۔ اور اسکا ماتھ پکڑ کے کہا ۲۰ ”کیا تو تیار اور آمادہ ہے؟“

فوسٹ ۲۰ ”ہاں میں تیار ہوں۔“

جن ۲۰ ”ایسا ہی تو چل!“

دونوں وسوویس کے بڑے شگاف میں سر کے بھل گر پڑے۔

## چوبیسواں باب

### امیر ظرنین

اُسی روز جب کوہ وسوویس اپنی آتش فشاں سے اس سرسبز قطعہ ملک کو ویران و برباد کر رہا تھا۔ تو شہر دیانامین چند ایسے واقعات گذرے جنکا یہاں بیان کرنا ضرور ہے اُس شہر کی ایک وسیع سڑک پر ایک عمدہ خوشنما محل تھا۔ جس میں امیر ظرنین اور اسکی بیوی رہا کرتے تھے۔ امیر ظرنین کی عمر تخمیناً چالیس سال کی ہوگی۔ وہ کسی وقت نہایت خوبصورت تھا۔ مگر اب عیاشی اور شرابخواری کی وجہ سے وہ آب و تاب اور وہ رنگ و روپ باقی نہ تھا۔ چہرہ زرد ہو گیا تھا۔ اور آنکھیں اندر دھنس گئی تھیں۔ اسکے اوصناع و اطوار اور چال چلن سے بدتمیزی اور ناشائستگی کی علامت ظاہر تھی مگر تقریباً بڑا راست باز امانت دار معلوم ہوتا تھا۔ اور چونکہ وہ ایک شہنشاہ شخص تھا۔ لہذا

بہت سے سفر کر چکا تھا عالم مرفہ الحالی میں جرمنی کے بگڑے ہوئے امرائے اسکا بہت بڑا احترام کرتے تھے اور اپنی صحبتوں میں شریک کرنا فرماتے تھے۔ وہ جو بہت کھیلتا تھا۔ اُس زمانے میں تہذیب ایسے اعلیٰ درجہ پر پہنچی تھی کہ شایستگی اور بدتمیزی میں اس قدر جلد فرق کیا جاسکے۔ جیسے کہ موجودہ زمانے میں ہو سکتا ہے۔ اس امیر کا قصہ چند خصوصیات رکھتا ہے۔ جو قابل ذکر ہیں۔ چونکہ اسکی کم عمری کے زمانے میں والدین قصاکر گئے تھے۔ لہذا یہ اپنے چچا کی پرورش اور نگرانی میں رہنے لگا۔ جو سرکاری کچہریوں میں کسی اعلیٰ عہدے پر ممتاز تھا۔ امیر ظرنین کا باپ بہت بڑا دولت مند تھا۔ وہ مرتے دم اپنی کل جائیداد اور زر نقد بیٹے کے نام اس وصیت سے چھوڑ گیا تھا کہ وہ تیس سالہ ہونے تک اپنے چچا کے ظل عاطفت میں رہ کر تعلیم و تربیت پائے اسکا چچا نہایت جفاکش نیک نیت متدین شخص تھا۔ اُس نے اپنی جان فشانہوں سے نوجوان کے املاک میں بہت کچھ ترقی کی تھی پس جب امیر ظرنین بذات خود تمام امور کا انتظام کرنے کے قابل ہوا تو اپنے آپ کو جرمنی کے بڑے بڑے ذی قدرت اور معتبر امیروں کے مقابلہ میں بالکل املاک و جائیداد پر اسکا تصرف ہونے کے ٹھوڑے ہی دن بعد چچا بھی راہی ملک بقاء ہوا اور اسکی جائیداد بھی اسی کے حصے میں آئی۔ نوجوان امیر ظرنین نے سفر کا قصد کیا۔ کیونکہ اسے بچپن ہی سے غیر ممالک کی سیر و سیاحت کا نہایت شوق تھا۔ علی الخصوص سلطنت عثمانیہ کے سیر کی۔ اُبو نہایت درجہ متناقص۔ اُن دنوں روپیہ کے ایک شہر سے دوسرے شہر کو بھیجنے یا منگوانے میں آجکل کی سی آسانی نہ تھی۔ مالگزاری کے کل سامان یہودیوں کے ہاتھ میں تھے۔ اور باریک بین عیسائی جو اُس قوم سے ہمیشہ بدگمان رہا کرتے ہیں۔ اپنا روپیہ اُنکے سپرد کرنے سے کمال نفرت رکھتے تھے۔ ہمارا نوجوان امیر بھی اسی خیال کا شخص تھا۔ اس نے بھی یہودیوں کے ساتھ معاملہ رکھنے سے نفرت کی اور چار پانچ سال کے سفر کے کافی ہونے کے قابل کچھ روپیہ نہایت دھیرہ کی حیثیت میں لے نکلا۔ بارہ سال کا طولانی زمانہ گزرا مگر اسکی کچھ خبر نہ دیا نہ میں اُسکے کسی دوست کو نہ معلوم ہوئی۔ ایسے صدر دیوان عدالت نے شہنشاہ

جرمنی کو اطلاع دی کہ امیر ظرنین بارہ سال سے برابر غائب ہو۔ نہ کسی کو خط لکھا۔ نہ اس کے وجود و عدم کی نسبت کچھ کیفیت معلوم ہوئی۔ ظن غالب ہو کہ وہ کسی حادثہ کے سبب کہیں گیا ہو۔ اسکی رعایا محصول دیے بغیر زمین کا استعمال کر رہی ہو۔ مناسب معلوم ہوتا ہو کہ اسکی جاگیرات اس شرط کے ساتھ داخل سرکار کر لی جائیں کہ اگر حقیقی مالک واپس آئے تو اسکو ان جاگیرات کے حوالہ کر لینے کا حق حاصل ہوگا۔ شہنشاہ نے اس درخواست پر کامل غور کرنے کے بعد منطقی کا حکم جاری فرمایا۔ لیکن شاہی فرمان کے تعمیل ہوئے تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ امیر ظرنین دیوانہ بن گیا۔ پہونچا اسکی ہدیت بدل گئی تھی جو لوگ اس نوجوان کے حسین چہرے اور خوش مزاجی سے واقف تھے شک کرنے لگے کہ آیا یہ کج خلق اور تند مزاج شخص وہی ہو جو اب اپنے آپ کو ظرنین کے نام سے مشہور کر رہا ہو؟۔ خیر۔ اس نودارو نے عدالت دیوانی میں اپنی جاگیرات کی واپسی کے لیے درخواست کی۔ ملازمان سرکاری نے اسکا امتحان لیا۔ مگر وہ کسی بات کے معقول جواب دینے میں عاجز نہوا۔ اپنی رعایا کے نام مع اور کل حسابات جاگیر کمال صحت سے بیان کیے اور اپنی طفولیت کا مفصل حال ٹھیک ٹھیک کہہ سنایا۔ چند زیور بھی ایسے دکھائے جنہیں سفر کرتے وقت ہمراہ لے گیا تھا۔ اُن زیوروں کو بہت سے لوگوں نے پہچانا کہ واقعی یہ امیر ظرنین ہی کے تھے۔ پھر اسنے سفر کا حال بیان کرنا شروع کیا کہ قسطنطنیہ میں میں کسی ملکی جرم کی علت میں گرفتار ہو کر قید کر دیا گیا۔ حالانکہ میں بالکل بے گناہ و بے قصور تھا۔ اسی وجہ سے اپنے دوستوں کو خطوط نہیں لکھے۔ گو اسکی صورت بہت بدل گئی تھی مگر لوگ یقین کر گئے کہ یہی امیر ظرنین ہو۔ دربار شاہی میں دعویٰ مقبول ہوا اور جاگیریں واپس دیدی گئیں۔ اسوقت جب ہم ناظرین کو امیر ظرنین سے ملاقات کراتے ہیں۔ مذکورہ بالا واقعہ کو گزرے ہوئے چار سال ہو چکے تھے۔

بہر حال حصول جاگیرات امیر ظرنین نے فضول خرچی اور بے اعتدالی شروع کر دی۔ قدیم دوستوں سے نفرت کرنے لگا۔ اس کے بدلے کمینوں اور اوباشوں سے صحبت پڑھائی۔ اب

اُسکے رفقا اور احباب وہی تھے۔ جو رند مزاجی کے نام سے اقسام لہو و لعب میں زندگی برباد کرتے تھے۔ اور مفلس و قلاش ہونے کے سوا اُنکی نیک نامی میں لوگوں کو بہت کچھ شبہ و رقع ہوتا تھا۔ اُنکی صحبت سے امیر ظرین کو اس سے زیادہ کوئی فائدہ نہ تھا کہ وہ اُسکے فحش کام بڑے مشاغل اور شراب خواری میں بڑی خوشی سے شریک ہوا کرتے تھے۔ اور اُسکی بید تعریف کر کے بانس پر چڑھا دیتے تھے۔ یہ تو بدیہی بات ہے کہ اکثر بیوقوف ایسی لغو اور جھوٹی تقریروں سے پھول کر خود آپ اپنی خرابی کے در پی ہو جاتے ہیں۔ غرض تین ہی برس کے اندر کل مال و دولت پر پانی پھر گیا اور تمام دوست ایک ایک کر کے رخصت ہو گئے۔ اسوقت اُسکی آنکھیں کھلیں۔ اور اپنی گزشتہ حماقت پر پچتانے لگا۔ اور جنہیں وہ دلی دوست سمجھتا تھا اُنکی ملاست و نفیر کرنا شروع کی۔ انہیں ایام میں فوسٹ ظرین سے ملا۔ تریزا کو بچنے ہوئے چند ہفتے گزرے تھے۔ اور ایڈا نے بچوں کے بدلنے میں بڑی سعی اور کوشش کی تھی۔ پس اب فوسٹ کی نظروں میں ایڈا کے محل میں رہنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ ایڈا کسی سے منفرد کر دی جائے۔ اسی غرض سے فوسٹ نے ظرین سے دوستی پیدا کی۔ اور دونوں نے ملکر بہت جلد اس مقدمے کو ٹھہرایا۔ ظرین نے اس انوکھی شادی کے صلہ میں جس قدر زر کثیر طلب کیا۔ وہ فوسٹ کی جانب سے بیدریغ پہونچ گیا۔ اور ایک مہینے میں ایڈا اور ظرین کی شادی ہو گئی۔ رسم نکاح ادا ہوتے ہی ظرین شہر سے بہت دور فاصلے پر کسی گاؤں میں جا بسا۔ وہیں چند دنوں بعد ایڈا کے بچہ پیدا ہوا۔ جو پہلے ہی سے اُسکے حمل میں تھا۔ مگر وہ چوبیس گھنٹوں سے زیادہ زندہ نہ رہا۔ جب ایڈا سفر کی تکلیف برداشت کرنے کے قابل ہوئی تو وہاں سے کلکٹر شہر دیا نا میں آ پہونچی۔ اُسکی خفیہ بدکاری کا نتیجہ لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ رہا۔ فوسٹ کو ایڈا کے ساتھ مراسم الفت جاری رکھنا ضرور تھا۔ کیونکہ وہ اُسکے تمام بھینڑوں سے واقف تھی۔ اُسکا شیطان کے دام میں پھنسا ہوا ہونا۔ گوارہ خانے کا فریبناں حال۔ سب کچھ جانتی تھی۔ اور فوسٹ سے کامل درجہ کی محبت بھی رکھتی تھی۔ فوسٹ صرف



نفس پرستی کی نظر سے اُسے عزیز رکھتا تھا۔ اسی لیے تریزا کی اور اُسکی باہمی محبت میں کچھ کمی نہ ہوئی تھی۔ وہ ضرورتاً ایڈا کا تعلق جاری رکھنا چاہتا تھا نہ کہ دلی جوش سے۔ امیر ظرین بھی ایڈا کے پیال چلن پر کچھ متر غصہ نہوتا تھا بلکہ اُسے کچھ سہوکار ہی نہ تھا۔ اُسکی غرض اسی قدر تھی کہ رفع ضروریات کے لیے برابر وہیہ ملتا رہے۔ اب اس جملہ معترضہ کے بعد ہم پھر ماہ مئی کی پہلی تاریخ ۱۹۵۷ء سے قصہ شروع کرتے ہیں۔ ابھی بیان کیا گیا تھا کہ جسدن کو وہ دسودیس کی آگ سے بینلس میں قیامت برپا ہو رہی تھی۔ اُسی دن دیانا میں چند واقعات گذرے۔ ایڈا اپنے خاص کمرے میں بیٹھی ایک صندوقچے سے چند زیور نکال کر دیکھ رہی تھی۔ جو فوسٹ نے ہدیہ دیے تھے۔ موقعاً ایک لونڈی کمرے میں آئی۔ وہ بہت خوف زدہ ہو رہی تھی۔ اور چہرے سے گھبراہٹ کے آثار پائے جاتے تھے۔

لونڈی۔ (جسکا نام گرزو ڈوڈ تھا) ”سنگ مرمر کے بڑے ٹال میں ایک عجیب وضع کا شخص آٹھیاہی اور آپ سے ملنے کے لیے اصرار کرتا ہے۔“

ایڈا۔ (کو اپنے بھائی آٹو کا خیال آگیا) ”مجھے ملنے کے لیے؟ وہ کس قسم کا آدمی ہے؟“  
 لونڈی۔ ”بست قد۔ لاغر اندام۔ سُرخ لمبی ڈاڑھی رکھتا ہے۔ جسین شاید کبھی کنگھی پڑی ہی نہیں۔“  
 ایڈا۔ (جسے یقین ہو گیا تھا کہ میرا بھائی نہیں) ”وہ مجھے دیکھنے کی خواہش نہ رکھتا ہوگا۔ میں کسی ایسے بھوت کو نہیں جانتی ہوں۔ یقیناً تیری سماعت کا تصور ہوگا۔“

لونڈی۔ ”بیگم صاحبہ! میں غلط نہیں عرض کرتی ہوں۔ اُسے دروازے کے قریب آکر ہمارے آقا سے ملنا چاہا۔ مگر دربان نے کہہ دیا کہ وہ مکان میں موجود نہیں ہیں۔ اتنا سُکر وہ بد لحاظ جبراً اندر گھس آیا اور ہال میں بیٹھ کر کچھ کھانے کے لیے مانگا۔ جب نوکروں نے دینے سے انکار کیا تو وہ نسا پر آمادہ ہو گیا۔ اسی عالم میں میں ادھر سے گزری تو دربان نے مجھے قریب بلایا کر پوری کیفیت کہ سنائی۔“

ایڈا۔ (برہم ہو کر) ”تو مجھے تکلیف دینا چاہتی ہے۔ وہ دیونا زشت رو بد لحاظ شخص مجھ سے



کیا کام رکھتا ہے؟ ہمارے نوکروں میں کسی سے کہہ دے کہ اُسے باہر نکال دے۔“  
لوئڈی نے آپ کے آسانی کے ساتھ حکم تو دیدیا۔ مگر اُسکی تعمیل دشوار ہے۔ وہ ہاتھ میں ایک  
بڑا سا لٹھی لیے ہوئے ہے۔ اور میں نے دیکھا کہ دامن کے اندر پتولین بھی چھپا رکھی ہیں۔“  
ایڈا: ”کیا وہ مجھ سے ملاقات کرنے کا خواستگار ہوا؟“

لوئڈی: ”جی ہاں۔ بیگم صاحبہ! جب میں بے اجازت محل میں گھس آنے پر ملامت کرنے لگی  
اور کہا کہ آپ کو معلوم ہو تو تنہا ہو جائینگے۔ تو اُسے نہایت استعجاب سے پوچھا کہ ہمارے خداوند  
نے شادی کب کی؟ جب وہ بات معلوم کرائی گئی تو آپ سے ملاقات کرنے پر اصرار کر رہا ہے۔“  
ایڈا: ”تجھے ذرا سی بات کو طول دیکر بیان کرنے میں تو ابھی مہارت حاصل ہے۔ خبر میں خود اس  
بیہودہ شخص کے پاس جا کر دریافت کر دینی کہ مجھ سے کیا کام رکھتا ہے۔“ اس نووارد سے میرے  
شوہر کی دوستی کیسی ہے۔ ایڈا کو بھی یہ دریافت کرنا منظور تھا۔ آخر وہ ہال میں آئی۔ اور ایک  
ایسے شخص کے مقابل ہوئی جسکی عمر اندازاً پینتالیس برس کی ہوگی۔ لباس بالکل بد قطع اور  
مکروہ تھا۔ اور صورت بھی لباس کے شایان تھی۔

اجنبی شخص۔ (مغربی قاعدے سے ٹوپی پر ہاتھ رکھ کر) ”شاید آپ ہی میرے آقا امیر ظہن  
کی بیوی ہیں؟“

ایڈا: ”ہاں تمہارا خیال درست ہے۔ مگر میں یہ جانتا جاہتی ہوں کہ تم کون ہو؟“  
اجنبی شخص: ”میں جو کچھ ہوں وہ ہوں۔ دوست یا دشمن۔ جیسا موقع بنے۔ مگر فی الحال  
دوست ہوں۔ وہ باتیں میں اور آپ کے شوہر مخفی طور پر کریں گے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ مجھے  
کمال اخلاق سے ملینگے بہ خلاف اسکے آپ جھڑک رہی ہیں۔ میرا اٹکا قدیم بارانہ ہے۔ وہ  
کب واپس آئینگے؟ لیڈی صاحبہ!“

ایڈا: (حقارت سے) ”مجھے امید ہے کہ وہ جلد آکر تمکو دروازے کے باہر کر دیں گے۔“  
اجنبی شخص: ”بیگم صاحبہ! میں نہیں سمجھ سکتا کہ وہ میرے ساتھ ایسا سلوک کریں گے۔ باوجود

اسکے کہ میں آپ کی ایسی زیبا اندام لیڈی کے نازک دل کو سخت کلامی سے رنجیدہ کرنا۔ اور جواب میں باللائم الفاظ سننا جائز نہ رکھنے کی وجہ سے۔۔۔“

ایڈ ایس بی او ب کمفرت۔ نامعقول۔ سامنے سے دور ہو۔ ابھی چلا جا۔“

اجنبی شخص مدد مان میں بھی یہی چاہتا ہوں۔ مگر شام کو پھر واپس آؤں گا۔ اپنے شوہر سے کیسے گا کہ آپ کا دوست تشریف ملاقات کے لیے آئیگا۔ وہ مجھے دیکھ کر یقیناً بہت خوش ہونگے۔ یہ کہہ کر تشریف ہال سے باہر نکلا۔

دربان - (دروازہ کھولتے ہوئے) ”تمہارا آنا اس قدر موجب تفریح نہ ہو گا جتنا تم سمجھتے ہو۔  
ایسے آج شام کو آنے کے غزم سے باز رہنا بہتر ہو گا۔“

شرمن - (دربان پر ایک لٹھ کا ہاتھ رسید کر کے) "تو یوں سمجھتا ہے! مان؟"۔ "دربان  
اُس ظالم اجنبی کو گالیاں دینے لگا۔ مگر اُس نے کچھ خیال نہ کیا۔ اور کوئی دہقانی گیت گاتا ہوا  
سہولت کے ساتھ چلے دیا۔ ایڈا اپنے شوہر کے واپسی کے انتظار میں بیقرار تھی۔ کیونکہ شرمین کے  
دوبارہ شام کے آنے کا خیال اسکی خاطر کو پر اگندہ کیے دیتا تھا۔ امیر ظرنین غروب آفتاب کے  
بعد گھر میں آیا۔ مگر اپنی معمولی روش پر شراب کے نشہ میں چور تھا۔

دربان۔ (امیر ظرنین سے) ”بیگم صاحب آپ سے کچھ ضروری بات کرنا چاہتی ہیں۔ امیر صاحب ابھی جوے میں بہت روپیہ ہار آئے تھے۔ عزاج بھی براہم تھا۔ دربان سے کہا۔“  
اچھا۔ اتنے میں ایذا خود ایک لونڈی کو ساتھ لیے وہیں آ پہنچی۔ اور کمال افسردگی کے ساتھ ظرنین سے کہنے لگی۔

ایڈا۔۔ بہت اچھا ہو کہ ہم بیان ملے۔ کیونکہ میں اپنی لونڈی اور دربان کے روبرو دیسی  
کی گئی ہوں آپ دریافت کر لیں۔ اور اس بات کا اقرار کریں کہ وہ پاچی (جس کا میں نے ذکر کرتی ہوں)  
شام کو آئے تو آپ اسکی اچھی طرح خبر لینگے۔“

ایسر ظرنین۔ (جواڑا کی تقریر کو سمجھنا نہ تھا) ”کیا! تمہاری تو بہن کی گئی؟“

ایڈا: ”مان کیسی کچھ۔ اور وہ بھی ایک نا اہل کمینے کے ہاتھوں۔ جو شام کو پھر بیان آنے کے قصد سے واپس کیا ہی۔ وہ تو بڑے یقین سے کہہ رہا تھا کہ آپ اُس سے نہایت خلوص کے ساتھ لینگے۔ امیرِ ظرنین: ”وہ کون شخص ہی؟ اپنا کوئی نام نہ بتایا؟“

ایڈا: ”خداوند! اُسے کہا کہ آپ اُسے شرمن کے نام سے بخوبی پہچان لینگے۔ اور وہ آپ کا بڑا دوست ہی۔“

ظرنین: ”شرمن؟“ امیرِ ظرنین کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ اور چشم زدن میں شراب گانہ ہرن ہو گیا۔

ایڈا: ”جی مان شرمن! کیا آپ اُسکو پہچانتے ہیں؟“

ظرنین: ”ہن اچھی طرح جانتا ہوں۔ اے اگر اُسکو نہ جانتا ہوتا تو کیا اچھی بات تھی۔ پھر ٹھہری دیر میں ہمت کو مستقل کرنے کے ایڈا سے کہا: ”تم ڈرو نہیں۔ وہ ہلکو کوئی نقصان نہ پہنچائے گا۔ لیکن اُس سے ملنا ضرور ہی۔ اُسکے آتے ہی مخفی ملاقات کرنا ہوگی۔ میں سنانے والے کرے میں منتظر رہتا ہوں۔“ یہ کہا اور کو ٹھہری میں جاسکے جلدی سے دروازہ بند کر لیا۔ صرف شرمن کا نام امیرِ ظرنین کے دل پر عجیب اثر کرنے لگا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں کی باہمی دوستی کے کوئی مخفی راز متعلق ہے۔

## پچیسواں باب

### شبِ عرس

ایڈا اپنے شوہر کے حرکات سے متحیر ہو کر نقشِ دیوار بنگئی۔ شرمن کا نام سنتے ہی امیرِ ظرنین کے دل میں جو ہول سا گئی۔ اُس سے ایڈا نے جانا کہ کچھ فیہ ضرور ہے۔ وہ اسی خیال سے دل چسپ نام ایک مقدس عیسائی عورت تھی جو ششہ میں فوت ہوئی۔ اُسکو عیسائی ولی سمجھتے ہیں اور غرہ ماہ منی کو ہر سال اسکا عرس ہوا کرتا ہے۔

میں کھڑی تھی کہ ان دونوں کی دوستی آیا کچھ روپیہ یا کسی بدکاری کے معاملہ سے تعلق رکھتی ہو اسکو دریافت کرنا چاہیے۔

اسی میں گھنٹی بجی اور شرمن اندر آیا۔

شرمن: ”ہاں بیگم صاحب! فرمائیے کیا آپ کے صاحب ابھی تشریف نہیں لائے ہمارے آگے ہوں تو مجھے جلد انکی حضور میں لیجائیے مجھے بڑی تمنا ہے کہ اُنکے ساتھ ایک گلاس شراب پیوں۔ خواہ وہ عمدہ ہو یا ناقص۔“

ایڈا: (تحقیر سے) ہمارے صاحب جنہیں تم اپنا دوست کہتے ہو۔ وہاں تمہارے منتظر بیٹھیں۔ شرمن: (ایڈا کی طرف ترچھی نگاہوں سے دیکھ کر) ”وہ شیطان ہے۔ اُسے صاحب و حضور کہنا پڑا۔“ ایڈا: (غضبناک ہو کر) ”اوگستاخ بیہودہ! یہ الفاظ میرے روبرو میرے ہی گھر میں کھرا کہ رہا ہے؟ (اس کے کامروازہ کھول کر حسین ظرنین پہلے سے بیٹھا تھا) میرے صاحب! کیا آپ اپنی چاہتی بیوی کی امانت اُس ”اُنق باجی کے ہاتھوں گوارا کرتے ہیں؟۔“

ظرنین: (اپنے دوست کے لیے دوڑ کر) ”ایڈا اُسکی عادت ہی ایسی ہے۔ وہ کسی کی ہتک سے غرض نہیں رکھتا۔ (شرمن سے) میرے پیارے دوست! اندر آؤ۔“

شرمن: ”ہاں میں پہلے ہی سے جانتا تھا کہ آپ مجھے نہایت خوشی سے لینگے۔ مگر یہ لیڈی جتنا مجھے بالکل ہی برہمی اور خصوصیت رکھتی تھیں۔ اگر میں اپنی زبان سے کام لیتا تو اُسکا نازک جسم جیسی بند ہو گیا ہوتا۔“

ظرنین: (عاجزی سے) خاموش شرمن! خدا کے لیے۔“

ایڈا: (جنے ظرنین کے عاجزانہ کلمات سنے تھے) ”جب آپ کو اپنے کاموں سے فراغت حاصل ہو۔ اس مردود کے ان عجیب اطوار اور گفتگو کی وجہ مجھے بیان فرمائیے۔“ یہ کہہ کر ایڈا وہاں سے غضبناک ادا کے ساتھ چلی گئی۔ اُسکے نکلتے ہی ہنوز دروازہ بھی بند نہ ہوا تھا کہ شرمن نے ظرنین سے مخاطب ہو کر کہا: ”امیر صاحب! ہمیں اس طرار کو کچھ سکے

بیہودہ پن کی سزا دینا چاہیے، یہ فقرہ ایڈا نے بھی سن لیا۔ اور کمرے میں پہنچ کر لونڈی کو بلا کر کہا: ”شرمن کے جاتے ہی مجھے اطلاع دی جائے،“ ایک گھنٹہ گزرا تھا کہ لونڈی دوڑی ہوئی آئی۔

ایڈا: ”کیا وہ دفع ہوا؟“

لونڈی: ”جی نہیں! ہمارے آقا آپ سے کچھ بات کرنا چاہتے ہیں۔“

ایڈا: ”اچھا یہیں بلا لاؤ،“ لونڈی واپس گئی۔ اور چند منٹ میں ظرنین ایڈا کے پاس آیا۔

ایڈا: ”آج کے تعجب خیز حالات کی مفصل کیفیت بیان کرنے کے لیے آپ بھی اسی قدر تیار

ہونگے جس قدر میں سننے کے لیے بیتاب ہو رہی ہوں۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ ایک

نامعقول شخص ہمارے ہی گھر میں مقابل ہو کر ہمیں ذلت دے رہا ہو اور آپ اُسے اسکی

معذرت اور چاچلو سی کرتے ہیں۔ جیسے کوئی حقیر ملازم اپنے جابر آقا سے کرتا ہو!“

ظرنین: ”میں اس بارے میں تم سے کچھ کہ نہیں سکتا۔ لیکن تمہاری تشفی کے لیے اتنا افسار

کرتا ہوں کہ اگر میرا سوال (جو ابھی کہو گا) پورا کر دو تو شرمن یہاں پھر کبھی اپنی صورت نہ دکھائے گا۔“

ایڈا: ”(سختی سے) ”وہ کون سوال ہے۔ آخر معلوم تو ہو!“

ظرنین: ”مجھے اب روپیہ کی سخت ضرورت ہے۔ اسوقت ایک جبتہ بھی میرے پاس موجود نہیں۔“

ایڈا: ”کیا شرمن اب تک یہیں ہے؟“

ظرنین: ”ہاں۔ ہے۔ وہ کچھ روپیہ طلب کر رہا ہے۔ میرے پاس کچھ نہیں کہ دے کر ٹالوں تمہیں

فوسٹ کے ذریعہ سے لیکر اسوقت میری مدد کرتا ہوگی۔“

ایڈا: ”حضور! کیا میں یہ سمجھوں کہ کوئی نہایت دل آزار اور مخفی راز اس شخص سے راہ و رسم

جاری رکھنے پر آپ کو مجبور کر رہا ہے۔ جس نے ایک سے زیادہ مرتبہ آپ کی عورت کو آپ ہی کے سب

ذلیل کیا ہے؟“

ظرنین: ”میری عورت؟ (حقارت سے) میں کبھی قبول نہ کروں گا۔ خدا کے روبرو تم میری

یہودی نہیں ہو۔ گو عام لوگ کہا کریں۔“

ایڈا: ”خداوند! آپ بھول گئے کہ ہمارے ہاتھ گرجا میں ملائے گئے تھے؟“

ظرنین: ”ہاں ہاتھ تو ملائے گئے۔ مگر دل نہیں مل سکے۔ میں نے تم پر کبھی خداوندی حقوق جتانے

ہیں۔ اب وہ شرط تمہیں یاد دلانا ہوں جس پر ہمارا نکاح ہوا۔“ میں تمہارے مخفی رازوں کے

دریافت کرنے کا کبھی طالب نہ ہوں گا۔ اور تم بھی میرے بھیدوں کی نسبت پوچھنے کا حق نہیں رکھتیں

ایڈا: ”ایسا ہو تو جانے دیجیے۔ اب میں روپیہ دے نہیں سکتی۔ اس وجہ سے کہ وہ کس کام کے لیے

پر مجھے نہیں معلوم۔“

ظرنین: ”ہوشیار ایڈا۔ تم جو کچھ کرتی ہو سوچ کر کرو۔ تاکہ آئندہ پچھتا نا نہ پڑے۔ شرمن مجھ سے

نقا ضا کر رہا ہو اور مجھے انکار کی جرات نہیں۔ اسکی ادائیگی کا سامان کرو تو پھر وہ کبھی نہ آئیگا۔ اگر

تمنے بالکل ہی نہ مانا تو مجھے وہی ایک تدبیر عمل میں لانا پڑیگی۔“

ایڈا: ”(اضطرابی سے) ”وہ کون تدبیر حضور!“

ظرنین: ”یہ وہ یہ کہ فوسٹ سے میں خود مانگوں۔“

ایڈا: ”اگر وہ بھی خالی جواب دیدے تو کیا کیجیے گا؟“

ظرنین: ”اس صورت میں کسی یہودی سے قرض لینا ضرر ہے۔ لیکن وہ میری تمام زندگی کے بہن

پر روپیہ دے گا۔“

ایڈا: ”آپ بہت بے باک ہیں۔ غالباً کسی جرم عظیم کے مرتکب ہوئے ہیں۔ اور شرمن وہ بھید

جانتا ہو۔ اسی سبب آپ اسکی اس درجہ خاطر و مارات کرتے ہیں۔“

ظرنین: ”جرم؟ کیا ایڈا جو لیڈی تریزا کی ایک ادنیٰ خاطر تھی مجھے مجرم کہنے کی جرات کر سکتی ہے

گو درحقیقت میں مجرم بھی ہوں۔ تم بھول گئیں؟ وہ بچہ جو تمہیں فوسٹ سے

ایڈا: ”(گھبرا کر) ”بس بس۔ خداوند! تمکو ایک دوسرے کی نسبت ملامت کرنا زیب نہیں

پہنچی لیجیے اس مخفی الماری میں بے شمار روپیہ ہو جس قدر ضرورت ہو لے لیں۔ مگر اتنے بندہ



کی امیدوار ہوں کہ وہ پھر کبھی آکر ہمیں تکلیف نہ دے۔“ ظرین نے کنجیان لیکر الماری سے روپیہ نکال لیا۔ اور باہر آیا۔ تھوڑی دیر میں لونڈی آئی اور کہا کہ شرمن چلا گیا۔ ایڈا نے اپنی ملازمہ کو رخصت کیا۔ اور دل میں یہ کہہ کر کہ ”وقت قریب آگیا“ آٹھی۔ اور آپ بھی کچھ روپیہ اسی الماری سے لیا۔ اور برقع اوڑھ کے محل سے باہر نکلی۔ بہت سی تنگ تاریک غلیظ گلیوں سے چلنے لگی۔ تھوڑی تھوڑی دراز میں ٹھہر کر ادھر ادھر دیکھتی تھی تاکہ دل کو یقین ہو کہ ٹھیک رستہ جا رہی ہوں۔ آخر ایک مکان کے دروازے پر کھڑی ہوئی جو بظاہر نہایت ہی نجس معلوم ہوتا تھا۔ نیچے کے درپچے بند تھے مگر اوپر کی کھڑکیوں سے دھیمی روشنی مقابل کے عمارت کی دیواروں پر پڑ رہی تھی۔ ایڈا نے اس کم حیثیت مکان کے دروازے پر دستک دی۔ بہت دیر تک کچھ جواب ہی نہ ملا۔ یہ بھی مکین کی عادت سے بخوبی واقف تھی۔ لہذا خاموش کھڑی رہی۔ خیر۔ دروازہ بہت ہوشیاری سے کھولا گیا اور ایک بڑھیا جسکے بال برف کی طرح سفید اور چہرہ مردے کے مانند زرد تھا۔ ماتھ میں چراغ لیے ہوئے آئی۔ ایڈا اس کے نام سے پکار کر اندر پہنچی۔ دروازہ بند کر لیا گیا۔ بڑھیا اسکو ہمراہ لیکر زینے کی راہ سے ایک کشادہ کوٹھری میں گئی۔ اس حجرے کے اندر دینی کیفیات سے ہم ناظرین کو واقف کر دینا چاہتے ہیں۔ ایک کونے میں الماری رکھی تھی جسکا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ طاقون میں بد وضع شیشیاں تھیں۔ اور میز پر قریح انیسق۔ اور دوسرے چند دوا سازی کے آلات رکھے ہوئے تھے۔ سنگ مرمر کا ڈون مع دستے کے محراب میں تھا۔ چولھے کا منہ آئینہ سے ڈھنپا ہوا تھا دوسرے کونے میں ایک لکڑی کا پنجرہ دھڑا تھا۔ جس میں چند خرگوش پھر رہے تھے۔ پنجرے کے قریب ہی ایک بڑا صندوق تھا۔ جسکے اوپر والے تختہ پر بے حساب روزن کیے گئے تھے۔ وہاں کی ہوا میں صرف دواؤں ہی کی بو تھی۔ ایک اور الماری جو دیوار میں لگی تھی۔ اُس میں بڑے بڑے شیشوں کے اندر ایسی خیرین تھیں۔ جو علم تشریح کے جاننے والے کو زیادہ مرغوب ہوں ان شیشوں کے منہ کھڑے اور

موم سے بند کیے گئے تھے۔ ایک میں ایک مہیب شکل کا بچہ تھا۔ جبکہ دو جسم اور ایک سر تھا۔ دوسرے ٹیٹے میں ایک اور بچہ تھا۔ جو بچہ کے کھیل کا سچا نمونہ کہا جاسکتا ہو اسکی کھوپڑی حد سے زیادہ بڑی تھی۔ تیسرے میں ایک کالا مہیب شکل کا سانپ تھا۔ چوتھے میں عجیب و غریب وضع کے مینڈک تھے۔ پانچویں میں آدمی کا دل تھا۔ حسین چاندی کی سلاخ چھوٹی ہوئی تھی۔ باقی اور ٹیٹے جنگلی تعداد قریب بیس کے ہوگی سب میں اُسی قسم کی وحشت انگیز چیزیں بند تھیں۔ اُس الماری کے نیچے لکڑی کا ایک طاقچہ تھا جس میں موم سے بنے ہوئے انسان کے کل اندرونی اعضا رکھے ہوئے تھے جیسے دل۔ جگر۔ گردہ۔ دماغ وغیرہ وغیرہ۔ اور ان پر اس خوبی سے رنگ چڑھایا گیا تھا کہ بالکل اصلی معلوم ہوتے تھے۔ اور ایسا نظر آتا تھا کہ گویا ابھی وہ کسی آدمی کے جسم سے نکالے گئے ہیں۔ اب اس بڑھیا کے بارے میں چند الفاظ لکھ رہا ہوں اپنا قصہ شروع کریں گے۔ اُس کا قد معمولی عورات کے قیامت سے بہت بڑھا ہوا تھا۔ گو عمر ستر برس سے کچھ متجاوز ہی ہوگی۔ لیکن قد میں کسی طرح کی خمیدگی نہ پیدا ہوئی تھی۔ جس سے ثابت ہوتا تھا کہ اُسکی عمر آسودگی سے گزری ہو۔ آنکھیں اودی تھیں۔ اور کبھی اس شخص کے چہرے سے نہ ہنستی تھیں۔ جس سے وہ بات کیا کرتی تھی۔ وہ اٹلی کی رہنے والی تھی۔ اور اس کا نام فانیٹھی نا تھا۔

بڑھیا۔ (ایڈا کو اندر لے جا کر) ”بیٹھ بیٹی! میں تیری کیا خدمت بجالاؤں بیان کر!“

ایڈا۔ ”بڑی بی بی مجھے ایک ایسے زہر کی ضرورت ہو چکی تاثیر دیر میں ہو اور اثر ہونے کے بعد کسی کے دل میں گمان نہ ہونے پائے۔“

بڑھیا۔ ”میں ایک قسم کا عرق تجھے دیتی ہوں جسکے قطرے کسی کی جان لینے کیلئے کافی ہیں۔“

ایڈا۔ (اضطراب سے) ”کتنی مدت میں اس کا اثر ہوگا۔“

بڑھیا۔ ”جڑھنتے!“

ایڈا۔ ”یہ عرصہ بہت کم ہو۔ ایک صبح و سالم آدمی کے اس قدر جلد مرض الموت میں گرفتار ہونے سے لوگوں کو گمان کرنے کا موقع ملے گا۔ علاوہ برین اس زہر کے استعمال میں ایک بہت بڑے ہوشیار

اور ذمی عقل شخص کو دھوکا دینا ہوگا۔

بڑھیا۔ کیا یہ کسی مرد کے لیے ہے؟۔“

ایڈا۔ نہیں۔ عورت کے لیے۔ جو ایک ایسے مرد کی بیوی ہے کہ وہ ہر کسی سے بہت جلد بدگمان ہو جاتا ہے۔ اگر اُسکو معلوم ہو جائے کہ میں ہی اس خطائے عظیم کی مرتکب ہوں۔ تو مجھے بہت بری طرح پیش آئے گا۔

بڑھیا۔ (جو موقع پر کسی کی خوشامد کرنا اچھی طرح جانتی تھی) ”ٹان میں سمجھ گئی۔ تم کسی عورت کو مارنا چاہتی ہو۔ اس طرح کہ تمہاری ان کارروائیوں سے اُسکا مرد بے خبر رہے۔ اور دیکھنے والوں کو فطرتی موت کا یقین ہو۔“

ایڈا۔ بس تم ٹھیک سمجھیں۔ یہی میرا مطلب ہے۔ کیا تم اس بارے میں کچھ میری مدد کر سکتی ہو؟۔“  
بڑھیا۔ ”میں نے جو آگے تمہیں اسی قسم کی دوا دی تھی وہ —“

ایڈا۔ (پریشان ہو کر) ”خیر اسکا ذکر جانے دو۔ دیکھو یہ پھیلی سونے سے بھری ہوئی ہے۔ لیکر اسکے بدلے کوئی اچھی سی دوا مجھے دو۔“

بڑھیا۔ ”ٹان بدیشک دوتلی۔ مجھے ابھی ایک دوا ایسی یاد آئی ہے جو بتدریج موت کا سبب ہوگی۔ بیمار خود جان سے بیزار ہوتا جائیگا۔ اشتہار رفتہ رفتہ کم ہو جائیگی۔ مگر ظاہر میں کسی بیماری کے آثار دکھائی نہ دیں گے۔ جب یہ دوا کوئی کھائیگا۔ تو پھر اُس زہر کا توڑ کسی انسان سے ممکن نہیں۔ اور کوئی ایسی چیز بھی نہیں۔ جسکے ذریعے سے اس دوا کے جسم میں ہونے کا امتحان کیا جاسکے۔“  
ایڈا۔ (خوشی سے) ”میں ایسی ہی دوا چاہتی ہوں۔ اگر بیمار ایک سال کے عرصے میں مرے تو کوئی مضائقہ نہیں۔“

بڑھیا۔ ”اچھا ایسی ہی دوا لو۔ مگر یہ بتاؤ کہ دوا بننے تک تم ہمیں ٹھہر سکو گی؟۔“  
ایڈا۔ ”ٹان۔ ذرا میں بھی اس دوا کے بنانے کی ترکیب دیکھ لوں۔“ بڑھیا اپنی جگہ سے اٹھی اور الماری سے چند شیشیاں لا کر میز پر رکھیں۔ اور ہر شیشی سے کچھ دوا ناپ کر ایک مرکب

عرق تیار کیا۔ اُسکے بعد پھر کے قریب جا کر ایک خرگوش پکڑ لائی۔  
 بڑھیا: ”یہ خرگوش آج ہی شب کو چند تجربے حاصل کرنے کیلئے منگوائے گئے ہیں۔ (وہ  
 صندوق کھول کر جسکے ڈھکنے پر وزن بنے تھے) اس میں بھی کچھ جاندار مخلوق ہو جو میرے بہت  
 کارآمد ہیں۔“

ایڈا دیکھنے کے قصد سے صندوق کے قریب گئی۔ اور ساتھ ہی گھبرا کر پیچھے پانوں اٹائی  
 ایک بانات کے ٹکڑے پر چند عجیب قسم کے سانپ ایک رشتہ میں بندھے ہوئے بیچ کھا رہے تھے  
 اور انکی آنکھیں خوب روشن تھیں۔ بڑھیا ایڈا کے خوف کھانے پر بے ساختہ ہنس پڑی۔ اور  
 سہولت داطمینان سے صندوق میں ہاتھ ڈال کر چند سانپوں کو باہر نکالا۔ وہ پھنکارتے ہوئے  
 اُسکے ہاتھوں سے لپٹ گئے۔

ایڈا: ”بس اب اس سب کام کو موقوف کرو۔ اور ان سانپوں کو دور پھینک دو۔“  
 بڑھیا: ”کوئی خوف کی بات نہیں۔ یہ مجھے کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ یہ مکڑ سانپ اُس  
 صندوق میں رکھکے ڈھکنا بند کر دیا۔“

ایڈا۔ (سنبھل کر) ”کیا یہ زہریلے نہیں ہیں؟“

بڑھیا: ”اُنکے منہ کا زہر بہت کام آتا ہے۔ اور آج سونے کے قبل سب کا زہر نکال لوں گی میں  
 نے انہیں ہاتھ لگانے کے آگے ایک عرق اپنے ہاتھوں پر ملا تھا۔ جسکی تاثیر یہ ہو کہ سانپ ڈھسنے  
 نہیں پاتا۔“ بڑھیا پھر دو بانٹے میں مصروف ہوئی۔ ایک چوکی پر بیٹھ کر خرگوش کو زانو میں دبایا  
 اور کسی دوا کے چند قطرے اُسکی حلق میں ڈال کر نیچے چھوڑ دیا۔ کچھ دیر تک تو وہ بے زبان جانور  
 ادھر ادھر کو دھرتا پھرا۔ بعد وہ پھرتی اور تیزی جاتی رہی اور اُسکی حالت ردی ہونے لگی۔ تنگ  
 کہ وہ مر گیا۔ بڑھیا کو تجربہ معلوم ہوا کہ وہ زہر دیے جانے کے سولہ منٹ بعد مرا۔

بڑھیا۔ اس تجربے سے دوا کی قوت کا اندازہ معلوم ہو گیا۔ یہ ابھی بہت قوی ہے۔ آپ چوہے  
 سے ذری دور بیٹھیے! ایڈا ہٹ گئی۔ بڑھیلے نے اُس دوا کو ایک آہنی برتن میں ڈال کے

آگ پر رکھا۔ اور کوٹھری کا دروازہ کھول دیا۔ تاکہ زہریلے دھواں اچھی طرح خارج ہو جائے۔  
 اور اپنے منہ پر آئینہ رکھ کر چہلے کے قریب آگ روشن کرنے لگی۔ ایذا نہایت غور و تعجب سے  
 کل کارروائیاں دیکھ رہی تھی۔ آگ کی روشنی آئینہ سے بڑھیا کے منہ پر پڑ کر عجیب و غریب  
 شکل دکھائی دینے لگی۔ اسکی صورت بعینہ ایسی معلوم ہوتی تھی جیسے قبر سے نکالے ہوئے  
 مردے کی ہوا کرتی ہے۔ ایذا اسی دلیر عورت بھی جو باوجود کم سنی کے ایسے ایسے گناہوں میں  
 اپنے آپ کو مبتلا کرنے پر آمادہ ہوئی تھی اس مہیب شکل کو اپنے روبرو کھڑی دیکھ کر گھبرا گئی۔  
 اور اس طرف سے نظر پھیر کر اپنے دائیں بائیں دیکھنے لگی۔ وہ الماری جس میں مہیب صورتیں  
 رکھی ہوئی تھیں۔ وہ طلبہ جنہیں زہر قاتل موجود تھے۔ وہ صندوق جس میں زہریلے زندہ ساپ  
 بند تھے۔ وہ اعضاء انسانی جو تازے نظر آتے تھے۔ اور وہ ڈراونی شکل جو چو لھے کے پاس  
 کھڑی تھی ان سبھوں نے ایذا کے دل پر ایسا خوف طاری کر دیا کہ وہ سر تا پا کانپنے لگی۔ اسی  
 عالم میں زہریلے برتن سے دھواں نکل کر اسکے داغ پر اثر کر گیا۔ اور وہ بیہوش ہو گئی۔ عین  
 بیہوشی میں صد ہا دہشت خیز تاشے نظر آنے لگے۔ کبھی معلوم ہوتا تھا کہ تمام حجرہ مہیب شکلوں  
 سے بھر گیا ہے۔ اور اس صندوق سے سانپ نکل کر تمام جسم کو لپٹ گئے ہیں۔ یا ایک شخص  
 جسکے بدن پر گوشت اور پوست کا نام نہیں باقی رہا ہے۔ غرض ایذا کو بے خودی ہی  
 میں ایسے حالات نظر آرہے تھے کہ دفعۃً بڑھیا نے قریب جا کر آہستہ سے کہا ”تیار ہے؟“ وہ  
 ایک چیخ مار کر ہوشیار ہوئی۔ اور پھر وہی آواز کا نون میں آئی۔ ”تیار ہے؟“ ایذا نے جانا  
 کہ وہ ایک دشت انگیز خواب تھا۔ کیونکہ جب بیدار ہو کر ادھر ادھر دیکھا تو بڑھیا سانپ کھڑی ہے  
 ایذا۔ ”میں کتنی دیر تک سوتی رہی؟“

بڑھیا ”کامل ایک گھنٹہ۔ اس زہریلے دھوئیں نے تمہیں بیہوش کر دیا۔ مگر ہوش میں  
 آنے کے بعد کیونچہ اٹھیں؟“

ایذا۔ (جسکے بدن پر دو ٹنگے کھڑے ہو گئے تھے) ”آہ میں نے ایک بڑا ہی ہیبت ناک

خواب دیکھا ہے۔“

بڑھیا۔ آج ”وال پر جس“ کی شب ہے۔ شیطاں رات بھر بھرا کرتے ہیں۔ اور بُرے خواب دیکھنا بھی کوئی عجیب بات نہیں۔ کیونکہ آج کی رات ہی ایسی ہے۔“

ایڈا۔ ”میں ایسے سہل اعتقادوں کی پابند نہیں ہوں۔ مگر اتنا البتہ جاہتی ہوں کہ بار دیگر ایسے خواب نہ نظر آئیں۔ کیا دوا تیار ہو گئی؟“

بڑھیا۔ (ایک دوا کی شیشی ایڈا کے ہاتھ میں دیکر) ”یہ دوا اس دوا کے چھ قطرے اگر کوئی پی جائے تو بتدریج اثر ہونے لگے گا۔ اور وہ ایک سال بعد مرے گا۔ دوا بد مزہ بھی نہیں ہے۔ کھلانے میں کچھ دقت نہ ہوگی۔“

ایڈا۔ ”بس میں یہی چاہتی تھی۔ (تھیلی دے کر) اسے قبول کرو!“ بڑھیا نے شوق سے لی اس وقت لکے چہرے پر کچھ تازگی اور رونق پائی جانے لگی۔ ایڈا شیشی کو بغل میں دبائے ہوئے بڑھیا سے رخصت ہو کر اپنے محل کو واپس آئی۔

## چھبیسواں باب

### مصور

دوسرے دن علی الصباح ایک نوجوان مصور شہر دیانا کے ایک غریب گھر میں اپنے کوچ سے اٹھا اور جلدی سے کپڑے پہن لیے۔ طاق سے ایک سوکھا ہوا پارہ نان۔ پانی کا سبوحہ۔ اور چند پیپر کے ٹکڑے اٹھا کے ناشتہ کیا جب وہ بے تکلف غذا تمام ہو گئی تو وہ پھر اپنی کرسی پر بیٹھ کر دل میں کہنے لگا۔ ”آب و نان۔ دونوں کا خاتمہ ہو گیا۔ پانی کسی نہر سے بھر لے سکتا ہوں۔ مگر روٹی کے لیے کیا تدبیر کروں؟ وہ تو کچھ درختوں پر نہیں لگی ہے کہ توڑ لوں۔ پیسہ دیکر خریدنا چاہیے۔ میرے پاس تانبے کا ایک ٹکڑا بھی نہیں جس پر شاہی مہر ہو۔ اس عظیم الشان شہر میں جہاں لوگ حصول زر کے لیے دور دراز ملکوں سے فراہم ہوتے ہیں



مجھے غریب کو قوت بھی میسر نہیں آتا۔ بیشک یہ میری شومی طالع ہے۔ ہاں مال و دولت کی مجھے کچھ حرص تو ہے نہیں۔ سدا رقی جس سے اپنی جان بچا سکوں ملتا رہے تو بھی میرے لیے کافی ہو۔ لیکن وہ تصویر فروش یقین دلار ہا ہو کہ میں بیان زندگی بسر کر سکو لگا۔ کم سے کم ایک مہینہ تو ضرور کسی تصویر کے تیار کرنے میں صرف ہوگا۔ اس مدت تک میں فائدہ کشی کس طرح کروں؟ اپنی ہنر اٹھانے کے پاس تو جانے سے رہا۔ گو بھوک پیاس کی مصیبت سے جان پر بھی بن جائے۔ مگر اُس کے پاس جانے کا نام نہ لہو لگا۔ اُسکی ناجائز دولت اُسی کو مبارک رہے۔ یہ خیال بہت کوہت کیلئے تیار ہو کہ میں کس تدبیر سے روپیہ پیدا کر کے اپنی جان بچاؤں؟ خیر اپنی تصویر کا ایک نقشہ تو کیچینگ لون۔ اور اُس تصویر فروش کو دکھاؤں تو شاید وہ کچھ روپیہ بطور بیعانہ دے سکے۔ اس امید سے جرات حاصل کر کے (کم بخت ہو وہ دل حسین اسید خوشی کی امنگ نہ پیدا کر سکے) نوجوان مصور ایک ناتمام تصویروں کے موقع کو اٹھا کر مسرت کی نگاہوں سے دیکھنے لگا اُن تصاویر کے تیار کرنے میں تیرہ چار گئے۔ بلکہ بعض دفعہ دن بھر کی محنت کے علاوہ شب کا بہت حصہ بھی اسی کام میں گزرا کرتا تھا۔ اور کھانے کو وہی سوکھی روٹی کے ٹکڑے یا کبھی جنگلی میوے نصیب ہوتے تھے وہ اس جہت سے تصویروں کو جلد فروخت کرنا مناسب نہ جانتا تھا کہ ضرورت کے وقت جلد تمام کر کے بیچنے پر بالکل ہنسی کم دامن کو بگلی۔ ایک تصویر کو وہ پوری ہنرمندی اور کاریگری سے تیار کر رہا تھا۔ اسی لیے جب کبھی اُسکے دیکھنے کی نوبت آتی تھی۔ تو دل سرور اور شگفتہ ہو جاتا تھا۔ مصور۔ (دل میں) یہ تصویر کامل ہونے کے لیے ایک مہینہ درجہ ہے۔ اور میں آٹھ دن بھی صبر نہیں کر سکتا۔ آخر کیا کروں؟ نہ تو میرے پاس ایک جتہ ہے۔ نہ کوئی ایسا دوست رکھتا ہوں۔ جو اس گاڑھے وقت کام آئے۔

ایک آواز۔ (مصور کے پیچھے سے) ”کوئی دوست نہیں؟ یقیناً کوئی نہ کوئی ہو گا ہی۔“ مصور نے پلٹ کر دیکھا تو ایک سن رسیدہ شخص جسکی سفید اور لمبی ڈاڑھی سینے پر لٹک رہی تھی قریب کھڑا ہوا ہے۔

بوڑھا۔ (مسکراتا ہوا) ”تم ان تصویروں کے دیکھنے میں اس درجہ محو ہو رہے تھے کہ میری دنگ کا بھی خیال نہ کیا۔ ایسے میں نے اندر آنے کی جرأت کی۔“

مصور: ”کیونکر آسکے؟ دروازہ تو مقفل تھا!“

اجنبی بوڑھا: ”نہیں۔ قفل نہیں لگا تھا۔“ یہ کہہ کر دروازے کی طرف بڑھا اور اسکو کھول دیا۔“

مصور: (دروازہ بند کر کے) ”میں نے غلطی کی رات کو سونے کے قبل شاید بند کرنا بھول گیا تھا“

جناب واللہ: ”تو یوں ہو کہ ہم سب کے سب تکبر کے دام میں گرفتار ہیں۔“

اجنبی بوڑھا: (حقارت سے) ”تکبر؟“ کیا تم اپنی غربت سے شرماتے ہو۔ اور کیا تم اس کے تدارک کی سعی کر سکتے ہو؟ کیا رنج فاقہ کشی سے نجات پانے کے لیے محنت شاقہ نہیں اٹھاتے ہو؟ یہی غرور و نخوت انسان کو نیک کاموں کے کرنے سے اسوقت بھی باز رکھتے ہیں۔ جب وہ افلاس کے ہاتھوں مر رہا ہو مجھے تکبر کا بیان نہ کرو۔ اتنا خیال کر لو کہ اگر تمام لوگ تو نگر و مستغنی ہی پیدا ہوتے تو دنیا کا کارخانہ چل بھی سکتا؟ اگر تم غریب نہ ہوتے اور تمہارے پاس ضروریات زندگی کے قابل کچھ مال ہوتا تو میں نے تم سے آج ملاقات نہ کی ہوتی۔

مصور: (تعجب سے) ”میری غربت اور افلاس سے آپ کیونکر واقف ہوئے؟“

بوڑھا: (ترش رو ہو کر) ”میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ کیا تم اپنے موجودہ افلاس کا انکار کر سکو گے؟“ یہ کہہ کر بوڑھا مصور کے بوسیدہ پلنگ ٹوٹی ہوئی کرسی اور اس کے میلے کچیلے کپڑوں کو دیکھنے لگا۔

بوڑھا: ”بتاؤ! کیا تم کہہ سکتے ہو کہ میں مفلس نہیں ہوں؟“

مصور: (آبدیدہ ہو کر) ”ہن ہرگز نہیں کہہ سکتا کہ افلاس میں مبتلا نہیں ہوں۔“

بوڑھا: ”اچھا۔ اس تصویر کے تیار کرنے کے لیے اور کتنے دن لگینگے؟“

مصور: (آنسو پونچھ کر) ”پورے تیس دن۔“

بوڑھا: ”کیا تیار ہونے کے بعد اسکو بیچو گے؟“

مصورؔ جی ہاں! میرا ہی قصد ہے۔“

بوڑھاؔ ”وہ تصویر فروش جو قریب گلی میں رہتا ہے۔ اسکی تمھیں کیا قیمت دیگا؟“  
مصورؔ۔ (بوڑھے کو تعجب سے دیکھ کر) ”اُس سے معاملہ رکھنے کا حال آپ کو کس طرح معلوم ہوا؟“

بوڑھاؔ ”فرض کرو کہ اُس تصویر فروش سے مجھے ملاقات ہوئی۔ اور یہ بھی فرض کیا جائے کہ علم مصوری سے مجھے کچھ سببی ہو۔ اُسکے ہاں جانے پر اُس نے مجھے تمھارا پتا بتا دیا۔ اور تمھاری شکستہ حالی اور غربت کا قصہ بھی کہ سنایا۔ کیا اس صورت میں مجھے تمھارے کل حالات سے واقفیت ہونا کوئی عجیب بات ہے؟“

مصورؔ اگر میں ان تمام باتوں کو خیال کروں تو بیشک اپنے نذیر مکان کی عزت افزائی کا سبب سمجھتا ہوں۔

بوڑھاؔ تنے اس حجرے کو ایک حقیر مکان کہا۔ اور حقیقت یہ بھی ایسا ہی۔ مگر آئندہ تم یہاں نہ رہو گے! جب بوڑھے نے یہ الفاظ نہایت جوش اور امید دلانے والے لہجے میں کہے تو نوجوان مصور کے زرد چہرے پر خوشی دوڑ گئی۔

بوڑھاؔ تمھیں اپنی لیاقت کے بموجب ظاہری حالت کو بھی درست کرنا چاہیے یہ فقرہ سنکر اپنی کھینچی ہوئی تصویر کو کمال مسرت سے دیکھنے لگا۔ بوڑھے کی باتوں سے یقین ہو گیا تھا وہ بھی مصوری میں دخل رکھتا ہو۔ ایسے شخص کی تعریف مصور کے دلی جوش کو ابھار رہی تھی بوڑھے نے قیافہ سے پہچان لیا کہ مصور اپنے کمال پر درپردہ ناز کر رہا ہے۔

بوڑھاؔ بیشک تم عمدہ لیاقت رکھتے ہو۔ تمھارے ہاتھ کا کھینچا ہوا مجموعہ تصاویر تمھاری قیمت کا ثبوت دے رہا ہے۔ خیر۔ میں اس مجموعہ کی قیمت ٹھہرانے کے لیے آیا ہوں۔ کیا تم دو ہزار کروڑ کی قیمت پر وہ مجھے دو گے؟ مصور دل لگی سمجھا۔ اور کہاؔ ”اوپ باوجود میری غریبی اور خستہ حالی کی واقفیت کے اس طرح کی دل لگی جو کرتے ہیں“ اُسی وقت

بوڑھے نے ایک تھیلی روپیہ کی مصور کی جانب پھینک کر کہا: ”آدھی قیمت یعنی ایک ہزار کروڑ اس میں ہو۔ یہ بطور بیعانہ قبول کرو۔“ مصور اُسکے قدم پر گر پڑا۔ اور سمجھا کہ یہ بوڑھا خدا کی طرف سے میری مدد کے لیے بھیجا گیا ہو۔ بوڑھا کتنا یہ ہنسنے لگا۔ اور کہا۔ اسی نوجوان! تو نے کیوں اپنا سر ایک حقیر بندے کے روبرو خم کیا ہے؟ انسانی شکل میں کوئی ایسا نہیں جو قابلِ پرستش ہو۔ دو ہزار کروڑ قیمت منظور کر دیجئے اٹھا لو!۔“

مصور نے آپ کی نوازش میری حیثیت اور میرے اندازے سے کہیں زیادہ ہے۔ اس قدر بڑھ کر کہ میں شبہ کرتا ہوں کہ آیا اُسکو قبول کروں یا نہ کروں۔“

بوڑھا۔ ہرگز شک و شبہ کو دل میں راہ نہ دو۔ وہ روپیہ تمہیں زیادہ معلوم ہوتا ہے۔ حالانکہ یہے پاس کچھ چیزیں رکھتا۔ وہ مجموعہ جب مکمل ہو جائے مجھے دیدینا۔ راضی تو ہو؟ میں اب ایک اور بات تم سے کہنا چاہتا ہوں۔ جو نہایت ضروری ہے۔ میں نے جو کچھ تم پر بھروسہ کیا ہے۔ اُسکے صلہ میں میرا ایک اور مدعا بر لاؤ۔“

مصور۔ (جو بوڑھے کا نہایت ممنون ہو رہا تھا) ”یہ آپ کے فرمانے کی بات ہے۔ اب نہیں۔ آئندہ بھی ہمیشہ کے لیے آپ کے واجبِ تعمیل ارشاد کی بجا آوری کو بسر و چشم حاضر ہوں۔“

بوڑھا ”تمہاری تقریر سے معلوم ہوتا ہے کہ تم ابھی نا تجربہ کار اور ناواں ہو۔ میرا نام تک نہیں معلوم اور کہتے ہو کہ ہمیشہ تمہارے تابع فرمان رہوں گا۔ اچھی کہی والدہ! خیر۔ جانے بھی دو۔ مجھے ایک ضروری امر میں تم سے کچھ گفتگو کرنا ہے۔ میں کرسی پر بیٹھا ہوں تم پلنگ پر جا بیٹھو تاکہ سہولت و اطمینان سے بات چیت کی جائے۔ یہ لکڑی خود کرسی پر بیٹھ گیا۔ مصور بھی بوڑھے کی خواہش سے پلنگ پر بیٹھا۔ بوڑھے نے کہنا شروع کیا۔

## سائیسوان باب

### بدرق

بوڑھا۔ میرے نوجوان دوست! میں پہلے تو یہ کہنا چاہتا ہوں کہ تمہارے خاندان کے چند خفیہ حالات سے مجھے بخوبی واقفیت حاصل ہے۔ یہ ایسے کہنے کی ضرورت ہوئی کہ تم مجھے پورا اعتماد کرو۔ میں نے پہلے ہی تمہاری خاص حالت کی نسبت صاف صاف کہہ دیا ہے۔“

مصور: ”مان بے شبہ آپ واقف ہو گئے۔ اور جاننے ہی کے سبب اس قدر نوازش فرمائی۔“

بوڑھا: ”خیر گو تم یہاں کسی اور نام سے مشہور ہو۔ مگر میں ٹھیک طور پر جانتا ہوں کہ تمہارا اصلی نام ”آٹو“ ہے۔“

آٹو: (حیرت اور تعجب سے) ”خدا کی پناہ! کس شیطان نے آپ سے یہ بات کہی ہے؟“

بوڑھا: (مسکرا کر) ”میری تقریر میں خلل انداز نہ ہو تم جانتے ہو کہ تمہاری بہن ایڈا اور فوسٹ میں کیا بھید ہے؟“

آٹو: (جلدی سے) ”میں نے اُس سے مقابلہ کرنا چاہا۔ اور کیا بھی۔“

بوڑھا: ”مگر فوسٹ نے تمہیں پہلے ہی طے میں تمہیں بے ہتھیار کر دیا تھا۔“

آٹو: ”تاہم میں نے بزدلی ظاہر نہ ہونے دی۔ اس وقت میں بہت تھکا تھا۔ اور بھوک پیاس نے بھی عاجز کر دیا تھا۔“

بوڑھا: ”مجھے سب معلوم ہے۔ فوسٹ نے اس اقرار پر تمہیں جان سے چھوڑ دیا کہ آئندہ کبھی اُسکے یا ایڈا کے باب میں کچھ دخل نہ دو۔“

آٹو: ”آپ نے جو کچھ کہا سب ٹھیک ہے۔ لیکن میں حیران ہوں کہ آپ ان معاملات سے

کس طرح آگاہ ہوئے۔ شب تو بہت تاریک تھی۔“  
 بوڑھا: ”اُسی تاریکی کی وجہ سے تم ہی مجھے دیکھ سکے نہ تمہارا مخالف۔ اُس وقت میں  
 درختوں کی آڑ سے کل تماشا دیکھ رہا تھا۔ اسی صورت سے پورا پورا قصہ معلوم ہوا۔“  
 آٹو: ”لیکن آپ مجھے کیا سمجھے ہونگے جب میں نے اُس شخص سے جان بچانے کی درخواست  
 کی جو میری بہن کی عزت ریزی کا سبب ہوا؟ بہر حال اُس سے لڑ کر دل ٹھنڈا کر لیا۔ جب  
 مغلوب ہوا تو پھر اُس کو میری جان لینے سے کیا حاصل تھا۔ غرض میں نے وہ کل تدبیریں کیں  
 جو کوئی اپنی خاندان کی نیکنامی کے لیے کر سکتا ہو۔“

بوڑھا: ”بیشک تمہاری اولوالعزمی اور بلند ہمتی قابل تحسین و آفرین ہو۔ اب اس بے سود  
 تقریر میں وقت رائگان کرنا مصلحت نہیں۔ تم نے قسم کی بنا دے کے لیے پھر کبھی فوسٹ  
 کی حویلی میں قدم نہیں رکھا۔ اپنا نام بدل دیا۔ اور روزی پیدا کرنے کے واسطے بہت سی  
 تکلیفیں اٹھائیں۔ دنیا کے ان تمام بکھیر دین سے اب تمہیں نجات ہوئی۔ کیونکہ وہ  
 ہر چیز جو اب تمہارے پاس ہو۔ آئندہ دنیاوی حشمت میں ترقی حاصل کرنے کے لیے ایک  
 زینے کا کام دیگا۔ مگر نہ تو گزشتہ آفات نہ آئندہ کی دو متمندی تمہیں دوسرے بندگان  
 خدا کی حاجت روائی۔ اور بہبودی کی فکر سے غافل یا بے پروا کرنے کا ذریعہ ہو سکتی ہے؟  
 آٹو: ”میں ایسا سخت اور سنگین دل نہیں رکھتا ہوں۔ آپ ایک خالص اور دلی دوست  
 کی طرح مجھ سے پیش آئے۔ علاوہ برین میرے تمام پوشیدہ حالات سے آپ بخوبی واقف  
 ہیں۔ پس میں اس قدر جاننا چاہتا ہوں کہ میری کون خدمت آپ کے منظور نظر ہوگی۔  
 اور مجھے آپ کے روبرو سرخرو بنائے گی۔“

بوڑھا: ”اچھا۔ میں تمہیں ابھی ایک کام میں آزمانا چاہتا ہوں۔ اس وقت لیڈی نریزا  
 ایک آفت عظیم میں مبتلا کی جانے والی ہو۔“

آٹو: ”(غصے سے) وہی نازک اندام لیڈی! جو اُس نالائق شخص فوسٹ سے کتھا ہوئی ہو۔“



بوڑھا: ”مان دہی دہی! تم بڑے دلیر نوجوان ہو مجھے یقین ہو کہ تم سے بہتر اس کام کے قابل کسی اور کو نہ پاسکونگا۔ وہ کام بھولی اور بے گناہ لیڈی تریزا کو اُس بلا و مصیبت سے بچانے کا ہے جو اُسکے سر پر کھڑی ہوئی ہو۔“

آٹو۔ (بوڑھے کی باتوں سے جوش میں آکر) ”اس نیک کام میں جو آفات ہوں ہیں بخشی سے جھیل کر لیڈی تریزا کی حمایت اور ہمدردی میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کرونگا۔“  
نار اتنا خیال رہے کہ اس کارروائی کے سبب میرا وہ عہد و پیمان نہ ٹوٹنے پائے جو فوسٹ سے کبھی مقابل ہونے یا اُسکے ہر ایک امر میں دخل نہ دینے کے بارے میں کیا گیا تھا۔

بوڑھا: ”نہیں تمہیں تو لیڈی تریزا کی جان کو صدمے سے محفوظ رکھنا ہے۔ یہ تمہاری خلیت نہ تو فوسٹ کو اور نہ اُسکی بدکار ہمارا ایڈاکو معلوم ہوگی۔ حقیقت حال یہ ہے کہ تریزا کا کام تمام کرنے کے لیے ایک زہر قاتل تیار کیا گیا ہے۔ جو آج شام میں اُس بیچاری کو دیا جائے گا۔“

آٹو۔ (وحشت سے) ”اے خداوند کریم! دنیا میں ایسی ایسی بدکاریاں بھی ہوتی ہیں؟“  
بوڑھا۔ تم ابھی کم سن ہونے کی وجہ سے دنیا کے مکرو فریب کو نہیں جانتے ہو۔ تمہاری کبخت بہن ایڈا اس شخص کے ساتھ زندگی بسر کرنے پر رضامند نہیں جس سے فوسٹ نے اُسکا نکاح کر دیا ہے۔ اور اسی لیے وہ مختلف قسم کی تدبیریں عمل میں لارہی ہو!۔“

آٹو: افسوس میری ہمیشہ! جبکہ حق میں اما جان نے مرتے دم دلع خیر کی تھی وہ اور ایسی سیہ کاریاں!۔“

بوڑھا: ”میں جو کچھ کہتا ہوں اس میں سر موخلاف نہیں۔ خیر۔ تم مجھے بغیر کسی استفسار کے میرے کہنے پر عمل کرو گے؟۔“

آٹو: ”آپ کی خواہش ہے کہ میں لیڈی تریزا کو اُس بلا سے عظیم سے نجات دوں۔ خدا جانتا ہے۔ اس نیک کام پر میرا دل مجھے آمادہ کر رہا ہے۔ سوا اُسکے آپ پر مجھے پورا اعتماد ہے۔ میں ضرور آپ کے حکم کی تعمیل کرونگا۔“

بوڑھا۔ ایڈانے عروش ترزا کے پلانے کے لیے ایک زہر تیار کرایا ہے۔ اور وہ بتین رکھتی ہو کہ روے زمین پر کسی فرد بشر سے اسکا توڑ ہو نہیں سکتا۔ (ایک شیشی آٹو کے ہاتھ میں دیکر) یہ لویہ عرق ہرز ہر کو دم بھر میں بے اثر بنا دیتا ہے۔“

آٹو: ”تو یہ شیشی میں لیڈی ترزا کو لیجا کے دون ۹۔“

بوڑھا۔ تم نادان ہو۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ ترزا اس عرق کو پی لیگی ۹ جب تک کہ پوری پوری کیفیت سے آگاہ نہ ہو۔ اور تمہیں اسکی زندگی کو اس خبر سے تلخ کرنا گوارا ہو گا ۹ کہ اسکا شو ایک ایسی عورت سے ناجائز تعلق رکھتا ہے۔ جو کسی وقت اسکی خادسہ تھی۔“

آٹو: ”سیری بن کی اس دل آزار قاتل تجویز سے فوسٹ واقف ہو کہ نہیں ۹۔“

بوڑھا: ”نہیں۔ وہ لیڈی ترزا سے خالص محبت رکھتا ہے۔ لیکن اسکا بدکار دل ایڈا کے ساتھ

بھی وابستہ ہے۔ امیر ترین سے بظاہر تو شادی کر دی۔ لیکن باطن میں عجیب تعلقات جاری ہیں

ترزا کو نہ ہر دینے کے بارے میں ایڈا نے کسی سے رائے نہیں لی۔ خاص اپنی ہی تجویز و تدبیر سے

اس گناہ عظیم کی متکاب ہونے والی ہے۔ مگر ترزا سے اس ماجرے کا ذکر ناقربین صلت میں لیڈا

اسکے بغیر اطلاع یہ بدرقہ اسکو پلا دینا چاہیے۔“

آٹو: ”میں بخوبی سمجھ گیا۔ مگر یہ کارروائی کس طرح ہو سکیگی ۹۔“

بوڑھا: ”تمہاری مدد سے سب کچھ ہو سکتا ہے۔ آج شام کو فوسٹ کے محل میں ایک شرع مقرر

ہے۔ ایڈا ہر طرح لیڈی ترزا کے پاس بیٹھنے کی تدبیر کرے گی۔ اور کسی صورت سے نہ ہر کو اسکے پیاسے

میں ڈال دیگی۔ زہر کا استعمال ہونے کے بعد جو بیس گھنٹوں کے اندر یہ بدرقہ دیدینا چاہیے۔

ورنہ اسکے بعد کچھ سود مند نہ ہو گا۔ کل دن بھر فوسٹ اپنی حویلی میں نہ رہیگا۔ کیونکہ اسکو شہر ویا نہ

میں ایک ضروری کام ہے۔ تم کسی بہانے سے لیڈی ترزا کے پاس جا پونچو۔ اور کہہ سنا اس بات

سے دبھسی کر لو کہ وہ تمہارے آنے کا حال فوسٹ سے نہ کہے۔ جب اسکا سبب دریافت کرے

تو کہہ دینا کہ چند پوشیدہ امور اسکے مانع ہیں۔ جب اتنا کام کرو گے تو تمہیں کوئی نکلنے کی موقع مل ہی چکا

جسین یہ دوا پلا سکو۔“

آٹو: ”میں سمجھتا ہوں کہ سیکڑوں باتیں اس تجویز کی مزاحم ہو گئی۔“

بوڑھا: ”جو کام استقلال سے کیا جاتا ہے۔ اُسکو کوئی شواہد اور مزاحم نہیں ہو سکتی۔ میری مال اندیشی اور فراست پر بھروسہ کرو گے تو یقیناً یہ کہ ضرور کامیاب ہو گے۔“

آٹو: ”تو میں نے جو قسم کھائی ہے اُسکے خلاف کرنا نہ پڑیگا؟“

بوڑھا: ”تمہارا عہد و پیمان صرف اسی لیے تھا کہ کبھی تم اپنی بہن ایڈا اور فوسٹ کی دوستی میں دخل نہ دو گے اور اُس بات کو مخفی رکھنے کا بھی اقرار کیا گیا تھا۔ لیکن اگر تمہاری بہن۔ تریزا لودریا میں پھینک رہی ہے۔ تو اس قول کے سبب سے تم بغیر تریزا کی مدد کیے خاموش کھڑے دیکھا کرو گے؟“

آٹو: ”آپ کی لاجواب تقریر مجھے قائل کیے دیتی ہے۔ خداوند! یہ کیا معاملہ ہے؟ اپنی بہن کی بدافعالی کا تدارک کرنے کے لیے مجھی کو جانا پڑا!“

بوڑھا: ”دنیا ایسی ہی ہے (کرسی سے اٹھ کر) میری تدبیر کے عمل کرنے میں کوتاہی نہ کرو۔ اور ہماری یہ باہمی ملاقات مخفی رہے۔ تریزا سے گفتگو کرتے وقت بہت ہوشیار رہنا چاہیے۔ لیکن کوئی ایسا لفظ زبان سے نہ نکل جائے جس سے تمہاری بہن کے دل شکن حالات کی اُسکو خبر ہو۔ جو عمر بھر اُسکو رنج و الم میں مبتلا رکھیں گی۔ ان تھیں بالکل خبردار رہنا ہو گا۔ بھل سرشام تم سے ملاقات ہوگی۔“

یہ کہہ کر بوڑھا گھر سے باہر نکل گیا۔ آٹو تھوڑی دیر سوچ میں رہنے کے بعد ادھر ادھر دیکھنے لگا اور سمجھا کہ خواب دیکھ رہا تھا۔ لیکن وہ اشرافیوں کی تھیلی اور دوا کی شیشی جو میز پر صری ہوئی تھی گذشتہ واقعات کی صداقت پر دال تھی۔

آٹو: ”(دل میں) ”اے ایڈا! کیا تو درحقیقت ایسی ہی گمراہ اور بدکار ہے؟ افسوس! وہ دعا جو تیری مان نے اخیر وقت دی تھی۔ تیرے نیک نعت اور پاک بار بنانے پر کامیاب

نہیں ہوئی؟ اور ننگ خاندان لڑکی! تو کیسے کیسے سخت گناہوں میں مبتلا ہوتی ہے۔ وہ قسم جو میں نے تیرے بدکردار مرد سے کھائی ہے۔ اس بات کی مانع ہو کہ تجھے ان حرکات سے باز رکھنے کی کوشش کروں۔ والد اعلم یہ ضعیف العمر کون ہے۔ جو ابھی یہاں کھڑا ہوا تھا۔ اور اسکو ایڈا کی خفیہ تجاویز سے کیونکر آگاہی ہوئی ہوگی۔ شاید دوسری ملاقات میں وہ مفصل حال کہہ سنا گیا۔ بہر صورت اس بوڑھے کی نیت خالص اور نیک ہے۔ یقیناً وہ مجھے دھوکا دینے کے لیے نہیں آیا تھا۔“ میز پر سے وہ شیشی اٹھائی اور کھول کر سونگھا تو نہ کسی قسم کی بو تھی۔ نہ چکھنے سے کوئی مزہ پایا جاتا تھا۔“ کیا اچھی بات ہے کہ بوڑھا دو اون سے بخوبی واقف ہے۔ اسکو اتفاقاً کسی ذریعہ سے ایڈا کی ظالم کارروائی کی خبر لگ گئی ہوگی۔ اب اس نیک کام میں مجھے بھی شریک کیا جا رہا ہے۔ مان میں جان گیا۔ وہ بوڑھا انھیں نیک طبیعت لوگوں سے ہے جو پوشیدہ طور پر عام بندگان خدا کی بہبودی چاہتے ہیں۔ اور اُنکے ساتھ عمدہ اور شائستہ سلوک کرتے ہیں۔ میں ضرور اس حکم کی تعمیل کر دنگا۔ اور تریزا کو اس ناگہانی آفت سے بچاؤنگا۔“

## اٹھائیسواں باب

### تریزا کا رنج

دوسرے دن دوپہر کے قریب تریزا اپنے کمرے میں تنہا بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ تنہائی ایسے پسند کرتی تھی کہ اسکا دل رنج و الم سے مملو تھا۔ وہ بغیر کسی کی مزارعت کے آپ ہی آپ اُن دردناک خیالات میں غرق تھی۔ اور اپنے دل کو مورث غم و مبداء الم ہونے کا الزام لگا رہی تھی۔ اسکی رنجیدگی کا پہلا سبب یہ تھا کہ فوسٹ اسکے پاس بہت کم جاتا تھا۔ وہ اس بات سے متعجب اور حیران تھی کہ کون کام اُسے آئے دن مصروف رکھتا ہے۔ اور میرے پاس آنے سے روکتا ہے۔ لیکن اسکے دل میں کبھی یہ خیال نہیں آیا کہ ایڈا سے فوسٹ کا تعلق ہے۔ کیونکہ وہ بڑی پاک طبیعت نیک مزاج لڑکی تھی۔ اسکے بے لوث دل میں ایسے بُرے

خیال ہرگز راہ نہیں پاسکتے تھے۔ فوسٹ راتوں میں اکثر نیند سے چونک اٹھتا تھا۔ اور بعض مرتبہ بے اختیار رو دیتا تھا۔ دن کو متفکر اور پر اگندہ خاطر رہتا تھا۔ تریزا نے کئی دفعہ فوسٹ سے اس رقت اور سرسبکی کا سبب پوچھا۔ مگر کبھی قابل تسکین جواب نہ پایا۔ بالآخر وہ اپنے شوہر کے ساتھ اس صورت سے پیش آتی تھی کہ گویا اسپر ان حالات کا کچھ احساس ہی نہیں ہوا۔ فوسٹ کی پر اگندگی۔ ہمیشہ کی غیر حاضری۔ راتوں کی گریہ و زاری جو کثرت رنج و ملال کا ثبوت ہی تریزا کو بے چین و بیقرار کیے دیتی تھی۔ ایک اور بات جو اس کی بیباکی کا سبب بنی یہ کہ فوسٹ اپنی بیٹی ایڈیلیا کو کبھی التفات یا محبت کی نظروں سے نہ دیکھتا تھا۔ باوجودیکہ بسا اوقات تریزا نے اُسکو اپنے بچے سے الفت رکھنے کی طرف رغبت دلائی۔ مگر وہ بخلاف اسکے ڈیوک لیپولڈ اور میریا کے بچے سے زیادہ دچسپی رکھتا تھا۔ تریزا کئی مرتبہ اس بات کو آزما چکی تھی۔ اور یہ غم اُسکو تمام ملا لون سے بڑھ کر تھا۔ کبھی اُسکو یہ خیال ہوتا تھا کہ فوسٹ کا اپنے بچے سے عدم التفات اور ڈیوک کے بچے سے محبت کرنا صرف میرے وہم و گمان کا نتیجہ ہے۔ مگر ساتھ ہی اسکے حرکات و سکنات سے ثابت ہو جاتا تھا کہ اُسکا خیال غلط نہیں ہے اور بڑی حیرت خیز تو یہ بات تھی کہ خود اُسکا دل بھی ڈیوک لیپولڈ ہی کے بچے کو پیار کرے گا کہ ہوتا تھا۔ وہ تعجب کرتی تھی کہ اسکا سبب کیا ہے؟ آخر یہ سوچ کر چپ ہو رہتی تھی کہ فوسٹ سے محبت کرنے کی وجہ سے اپنے دل پر بھی اسکا اثر ہوا ہے۔ جب اُس بچے کو دیکھتی۔

ٹھاکر سینے سے لگا لیتی تھی۔ اور اُسکو جد اگر ناگوار معلوم ہوتا تھا۔ اُسکے عوض خاص لڑکی پر اُس قدر محبت نہ آتی تھی۔ اس اُلٹ پھیر کو دور کرنے کی غرض سے تریزا نے بہت کوششیں کیں۔ اپنے نفس سے جھگڑا کیا۔ دل پر الزام لگایا۔ خدا سے التجا کی۔ ایڈیلیا کے پاس بہت دیر تک بیٹھا کرتی۔ اُسکو پیارا اور محبت سے گلے لگا لیتی۔ غرض سب کچھ کرتی تھی۔ لیکن میریا کے بچے کا خیال کبھی دور نہ ہوتا تھا۔ اور یہ بات فہن میں آئی کہ کاش ایسٹن میرا بچہ ہوتا تو کیا خوب بات تھی۔



تریزا کی سی نیک مزاج پاک طینت عورت اسکو بھی ایک گناہ عظیم سمجھتی تھی کہ اپنے بچے سے الفت نہ رکھے۔ عورتوں کے دلون میں جو اولاد کے ساتھ محبت مادری ہو اگر تھی تو ایک عمدہ ترین عنایت ایزدی ہی۔ ایسی نعمت سے حقدار کو محروم رکھنا اور اسکا حق کسی اور کو دینا تریزا کے نزدیک ایک بہت بڑا گناہ تھا۔ ایک اور بات ایسی ہوئی جسے تریزا کے تعجب و فکر کو زیادہ کر دیا یعنی چند ہی روز پیشتر میریا سے کچھ گفتگو کر رہی تھی۔ اثنائے کلام میں میریا نے کہا: ”کہ مجھے اپنے بیٹے کے عوض ایڈیلیا سے زیادہ تر رغبت و محبت ہوتی ہے۔“ دونوں نے اس تذکرے پر آنسو بہائے اور آخر ایک نے دوسرے کو تسلی دی۔ اور دعا کر۔ نہ لگین کہ

”خداوند! ہمیں اپنے اپنے بچوں سے محبت کرنے کی ہدایت عطا فرما! —“

افسوس! یہ نیک عورتیں نہیں جانتی تھیں کہ بچوں کی تبدیلی ہوئی ہے۔ انھیں بالکل خبر نہ تھی کہ تریزا کو اکیسملن کے ساتھ محبت ہونا محض فطرتی جوش کا اثر ہے۔ اور اسی طرح میریا کو ایڈیلیا کی الفت بھی ایک قانون قدرت کی پیروی تھی جسکے خلاف کرنا انسان کے قبضہ قدرت سے باہر ہے۔ وہ دونوں جانتی تھیں کہ ہمیں اپنے اپنے بچوں کی بہ نسبت ایک دوسرے کے بچے پر سیلان طبع ہے۔ مگر اپنے مردوں کو اس بات سے مطلق آگاہ کیا اور یہی ایک بات تھی جو انھوں نے پوشیدہ رکھی تھی۔ ڈیوک لیپولڈ کو اسکا کچھ خیال نہ تھا۔ وہ اپنے بیٹے اکیسملن کو سچے دل سے پیار کرتا تھا۔ اس بارے میں میریا کو تریزا کا رنج و غم نہ تھا۔ اب ناظرین سمجھ لیں کہ لیڈی تریزا اپنے کمرے میں تنہا بیٹھی ہوئی انھیں افکار میں دل سے کچھ گفتگو کر رہی ہوگی جب اسکا ایک خادم اندر آیا اور کہا کہ کوئی نیا شخص آپ سے ملنے کا طالب ہے۔ اسکے سنتے ہی وہ اٹھ کر اس کمرے میں گئی جہاں تو وارد بیٹھا ہوا تھا۔ وہاں پہونچکر وہ آٹو کو دیکھ کر نہایت مسرور ہوئی۔ اور یہ بات یاد آگئی کہ فوسٹ جن دونوں زندان وٹن برگ میں اسیر تھا۔ آٹو ہی نے اسکی ایک تصویر کھینچ لادی تھی۔ جو میرے لیے باعث تسکین و موجب تفریح تھی۔ اور آٹو ایڈا کا بھائی ہونے کے سبب ایک عزیز دوست



کی طرح لیا گیا۔ آٹو عمدہ بیش بہا لباس پہنے ہوئے تھا۔ اور اسکی ظاہری حالت سے گذشتہ سال کی تکلیف اور فاقہ کشی کا اثر نہ معلوم ہوتا تھا۔

تریزا: ”تمہارے اس وقت کے آنے سے میں بہت خوش ہوئی مگر تم ایک اجنبی شخص کی طرح کیوں آئے؟ یہاں تو سب لوگ تم سے کمال خلق و مروت کے ساتھ پیش آئینگے!“

آٹو: ”بہت سی باتیں مجھے اس مقام پر اجنبی بننے کی باعث ہوئیں۔ بڑی وجہ یہ ہے کہ آجکل میں نے اپنی زندگی بالکل سادگی سے بسر کرنا اختیار کی ہے۔ لہذا میں اس قابل نہ رہا کہ شوخ طبع زندہ دل لوگوں کی صحبت میں آمد و رفت جاری رکھوں۔ اور یہ بھی کہے دیتا ہوں کہ میری بہن ایڈا جو کتھا ہوئی ہو اس سے میں ناراض ہوں۔ اور نہیں چاہتا کہ میرا یہاں آنا اسکو معلوم ہو۔“

تریزا: (مسکرا کر) ”ہاں! شاید تم چاہتے ہو کہ تمہارا یہاں آنا پوشیدہ رکھا جائے؟“

آٹو: ”جی ہاں۔ میرا یہی مطلب ہے۔ اور دوسرا یہ کہ آپ اپنے شوہر سے بھی یہ حال مخفی رکھیں!“

تریزا: ”تم کیوں ڈرتے ہو کہ تمہارے آنے کی کیفیت فوسٹ کو معلوم ہو تو وہ ایڈا سے کہہ دیگے؟ میں نہیں چاہتی کہ ایڈا کو اسکی شادے کر لینے پر تمہاری ناراضی کا قصہ بیان کرے اسے پنخندہ کروں۔ لیکن درحقیقت تم اپنی ناراضی کو شاکستگی اور اخلاق کے حدود سے بہت دور لیے جاتے ہو۔“

آٹو: ”کچھ نہ کچھ مخفی امور ہر خاندان سے متعلق رہا کرتے ہیں۔ اور اسی طرح چند باتیں ہمارے خاندان میں بھی ہیں۔ آپ مجھے بدگمان نہ ہوں۔ واقعی میں اپنا دل سخت نہیں رکھتا ہوں مگر چند وجوہ ایسے ہیں کہ میرا آج کا یہاں آنا سوا آپ کے سب سے مخفی رہنا ضرور ہے۔ آپ کو یہ تعجب ہو گا کہ میں کیسے بیوقت آپکی تکلیف دہی کا سبب ٹھہرا“

تریزا: ”نہیں مجھے کچھ تکلیف نہیں۔ تمہارا آنا باعث مسرت ہے۔ کیونکہ میں تمہیں ایک عزیز

دوست سمجھتی ہوں۔

آٹو۔ میں ہمیشہ آپ کا ممنون عنایت رہوٹگا۔ میرے آنے کا سبب نیسے ! اتنا ہے سفر میں اس سرحد سے گزرنے کا اتفاق ہوا۔ میں اخلاق سے بعید سمجھا کہ اس قدر قریب پہونچکر آپ کی ملازمت کا اعزاز حاصل نہ کروں۔ کیونکہ آپ نے ایک مدت تک میری بہن کو اپنے سایہ عاطفت میں پرورش فرمایا ہے۔“

تریزا ”تمہارے آنے میں میں اپنی عزت سمجھتی ہوں۔ جب تک کچھ ماحضر تناول کر کے تفریح نہ حاصل کر لو گے۔ میں یہاں سے نہیں جانے نہ دوں گی۔“ یہ کہہ کر خدمتگاروں کو طلب کر کے میز تیار کرنے کا حکم دیا تریزا کی یہ مہمان نوازی آٹو کو اپنی کارروائی کے لیے نہایت مفید ہوئی۔ کیونکہ کھانے کے وقت کوئی ایسا موقع مل سکتا تھا کہ وہ دو اتریزا کو پلا دے۔ غرض آٹو اسی جستجو میں تھا۔ آخر ایک ذریعہ ملا۔ بسین اُس عرق کو تریزا کے پیالے میں ڈال دیا۔ اور پیالے کو شراب انگوری سے بھر کر اس کے تریزا کے سامنے رکھ دیا۔ اُس کو ضرور ہوا کہ مہمان کی خاطر کے لیے آپ بھی شراب پینے میں شریک ہو اسی لیے وہ پی گئی۔ گزشتہ شب کو ایدانے اُس کو وہ زہر پلا دیا تھا جو بڑھیا کی معرفت تیار کر لائی تھی۔ مگر اب تو تریزا کو اس کا ٹوٹ پلا دیا گیا۔ یہ بات رہی جاتی ہو کہ وہ بدرقہ کس طرح تیار ہوا۔ اس فن کی مشاق بڑھیا نے تو کمدیا تھا کہ اس زہر کی تاثیر سے باز رکھنا انسان کے دائرہ امکان سے خارج ہے۔ تو پھر یہ دو کیونکر تیار ہوئی؟ اور وہ بوڑھا کون تھا جو مصور کے ذریعے ایدانے کی قاتل اور ظالمانہ حرکت میں خلل انداز ہوا؟ یہ راز ناظرین پر آئندہ کھلیگا۔ آٹو تریزا سے رخصت ہو کر اپنے گھر گیا۔ لیکن بوڑھے نے شام کو ملنے کا اقرار پورا نہ کیا۔“

## انتیسواں باب

### ایک یونانی لیڈی

گزشتہ تین چار باب میں متذکرہ حالات سے آٹھ مہینے کا عرصہ گزر گیا۔ اور

۹۶ء شروع ہوا۔ ایک نہایت بہارِ فرا اور پر فضا شام کو ایڈا اور اسکا دلدادہ فوسٹ دونوں فصیل قلعہ کے ایک مخفی کونے میں ٹل رہے تھے۔ اور آہستہ آہستہ کچھ بات چیت کر رہے تھے۔ فوسٹ دل کھول کر باتیں کر رہا تھا۔ اور اسکی بدکار رفیق بڑے غور سے سن رہی تھی۔ فوسٹ اس ہیبت انگیز موقع پر مین نے جو جو وحشت ناک حالتیں دیکھی ہیں وہ منہ سے بھی کہ نہیں سکتا۔ مین خود حیران ہو رہا ہوں کہ مجھے کیونکر وہاں جانے کی جرأت پڑی۔ دل میں راز جوئی کا شوق جوش زن تھا۔ اور ایک باطنی قوت اس شوق کی مؤید تھی۔ آہ! جب میں اس ہنگامے کے عالم میں رستہ چلنے لگا تو بڑے بڑے خیالات دل کو پریشان کر رہے تھے۔ میں صرف جن کے قدم بقدم جا رہا تھا۔

ایڈا: ”تمہارا ہی قول ہے کہ وہاں جا کر آٹھ مہینے کا زمانہ گزرا۔ حیف ہے کہ اتنی مدت میں اس قصہ کا ایک حرف بھی مجھے نہ کہا۔“ کیا میں اب تمہاری رازداری کے قابل نہ رہی ہوں وہی ہوں جو تمہارے من و عن حالات سے پوری واقفیت رکھتی ہوں۔“

فوسٹ: ”بسا اوقات میں اُسے زبان تک لایا۔ مگر اس پریشان کن تذکرے کو خیال میں لانے سے میری روح کانپ اٹھتی ہے۔ اور یہ نہیں معلوم کہ کیونکر مین نے اس ذکر کو شروع کیا۔ اسکا سبب شاید یہی ہو گا کہ جو جو زمانہ گزرتا جاتا ہے۔ اپنے تمام خفیہ امور کسی معتمد دوست سے کھل کر رنج و فکر کے ٹالنے کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔ اور دنیا میں تیسے زیادہ میرا کوئی دلی دوست نہیں مگر اُس مقام پر مین نے جو کچھ دیکھا اسکا بیان مجھے نہ پوچھو۔ ہاں کسی اور موقع میں البتہ پوری پوری کیفیت کہناؤں گا۔“

ایڈا: ”ایسے وحشت انگیز مقام کی حقیقت بیان کرنے کے لیے میں اصرار نہ کرونگی!“

فوسٹ: ”گھبرائی ہوئی ادا میں“ افسوس! وہ خیال دل سے کبھی دور نہیں ہوتا۔ مجھے آئے دن بتلائے فکر رکھتا ہے۔

ایڈا: ”کیونکہ تم ناامید کیون ہوئے جاتے ہو؟ کیا ابھی بہت زمانہ ایسا نہیں باقی ہے حسین

تم دنیا کی راحت و آرام اور عیش و عشرت سے دلکشاد کر سکتے ہو۔ کیا روئے زمین کی کل حسیں تمہارے لیے ہم نہیں پہنچ سکتیں؟۔“

فوسٹ: ”ایڈا! کیا اُس جام شراب پر کوئی رغبت کرے گا جسکی تہ میں زہر قاتل موجود ہے۔ اور کیا ایسے پھول کی شہیم فرحت بخش ہو سکیگی جسکی نازک پنکھڑیوں میں کوئی زہر دار کیڑا چھپا ہوا ہو؟“  
ایڈا: ”جن تو تمہارا غلام ہو کیا وہ کوئی ایسا طلسم نہیں دے سکتا جس سے یہ برے خیالات تمہارے دل سے دور ہوں؟۔“

فوسٹ: ”ہاں! اچھا خیال کیا!! میں اس بات پر ضرور غور کرونگا۔ اب تم جاؤ اور مجھے تنہا غور کرنے دو۔“ وہ ایک دوسرے سے جدا ہوئے۔ فوسٹ تو وہیں ٹھل رہا تھا۔ ایڈا فصیل سے اتر کر شہر کی طرف بڑھی۔ اور جلد جلد اپنی حویلی کو جانے لگی۔ آخر گیٹ پر پہنچی ہی تھی کہ ایک برقع پوش عورت اُس سے ملی۔ اور پوچھا: ”لیڈی صاحبہ! امیر ظرنین کا محل یہی ہے؟۔“

یہ الفاظ نہایت ملائم اور شیرین مگر درمند آواز سے کہے گئے تھے۔ اُس نئی عورت کا لباس جرمنی عورات کی پوشاک سے جدا تھا۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ کسی مشرقی ملک کی رہنے والی ہے۔

ایڈا: ”ہاں۔ یہ حویلی امیر ظرنین ہی کی ہے۔ کیا آپ یہاں کسی سے ملاقات کرنا چاہتی ہیں؟“  
اجنبی عورت۔ (برقع چہرے سے اٹھا کر) ”میں خاص امیر ظرنین سے کچھ کام رکھتی ہوں۔ جب اُس نے نقاب اٹھائی تو ایڈا کی نظر اُسکی دلربا مگر آفت زدہ صورت پر پڑی۔ اُسکی عمر اندازاً تیس سال کی ہوگی گندمی رنگ تھا۔ آنکھیں بڑی بڑی اور دلفریب تھیں۔ اور لمبے سیاہ بال چمک رہے تھے۔ اُس لیڈی کے دیکھتے ہی ایڈا کے دل میں ایک رعب سا پیدا ہو گیا۔ اُسکی وہ بلند پیشانی۔ دلکش قد و قامت تیلے اور نازک ہونٹھ۔ موتی کے سے چمکدار بے عیب دانت۔ صراحی دار گردن سب کے سب ایسے پیارے اور نظر فریب

معلوم ہوتے تھے کہ خود اس پر ایذا فریفتہ ہو گئی اور نہایت اخلاق و مردت سے اسکو محل کے اندر آنے کے لیے درخواست کی۔ دونوں محل کے بڑے کمرے میں گئیں۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ امیرِ ظرنین کہیں باہر گیا ہے۔ اسکی عدم موجودگی ایذا کے لیے بہت ہی مناسب ہوئی۔ کیونکہ وہ دریافت کرنا چاہتی تھی کہ اس عروش عورت اور میرے شوہر کا تعلق کس طرح کا ہے۔ ایذا نے اپنے ابھی سنا ہو گا کہ امیر صاحب محل میں نہیں ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ بہت جلد وہیں آئینگے۔ اسوقت تک اگر آپ یہیں کی اقامت قبول فرمائیے تو میں باعثِ عزت سمجھوں گی۔“

اجنبی عورت: ”اگر آپ اجازت دیتی ہیں تو میں امیر صاحب کے آنے تک یہیں ہوں! مان لیڈی صاحبہ! یہ فرمائیے (غم کو روک کر) کہ آپ امیرِ ظرنین کی بیگم ہیں؟۔“  
ایذا: ”مان میں انہیں کی بی بی ہوں۔“ نو وار ولیڈی نے تھوڑی دیر کے سکوت میں ایذا کو غور سے دیکھ کر کہا: ”آپ مجھے زیادہ حسین اور کم سن ہیں اسی لیے میرا تعجب کیسا بجا ہے۔ تاہم۔۔۔“ یہاں پہنچ کر اسکی زبان رک گئی۔ اور اپنی چشمِ زرگی سے آنسو پونچھ لیے۔ ایذا کا اضطراب دو بالا ہو گیا کہ اس رقتِ قلب و آہِ جگر سوز کا سبب دریافت کرے۔  
ایذا: ”میرا یہاں ہونا آپ کے طبعِ نازک پر گران تو نہیں گندتا؟۔“

اجنبی عورت: (دردناک لہجے میں) ”مان البتہ ایک لحاظ سے مجھے آپ کی صحبت ناگوار معلوم ہوتی ہے۔ مگر آپ کے خلق و مردت نے میرا ہنڈ بند کر دیا۔ مجھے معاف رکھیے۔ میں آپ کو اپنا بانصیب مخالفت تصور کرتی ہوں۔ لیکن خدا شاہد ہے کہ آپ سے دل میں کسی قسم کی بدی نہیں رکھتی۔ اتنا بتائیے کہ آپ کے شوہر کبھی سوداگر دمشق کی بیٹی ایرین کا بھی ذکر کیا کرتے تھے؟۔“

ایذا: ”نہیں۔ کبھی اس طرح کا ذکر تو نہیں کیا!۔“

اجنبی عورت: (غم انگیز لہجے میں) ”وہ بے شہد مجھے بھول گیا ہو گا۔ کیونکہ دوسری لیڈی سے محبت کر لی ہو افسوس! میں وہی ایرین ہوں۔ جسکا ذکر میں نے ابھی کیا ہے اور بہت دنوں

سے اُس شخص کو جانتی ہوں۔ جواب آپ کا پیارا شوہر ہے۔“

ایٹھا۔ (ہمدردی سے) ”آپ کی گفتگو اور اطوار سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتداءً آپ دونوں میں کمال محبت تھی اور رفتہ رفتہ وہ بات باقی نہ رہی۔ مجھے پورا اعتماد کر کے مفصل کیفیت کہہ سنائیے۔ مجھے آپ کے حال زار پر رحم آتا ہے۔ رشک کرنے یا کچھ الزام رکھنے کے عوض میں تسلی و تشفی دوں گی۔“

ایئرین ”لیڈی صاحبہ! آپ کے محبت بھرے الفاظ مجھے ہمیشہ آپ کے ممنون رکھینگے۔ آپ نے جو ابھی کہا تھا کہ آگے ہم ایک دوسرے کے عاشق تھے بیشک صحیح ہے۔ پندرہ برس کا زمانہ گزرا کہ میرے والد جو شہر دمشق کے نامی گرامی تاجر تھے ایک نوجوان یورپین کوڈاکوڈن کے پھندے سے چھڑا لائے تھے۔ وہ نوجوان ملک شام میں سفر کر رہا تھا۔ اُسکے چور دن کے ہاتھ میں گرفتار ہونے کا پورا حال سننے کی آپ کو تکلیف نہ دوں گی۔ صرف اس قدر کہدینا کافی سمجھتی ہوں کہ اس جھگڑے میں اُسکے تمام ملازم نوکر چاکر مارے گئے۔ تمام اسباب لوٹ لیا گیا۔ اور وہ خود بھی زخمی ہو گیا۔ میرے آبا جان اتفاقاً آدھر سے گزرے اور یہ حال دیکھا تو اپنے غلاموں کو حکم دیا کہ اس نوجوان کو جھولی میں ڈال کے دمشق کو لے آئیں۔ خیر۔ جب وہ ہمارے مکان میں آیا تو اُسکی تیمارداری اور رحمت و آرام کے متعلق کوئی بات اُٹھانہ رکھی گئی۔ دن رات اُسکے بچھونے کے قریب رہنا۔ منہ دھلوانا۔ وقت پر غذا کھلانا میرا کام تھا۔ بیماری نے بہت طویل کھینچا۔ کوئی مہینے گزر گئے لیکن مرض اور نقاہت میں کچھ کمی نہ ہوئی۔ زخم بدستور ہرے رہے۔ الغرض وہ ایک عرصہ دراز کے بعد بستر سے اُٹھ کر خانہ باغ میں ٹلنے کے قابل ہوا۔ چل قدمی کے وقت میرے ہی کاندھے کا سہارا پسند کرتا اور دوایا غذا میرے ہی ہاتھوں سے کھانا پینا چاہتا تھا۔ اس طرح کامل ایک سال گزرا۔ اُنھیں دونوں اسنے مجھ سے کہا تھا کہ میں شہر جرمنی کا ایک ذی جاہ امیر ہوں۔ اور میرا نام طرنین ہے۔ اور یہ بھی بیان کیا کہ اُس ملک میں میری بہت بڑی جاگیر اور بیشمار دپیہ ہے۔ صرف تفریح طبع کے لیے میں بخند اختیار کیا۔“



اتنا کہنے سے آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ میں اور وہ بہت دنوں تک ملے جلے رہے۔ ایسے میں اسکی محبت میرے دل میں اثر پیدا کرنے لگی۔ اور میں اسکی والدہ شیدا بن گئی۔ میرے والد نہایت مالدار تھے۔ یہاں تک کہ ملک شام میں انکی دولت مندی اور تو نگری آج تک ضرب المثل ہی ظہر میں بھی مجھے سچے دل سے چاہتا تھا۔ لہذا آبا جان نے مناسب سمجھ کر میری شادی اُسی کے ساتھ کر دی۔ اتنا کہرا یرین تردد میں پڑ گئی۔“

ایڈا نے ان تو پھر کیا گذرا؟ یہ نہ خیال کیجیے کہ ان حالات کے سننے سے میرے دل پر بار بار ایسا کیونکہ ہمنے آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ کوئی بدی نہیں کی ہو۔ آپ بے کھٹکے کے چٹکے۔“

ایرین نے نہیں لیڈی صاحبہ! جس زمانے میں یہ حالات گزرے اسوقت آپ بہت ہی کم سن ہو گئی۔ ایسے کہ یہ بات چودہ برس سے کچھ کم کی نہیں ہو۔ خیر۔ بیاہ کی تیاریاں ہونے لگیں اور روز بھی مقرر ہو چکا۔ میری اور ظہرین کی اسوقت کی مسرت و شادمانی کا حال بیان کرنا جب بیاہ کے ایک دن پیشتر شام کو میں اور وہ خانہ باغ میں گلگشت کرتے ہوئے اپنی آئندہ کی زندگی کا نقشہ جارہے تھے۔ اور غروب آفتاب کے وقت ہم جدا ہوئے۔ خارج از امکان ہو۔

(آنسو پونچھ کر) میں صبح کی تیاریوں کے لیے اپنے خاص کمرے میں گئی۔ اور ظہرین کچھ چرچیں لینے کی غرض سے بازار کی طرف سدھارا۔ ہاے وہ عجب وقت تھا کہ پھر ملنا نصیب نہ ہوا۔ وہ نہ اس شب ہی کو مکان میں آیا اور نہ دوسرے یا تیسرے دن۔ اُسکایون دفعہ گم ہو جانا میرے اور آبا جان کے لیے بڑے ہی رنج و اہم کا سبب ہوا۔ ہمیں یقین ہو گیا کہ اُسپر کوئی آفت ناگہانی ٹوٹ پڑی۔ کیونکہ اسکی شرافت کے نظر کرنے ہوئے یون کبھی بے اطلاع کہیں نہ جاسکتا تھا۔ لیڈی صاحبہ! آپ میری اسوقت کی جگر خراش حالت کا اندازہ کر لیں۔ میں بیان نہیں کر سکتی ہوں۔ ہفتے۔ مہینے۔ سال گزرنے گئے۔ مگر اُسکا پتا نہ لگتا تھا نہ لگا۔ میری طفولیت ہی میں آبا جان انتقال کر گئیں۔ میں انکی اکلوتی بیٹی تھی۔ دس سال پیشتر والد نے بھی فضا کی جگہ بعد کل ملک و مال کی وارث میں ہی ٹھہری۔ ہاے دنیا بھر میں میرا کوئی

عزیز واقارب باقی نہ رہا بالکل ہی بے والی و وارث ہو گئی۔ میں نے کئی دفعہ ارادہ کیا کہ اس شہر کو آؤں۔ اور اُس شخص کو ڈھونڈ لکالوں جسکے خنجر فراق نے مجھے نیم بسمل بنا رکھا تھا اور جسکی پیاری دریا بشکل دن رات آنکھوں میں پھرا کرتی ہے۔ مگر ساتھ ہی یہ خیال آتا تھا کہ اگر وہ واپس آئے اور مجھے دشتق میں نہ پائے تو خدا جانے پھرنے کے لیے کیا کیا مصیبتیں اٹھانا پڑیں گی۔ اور اس بات کا مجھے پورا یقین تھا کہ اگر ظرین زندہ ہو۔ اور اُسکے دل میں میری محبت باقی ہو تو وہ کسی نہ کسی طرح مجھے آلیگا۔ ایک ملا جو تھنے کے طور پر اُسے دیا تھا۔ آجک اُسکے دیکھتے رہنے سے مجھے تسلی حاصل ہوئی کہ "ایرین نے ایک چھوٹا سا مسند و قچہ برقع سے نکال کر ہاتھ میں رکھے ہوئے اپنے قصے کو سطر ختم کیا تھی صاحبہ! اسی غم و الم میں سالہا روز گزرتے گئے۔ بہت سے عالیخانہ ان نوجوانوں نے مجھے عقد کرنا چاہا مگر میں تو اپنا دل ظرین کو دے چکی تھی۔ اور پختہ ارادہ کر لیا تھا کہ سوائے اُسکے کسی اور کے خیال کو راہ نہ دوں گی۔ وہی وفادار دل اور وہی خالص محبت جو ظرین کے ساتھ تھی میری اب تک کی زندگی کا سبب ہوئی۔ آخر میں نے ایک سوداگر کی زبانی سنا کہ امیر ظرین بارہ سال بعد ویانا میں پہونچا۔ اور اپنی منضبطہ جاگیر واپس لی۔ اور اُسی کی زبانی مجھے یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ وہیں رہنے کا قصد رکھتا ہے اور اپنی زندگی گمانی کمال عیش و عشرت میں بسر کر رہا ہے۔ جب یہ حقیقت سنی۔ میرے دل پر گویا ایک کاری تیر لگا۔ اور یقین ہو گیا کہ اُسکا دل میری الفت سے خالی ہے افسوس! میں سمجھی کہ اُسے خیال کر لیا ہو گا کہ اس طولانی زمانے میں میں اُسے بھول گئی ہوں۔ پھر میں نے ایسی مصیبت کا سفر کر کے اس شہر میں آئی، جیسے گوارا کیا کہ اُسکو دیکھوں اور بالمشافہہ کعدوں کہ تو نے میری محبت کا غلط اندازہ کیا۔ اُسکے سوا میرے ہر سانے میں ایک بات تھی وہ یہ کہ جو ملا اُسے بطور یادگار مجھے دیا تھا۔ واپس کر دوں۔ آپ یہ نہ تصور کیجئے کہ میں اُسکے ساتھ کسی نوع کی عداوت رکھتی ہوں۔ اُہ! لیکن۔ اب بھی اگر اُسکے کام آئے تو میں اپنی جان دینے کے لیے مستعد ہوں۔ لیکن ایک ایسے شخص کی دی ہوئی چیز اپنے پاس رکھنا مناسب نہ جانا۔ جس نے اپنا اقرار پورا نہ کیا۔ یا مجھے بے وفا سمجھا۔ اسی لیے

میں نے اپنی کل الماک و زر نقد کو ٹاکٹ تاجر محمد کے پاس امانتاً رکھا۔ جو میرے خاندان سے بھونپی  
 واقعہ ہے۔ اور حسب ضرورت روپیہ اور دو غلاموں کو ساتھ لیکر وطن سے نکلی۔ راستے میں  
 مجھ بد نصیب پر جو جو آفتیں گزریں قابل بیان نہیں۔ مجھے دمشق سے نکلے ہوئے چھ مہینے  
 گزرے اور مختلف قسم کی تصدیعات کے بعد کل ہی شام کو اس شہر میں داخل ہوئی۔ اور  
 مسافر خانہ میں اتر کر پہلا سوال جو وہاں کے لوگوں سے کیا۔ وہ امیر ظرنین ہی کے استفسار  
 حالات سے متعلق تھا۔ وہیں اسکے کتھا ہونے کی خبر سنی جسکے سنتے ہی میری کل امیدیں  
 منقطع ہو گئیں۔ اور تمام حسرت و امان خاک میں مل گئے۔ اب اس مالے کو واپس کرنے کی  
 خواہش پہلے سے زیادہ بڑھ گئی۔ اگر آپ کے شوہر سے مجھے ملاقات ہوتی تو ہرگز شکوہ و  
 شکایت یا کوئی دل شکن لفظ زبان سے نہ نکالتی۔ بلکہ اسکے عوض یہ یقین دلاتی کہ میں نے  
 تیرا قصور معاف کر دیا ہے۔ میں آج تک تیرے آتش عشق میں جلائی۔ مگر اب دل کی حالت  
 اگر گون ہے۔ یہ تحفہ جو مجھے دیا گیا تھا۔ اور جسکو میں اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتی تھی واپس  
 کیے دیتی ہوں۔ ان واقعات کے بیان کرنے میں اگر کچھ خطا ہوئی ہے تو یقین جانیے کہ وہ  
 کوئی بدنیتی سے نہیں۔ میرا دل پاک ہے۔ میں نہ اس بات کی خواہاں ہوں کہ آپ اپنے  
 خاوند کو ملاست کیجیے کہ کیوں تو اپنی جوانی کے قول و قرار پر ثابت نہ رہا۔ میں سمجھتی ہوں کہ  
 اسکا عشق صرف اس خد متکذاری کے شکر یہ میں تھا۔ جو بیماری کے عالم میں میرے ہاتھوں  
 سے ہوئی۔ کیونکہ اگر وہی عشق ہوتا تو مرتے دم تک مجھے نہ بھولتا۔ لہٰذا میری صاحبہ! اس جانکاہ  
 قصہ کی سماعت سے آپ اپنی فرست و خوشی میں خلل نہ آنے دے دیجیے اور مجھے آپ کی سی  
 خوش اخلاق نیک مزاج خاتون سے توقع ہو کہ مجھ غریب کے ساتھ جو کبھی کی طرح آپ کی  
 باعث رنج نہ ہوگی۔ عزت نہ رکھیں گی۔“

تھوڑی دیر ایڈ ابھی انکی پراثر و تسدز تقریر سے مغموم و مملول بیٹھی رہی۔

ایرین۔ (نہایت تامل کے بعد آنسو پونچھ کر) باب میں پہلے پہل آپ کے مہمان نواز

محل میں آئی۔ تو ارادہ تھا کہ یہ مالاخرین ہی کے ہاتھ میں دون۔ لیکن آپ کی ہمدردی مجھے اپنا پورا قصہ کہ سنانے کی محرک ہوئی۔ میں کسی صورت یہاں زیادہ وقت گزارنا نہیں چاہتی۔ اور مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس سے بے لے اور بغیر دیکھے چلی جاؤں۔ لہذا یہ صندوقچہ آپ لیجیے۔ اور اپنے شوہر کو میرے نام سے دیکر بقدر مناسب نظر آئے میرے حالات کا ایک حصہ اسکے روبرو بیان کیجیے۔ ایڈا نے صندوقچہ لے لیا۔ ایرین کرسی سے اٹھ کر اس سے رخصت ہونے والی ہی تھی کہ یکایک دروازہ کھلا۔ اور امیر ظرین کمرے میں آ پہنچا۔“

## تیسواں باب

### ملاقات

ایڈا اور ایرین میں کچھ عجیب فرق تھا۔ دونوں حسین تھیں۔ مگر دونوں کی حالت زمین و آسمان کا تفاوت بتا رہی تھی۔ ایڈا مکر و فریب دغا و فتنہ پردازی میں کامل تھی ایرین صاف باطن پاک دل راست باز تھی ایڈا کم سخن اور بردباری کی آڑ میں شیطانی افعال کر گزرتی تھی۔ ایرین نہایت نیک خیال عورت تھی۔ جو اسکے عادات و اطوار اور گفتگو میں ایک دلفریب اثر پیدا کر رہے تھے۔ ایڈا ایک نفیس دلکش جسم کے اندر ناشائستہ اور بُری خواہشات رکھتی تھی۔ ایرین کو اسکی دلی ناسیدیوں نے جوانی کی انگلیوں کو روکنے کی ترکیب سکھادی تھی غرض ایڈا ایک شیطان مجسم تھی۔ اور ایرین ظاہر و باطن میں ایسی پاک تھی جیسے ایک خدا ترس عورت کو ہونا چاہیے۔ باوجود سن رسیدگی کے اسکا دل اس درجہ سادہ تھا کہ ایڈا کی ظاہری ہمدردی سے وہ دھوکا کھا کر اسکی مفتون ہو گئی۔ اور پوری سرگزشت بیان کر دی ایرین کی بیادگی طبع مشرقی عمدہ چال چلن اور نیک عادات و اطوار کے سبب تھی۔ گو وہ عیسائی مذہب رکھتی تھی مگر سوسائٹیوں میں شریک ہونے کے عوض گوشہ نشینی میں بسر کرنا زیادہ پسند تھا۔ اور باب

انتقال کے بعد متقی اور پار سا عورات سے ہمیشہ ملا کرتی تھی۔ ہمیں یہ بیان کرنا ایسے ضرور ہو کہ ناظرین ایرین کی خصلت سے بخوبی واقف ہو جائیں۔ ہم نے ابھی کہا تھا کہ ایڈا نے ایرین کے ہاتھ سے صندوقچہ لیا اور اسکو کھولنا ہی چاہتی تھی کہ ظنین آگیا۔ ایرین (جو اٹھ کھڑی ہوئی تھی) ایک نظر دیکھتے ہی پھر اسی کوچ پر گر پڑی جس پر پہلے بیٹھی تھی۔

ایرین۔ (دردناک لہجے میں) ”وہی۔ وہی صورت ہے۔“ یہ کہہ کے ہاتھوں سے اپنا منہ ڈھانپ لیا۔ ایرین کی یہ پرجوش ادا کوئی تعجب خیز امر نہیں ہے۔ اس شخص کا یکا یک پیش نظر ہو جانا۔ جسکی تصویر پندرہ برس سے دل میں نقش تھی۔ ابتدائی عشق کے تمام دلو لے کو از سر نو تازہ کرنے کے لیے کافی تھا۔ سچی محبت اور پاک عشق کی امنگ ایسی ہے کہ سوا موت کے کوئی اور اسکو دل سے جدا کر نہیں سکتا۔ ظنین سے نگاہ ملنا ہی تھی کہ اسکو تمام گزشتہ باتیں یاد آ گئیں۔ وہ اسکا مکان۔ وہ خانہ باغ جہاں دونوں ٹھہلا کرتے تھے۔ وہ اسکا قول و قرار جو اس مقام پر کیا تھا۔ ایرین کو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کل ہی یہ حالات گزرے ہیں۔ لیکن موجودہ حالت کے خیال نے اُن دچسپ واقعات کو دل سے نکال دیا۔ اور ایرین کو یاد آگیا کہ وہ مبارک ایام گزر کر کئی سال کا زمانہ ہوا۔ اور میں اُسی شخص کے روبرو کھڑی ہوئی ہوں جس نے مجھے بھول کر دوسری عورت سے شادی کر لی ہے۔“

امیر ظنین۔ (بے رحمی سے) ”یہ کون عورت ہے؟“

ایرین۔ (آنسو بہا کر) اتنی دہ بالکل ہی مجھے بھول گیا۔“ یہ کہہ کے جلدی سے اٹھی اور کمال نرمی کے ساتھ ایڈا کے ہاتھ سے دیا ہوا صندوقچہ واپس لیکر اس میں سے ایک بیش قیمت عمدہ مالا باہر نکالا۔

ایرین۔ (آنسو پونچھ کر آہستہ سے) ”خداوند! میں نے آپ کو بھرا ایک مرتبہ دیکھنے کے لیے نہایت دور دراز کا رنج وہ سفر اختیار کیا۔ اور اب صرف یہ تمنا ہے کہ اس قیمتی زیور کو واپس دید لے جاؤں۔“

جو آپ نے مجھے اس زمانے میں دیا تھا جسکو شاید آپ بھول گئے ہیں۔ جب ایرین نے یہ قسمیں



گر ہی تھی تو ظنین کے دل میں ایک وحشت سی پیدا ہونے لگی۔ اُسی پریشانی کے عالم میں چند ایسے کلمات کے جو مطلق سمجھ میں نہ آئے۔

ظنین۔ (تال کے بعد) ”ہاں اب مجھے خیال آیا تم ایرین سوداگر دمشق کی بیٹی ہو؟ اور یہ کالا۔۔۔ ہاں میں نے تمہیں دیا تھا۔ جس طرح تم کہتی ہو۔ میں امید رکھتا ہوں کہ کچھ بدگلی کی وجہ سے نہیں۔۔۔“ ظنین کچھ اور کہنا چاہتا تھا۔ مگر زبان نے یاری نہ دی۔ ان محقر جلوں کی ساعت کے وقت غالباً ایرین کے دل پر حیرت چھا گئی جس کا اثر چہرے سے نمودار ہونے لگا۔ جب پہلی دفعہ آواز سنی گئی۔ اُس وقت اُس کے دل میں کچھ ایسے پردہ خیالات بھر ہوئے تھے کہ پوری توجہ نہ کر سکی۔ لیکن جب دوسری مرتبہ ظنین نے بات کی۔ ایرین اس آواز کو خود سے سن کر چونکی اور تعجب اور خوف سے اُسکی صورت دیکھنے لگی۔ ظنین اُسکی اس ادا سے گہرا اٹھا۔ دیکھا تو ایرین کے بشرے سے غصہ و غضب پایا جاتا ہے۔ آخر اس درجہ پریشان خاطر ہو گیا کہ زبان سے بات نکلنا دو بھر تھی۔ چند لمحے طرفین میں خاموشی رہی۔ ایڈا اپنے شوہر اور ایرین کو متعجبانہ نظر سے دیکھ رہی تھی۔ اور دل میں تردد بھرا تھا۔ ظنین کے دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ انتہا سے زیادہ مضطرب و بدحواس ہو رہا ہے۔ اور ایرین اس قابل نہ رہی کہ اپنی نظر ظنین کے چہرے سے ہٹا سکے۔ یہ پریشانی اور تردد کا سماں جو کسی مخفی راز سے متعلق تھا۔ دفتہ دور ہو گیا۔ ایسے کہ ایرین نے ایک آہ سرد بھر کر دھشیا نہ طور پر اٹھ کر کوپٹک کر بولی۔ وہ نہیں۔ نہیں۔ میں ہرگز فریب میں نہ آؤں گی۔ تم وہ ظنین نہیں ہو جس نے میرے ساتھ وفاداری کا اقرار کیا ہے۔ تم وہ نہیں ہو جسکی صورت میری آنکھوں میں بھری ہوئی ہے۔ یہ کہہ کر لاہند دپے میں کھ لیا۔ اور دبانے باہر نکلی۔ ابھی دروازہ بند ہوا تھا کہ شرمن کمرے میں آجھو دہوا

## اکتیسواں باب

بے سود دھکیان۔ نقاب آئینہ

شرمن کے یکایک اندر گھس آنے پر ایڈا کا چہرہ غصے سے تپتا نہ لگا۔ ظنین بیچ رہی تھی





شرمن۔ (ظنین اور ایڈا کی طرف بڑھ کر) ”بس کیجیے لیڈی صاحبہ! مناسب ہوگا کہ آپ مجھے غصہ دلا کر افشاے راز سے —“ شرمن کے ان الفاظ سے ظنین گھبرا گیا۔ اور اپنے کانپتے ہوئے ماتھے سے اسکا ماتھہ تھام کر کہا ”شرمن!“

شرمن۔ (برہمی سے) ”خیر میں اس راز کو افشا کر نا نہیں چاہتا ہوں۔ تم اپنی عورت سے کدو کر یا تو میرے معاملات دیکھ کر خاموشی اختیار کرے۔ یا مجھے مردت کے ساتھ پیش آئے۔ کیا مجھے بھی ایک سگ بازاری سمجھی۔ جو اسطرح جھڑک رہی ہے؟ اور کیا میں اسکی حقیقت سے کچھ ناواقف ہوں؟ لیڈی تریزا کی ایک ادنیٰ خادمہ نے اب ایک امیر کی بیوی ہونے کی وجہ سے نہایت غرور پیدا کیا ہے۔“ یہ کہہ کر شرمن نے اپنی وحشیانہ آواز سے قہقہہ لگانا شروع کیا۔ ایڈا انتہائے غضب و غصہ سے سر تا پا کانپنے لگی۔ اور اسی عالم میں شرمن کو مخاطب کر کے کہا ”ابھی یہاں سے نکل! ورنہ میرے ملازم تجھے باہر ڈھکیل دیں گے۔“

شرمن۔ (غصے کے سبب تھر تھراتا ہوا) ”ظنین! تم نے سنا کہ وہ کہتی کیا ہے؟ خدا کی قسم میں —“ ظنین۔ (عاجزی سے) ”خاموش رہو۔ شرمن!۔ اور تم ایڈا! یہاں سے چلی جاؤ۔“ شرمن میرا قدیم رفیق ہے۔ اس کے ساتھ ایک مغز مہمان کی طرح پیش آنا چاہیے!۔

شرمن۔ (ایڈا کی طرف دیکھ کر) ”بیشک ایک بادقار مہمان سمجھ کر مجھے مدارات کرنا ضرور ہے۔“ ایڈا۔ (ظنین سے) بزدل کہیں کا! تمہاری بیوی تمہارے ہی روبرو ذلیل کیجاتی ہے۔ ادا تم بیٹھے دیکھ رہے ہو چاہے کچھ ہو۔ میں اسکا عوض ضرور لوں گی۔ میری دھمکیاں خالی نہیں۔ یا تو خدام اس باجی کو ابھی باہر نکال دیں گے۔ یا خود میں آج ہی شب میں کوئی اور مکان کیمنگی! ظنین۔ (ایڈا کو تھوڑے فاصلہ پر لپٹا کے آہستگی مگر غصے سے) ”سنو! تمہارے بھی چند راز ہائے مخفی ہیں جنہیں میں نے کبھی دریافت نہیں کیا۔ اسی طرح میرے بھید و ن میں بھی تم دخل نہ دو۔ یہ بے سود کی دھمکیاں ہیں۔ اسکو کچھ سخت و ست کہنا۔ اور خرافات کہنا دیوانگی اور بیہودہ پن ہے۔ خوب یاد رکھو کہ اگر میں بے حرمت ہوا۔ یا میرے عیوب ظاہر

ہونے سے کسی طرح عزت میں بٹ لگا تو میرے ساتھ تھیں بھی نقصان پہنچے گا۔  
ایڈا: ”یہ تو فرمایے کہ یہ قوی تن دہقان کون ہے جسے اس درجہ آپ پر عجب ڈال رکھا ہے؟“  
ظرنین: ”وہ بات تم سے نہ کہی جائیگی۔ لیکن وہ تمہاری دل شکن حرکات سے تنگ۔ اگر  
افشاںے راز پر (ظرنین بیان رک گیا) میں زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ خبردار پھر کبھی  
اسکے ساتھ زبان درازی نہ کر بیٹھنا!“

ایڈا: اس متشکی حالت میں رہنے اور آئے دن جھگڑے و فساد میں مبتلا ہونے کی نسبت  
مجھے بہتر معلوم ہوتا ہے کہ اُس بھید کی اصلی کیفیت اسے آگاہ ہوں۔ اور جو کچھ اسکا نتیجہ ہو خوشی  
اپنے سر پر لون۔“

ظرنین: (غصے سے دانت پیسکر) ”تم مجھے نا ملائم الفاظ کہنے پر مجبور کیے دیتی ہو۔ اور  
اپنی راہ میں آپ کاٹے بچھا رہی ہو۔ اگر میرے دوست کی بے عزتی کرو گی۔ اور اسکو اسقدر  
غصہ دلاؤ گی کہ وہ میری ایذا رسانی پر مستعد ہو گیا تو یقین سمجھو اسی وقت انسران کو تو ا لی  
تمہارا اظہار لینے کے لیے آ جائینگے کہ وہ نومو لو د بچہ جو تم نے جنا۔ اور جو — — —“ ایڈا  
گھبرا گئی۔ کہا بس کیجیے حضور! آپ نے مجھے عاجز کرنے کی اچھی تدبیر سوچ رکھی ہے۔“ ایڈا  
کا دل غیظ و غضب سے اسقدر مملو تھا کہ اُسکا دلیر با چہرہ تھوڑی دیر بے رونق بنا رہا۔ ظرنین  
مضطربانہ ادا سے شرمین کی طرف دیکھنے لگا۔ ظاہر ا کوئی غصہ کی علامت اسکی صورت سے  
نہ پائی جاتی تھی۔ ایڈا دیر تک خاموش کھڑی رہی اور اس اشنا میں اپنے جوش غضب کو  
روک کر سہولت اور نرمی کے ساتھ گفتگو کرنے کے قابل بن گئی۔

ایڈا: ”اچھا۔ میں آئندہ کبھی آپ کے خفیہ امور میں دخل نہ دوں گی۔“ یہ کہہ کر اُس کمرے  
سے نکل گئی۔ لیکن یہ سب نرمی و ملائمت صرف دکھانے کے لیے تھی۔

دریاے نیل کا کنارہ جو باریک ریت سے بھرا ہوا ہے۔ ایسا پر فضا اور دلکش نظر  
آتا ہے کہ ہر مسافر کا دل بانی کے قریب سے چلنے کے لیے بیتا بیان کرتا ہے۔ اور پانی نہایت

سہولت سے بغیر توجہ و تلامطم بہتے رہنے کی وجہ سے کنارے کی دھچپی دو چند نظر آتی ہو۔ مگر جب کوئی رہبرِ حاس عظیم الشان دریا کی طاہری سکون پر اعتماد کر کے پانی کے قریب سے گزرتا ہو تو آسمین کے صیب و زندے اُسکو ایسے منہ میں ڈال لیتے ہیں۔ جہاں سے پھر رہا ہونے کی امید نہیں۔ ایڈا کی ملائمت اور خموشی بھی اس وقت اُسی طرح کی تھی جب اُسے اپنے شوہر سے مذکورہ بالا الفاظ کہے۔ لیکن چند خاص باتوں کی فکر نے اس وقت اُسکے دل سے ظرین و شرمین کے معاملات کو بھی بھلا دیا تھا۔ لیڈی تریزا کو زہر کا استعمال کرائے چھ مہینے کا عرصہ ہو گیا تھا۔ اور اب تک کچھ اثر نمایاں نہ ہوا۔ تریزا کے چہرے سے اُداسی اور غمگینی پائی جاتی تھی۔ مگر صحت میں کوئی خلل نہ تھا۔ ایڈا ہمیشہ اس تحسین میں لگی رہتی تھی کہ تریزا کو کچھ اندرونی مرض ہو یا نہیں۔ اور آسمین وہ کل علامات پائی جاتی ہیں یا نہیں جو وہ اساز بڑھیا نے بتائی تھیں۔ یعنی جسم کا تدریج گھلنا۔ زندگی سے بے لطفی پیدا ہونا۔ غذا سے نفرت تشنگی کا غلبہ۔ وغیرہ انین سے ایک علامت بھی تریزا میں نہ تھی۔ ایڈا کو اکثر خیال ہوا کہ اس بڑھیا نے مجھے دھوکا دیا ہی۔ اسی لیے کئی مرتبہ چائے پھر اُسکے پاس جا کر اسکی دوا کی بے اثری کا حال بیان کرے۔ لیکن باوجود ذی ہمت اور قوی دل ہونے کے پھر اُس وحشت انگیز مقام پر جانے میں پس و پیش کرتی رہی۔ اور سمجھی کہ بڑھیا نے غلطی سے مرکبات میں کچھ کم و زائد کر دیا ہو گا۔ اس صورت میں کیا عجب کہ دیر سے تاثر ہو۔ آخر اسی انتظار میں وہ بیٹاب ہو گئی۔ اور مصمم ارادہ کر لیا کہ دوبارہ اُسکے پاس جا کر یہ حال بیان کرے اور ممکن ہو تو کوئی دوسرا قوی العمل عرق لے آئے۔ لہذا جب ظرین اپنے دوست شرمین کے ساتھ بادہ نوشی میں مشغول ہوا تو ایڈا نے اُس ناہنجار بڑھیا کے گھر کا رستہ لیا۔ اور تھوڑی ہی دیر میں منزل مقصود پر پہنچ گئی۔ بچے کی کھڑکیاں حسب معمول بند تھیں۔ اور اوپر سے کچھ دھیمی روشنی نظر آرہی تھی۔ ایڈا نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ اور دس منٹ تک منتظر کھڑی رہی۔ لیکن نہ تو جواب ملا آیا۔ نہ کسی کے پاؤں کی آہٹ سنی گئی۔

ایڈا۔ (دل میں) بڑھیا اپنی دوا سازی میں اس درجہ مشغول رہتی ہو کہ بحرِ ادویہ کے ابلنے اور

جوش کھانے کی آواز کے دوسری کوئی صدا اُسکو مطلق سنائی نہیں دیتی۔ یہ مکمل دروازے کو زور سے  
 ڈھکیلا اور وہ کھل گیا۔ وہ پھر اندر کی جانب سے بند کئے اُس کو ٹھہری کی طرف بڑھی جان پہلے  
 دن بڑھیا سے ملی تھی۔ وہ کو ٹھہری اُسی حال میں تھی جیسے کہ ہم آگے بیان کر چکے ہیں۔ میب  
 شکلیں بڑے بڑے شیشوں میں بدستور بند تھیں۔ الماری کا دروازہ کھلا تھا۔ اور مختلف الاوضاع  
 شیشے اقسام کے عرقیات سے بھرے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ قلعہ انبیق بھی میز پر علی حالہ رکھی تھی  
 وہ صندوق جسکے ڈھکنے پر روزن کیے گئے تھے۔ اُسی جگہ پر تھا۔ اور انسان کے اندرونی  
 اعضاء جو موم سے بنائے گئے تھے۔ اور جو بالکل اصلی معلوم ہوتے تھے اُسی طرح تھے۔  
 باون دستہ جسکی درازی تخمیناً چار فٹ کی ہوگی چوڑھے کے قریب تھا۔ اور یہی ایک چیز اپنی جگہ  
 پر نہ تھی۔ جو لھانا بیت درستی سے جل رہا تھا۔ اور خود بڑھیا ایک کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اور  
 اپنے ماتھ باون پر رکھے تھی۔ اور معلوم ہوتا تھا کہ وہ ادویہ کے بارے میں کچھ تجویز کر رہی ہو  
 ایڈا قریب گئی۔ باون کے نزدیک ہوتے ہی ایک ایسی بو آئی جس سے چکر سا معلوم ہوا اور  
 سر پھرنے لگا۔ کھڑکی کے پاس جا کھڑی ہوئی تاکہ صاف ہوا سے تسکین حاصل ہو۔ اور غلیظ  
 ہوا خارج ہو جانے کے لیے کھڑکی کھول دی۔

اتناسب ہوا مگر بڑھیا بے حس و حرکت اُسی طرح بیٹھی کی بیٹھی ہی رہی۔ ایڈا پر خوف طاری  
 ہوا اور چاہتی تھی کہ نکل جائے۔ اُسی میں پھر ہمت نے مدد کی۔ اور وہ بڑھیا کی طرف بڑھتی۔ جب  
 قریب پہنچی تو اُسکے پاؤں سے کوئی چیز لگی۔ دیکھا تو آئینہ کی نقاب کے ٹکڑے ہیں۔ بڑھیا  
 دو اگریم کرنے کے وقت منہ ڈھانپ لیتی تھی۔ ایڈا کا گمان ترقی کر گیا۔ اور ساتھ ہی غور کی نگاہوں  
 سے بڑھیا کو دیکھا تو یقین ہوا کہ مردہ ہے۔ اُسکی وجہ یہ تھی کہ نہ ہر کو جوش دینے کے وقت آئینہ  
 ٹوٹ کر نیچے گر پڑا اور اُسکا پرزہ ردھوان ناک اور منہ میں پہنچتا ہی تھا کہ بڑھیا کا اسی وقت  
 کام تمام ہو گیا۔ اُس ملعونہ کی شکل زندگی ہی میں اس درجہ میب تھی (جو آگے بیان ہو چکا ہے)  
 پس قیاس کرنا چاہیے کہ مرنے کے بعد کس قدر وحشت انگیز نہ ہوئی ہوگی۔ ایڈا باون سے پھر گئی



خوف سے نہیں۔ بلکہ نفرت سے۔ ایسے کہ اُسکو مردے کے دیکھنے سے یا قریب ہونے سے بالکل خوف اور دہشت نہ ہوتی تھی۔ اُسکا خطا کار اور بدھی سے بھرا ہوا دل نہایت سخت تھا۔ بڑھیا کی موت پر ایڈاکو ذرا بھی افسوس نہوا۔ جو اُسی چیز سے مری تھی جس سے دوسروں کی جان لینے کی تجویزین سوچا کرتی تھی۔ ایڈاکے دل میں مطلق رحم نہ تھا۔ لیکن بڑھیا کی موت کے سبب اپنے خاص کاموں میں خلل واقع ہونے کے خیال نے البتہ اُسے رنجیدہ کر دیا تھا۔

## بیسواں باب

### جبال آپس

افسوس! اگر اہل زمانہ کی بدنیتی فریب و دغا۔ حرص و ہوا دنیا کو اُس وحشت انگیز مقام سے مشابہ نہ کرتی جسکے خیال کرنے سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور جسکا نام عرف میں دوزخ رکھا گیا ہو تو دنیا بھی بے شبہ ایک نمونہ بہشت ہوتی۔ جب زمین قیمتی فصل سے سرسبز و شاداب ہوتی ہو۔ اور کسان خوشی و خرمی سے اُس ساعت کا منتظر رہتا ہو کہ اپنی جان کا گامحت کا اثر حاصل کرے تو غنیمت کی فوج کشی اُس سرسبز قطعہ کو تباہ و برباد کر دیتی ہو۔ جب کوئی سوداگر دور و دراز کے سفر کی مصیبتیں جھیلے ہوئے اپنے زن و فرزند کے اشتیاق دید میں وطن کو واپس آتا ہو۔ اُس وقت شب تاریک میں کسی ظالم قزاق کی خونخوار شمشیر اُسکے حسرت بھرے سینے میں چھوئی جاتی ہو اور وہ تمام امیدیں خاک میں مل جاتی ہیں۔ جو اُس ہلاکش مسافر کے اور نیز ان لوگوں کے دلوں میں تھیں جو مسرت کے ساتھ اُسکی واپسی کا انتظار کر رہے تھے۔ جب کوئی نیک نفس عادل خدا ترس

لے آپس یورپ کے مشہور پہاڑوں کا سلسلہ۔ اٹالی سفرائس۔ اسٹریا۔ اور سوٹزر لینڈ کے ملکوں میں

یہ سلسلہ بہونچتا ہو۔ اور یورپ کے تمام پہاڑوں سے ملتا ہو۔ اسکی بلند ترین چوٹی مانٹ بلائک ۱۵۷۸۱ قدم کی ہو

یورپ کی بڑی بڑی ندیاں جیسے ڈانیوب۔ رین۔ اون۔ اور پو۔ انھیں پہاڑوں سے نکلتی ہیں۔ ۱۲



بادشاہ اپنی رعایا کی دلہ ہی فرض عین سمجھ کر اپنی زیست انھیں کی بہبودی میں صرف کرنے لگتا ہے۔  
 تو موت کا قوی اور پرزور ہاتھ اُسکو تخت سے جدا کر دیتا ہے۔ اور کوئی جابر اور ظالم اُسکا جانشین  
 ہو جاتا ہے۔

خداوند عالم نے بہبودی خلافت کے لیے کیا کیا سامان مہیا کیے ہیں۔ مگر آہ! انسان کی  
 طبع حریص قناعت اختیار کرنے سے مانع ہوتی ہے۔ اور دنیا بھر کی رنج و تکلیف اس بدکار  
 نصبت کا ضروری نتیجہ ہے۔ تحصیل مال کے لیے یہ دائمی جھگڑے۔ یہ آئے دن کی لڑائیاں۔  
 اور شب کے بکرو فریب۔ دوسروں پر برتری حاصل کرنے کی سرگرمی کے ساتھ کوششیں۔ بچے  
 ہمسایوں پر فوقیت لیجانے کی بے انتہا فکر گو اُسکے حاصل ہونے میں کئی گناہ صادر ہوں اس  
 نہر سے جو رزاق مطلق نے سب کے معتدل استعمال کے لیے جاری کی ہے سب سے زیادہ نوش  
 کر جانے کی کبھی نہ بجھنے والی پیاس۔ یہ بیٹھ بھڑکا۔ یہ پریشانی و پرانگندگی۔ یہ مکر و فریب۔ یہ سازشیں  
 یہ رہزنی و دل آزاری۔ جو مسافران دنیا کا پیشہ ٹھہرا ہے۔ عام امن و آزادی اور باہمی ہمدردی  
 و خیر خواہی میں خلل انداز ہوتی ہیں۔

بندگان خدا کی خیر خواہی اور اُنکے ساتھ میل جول رکھنے کے لیے کروڑوں ممبروں کے  
 ذریعے ہدایت کی جاتی ہے۔ اور کروڑوں روپیہ کے صرف سے علماء و اعظین مقرر کیے گئے ہیں  
 تاہم لوگ باوجود مہذب اور شائستہ ہونے کے اُن فیاضیوں اور نیکیوں سے محروم ہیں  
 جو زندگی میں لطف پیدا کرنے والی ہیں۔

آٹھ انھیں خیالوں میں آہستہ آہستہ ایک تنگ رستے سے جو صوبہ کارنٹلیا کے ایک  
 گنجان جنگل میں واقع تھا گھوڑے پر سوار جا رہا تھا۔ شہر دیاناکا بدکاریاں اور دھان کے  
 جرائم سے وہ اس درجہ تنگ آگیا تھا کہ اُسکو شہر کے نام سے نفرت پیدا ہو گئی تھی۔ اور

لہ کارنٹلیا صوبہ آسٹریا۔ یہ صوبہ پہاڑی ہے اور اسکا اکثر حصہ ویران پڑا ہے۔ لوہے۔

سیسے۔ تانبے کی کان اس میں بہت ہیں۔ ۱۲

اسی لیے چاہتا تھا کہ چند وزان دہقانی لوگوں کے ساتھ زندگی بسر کرے۔ جو شہریوں کی فضول خرچی اور دہان کے جھگڑوں سے محفوظ رہا کرتے ہیں۔ وہ ایک قد آور گھوڑے پر سوار تھا اور اسلحہ سے آراستہ تھا کوئی ملازم ہمراہ نہ تھا۔ اُس گمنام بوڑھے کی غیبی تائید سے اُسے ہفتہ استطاعت حاصل تھی کہ یہ فکر اپنے مرغوب طبع مقامات میں سفر کر سکتا تھا۔ الغرض وہ کوہ بول سے گذر کر سہولت کے ساتھ جبالِ آلیپس کی طرف جارہا تھا۔

اب وہ ایک گھنے جنگل میں ہو جسکو غروبِ آفتاب کے بیشتر طو کر دینا چاہتا ہے۔ اور آفتاب ڈوبنے کے لیے صرف تین گھنٹے کا عرصہ باقی رہ گیا ہے۔ لہذا اُس نے گھوڑے کو تیز چلانا شروع کیا اور برابر اُسی سمت بڑھے جاتا تھا۔ جس طرف اُس مسافر نو از دہقان نے جکے بان شب گذاری تھی بنا دیا تھا۔ جنگل طو ہوا۔ آفتاب کی آخری شعاعیں پہاڑوں کی برف سے بھری ہوئی چوٹیوں پر چمک رہی تھیں۔ تھوڑی دیر میں آسمان پر سیاہ ابر دوڑنے لگا۔ تاہم کبھی کبھی اُن سفید چوٹیوں کی فطرتی چمک دمک نظر آہی جاتی تھی۔ جنگل کے کنارے کچھ فاصلہ پر ایک جھونپڑا تھا۔ اُس کے ساکنوں نے آٹو کو کمالِ خلق و مروت سے مہمان رکھا۔ ہمارا نوجوان مسافر دوسرے دن صبح اُصبح اُٹھا۔ سورج نکل رہا تھا۔ اور اُسکی شعاعیں ابر کے پھٹے ٹکڑوں سے گذر کر پہاڑوں کی سفید چوٹیوں پر چمکنے لگیں۔ آٹو نے صبح کے ناشتے سے فراغت حاصل کی۔ اور گھوڑے کو دہن بندھا ہوا چھوڑ کر آپ تفریحِ طبع کے لیے پہاڑوں کی جانب بڑھا۔ پورے ایک گھنٹے کی رفتار سے اُسکو ایک بلند قلعہ کوہ کے دامن میں پہونچا دیا۔ یہ چوٹی اس درجہ بلند تھی کہ اوپر چڑھنے میں دو گھنٹے صرف ہوئے۔ وہاں ایک سطح زمین دکھائی دی جس پر سبزی کا زرد گون غرش کمالِ دلفریبی سے بچھا تھا۔ آٹو وہاں ٹھہر کر اُس سین کی فضائے لطیف اُٹھانے لگا۔ اُن برف سے بھری ہوئی چوٹیوں اور آسمان کا نیلگون رنگ عجیب نظر فریب کیفیت دکھا رہا تھا۔ موسم سرما کا وہ دائمی لباس (یعنی برف) آفتاب کی روشنی سے اس قدر روشن ہوا تھا۔

۱۵ یورپ کے اکثر پہاڑوں پر سردی کے سبب ہمیشہ برف جمی رہتی ہے۔ ۱۲

کہ نگاہیں اپنا کام کرنے سے عاجز ہو جاتی تھیں۔ اور اس دیرانے میں نیچر کی نیرنگیاں  
 لطیف انگیز اور دل کھانے والی شکل میں جلوہ گر تھیں۔ آٹو آگے بڑھنے لگا۔ وہاں ایک پچیدہ  
 رستہ نظر آیا۔ جو پہاڑوں پر کسی طرف جارہا تھا۔ اسکے قریب بڑے بڑے میب غارتھے۔ اور  
 جہر نظر جاتی تھی پورا وحشت انگیز سان دکھائی دیتا تھا۔ اور جو بلند پر چڑھتا جاتا تھا۔ نیچے  
 کی سطح ایک بہت ناک صورت میں نظر آتی تھی۔ اور دور دراز کی بلند چوٹیاں دیکھنے سے معلوم  
 ہوتا تھا کہ گویا اسکو آنکھیں نکال کے ڈرا رہی ہیں۔ آٹو ان تمام مقامات سے نکل کر ایک ایسے  
 قطعہ پر پہونچا۔ جہاں سے وہ رستہ پھر کر ایک بلند چوٹی کے اطراف سے جاتا تھا۔ وہاں ایک بہت  
 بڑا غار تھا۔ اس مقام کو نگاہ تامل سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ بھی وحشیانہ وضع سے ترشا ہوا ایک  
 زینہ ہے اور غالباً کسی نے کچھ غرض سے بنایا ہے۔ آٹو زینے کی راہ سے نیچے اترنے پر آمادہ ہو گیا  
 قبل اسکے کہ وہ اپنی پرخطر رفتار شروع کرے یہ سوچنے لگا کہ یہ زینہ کہاں تمام ہوتا ہے۔ اور جانا کہ  
 ہے؟ لیکن چند چٹانیں جو ابھری ہوئی تھیں نگاہ کو حائل تھیں۔ اور نہیں معلوم ہوتا تھا کہ نیچے  
 کیا ہے؟ آٹو۔ کے دل میں اسکے لم دریافت کرنے کی تمنا اور بڑھ گئی۔ وہ نہایت دلیر تھا اسی وجہ سے  
 ایسے پر خوف مقام میں جانے سے بالکل غڈرا۔ الغرض اس غار کے قریب والے زینے سے  
 اترنے لگا۔ اور برابر آدھے گھنٹے تک چلا گیا۔ غار کی جانب اس خون سے نہ دیکھتا تھا کہ مسابا  
 دہشت کے سبب غشی نہ طاری ہو۔ آخر اس ابھری ہوئی چٹان کے نیچے جا پہونچا جسکا ذکر  
 ابھی ہوا ہے۔ یہاں سے رستہ کشادہ تھا۔ اور ایک شگاف کوہ کے درمیان سے کسی طرف جارہا  
 تھا۔ باوصف وحشت انگیز سیکڑوں نمونے دیکھنے کے آٹو اپنے ذہن میں سو گز فاصلہ تک  
 بڑھتا چلا گیا۔ وہاں ایک عالی شان دروازہ دکھائی دیا جو نہایت مستحکم تھا اور جس پر لوہے کے  
 ڈنڈے پڑے ہوئے تھے۔ آٹو جو اب تک نظربچی کیے چل رہا تھا۔ سر اٹھا کر دیکھا تو دروازے پر ایک  
 ایسی دیوار تھی جو نہایت طویل و عریض اور بہت مضبوط تھی۔ بلندی اس قدر زیادہ وجود دیکھ کے  
 نیچے بہت سی ٹیکریاں تھیں اس دیوار کے دوسری جانب کا حال دریافت کرنا ممکن تھا۔ تاہم آٹو

کو از روئے فراست اتنا معلوم ہوا کہ یہ دیوار ایک مستحکم قلعہ کی ہر جو کسی بڑے سے بڑے محاصرے کے بھی متحمل ہونے کے قابل بنائی گئی ہو۔ اور اُس زمانے میں عادت تھی کہ ایسے مقامات میں جہاں انسانی کاموں کو نیچر کی مدد بہت پہنچتی ہو، عظیم الشان قلعہ تعمیر کیے جاتے تھے۔ جب آٹو اسی تردد میں کھڑا ہوا تھا۔ یکایک اُس دروازے سے ایک کھڑکی جلدی کے ساتھ کھلی۔ اور کسی شخص کی آواز اندر سے یہ کہتے ہوئے سنائی دی۔

”اے اجنبی مرد!۔ جا سبب کہ تو میرے حال زار پر رحم کر اور مجھے اس زندانِ بلا سے چھڑا۔ حسین میں زمانہ دراز سے آفتیں جھیل رہا ہوں۔“ آٹو نے کھڑکی کی جانب دیکھا۔ جب اُسکی نظر اُس شخص کے حسین چہرے پر پڑی جو اس سے رہائی کا طالب ہوا تو آٹو تیر و ششدر ہو گیا کیونکہ وہ اُس اسیر غم کی صورت سے بخوبی واقف تھا۔ لیکن ہنوز اُس شخص نے اپنی تقریر ختم نہ کی تھی کہ اُسکی شکل آٹو کی نظر دن سے غائب ہو گئی۔ اور ایک دوسری آواز اس پر طاعت کرنے ہوئے کان میں آئی۔ اور کھڑکی بزور بندہ کر دی گئی۔

## تینتیسواں باب

### چند عجیب و غریب مقامات

آٹو وہاں متعجب کھڑا یہ سوچ رہا تھا ”صورت تو وہی ہی ہو! گو اب اُس پر بے رونقی اور افسردگی پائی جاتی ہو۔ مگر میں ابھی طرح پہچان گیا۔ میں جسدِ شہر و یانا سے نکلا وہ تو وہیں تھا۔ پھر اس قدر جلد اس قیدِ مصیبت میں کیونکر پھنس گیا؟ مان اتنا البتہ ہو کہ میں نے اپنے سفر میں متروک مقامات پر قیام کیا ہو۔ لیکن وہ تو کہتا ہو کہ مدت دراز سے بتلائے مصیبت ہوں۔ تعجب۔ ہزار تعجب کی بات ہو۔۔۔ اگر وہ بغرض محال اُسی دن و یانا سے نکلا ہو جس دن کہ میں نکلا تھا۔ اور بہت جلد طوفانِ نازل کرتا ہوا آیا ہو اور آتے ہی اسیر کر لیا گیا ہو۔ جب بھی میں دن سے زیادہ کا عرصہ نہ لوگا۔ مگر اُسکا یہ قول مجھے حیرت میں ڈال رہا ہو کہ ”میں ایک زمانے

سے مقید ہوں۔ افسوس! قید کی مصیبتوں نے اُسکے دماغ کو بھی منتشر کر دیا ہے۔ آٹو انجین خیاالات میں کھڑا تھا کہ یکایک دروازہ کھلا۔ اور چھ مسلح شخصوں نے آکر اُسکو گھیر لیا۔ اُن لوگوں نے بجز قریب پہنچنے کے اسکی آنکھوں پر پٹی باندھ دی اور ہاتھوں پر اٹھائے ہوئے دروازے سے گزر کر بہت دیر تک ایک مسلم زمین پر سے جانے لگے۔ اُسکے ہاتھوں کی آواز گونج رہی تھی جس سے آٹو نے قیاس کر لیا کہ یہ کوئی تہ خانہ ہے۔ خیر۔ تھوڑی مسافت طے کرنے کے بعد اُن لوگوں نے اُسکو نیچے چھوڑ دیا اور جبراً ایک زینے پر چڑھانے لگے۔ آٹو کو اتنی دلچسپی اُسوقت بھی حاصل تھی کہ اُس نے اپنے کمرے کے ستر درجے گن سکے۔ آخر وہ منزل بھی طے ہوئی۔ اور تمام اُس مقام پر کھڑے ہو گئے اندازاً معلوم ہوتا تھا کہ وہ کسی دروازے پر پہنچے ہیں جو بند رہنے کی وجہ سے رُک رہنا پڑا۔ ایک آواز دے تھوڑی دیر انتظار کرنا ہو گا۔“ اسی وقت بازو والے کمرے سے نہایت عمدہ رنگ کی آواز ائی جسکی سریلی اور پیاری صدا سے وہ کل قطعہ گو بنجھنے لگا۔ آٹو اُس دلربا رنگ کی سماعت سے اسدرجہ بخود ہو گیا کہ نہ موجودہ آفت ہی کی خبر رہی نہ آنکھوں پر پٹی بندھی ہونے کا خیال تھا۔ اور نہ اُس ہمدرد کی تمنائے ربانی کا دھیان رہا۔ جب رنگ ختم ہوا آٹو کے کاندھے پر کسی نے آہستہ سے تھپک کے موٹی آواز میں کہا: ”اب ہمیں آگے بڑھنا چاہیے۔“

آٹو چونک پڑا۔ رنگ ایسا دلچسپ اور مست کر دینے والا تھا کہ آٹو کو اپنے سر اور پیر کی خبر نہ تھی۔ آخر ایک شخص کے حرکت دینے سے وہ ہوش میں آیا۔ اب تمام لوگ اُسکو ساتھ لیے ہوئے چل رہے ہیں۔ اور وہ دروازہ جو اس سے پہلے بند تھا۔ اب کھل گیا ہے۔ وہ جگہ نہایت کشادہ تھی۔ کیونکہ اُسکے طے کرنے میں بہت دیر لگی۔ آٹو کو قرینتاً معلوم ہوا کہ وہ عبادت گاہ ہے۔ اسلئے کہ اُسکے ہمراہی جب ایک مقام پر پہنچے تو اُسکے محافظین کچھ دعا پڑھنے لگے جس سے قیاس کیا جاسکتا تھا کہ وہ اب مقدس مقام آب مقدس رومن صیائیوں کے گرجاؤں میں نک کا پانی ایک چھوٹے سے حوض میں آیات وغیرہ دم کر کے رکھتے ہیں۔ جب لوگ عبادت کے لیے گرجا میں داخل ہوتے ہیں اُس پانی کے چند قطرے جسم پر چھڑک لینا انکے نزدیک پاکی کی علامت ہے۔ اور اس حوض کا نہایت ادب کیا جاتا ہے۔ از بلا کیس این سیکلوپڈیا۔ ۱۳۔



کا حوض ہے۔ یہ رستہ بھی طوی ہوا۔ اور ایک کھلی جگہ پر پہنچے۔ اسکا کشادہ ہونا آٹو کو اسطرح معلوم ہوا کہ پہاڑ کی ٹھنڈی ہوا جسم کو محسوس ہو رہی تھی۔ غرض وہاں سے گذر کر ایک بڑے دروازے پر پہنچے۔ ایک شخص نے زنجیر کھٹکھٹائی۔ لیکن دروازہ نہ کھلا۔

ایک آواز: ”دروازہ بند ہے۔“

دوسری آواز: ”جلد جا کر کنجیاں لے آؤ۔ ہم بین ٹھہرے رہینگے۔“

تیسری آواز: ”اُسکے واپس آنے کے لیے پادگھنٹہ کا عرصہ لگے گا۔ تب تک سر دھوا ہماری جان لے لیگی۔“

چوتھی آواز: ”جلو تب تک ہم اس جگہ پر (تلا کر) پناہ لیں۔ گو وہ مقام کوئی خوش آئند نہیں ہو تا، ہم اس ظالم ہوا کے صدمے سے تو محفوظ رہینگے۔“

پہلی آواز: ”اچھا۔ تو میں کنجیاں لیکر وہاں تھے آملو نکا۔“ پھر وہ مختصر جماعت سیدھی جانب بڑھی۔ اور ایک زینہ اتر کر جسر برت جمی ہوئی تھی۔ کسی مقام پر ٹھہر گئی۔ آٹو کو معلوم ہوا کہ سب کے سب کسی سایہ میں چھپ گئے ہیں کیونکہ ٹھنڈی ہوا کا صدمہ اب اس درجہ محسوس نہ ہوتا تھا ایک شخص: ”اب کتنے ہیں؟“

دوسرا: ”انتالیس۔ کل شام کو ایک اور زیادہ ہوا۔ میں نے اور میرے رفیق کارل نے کھود کر نکالا۔ پہلا: ”کیا تم باور کرتے ہو کہ یہ لوگ کٹھرے کے قریب جا کر مسافروں کو اپنی صورت دکھاتے ہیں؟“ تیسرا: ”ہمیں کچھ شک نہیں۔ وہ اکثر مقامات پر دیکھے گئے ہیں۔ جان کہیں وہ پکڑے گئے تھے اور کبھی کبھی نا تجربہ کار مسافروں کو اس سرحد کی مصیبتوں سے آگاہ کر دیا کرتے ہیں۔“

پہلا: ”اگر میں ایسے ایک شیطان کو بھی دیکھ لوں تو خوف و دہشت سے وہیں گر کر لوٹنے لگوں۔“ ایک ترش آواز: ”(جو آٹو نے اب تک نہ سنی تھی) تم سب کے سب بڑے ہی بے وقوف و احمق ہو۔“ آپس میں شیاطین کا تذکرہ ہو رہا ہے جنہیں نہ تنے کبھی دیکھا۔ نہ اس بارے میں کچھ جانتے ہو۔“ ایک اور شخص: ”فیروز سب کا منکر ہے۔“



وہی ترش آواز ”میں تم سے زیادہ منکر نہیں ہوں۔ ساٹھ برس سے انھیں پہاڑوں میں میری سکونت ہے جو انی بڑھا پاس ہیں گذرا۔ اور کوئی چپہ کوئی ٹیکری۔ کوئی شکات بلکہ کوئی جگہ ایسی یہاں نہیں جس میں نہ پھرا ہوں۔ اور جسکو میں نے نہ دیکھا ہو۔ گو میں نے ایسی بہت چیزیں دیکھی ہیں۔ جسے اب تمہارے اطراف و جوانب میں ہیں۔ لیکن کبھی ناپاک ارواح یا سایہ نہ دیکھا۔“

کارل ”کنبیان لے آیا۔ پھر چلے چلو۔ منت دیر ہوئی جاتی ہے۔“

آٹو نے جب مذکورہ بالا تقریر سنی۔ اسکو ان چیزوں کے دیکھنے کا جو اس کے اطراف سے ہونے کا ذکر کیا گیا تھا۔ اس درجہ متنا ہوئی کہ آنکھوں کی پٹی کھولنے کے صلہ میں بشرط امکان کل روئے زمین کے خزانے دیدیتا مگر جب وہ چہرے تک بھی ہاتھ لیجاتا تھا تو ایک زبردست ہاتھ اسکو اس حرکت سے باز رکھتا تھا۔

آخر ب ملکر آگے بڑھنے لگے۔ ایک دروازہ ملا۔ اس سے گذر کر کسی کھلی جگہ پر پہنچے۔ وہاں ایک اور دروازہ کھلا۔ وہ اس کے ذریعے سے مکان میں پہنچ کر ایک وسیع زمین پر چڑھنے لگے۔ جاتے جاتے پھلک تیرے دروازے کے پاس ٹھہرے ہی تھے کہ کسی نے کھول دیا۔ تب فیروز نے (وہی شخص جس نے ترش آواز سے شیاطین کے نہ دیکھنے کا حال بیان کیا تھا) آٹو کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا۔ ”ای تو جوان! تو میرے ہمراہ چل!۔“ (اپنے ہمراہیوں سے مخاطب ہو کر) ”تم کچھ کھاپی کر جلد لیس ہو جاؤ مگر ایسا نہ ہو زیادہ دیر ہو جائے۔“ فیروز آٹو کا ہاتھ سنبھالے آگے بڑھنے لگا۔ ایک دروازہ کھلا۔ اور پھر بند کر لیا گیا۔ وہ لوگ جو اسے جدا ہوئے تھے اب دور نکل گئے ہیں۔ کیونکہ ان کے پاؤں کی آہٹ کم سنائی دیتی ہے۔ ایک مقام پر پہنچنے کے بعد اسکی آنکھوں سے پٹی کھولی گئی۔ جسکے سبب آٹو کے دل میں از سر نو تیزی جولانی اور خوشی پیدا ہو گئی۔ پھر بھی وہ نہایت پر اگندہ ہو رہا تھا۔ اب وہ ایک سجے ہوئے کمرے میں ہے۔ جہاں دیگر آرائشی چیزوں کے علاوہ ایک میز پر نفیس کھانا چنا ہوا ہے۔ اور اس کے نزدیک فیروز کھڑا ہوا ہے۔ وہ ایک معمر شخص تھا۔ اور لباس سے کچھ تو دہقانیت اور

کچھ فوجی وضع پائی جاتی تھی۔ چہرے سے سنگدلی اور بیرحمی کے آثار نمایان تھے۔ لیکن باوجود بے رحم ہونے کے وہ آٹو کی گھبراہٹ کو دیکھ کر ایک وحشت انگیز صورت سے مسکرانے لگا تھا فیروز۔ (آٹو سے) ”تم اپنے دل میں خیال کرتے ہو گے کہ میں جو یہاں لایا گیا ہوں کسی شیطانی قوت کے ذریعے سے ہے۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ نہیں۔ دنیا کا تمام کارخانہ قانون قدرت کے بموجب انجام پاتا ہے۔ مگر بات یہ ہے کہ عاقل کو ہر امر میں سوچنا ضرور ہے۔“

آٹو۔ (تعجب سے) ”میں تو خیال آپس کی بلند جوشیوں پر ہوں۔ پھر یہ اٹلی کے پھول اور موسم گرما کے میوے جو یہاں پیش نظر ہیں۔ یہ کیا معاملہ ہے؟“

فیروز۔ ”ہاں بیشک یہ بات عجیب معلوم ہوگی۔ مگر تم پہلے کچھ کھانا نوش جان کر لو۔ کیونکہ صبح کی گشت اور ہوا خوری نے تمہاری اشتہا کو بڑھا دیا ہوگا۔“ یہ کہہ کر فیروز میز پر بیٹھ گیا۔ اور تھنی ادا سے جلد جلد کھانے لگا۔ آٹو کو اب یقین ہو گیا تھا کہ مجھے کچھ اذیت نہ پہونچے گی۔ لہذا اُس نے بھی دیکھی سے کھانا شروع کیا۔ اور کھاتے ہی میں اُس کرے کو غور سے دیکھنے لگا۔ دیواروں میں کھڑکیاں نہ تھیں۔ اور روشنی کے لیے صرف چھت میں ایک دائرے کے طور پر خالی چھوڑ دیا گیا تھا۔ اسی لیے آٹو نہ پہچان سکا کہ یہ کمرہ کس مکان سے متعلق ہے۔

فیروز۔ (کھانے سے ہاتھ روک کر) ”ای نو جوان! تم شاید ان پہاڑوں کے رستے سے واقف ہو گے۔ بھلا کچھ معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تم کہاں ہو؟“

آٹو۔ ”عمر بھر میں ہی پہلا مرتبہ ہے جو میں ان پہاڑوں پر آیا ہوں اور اس امر سے بالکل ناخبر ہوں کہ اب ہوں کہاں؟“

فیروز۔ (بدگمانی کی راہ سے) ”تو پھر تنے کس طرح وہ شگاف اور وہ راستہ ڈھونڈ نکالا؟“

آٹو۔ ”میں اتفاقاً آج اس راستے سے آنکلا۔ اور جستجوے راز کا شوق ہونے کے سبب۔“

فیروز۔ (بات کاٹ کر) ”اور دلیری بھی!“

آٹو۔ ”غیر۔ آپ جو چاہے سمجھ لیجیے۔ بہر صورت اُس راہ کے آخر تک جانے کا میں نے مصمم

قصد کر لیا تھا۔ اس لیے کہ صرف تفریح طبع یا دل بدلانے کے لیے میں نے سفر اختیار کیا ہے اور اسوجہ سے جبالِ آلیپس کے تمام عجائبات دیکھنے کی مجھے نہایت درجہ تمنا تھی۔ اگر میرا اس سرحد میں آنا کوئی خطا کا سبب ہوا ہے تو امیدوار عفو ہوں۔ اور آپ سے معذرت مانہ عرض کرتا ہوں کہ مجھے رہا کر دیجیے۔“

فیروزؒ تم نہایت استقلال اور صاف دلی سے باتیں کر رہے ہو۔ مجھے یقین ہوتا ہے کہ تم پہلے کبھی یہاں نہ آئے ہو گے۔ لیکن اگر چند روز تم ہمارے ساتھ رہو تو ایک ذی کمال بھاری شخص بن جاؤ گے۔ خیر۔ ان باتوں کو جانے دو۔ میں تم سے ایک اور بات پوچھنا چاہتا ہوں۔ یعنی تم کیلئے اس شخص کو دیکھ کر تعجب کرنے لگے۔ جسے دیپچے سے سرنکال کے تھسے مدد چاہی۔“

آٹوؒ اس لیے کہ میں اُس شکل کو بخوبی پہچانتا ہوں۔“

فیروزؒ تو تم اُس شخص کو جانتے ہو؟۔“

آٹوؒ نہیں۔ اپنی تمام عمر میں کبھی اُس سے بات چیت نہیں کی۔ مگر اُس کو کئی مرتبہ شہر دیا نا میں دیکھا ہے۔ اسی اعتبار پر کہا تھا کہ میں اسکو پہچانتا ہوں۔“

جب آٹوؒ باتیں کر رہا تھا۔ تو بوڑھے فیروزؒ کی سختی اور سنگدلی جو صورت سے ظاہر تھی اور زیادہ ہو گئی۔ اور وہ بڑے ہی غور و ثقیق سے کچھ سوچنے لگا۔

فیروزؒ (بہت دیر بعد) تمہیں کچھ تکلیف نہ دی جائیگی۔ لیکن مجھے تمہارا یہاں سے جانا ہرگز گوارا نہ ہو گا تا آنکہ تم اس بات کی قسم نہ کھاؤ کہ اس شخص کا دیکھنا اور اُس کا تم سے مدد چاہنا بالکل مخفی رکھا جائیگا۔“

آٹوؒ میں قسم کیونکر کھا سکتا ہوں کہ جو کچھ یہاں شاہدہ کیا ہے بھول ہی جاؤں گا جبکہ اُس مبتلا سے الم نے کمال عاجزی کے ساتھ مجھے رہائی کی درخواست کی۔ جس میں بڑا تکلیف اٹھانا پڑا ہے۔ کیا وہ میرا ہمجنس نہیں ہے؟ جو میں اُس کے حال زار پر رحم نہ کروں۔ بلکہ وہ تو میرا رشتہ دار ہے۔“

فیروز: کیا تم سے کوئی قرابت کا تعلق ہے؟ اچھا یہ تو بتاؤ تمہارا نام کیا ہے؟  
آٹو: میرا نام آٹو ہے۔

فیروز: ہاں میں اب سمجھا کہ تم کون ہو!۔  
یہ لکھ فیروز کرسی پر سے اٹھ کر ٹہلنے لگا۔ اور بڑے تامل کے بعد بولا: ”سنو میں تمہیں  
ایک تجویز بتاتا ہوں۔ اگر اسکو قبول کر لیا تو صرف تمہارا اقرار ہی کافی ہے کیونکہ تم ایک بڑے  
مغرر شخص ہو۔“

آٹو: اچھا بیان کیجیے!۔  
فیروز: اب تھوڑی دیر میں تمہیں یہاں سے لے جائینگے۔ مجھے اقرار کرتے جاؤ کہ قبل کے  
کہ تم اس کھڑکی سے مذکورہ بالا شخص کی مدد کرنے کے لیے کچھ اسباب مہیا کرو۔ تم شہر دیا نا کو  
جاؤ اور اس شخص کو وہاں کھلے بندوں پھر تادیکھو تو سمجھ لینا کہ اس کے قید ہونے کا حال مخفی رکھنے  
کی قسم فیروز سے کر چکا ہوں۔“

آٹو: نہیں میں آپ سے کسی قسم کا اقرار نہ کروں گا۔ اگر وہ قید سے رہائی پائے تو اُن ظالموں  
سے جنہوں نے اُسے بے گناہ اسیر کر رکھا تھا۔ عوض لینا اُسی کا کام ہے۔ بشرطیکہ وہ بے گناہ  
مقید ہوا ہو۔ جب میں اُسکو آزادی کے عالم میں دیکھوں گا۔ تو پھر اُس کے معاملات میں کچھ دخل  
دینے کی ضرورت نہیں۔ لیکن جب تک وہاں پہنچا کر اُسے نہ دیکھ لوں گا۔ اُس وقت تک کوئی تولا  
نہیں دے سکتا۔ اور یہ بھی یاد رکھیے کہ اب میرے ساتھ آپ کے ہاتھوں جو سلوک ہوگا۔ آئندہ  
میں بھی آپ سے اُسی طرح پیش آؤں گا۔“

فیروز: ہاں تم نے ٹھیک کہا۔ آؤ اسی بات پر ہم تم قسم کر لیں۔ ”قسم ہو گئی۔ فیروز نے آٹو کو  
ایک گلاس شراب سے بھر کر دیا۔ اور دوسرا آپ ہاتھ میں لیکر پینے لگا۔ آٹو ابھی پورے طور پر  
شراب خالی کر کے گلاس میز پر رکھنے نہ پایا تھا کہ نیند آنے لگی آخر جھٹ سے گلاس کھدیا اور سو گیا  
جب اُس خواب غفلت سے بیدار ہوا تو اپنے آپ کو ایک گرم دھبے پر سرخوشادہ پایا

قلعہ زمین پر لیٹا ہوا پایا۔ آفتاب پوری درخشندگی سے جلوہ افروز تھا۔ اور اسکی بلندی سے معلوم ہوتا تھا کہ دوپہر دن چڑھ آیا ہے۔ آٹو اٹھ بیٹھا۔ اور اُن گزرے ہوئے عجیب غریب واقعات کو یاد کرنے لگا جسے تھوڑے ہی دیر پہلے اُسکو سامنا ہوا تھا۔ مگر اب وہ کہاں ہے؟ اسکو دور سے جبال آلیس نظر آرہے ہیں۔ آفتاب کے رخ سے خیال کیا تو پتا اُسکے شمالی جانب میں ہیں اگر وہ صوبہ کارنیلیا میں ہوتا تو جنوبی سمت رہنا ضرور تھا۔ ملاوہ برین وہ سبزہ زار۔ وہ شفاف نہرین۔ وہ جھوپڑے جنکے اطراف میں سایہ دار درخت تھے اور وہ تروتازہ بے نظیر باغات۔ یہ سب کارنیلیا کے ویران جنگلون میں کہاں ہے؟ تو پھر اب وہ کس مقام پر ہے؟ کیا وہ کسی خواب عجیب سے بیدار ہوا ہے؟ یا کسی شیطان نے دوسری سرزمین میں لایچینکا ہے؟ لیکن گزشتہ حالات اسدرجہ اسکے ذہن نشین تھے کہ وہ نہ انھیں خواب سمجھ سکتا تھا نہ تو تم کہہ سکتا تھا۔ جب آٹو باوجود ہوشیاری کے ان خیالوں میں بے خود ہو رہا تھا۔ تو دور سے ایک دہقان آتا ہوا نظر آیا۔ جب قریب آپہنچا تو اُسکی وضع اور لباس سے کارنیلیا کا باشندہ نہ معلوم ہوا۔

آٹو۔ (دہقان سے) ”تم کہہ سکتے ہو کہ میں کہاں ہوں؟“ آٹو کے حواس اسقدر منتشر تھے کہ وہ بالکل نہ سمجھا کہ میرا یہ انوکھا سوال ایک غیر شخص کے دل میں کیا اثر پیدا کرے گا۔ دہقان تعجب اور غور سے اُسکی صورت دیکھنے لگا۔ اور کہا ”آپ بنوٹو نام ایک کسان کے کہیت میں ہیں۔ اور وہ میں ہی ہوں!“

آٹو۔ تو میں کس سرزمین اور کس ملک میں ہوں؟ بنوٹو اسکو پاگل سمجھ کر خوں سے دو چار قدم پیچھے ہٹ گیا۔ اور بولا ”سرزمین کیسی اور ملک کہاں کا؟ کیا آپ کو نہیں معلوم کہ یہ ملک اٹلی ہے۔ پھر بتائیے آپ کون ملک سمجھتے ہیں؟ افسوس آپ کی جوانی پر مجھے ترس آتا ہے!“ یہ کہہ کر کسان کسی طرف چل دیا۔ اور آٹو متعجبانہ حالت میں بہت دیر تک وہیں کھڑا رہا۔

آٹو نے کیا یہ ماجرا تمہیں ایک بیہودہ خیال کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے؟ شاید اسکو جھوٹ سمجھتے ہو؟  
 میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ میں اپنے پورے حواس بجا رکھتا ہوں۔ کچھ دیوانہ یا سوداگی  
 نہیں ہوں! سو اس کے میرا یہ منشاء نہیں کہ تمہیں کچھ فریب دوں!۔“  
 دہقان۔ (جو نہایت سوچ اور تردد میں تھا سر اٹھا کر کہا) ”میں بے شبہ آپ کی سرگذشت کو  
 صحیح اور واقعی سمجھتا ہوں۔ اور میں اُس حال کو جانتا بھی ہوں!۔“

آٹو۔ (نہایت تعجب ہو کر) ”تم جانتے ہو؟۔“  
 دہقان ”بان جناب! بخوبی! کیونکہ میں نے اُسی راہ سے سفر کیا ہے۔ جس راہ کا آپ ذکر کر رہے ہیں“  
 لڑکی۔ (حیرت سے) ”آپ وہاں گئے تھے؟۔“

دہقان۔ ”بان پیاری نینا! میں گیا تھا۔ مگر آج تک یہ بات کیسے روبرو زبان پر نہیں لایا۔ کیونکہ  
 اس راز کو افشاء کرنے کے لیے مجھے بہت سی دھمکیاں دی گئی تھیں تاہم وہ ماجرا میں اب بیان کرتا ہوں۔“  
 لڑکی نے اپنی کرسی باپ کے قریب ہٹالی۔ اور آٹو بھی ہمہ تن دہقان کی طرف متوجہ ہو گیا  
 دہقان ”چھ سال کا زمانہ ہوا (بیٹی سے مخاطب ہو کر) تمہیں یاد ہے؟ کہ مجھے تمہاری ماں  
 کے انتقال کرنے سے کارنیلیا کو جانا پڑا تھا (آٹو سے) میری بیوی اس صوبے میں کسی درجہ  
 کے رشتہ دار سے ملنے گئی تھی۔ آخر وہاں سخت علیل ہو گئی۔ میں جس وقت وہاں پہونچا ہوں  
 وہ قریب المرگ ہو گئی تھی۔ خیر۔ تجھیز و تکلفین سے فارغ ہو کر واپس ہوا۔ کیونکہ اپنی پیاری بیٹی  
 کی تنہائی کا مجھے بڑا رنج تھا۔ وہ صبح کا وقت تھا۔ اُس وقت میرا دل عورت کی موت اور خانگی  
 امور کے درہم برہم ہونے سے کمال مضطرب و پرانگندہ ہو رہا تھا۔ اس تردد کے عالم میں رستہ  
 بھول گیا۔ اور ایک شگاف سے گذر کر کسی مہیب غار کے منہ پر پہونچا۔ اور آپ کو جو راہ نظر  
 آئی وہی میرے بھی روبرو ہوئی۔ میری تمام عمر اٹلی کے پہاڑوں میں پھرتے گزری۔ اسی لیے  
 میں نے اُس راہ سے جانے میں کچھ تردد نہ کیا۔ جب دیوار کے قریب پہونچا تو کچھ دیر اس کھڑکی  
 کھڑا رہا کہ واپس جاؤں یا دیوار کے اُس جانب کا حال دریافت کروں۔ دفعۃً ایک



کھڑکی کھلی اور اُس سے ایک حسین شخص کا چہرہ نمودار ہوا جسکے دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ بہت ستم رسیدہ ہے۔“

آٹو: ”ہاں! (اضطراب سے)۔“

وہقان: ”غرض اُسے کمال عجز کے ساتھ مجھے درخواست کی کہ خدا کے لیے میری رہائی کا سامان کر! شہر لیباک میں جا کرو مان کے گورنر سے کہ کہ امیر ظرینین۔۔۔“

آٹو: (بات کاٹ کر) ”امیر ظرینین؟۔ اور یہ واردات چھ سال پہلے گزری؟۔“

وہقان: ”جی ہاں۔ چھ سال بیشک و شبہ گزرے!۔“

آٹو: اچھا۔ بیان کرو۔ مگر یہ بڑا ہی تعجب انگیز اور نادار قصہ ہے!۔“

وہقان: ”اُس قیدی (میں تو اُسے قیدی ہی سمجھا) کی زبان سے یہ فقرے ابھی پورے

طور پر ادا نہ ہوئے تھے کہ وہ عظیم الشان بھاٹک کھلا۔ اور چھ مسلح اشخاص باہر نکلے۔ مجھے

پکڑ کر آنکھوں پر پٹی باندھ دی اور جس صورت سے آپ کو لینگے اُسی طرح میں بھی بہت سی

راہوں سے گذر کر اُس کمرے میں پہنچایا گیا۔ آنکھوں کا حجاب دور ہوا۔ لیکن میرے

محافظین آپس میں مشورہ کرنے لگے کہ آئندہ مجھے کیا سلوک کیا جائے۔ کسی نے قتل کی راہ

دی۔ اور کسی نے یہ تدبیر بتلائی کہ مجھے زیست بھر وہیں قید کر رکھے۔ بوڑھا فیروز (جسکا آپ نے

ذکر کیا) میری تائید میں تھا۔ میری دانست میں وہ وہاں کے ملازمین پر کچھ حکومت بھی

رکھتا ہے۔ کیونکہ اُسی کی رائے غالب ہوئی اور میرے کھانے کے لیے غذا مہیا کی گئی مجھے

اس وقت اتنی دلجمعی کہاں کہ کھانا پانی سوچے۔ میرے قتل کی تجویز جو اس آسانی سے کی گئی

یاد آ کر مجھے پریشان و بدحواس کیے دیتی تھی۔ فیروز مجھے گفتگو کرنے لگا۔ اور کہا کہ تم قلعہ

مہسان سے باہر کر دیے جاؤ گے۔ جو کچھ بیان دیکھا یا سنا ہے کسی سے ہرگز ظاہر نہ کرو گے ورنہ

اُسی دم تمہارا کام تمام کر دیا جائیگا۔ اور یہ بھی دھمکی دی کہ تمہیں معلوم ہے کہ اب تم کسے قبضہ

قدرت میں ہو؟ لیکن خوب یاد رکھو کہ اگر ہمارا حال کسی سے بیان کر دو تو تم سے سخت ترین

انتقام لیا جائیگا۔ چاہے تم کہیں ہو۔ اور ایک فوج عظیم بھی تمہاری محافظت کے لیے مستعد ہو۔ یقین جانو کہ مجھ میرے خلاف حکم کر نیکیے تمہارا سر قریب سے جدا ہو جائیگا۔ فیروز کے تقریر ختم کرتے ہی ہان کے اور لوگوں نے مجھے ایک جام شراب پینے پر مجبور کر دیا۔ آخر طوعاً و کرہاً پینا ہی پڑا۔ ساتھ ہی مین بیہوش ہو گیا۔ جب بیدار ہو کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ اس جھوٹے سے سے تلوار کے فاصلہ پر میدان میں پڑا ہوں۔“

آٹو۔ (دہقان کی گفتگو سے متعجب ہو کر) ”ہم دونوں کی سرگزشت بہت متنی جلتی ہے۔ لیکن میں تم سے یہ کہنا ہو گیا کہ وہ شخص کھڑکی سے سر نکال کر مجھے بھی رہائی کا طالب ہوا۔ اور یہ راز بھی تم پر افشا نہ کیا کہ وہ امیر ظفر نین ہے۔“

دہقان: ”تو جب سے میں نے اسکو دیکھا ہے۔ وہ وہیں مقید ہے؟۔“

آٹو۔ نہیں۔ چند سال وہ شہر دیا نائین رہا۔ اور وہ میرا بہنوئی ہے!۔“

دہقان: ”وہ اپنے دشمنوں کے دام میں مکرر جو آ پھنسا۔ یہ کمال افسوس کی بات ہے!۔“ آٹو۔ بیشک وہ بد نصیب ہے۔ میرے قیاس میں نہیں آتا کہ اُسے دوسری دفعہ اس سرحد میں قدم کیوں رکھا۔ جہاں ایک مرتبہ سر پر آفت نازل ہوئی تھی۔ علاوہ برین اپنے دشمنوں سے انتقام لینے کا خیال کیوں نہ کیا؟۔“

دہقان: ”یقین ہے کہ کوئی پوشیدہ راز ان امور سے تعلق رکھتا ہے۔ کیا عجب کہ ویسی ہی حکمت جھوٹ نے میرے لبوں پر اس مقدمے کی جانب سے ہر سکوت ڈال رکھی تھی۔ اسکو بھی انتقام لینے سے مانع ہوئی ہوں۔“

آٹو۔ نہیں۔ امیر ظفر نین بارہ سال بعد دیا ناکو واپس آیا۔ اور اپنی جاگیرات و زر نقد حاصل کیا اگر وہ چاہتا تو ان ظالموں سے عوض لینے کے لیے ایک بہت بڑی فوج مل سکتی تھی۔ مین نے سنا کہ اُسی کے قول کے بموجب وہ سلطنت ٹرکی میں مقید تھا۔ نہ کہ جبال آلپس میں۔ مین یہ باتیں تم سے ایسے کہتا ہوں کہ تم نے مجھ پر اعتماد کر کے جو یہ قصہ کہ سنایا۔ اُسکا اعادہ ہو جائے۔“

اصل حال یہ ہو کہ امیر ظہرین جبال آپس میں قید ہو۔ اور وہ میرا ہنوئی ہو۔ گو میں اُس سے  
چندان تعلق نہیں رکھتا۔ اور نہ بالمشافہہ کبھی بات چیت کرنے کی نوبت آئی۔ تاہم میرا فرض ہے  
کہ اُسکو ایسے زندان بلا سے خلاصی دلوانے میں حتیٰ الامکان سعی و کوشش عمل میں لاؤں۔  
وہرقان: ”لیکن اس مہم میں آپ کو نہایت جانکاہ مصیبتیں اور دشواریاں پیش آئیں گی۔ اگر ایک  
توپ اس دیوار پر رکھی جائے تو ایک فوج عظیم کی ہلاکت کے لیے کافی ہو۔“  
آٹو: ”میں سمجھتا ہوں کہ اس قلعہ کا کوئی اور رستہ بھی ضرور ہے۔ پھر ان لوگوں کو ہمیں بیہوش کر کے  
باہر لیجانے کی کون ضرورت تھی؟ اُسکا سبب یہی ہو گا کہ ہم اٹلی کی طرف جانے کی راہ سے وقف  
نہ ہو جائیں۔ تم سوچو تو کہ تین چار دن کی راہ اس قلیل عرصے میں کیونکر طے ہوئی؟ گمان غالب ہے  
کہ کوئی نہ کوئی پوشیدہ رستہ اس جانب میں ہو گا۔“  
وہرقان: ”مجھے بھی یہی گمان ہے۔!“

آٹو: ”تم تو ان پیاروں میں بہت پھرے ہو۔ اس طرح کا کوئی رستہ ہوتا تو تمہیں نظر نہ آتا؟“  
وہرقان: ”فیروز کی پُر خوں دھکیوں سے مجھے اتنی مجال بھی نہ ہے کہ کبھی ان ابواب کا خیال  
دل میں لاؤں۔ سوائے وہ میرا کوئی خاص کام نہیں۔ مجھے اتنی فرصت نصیب کسان کہ  
دوسروں کے مقدمات میں دخل دوں۔ اگر مجھے کوئی حادثہ گزر جائے تو میری پیاری بیٹی  
کی پرورش کون کریگا؟“

آٹو: (بہت تامل کے بعد جہین وہ آئندہ کی کارروائیوں کے متعلق تجاویز سوچ رہا تھا) ”سنو  
میں اس بھید کی دریافت میں جو آفت آئے اپنے سر لوں گا۔ تم نے جو کہا کہ اُس مستحکم عمارت پر حملہ آور  
ہونے کے لیے ایک لشکر جابر بھی نا کافی ٹھہریگا۔ ٹھیک ہے۔ بہتر تجویز یہ ہے کہ اٹلی کی طرف سے جو  
رستہ اس قلعہ کو جاتا ہو۔ اُسکو ڈھونڈ نکالیں۔ کیا تم اس بار میں میری مدد کر سکو گے؟ مجھے یقین  
ہے کہ اس تلاش و تجسس کے سبب سے ہم پر کوئی آفت نہ آئے گی۔ اور تمہاری اس تکلیف کا معاوضہ  
میں معقول طور پر کروں گا۔“

دہقان ۲۰ مان میں اس سے انکار کر نہیں سکتا۔ مگر یہ یاد رہے کہ راستہ ڈھونڈنا نہ نکالنے کے بعد اس قلعہ پر حملہ آور ہونے کا قصد آپ نے کیا تو میں اس میں شریک نہ ہوں گا۔“  
 آٹھ ٹو ۱۰ چھا۔ انہیں شرط پر ہم رضا مند ہو جائیں۔ اگر تمہیں کچھ تکلیف نہ تو میں اس مقدمے کو دریافت کرنے تک یا یہ بات معلوم ہونے تک کہ میری امید اور کوشش بیجا ہو۔ تمہاری ہی جھوٹری میں رہوں ۹۔“

دہقان ۲۰ اس جھوٹری کو آپ اپنی ہی جانیے۔ میرا نام ماظنی ہو اور یہ نام ہمیشہ مسافر نوازی میں مشہور ہو۔ جب تک غریب خانہ اچھا معلوم ہو میں رہیے! آج تمام دن اور رات آپ آرام و راحت سے گزار کر مستعد ہو جائیں تو کل صبح سے ہم اپنا کام شروع کریں گے۔“  
 ماظنی نے اپنی بیٹی نینا سے میز پر کھانا چھنے کے لیے کہا۔ اور جب وہ اس کام کی انجام دہی میں ادھر ادھر پھرتی تھی۔ تو آٹھ اسکو غور سے دیکھنے لگا۔ نینا واقعی نہایت دل فریب صورت والی تھی چہرہ حسین۔ آنکھیں بڑی بڑی۔ دہن تنگ۔ دانت چمکدار اور خوش وضع۔ رنگ گندمی۔ غرض ہر چیز میں ایک دلکش اداسی تھی۔ جب اس سے گفتگو کرنے کا اتفاق ہوا تو نہایت نیک خلق پاک مزاج عورت کے پائی گئی۔ اور چونکہ آٹھ خود ایک شکیل نوجوان تھا۔ لہذا دونوں ایک دوسرے کی رغبت ظاہر کرنے لگے ایک عمدہ حجرہ آٹھ کے سونے کے لیے مقرر کیا گیا جس میں وہ کمال راحت و آرام کے ساتھ سو گیا۔ اور صبح کو طلوع آفتاب کے ایک گھنٹہ قبل بیدار ہوا۔ نینا (دہقان کی لڑکی) نے کھانا تیار کر رکھا تھا جب تاشے سے فراغت حاصل ہوئی تو ماظنی بھی اقرار کے بموجب اس کے ساتھ چلنے پر مستعد ہوا۔ نینا نے اپنے باپ کی محافظت کے لیے آٹھ سے نہایت عجز سے درخواست کی۔ ماظنی اپنی عزیز بیٹی کو گلے لگا کر آٹھ کے ہمراہ پہاڑوں کی طرف چل نکلا۔

### پینتیسواں باب

جبال الپس میں تقدیر آزمائی

آٹھ اور ماظنی اس فرحت افزا سرزمین میں آہو بچے۔ جہاں کی سبزی صبح کی ٹھنڈی ہوا میں

ایک دلفریب کیفیت دکھا رہی تھی۔ سامنے والے پہاڑوں کی بلند چوٹیوں کو سیاہ ابر چھپا کر  
 بھوسے تھا۔ یہاں کے میدان کارنیلیا کی طرح ویران نہ تھے۔ ہر طرف سبزہ زار۔ پہاڑوں پر  
 بڑے بڑے درخت تھے۔ اور کین درختوں کی مجموعی حیثیت ایک بینظیر باغ کا دھوکا دیتی تھی  
 ابتداء رستہ بدیع بلندی پر گزرتا تھا۔ لیکن نہایت مشکل اور دشوار گزار تھا۔ عمیق و تاریک  
 غاروں کے منہ صحرائی بلیوں سے ڈھکے ہوئے تھے۔ ایک بلندی پر چڑھنے کے بعد آٹھونے  
 اپنے ساتھی سے تھوڑی دیر توقف کرنے کے لیے کہا۔ اور آپ اٹلی کی اس خوشنما سینری کو  
 دیکھنے لگا۔ جس پر سے دونوں ابھی گزرے تھے۔ جب اس نے جنوب کے قطعہ زمین کی طرف نگاہ  
 کی تو بڑی حیرت ہوئی۔ وہ سرسبزی و شادابی وہ دل نبھانے والی بے بدل سینری دیکھ کر  
 آٹھونے خود ہو ہو جاتا تھا۔ اس دلفریب مقام کی عمدگی اور دلچسپی کا حال بیان کرنا ممکن نہیں۔  
 آفتاب بلند ہونے کے سبب پہاڑ کی چوٹیوں کا ابر نکل گیا تھا۔ اور وہ پر فضا بہار انگیز قلعہ کا  
 کوہ آپس اس قطعہ کی پشت پر بینظیر لطیف دکھا رہے تھے۔

وہ مقام۔ (اس جگہ سے آگے بڑھ کر) ہم اس راہ کو دامن کوہ میں نہ پاسکیں گے۔ بلکہ ویران  
 اور ناہموار وحشت انگیز مقامات میں ڈھونڈنا چاہیے۔ کارنیلیا کی جانب کا رستہ نہایت دشوار گزار  
 ہونے سے قیاس چاہتا ہے کہ اس طرف کا رستہ بھی کمال ہوشیاری سے بنایا گیا ہو گا۔ تاکہ کسی فرد  
 بشر کو پتہ نہ لگے۔“

آٹھونے ان تمنے سچ کہا۔ ایک اور بات بھی ہے جو ہماری مقصد برآری میں مدد کرے گی۔  
 ماٹینی ”وہ کیا؟“

آٹھونے ”جب میں اس خواب غفلت سے بیدار ہوا تو اپنے آپ کو تمھارے جھوٹے سے ستوگر  
 فاصلہ پر پایا۔ اور تم بھی وہیں چھوڑ دیے گئے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہماری مطلوبہ راہ  
 اسی سبزہ زار کے قریب سے کمین شروع ہوتی ہے۔ لہذا ہمیں چاہیے کہ اسی قریب و جوار میں تلاش کریں۔“  
 ماٹینی ”جی ہاں۔ میں بھی ابتدا سے اسی خیال میں ہوں۔ ہم اس ٹیکے پر (بتلا کے) چڑھ کر

اُس مقام کو غور و تامل سے دیکھیں۔ دونوں پانچ میل تک برابر بلندی پر چڑھ کر ایک گھاٹی کے قریب جا پہنچے۔ جسکے دونوں جانب بلند چٹانیں تھیں۔ وہ جگہ نہایت دشت افزا اور ہیبت ناک تھی۔ جب دونوں اُس گھاٹی پر جا کھڑے ہوئے تو دفعۃً ایک سرد ہوا کا جھونکا انکے بدن پر لگ کر دلوں کو منتشر کر گیا۔ پانی کے دوڑنے کی مہیب صدا کانوں کے پردے پر آتی تھی۔ اور جو جو وہ آگے بڑھتے تھے۔ سرد ویت آنیر ہوا تیردن کی طرح جسم پر چلنے لگی۔ اُس وقت انھیں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا دیکھتے ہی دیکھتے کسی دوسرے کرۂ زمین میں پھینک دیے گئے ہیں۔ وہاں کا پانی تھوڑے فاصلہ تک ایک نہر کی شکل میں مسطح زمین پر بہ رہا تھا۔ اور اُسکے بعد ایک پوری بلندی سے ہو کر اس زور شور سے نیچے گرتا تھا کہ خوف سے جان نکلی جاتی تھی۔ یہاں جبال آلیس کی سینری قابل دید تھی۔ اُس ناہموار دشوار گزار سطح کے روبرو بڑی بڑی چٹانیں اس قدر جمی ہوئی تھیں کہ بلندی کی آخری حد تک نظر کا پہونچنا دشوار تھا۔ آگے پیچھے مہیب غار اور بڑے بڑے پتھر ایسے سدا رہتے تھے کہ اس طرف رستہ کا سراغ ملنا غیر ممکن معلوم ہوا۔ اس بلندی پر (جہاں سے پانی نیچے گرتا تھا) صنوبر کے درخت ہوا کے زور سے گھوم رہے تھے۔ اور جنگلی بیلین جھارون کی طرح آنیر سے اٹک رہی تھیں۔

ماظنی۔ (اس جاے کو غور سے دیکھ کر) ”مجھے یقین ہے کہ اس شگاف کے دوسری جانب کا کوئی فریبیدہاں ہے۔ کیونکہ (ایک طرف دکھا کر) یہاں کی جھاڑیاں کسی انسان کے ہاتھوں سے مسائن کی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔ اور غالباً کسی نہ کسی غرض سے صاف کی گئی ہیں۔ اور یہ دیکھے کٹی ہوئی جھاڑیوں کی جڑیں اُلٹی پڑی ہیں۔“ ماظنی جبکہ پہاڑی حالات کا زیادہ تجربہ تھا۔ سرگرمی سے رستے کی تجسس کرنے لگا۔ آٹھ بھی اُسکی مدد میں تھا۔ بکا بک ماظنی کے منہ سے نہر خوشی بلند ہوا آٹھ بھی دوڑ کے اُسکے قریب گیا۔ دیکھا تو وہاں اشجار صنوبر کے اندر ایک سرنگ کا ٹکڑا ایک منہ نظر آ رہا ہے۔

ماظنی۔ ”دیکھیے! یہی خفیہ رستہ ہوگا۔“ اسلحہ کے نسبت اور مقامات کے یہ جگہ بیلون سے



پاک ہے۔ اور اس طرح معلوم ہوتا ہے آدمی کے ماتھے سے یہاں کی صفائی ہوئی ہے۔ اب قریب تین پیر دن گزر گیا ہے۔ آسمان پر ابر جمع ہو رہا ہے۔ آفتاب کی روشنی اس سیاہ ابر میں پوشیدہ ہو جائیگی۔ اگر آپ کو مناسب نظر آئے تو آج کی کارروائی بین پر ختم کر کے واپس گھر چلیں۔“

آٹو دو تم کس لیے خوف کرتے ہو؟“

ماٹنی: ”مین برف کے طوفان سے ڈرتا ہوں جو قریب تر آئیگا۔ اور تھوڑی ہی دیر میں اس تمام جگہ پر جو خالی پڑی ہے۔ کئی قدم برف جم جائیگی۔“

آٹو: ”بہر حال ہم اس قدر دریافت کر لیں کہ ادھر سے کوئی رستہ جاتا ہے یا نہیں۔ ذرا سی محنت سے یہ عقدہ کھل جائیگا۔“

ماٹنی نے کچھ انکار نہ کیا اور آگے بڑھ کر اس سرنگ کے منہ میں داخل ہوا۔ اور آٹو بھی اسی کے پیچھے ہولیا۔ سو قدم تک وہ راہ نہایت ہی تنگ و تاریک تھی۔ صرف ایک گز چوڑی۔ اور چار قدم اونچی لیکن اس فاصلہ کے بعد کشادہ ہو گئی تھی۔ ماٹنی اور آٹو تھوڑی دیر میں سرنگ کے آخری حد پر پہنچ گئے۔ اس قدر تنگ سرنگ کی درازی تخمیناً دو سو گز کی تھی۔ یہ دونوں اس سے باہر ہوئے تھے کہ ایک بلند چوٹی حاصل ہوئی۔ لیکن اس کے بازو ہی سے ایک رستہ چار قدم چڑھا جاتا تھا۔ جبال آلیس میں نیچر اپنی رفعت پسند کار نمایاں کے لیے کیسے سبب ہتھیار استعمال کرتا ہے!۔ وہ پر جوش پانی جو پتھر دن کو توڑ کر بہتا ہے۔ وہ زلزلہ جو دیکھتے ہی دیکھتے پہاڑوں کو شق کر دیتا ہے۔ وہ بجلی جو بلند درختوں کو آن و آہد میں نیست و نابود کر دیتی ہے۔ یہی وہ پر ہیبت آلے ہیں۔ جو نیچر کی پر عظمت کارروائیوں میں مدد کرتے ہیں۔

ماٹنی: ”جسے اپنی بیٹی کی تنہائی کا خیال آگیا“ کیا ہم اور آگے بڑھیں؟ گویا ماٹنی کا دلی قصد یہی تھا کہ واپس چلیں۔ مگر اسکی خود پسندی اس امر کے اظہار سے مانع تھی۔“

آٹو: ”تو نے ابھی کہا تھا کہ دوپہر ہو گئی۔ دن تمام ہونے کے لیے اور بہت عرصہ باقی ہے۔ یہاں

کی کچھ اور تحقیقات کر لیں تو واپس چلیں۔ خوب یاد رکھو کل پھر آنے کے لیے بڑی حیرت اٹھانا پڑی گی۔  
 ماظنی یہ سنکر خاموش ہو گیا۔ اور بے ترد نہایت دلیری کے ساتھ اُس شگاف میں ہو کر  
 ٹیکریوں کے پہلو سے چلنے لگا۔ پانی کی وحشت ناک آواز برابر سنائی دے رہی تھی۔ دونوں  
 بغیر کسی مزامت کے آگے بڑھے جا رہے تھے۔ آخر وہ شگاف کی راہ بھی تمام ہو گئی۔ اور وہیں  
 ایک اوپر پچیدہ رستہ بلند پہاڑوں کے درمیان سے چلا گیا تھا۔ ہمارے دونوں مسافر اُس  
 مقام پر پہنچتے ہی بادل کے گرجنے کی مہیب صدا کا نون کو بہرے کرنے لگی۔ اور کچھ ایسی ڈراونی تھی  
 کہ کیسا ہی دلیر شخص کیوں نہ ہو دم بھر میں زہرہ آب ہو جائے۔ کیونکہ بلند پہاڑیوں میں گونجنے سے  
 وحشت وہ چند ہوئی جاتی تھی۔ چشم زدن میں پوری تاریکی چھا گئی۔ بادی النظر میں شب کا دھوکا  
 ہوتا تھا۔ بجلی ایک تعجب انگیز شوخی کے ساتھ قرب و جوار کی چوٹیوں پر ترپنے لگی۔ جاڑا اس غضب  
 کا تھا کہ آٹو کی ناک سے خون کے چند قطرے ٹپک پڑے اور ہاتھ پاؤں سُست ہو گئے۔ مگر ماظنی  
 پہاڑی صعوبات کا عادی ہو رہا تھا۔ لہذا اسپر چند ان ان نکالیت کا اثر محسوس نہ ہوتا تھا۔

ماظنی۔ (پریشان ہو کر) طوفان شروع ہو چکا۔ اب اگر ہم واپس بھی چلیں تو ہوا کی شدت  
 سے کسی غار میں پھینک دیے جائیں گے۔ یا اگر زمین ٹھہرے رہیں تو برف اس قدر پڑے گی کہ ہم نیچے دب کر  
 مر جائیں گے۔ ایسے چاہے جو ہو۔ آگے بڑھنا ہی مناسب معلوم ہوتا ہے۔ آخر دونوں تن بہ تقدیر  
 چلنے لگے۔ برف آمیز ہوا کے جھونکے اس تیزی سے چل رہے تھے کہ ان کے پاؤں لڑکھڑکاتے تھے  
 اور وہ خود ایک دوسرے کو یوں نظر آتے تھے کہ گویا برف کی چادر اوڑھے ہوئے ہیں۔ طوفان  
 کا زور ترقی کرتا گیا پہاڑ کے دونوں جانب ٹوٹے ہوئے دھنوں سے بھر گئے تھے۔ ہوا کی خوفناک  
 صدا۔ برف کے گرنے کی آواز۔ بادل کا گرجنا۔ روانی آب کا مہیب شور۔ غرض ان دونوں  
 مسافروں کے لیے اس وقت جبالِ الپس مرکزِ بلا ہو رہے تھے۔ برف باری و تیرگی سے آنکھوں  
 کی روشنی زائل تیز اور سرد ہوا کے سبب چلتا دو بھر۔ ہزار خرابی آٹو اور ماظنی ہر قدم پر  
 مسکیناں بھرتے آفتان و خیران چلے جا رہے تھے۔

نہ دمان ٹھہرنا ممکن تھا۔ نہ واپس ہو سکتے تھے۔ نہ آگے بڑھنے کی ہمت تھی۔ پریشانی و بدحواسی کا یہ عالم کہ دونوں آپس میں ایک دوسرے سے بات بھی نہ کرتے تھے۔ اور برابر قدم بڑھائے چلے جا رہے تھے۔ ماطنی کو اپنی عزیز بیٹی کے تنہا ہونے کا غم اور تردد تھا۔ آٹو دل ہی دلیق بچتا رہا تھا۔ کہ کیوں میں اُس دہقان کی نصیحت پر عمل کر کے طوفان شروع ہونے کے قبل واپس نہ چلا گیا۔ الغرض اسی حالت سے ڈیڑھ گھنٹہ گزرا۔ یکایک طوفان موقوف ہو گیا۔ برف کا گرنا ہوا کی آواز بادل کی گرج۔ بہتے پانی کی ناگوار صدا سب کے سب کم ہوتے گئے۔ اگرچہ سیاہ ابرابھی محیط آسمان تھا۔ لیکن طوفان کی کمی ان دونوں کے لیے تھوڑی سی دلجمعی کا سبب ہوئی۔

آٹو۔ کیا اب ہم واپس چلیں؟

ماطنی۔ اب واپس چلنا تو کسی طرح ممکن نہیں۔ کیونکہ وہ شگاف جسپر سے ہم ابھی گزرے برف سے بھر گیا ہوگا۔ اب بجز اس کے کوئی چارہ نہیں کہ آگے بڑھے چلیں۔“

آٹو۔ تمہاری لڑکی نہایت درجہ پریشان ہوگی۔“

ماطنی۔ جی ہاں۔ وہ بڑی فکر و تردد میں ہوگی۔ مگر میں اُس سے کہ آیا تھا کہ اگر ہم شب کو واپس نہ آئیں بھی تو کچھ فکر نہ کرے۔ خیر۔ اب ہم کو اپنے لیے کچھ تردد کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہاں ایک نشان مجھے نظر پڑا ہے۔ جس سے یقین ہوتا ہے کہ کہیں نہ کہیں اسی قرب و جوار میں کوئی رگڑ ضرور ہے۔“

آٹو۔ (چارو نظر دیکھ کر) ”تمہارا نشان کس طرف ہے؟“ ماطنی نے ایک کمنہ درخت کی جانب اشارہ کیا جس میں تھوڑی جگہ محراب کے طور پر کھدی ہوئی تھی۔ اور اُس میں حضرت مسیح کی تصویر رکھی تھی۔ دونوں دمان ٹھہر کر درگاہِ خدا میں التجا کرنے لگے کہ ہماری موجودہ مشکل آسان ہو۔“

”گو کہ مکران وجودِ غلاق عالمِ ہمیشہ نہیں۔ اور بے ایمان ٹھنڈی مزارِ طعن و تشنیع کریں۔ لیکن ہم بے بغیرہ نہیں سکتے کہ جب بندہ مشکل کے وقت اپنے خالق سے ہمتیں رجوع ہو کر صدقِ دل سے دعا مانگتا ہے تو ضرور اُس کے دل میں ایک ہمت اور جرات پیدا ہو جاتی ہے۔ اور اُس کو کامل یقین ہو جاتا ہے کہ میری مشکل پر درگاہِ عالم آسانی سے دور کر دیگا۔ ہر وقت آٹو اور ماطنی کی بھی یہی حالت تھی۔“

آٹو۔ تم کہتے ہو کہ یہاں سے کوئی مکان قریب ہے۔ فرض کرو کہ کسی نے دھوکا دینے کے لیے یہ نشان بنایا ہو اور وہ ہکو جلتے ہی کسی مصیبت میں مبتلا کر دے تو اسکا کیا علاج۔

ماظنی: ”ہمیں سب آفتوں میں سر دینا چاہیے۔ اول تو یہ بات یقین نہیں کر سکتے کہ یہ راہ اسی قلعہ کو جاتی ہے۔ جسکو ہم ڈھونڈھ نکالا چاہتے ہیں۔ دوسرا اگر یہ رستہ وہاں گیا بھی ہو تو وہ قلعہ بہت دور ہوگا۔ ان پہاڑوں میں رات بسر کرنا تو ممکن نہیں لازم ہے کہ کوئی سسر چھپانے کی جگہ تلاش کریں۔“

آٹو: ”ایسا ہو تو چلو۔“ پندرہ منٹ کے عرصے میں دونوں ایک جھونپڑے کے دروازے پر جا کھڑے ہوئے۔ وہ اسقدر بڑ بڑانے سے پوشیدہ ہو گیا تھا کہ قریب پہونچنے تک پتہ نہ لگا۔ وہاں سے دو طرف دوراہیں لگی تھیں۔ ایک نہایت کشادہ اور صاف تھی۔ اور ایک تصویر دخت میں رکھی ہوئی (جس طرح پیشتر بیان کیا گیا) اُس راہ کی جانب ہاتھ بتا رہی تھی۔ دوسرا رستہ جو سیدھے جانب تھا نہایت تنگ ناہموار اور دشوار گزار تھا۔ ماظنی اور آٹو ایک دوسرے کی صورت دیکھنے لگے اور دل میں سمجھے کہ اگر ان دونوں سے اُس قلعہ کو کوئی راہ جاتی ہوگی تو یہی ناہموار راہ ہوگی۔ کیونکہ ایسے خفیہ امور کے مرتکب ہونے والے رستہ بتانے والی تصویر کبھی نہ رکھینگے جیسی دوسرے رستے پر ہے۔

ماظنی جھونپڑے کے دروازے کو کھڑکھڑانے لگا۔ اندر سے کچھ جواب نہ آیا۔ آخر دروازہ کھولا گیا۔ اور دونوں اندر پہونچے۔ اُسکے جدا جدا دو حصے تھے۔ وہاں کوئی آدمی نہیں تھا۔ لیکن چند سوکھی لکڑیاں چولھے کے پاس اور چند کھانے کی چیزیں ایک تاملان میں رکھی ہوئی تھیں۔ ماظنی: ”خوب ہوا کہ میں بھی کچھ کھانا زنبیل میں لے آیا۔“ آگ سلگائی گئی۔ ایک مینروہاں رکھی تھی۔ اُسپر کھانے کی چیزیں جوڑ کے چولھے کی قریب والی چوکیوں پر دونوں بیٹھ کر کھانے لگے۔ اور مضبوط ارادہ کر لیا کہ شب اسی جھونپڑے میں گزاریں۔ اور سویرے اُسٹکر اپنی تلاش شروع کریں۔ آفتاب غروب ہو گیا تھا۔ مگر زیادہ تاریکی نہ تھی کیونکہ تاروکی

جبک دمک برف پر پڑنے سے ایک بجلی پیدا تھی۔ دونوں مسافر کھانا کھا چکنے کے بعد سونے کی فکر میں تھے۔ ایسے میں باہر کی طرف سے کچھ لوگوں کے بات کرنے کی آواز کان میں آئی۔ دونوں نہایت بدحواس ہو گئے۔ اسی دم زور سے دروازہ کھڑکھڑانے کی صدا سنی گئی جو بند کر لیا گیا تھا۔

## چھٹی سو ان باب

### جبال آلپس کی جھونپڑی

آٹو اور ماطنی دوڑتے ہوئے گئے۔ بمجرور دروازہ کھلنے کے دو مرد ایک عورت کو ماطن میں اٹھائے اندر آپہونچے۔ عورت ایک بیش قیمت دو شالہ اوڑھے ہوئے تھی۔ اور اس طرح معلوم ہوتا تھا کہ وہ لیڈی گئی، آٹو نے چوہے کے قریب چوکی رکھ دی۔ لیڈی ہیر بھلائی گئی۔ ماطنی لکڑیاں ڈالکر آگ جلانے لگا۔

اس لیڈی کے ہمراہ جو دو مرد تھے۔ اُسکے رہبر تھے۔ اور دونوں کارنیلیا کی پہاڑی قوم سے تھے۔

ایک رہبر اب ہمیں اپنے گدھوں کی طرف متوجہ ہونا چاہیے۔ قریب میں ایک سائبان ہے۔ مگر مجھے یہاں آئے ہوئے مدت گزر گئی۔“ دونوں ہمراہی جب باہر چلے گئے۔ لیڈی نے چوہے کی گرمی سے کچھ سکون حاصل کر کے دو شالہ نکال دیا۔ اس حجاب کے مرتفع ہوتے ہی اس کے دل فریب حسن کے جلوے سے وہ تاریک جھونپڑا جگمگانے لگا۔ یہ بیان کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ کیونکہ یہ پری جمال مسافر سوداگر دمشق کی بیٹی ایرین ہی تھی۔ جو ایرین کی تلاش میں سرگردان نکلی تھی۔

ایرین۔ (آٹو اور ماطنی سے مخاطب ہو کر) ”اے مسافر نواز اجنبی لوگو! میرا شکریہ قبول کرو۔ اُن دونوں نے (جو میرے ہمراہ آئے ہیں) میری حفاظت نہ کی ہوتی تو اس طوفان

کے سبب مرنے میں کوئی کسر اٹھ نہ رہی تھی۔ میں ایک ایسے ملک کی رہنے والی ہوں۔ جہاں جاڑہ اور برودت اسکا عشر عشر حصہ بھی نہیں۔

ماٹنی: ”میں سمجھتا ہوں کہ آپ کے ہمراہی رستہ بھول گئے۔ اس لیے کہ اگر آپ کارنیلیا سے اٹلی کو جانیوالی تھیں تو ٹھیک راہ سے بہت دور پڑ گئیں!“

ایرین: ”ہاں۔ میرے خاص خدمتگار دونوں کے دونوں شہر دیا تانا میں بیمار ہو کے مر گئے۔ اور اب میں اٹلی کو جا رہی ہوں تاکہ وہاں سے ملک شام کی طرف جانے والا کوئی جہاز مقرر کر کے اپنے وطن کو چلی جاؤں۔“

آٹو: ”جرمنی زبان آپ بہت صاف اور صحیح بولتی ہیں۔“

ایرین: ”آنکھوں میں آنسو بھرا کر مجھے ایک ایسے شخص نے جرمنی زبان سکھائی جسکے منہ سے نکلی ہوئی ہر ہر بات میرے دل میں نقش ہوئی جاتی تھی۔ مگر آہ! اب میں اسکو اپنی زندگی بھر نہ دیکھ سکے گی۔ اس کے تمام حالات عجیب طرح سے پوشیدہ ہیں۔“ ایرین نے آنسو پونچھ لیے اور اسی وقت وہ دونوں اشخاص بھی جمہونیٹری کے اندر داخل ہوئے۔

ایک رہبر: ”ایرین سے“ ہم نے وہ سائبان ڈھونڈ نکالا۔ اور گدھوں کو آرام سے چھوڑ آئے ہیں۔ اب فرمائیے آپکا مزاج کیا ہے؟“

ایرین: ”آگ کی گرمی سے از سر نو مجھ میں جان آگئی۔ کیا ہم کل علی الصباح یہاں سے نکل سکتے ہیں؟“

رہبر: ”اگر خدا نے چاہا تو ہم کل شام تک سرحد اٹلی میں قدم رکھیں گے۔ لیکن دس میل کے قریب سیدھے رستے سے دور ہو گئے ہیں۔“

ماٹنی: ”اگر کل صبح میں تم ٹھیک رستہ پا گئے تو اپنے قوی تن گدھوں کے ذریعہ سرحد اٹلی میں پہنچنے کے لیے شام ہوگی؟“

رہبر: ”میں سمجھتا ہوں کہ ضرور شام ہوگی!“



ماظنی ” ہم آج سویرے سرحد اٹلی سے نکلے۔ اور غروب آفتاب سے کئی ساعت بیشتر یہاں پہونچ گئے حالانکہ ہم باپا دہ آئے۔ اور راہ میں بہت سی دھمیں پیش آئیں۔“

رہبر ” کارنیلیا کے پہاڑی لوگوں میں کچھ یون ہی سی افواہ اڑ رہی ہو کہ وہاں سے کوئی اور قریب کا رستہ بھی اٹلی کو جاتا ہو۔ لیکن باوجود عمر گزارنے کے مجھے آج تک اسکا سراغ نہ ملا۔“

ماظنی ” مجھے یقین ہو کہ ہم اُس راہ کو پا گئے ہین۔ جس کا تم ذکر کر رہے ہو۔ تھوڑا سا پتا تو لگا ہو۔ انشاء اللہ کل صبح کو ہم وہ رستہ ڈھونڈ نکالنے میں ضرور کامیاب ہونگے!۔“

رہبر ” جس رستے سے آپ آئے ہین۔ شاید وہی ہمارے لیے بھی مناسب ہوگا!۔“

آٹو ” نہیں۔ تمہارے گدھے اُس ناہموار راہ سے چل نہ سکیں گے۔ اور تمہاری ہمراہی لیڈی اُن مہیب غاروں اور وحشت انگیز شگافوں کے دیکھنے کی تاب نہ لائیں گی۔“

رہبر ” اگر ایسا ہو تو ہم آئے ہوئے رستے پر واپس جائیں گے۔ میں آپکا شکریہ (آٹو سے) ادا کرتا ہوں کہ آپ نے ہمیں اس امر سے آگاہ کیا۔ میں کبھی نہ کبھی اس راہ کو ضرور ڈھونڈ نکالوں گا۔ کیونکہ پیدل چلنے والے مسافروں کی راہ نمائی کے لیے وہ راہ مجھے نہایت کام دیگی۔“

آٹو ” اس بارے میں تمہیں ہرے بہت مدد مل سکتی ہو۔ جو جو نشان ہم دیکھ آئے ہین تم سے کہہ دینگے۔ لیکن تمہیں کمال ہوشیاری کے ساتھ جانا پڑیگا۔ کیونکہ اس ویران رستے میں کئی آفتین ہین!“

رہبر ” آپ یہ نہ خیال کیجیے کہ ہم تم کی روزی میں خلل ڈالیں گے۔“

آٹو ” تم ناحق مجھے بدگمان ہو۔ میں اور نہ میرا شریک رہنمائی کا پیشہ کرتے ہین۔ اس رستے کی دقتوں کے بیان کرنے میں میری کوئی خاص غرض نہ تھی۔ بلکہ ہم خوشی سے اپنے ساتھ دوسروں کو بھی تلاش راہ میں شریک کر سکتے ہین۔“

رہبر ” میرے بیجا لگتا خانہ کلام کو معاف کیجیے۔ میں آپکا مطلب غلط سمجھا۔ اب معلوم ہو گیا کہ آپ نہایت نیک طبیعت صاف دل اور خلیق نوجوان ہین جیسے ایک آدمی کو دوسرے کے ساتھ ہونا چاہیے۔ لیکن اسکی وجہ مجھے معلوم نہوئی کہ آپ نے ان مصیبتوں میں کیوں سر دیا ہو؟۔“

آٹو مین نے صرف فرائض قرابت داری ادا کرنے کے لیے یہ زعمتین گوارا کی ہیں میرا ایک رشتہ دار ان پہاڑوں کے ایک مستحکم قلعہ کے اندر قید شدیدی میں رکھا گیا ہے۔ اور وہ قلعہ کارنلیا کی سرحد سے قریب تر ہے۔“

راہبرؒ اس نواح میں سبز ایک راہب خانے کے کوئی اور عمارت نہیں دیکھی گئی لیکن وہی راہب خانہ بیشک کسی زمانے میں ایک مستحکم قلعہ تھا۔ آٹو کو وہ عمدہ دلکش راگ یاد آگیا۔ جو قلعہ میں پہنچنے کے قبل آنکھیں بند رہنے کے عالم میں اُسے سنا تھا۔ اکثر گرجاؤں اور راہب خانوں میں معمول ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں قصائد نظم کر کے گائے جاتے ہیں۔ یہ خیال کیا کہ وہقان اسی مقام کا ذکر کر رہے ہیں۔

آٹو۔ (تھوڑے تامل کے بعد) اُس قلعہ میں جانے کا رستہ نہایت دشوار گزار ہے؟“ ماٹنی آٹو کے مطلب کو تاڑ گیا۔ اور اُس سوال کا جواب سننے کے لیے وہ بھی مشتاق ہو بیٹھا۔

راہبرؒ ایک پیچیدہ رستہ جس میں دو گدھے پہلو پہلو جاسکتے ہیں اُس راہب خانے کو گیا ہے۔ بہت زمانہ گزرا کہ وہ مقام مسافر نوازی کے لیے نہایت مشہور تھا لیکن تب بدیچ وہ شہرت کم ہوتی گئی۔ کوئی مسافر اس وقت تک وہاں جانے کا قصد نہیں کرتا جب تک کہ بالکل ہی در ماندہ و عاجز نہ ہو جائے۔ مجھے کمال حیرت ہے کہ وہاں کے راہبوں کا ذریعہ معاش کیا ہے؟ ایسے کہ انہیں کسی قسم کی آمدنی نہیں۔ اور جیسے وہ مہانج لڑی سے ٹکس ہو گئے۔ کوئی مسافر بھی انہیں مدد نہیں پہنچاتا۔

۱۔ راہب خانہ ایک مکان ہے جس میں بنقی لوگوں کا ایک گروہ بغیر تعلق بیرونی رہتا ہے۔ ہندوستان میں ایسے اشخاص کو جوگی کہتے ہیں۔ وہ من کیونٹھک عیسائیوں میں آجکل بھی بہت سے راہب خانے ہیں۔ جو تاک الہ دینار و عورات کو ایک مسکن کا کام دیتے ہیں گزشتہ زمانے میں اسکا بہت رواج تھا۔ اور ان خانوں میں جو اکثر ویران غیر آباد مقامات پر رکھے ہیں۔ آواہر و مسافروں کی مہانداری کی جاتی ہے۔ بعض راہب خانوں میں لوگ بھی رہتے ہیں جو بد شرت و نیا دار کے ساتھ مردم آزاری اور دغا و فریب میں شریک ہوتے ہیں ان راہب خانوں کے اخراجات کے لیے جاگیریں وغیرہ ہوتی ہیں۔ ۱۲

آٹو: وہاں کے ساکنین کا چال چلن کس طرح کا ہے؟ کیا ان کا نام نیکی کے ساتھ لیا جاتا ہے؟  
 رہبر: اگر آپ انکی نسبت کچھ رہزنی وغیرہ کا گمان رکھتے ہیں تو میں کہتا ہوں کہ نہیں۔ وہ ایسے  
 کاموں سے بری ہیں۔ لیکن وہ اپنے خاص امور میں آئے دن مستغرق رہا کرتے ہیں۔ اور کسی  
 کو نہیں معلوم کہ وہ کیا معاملات ہیں۔“

آٹو: ہر لفظ جو تمہاری زبان سے نکلتا ہے میرے دل پر عجیب اثر کر رہا ہے۔ مجھے یورانیئم کی طرح  
 راہب خانہ تمام آفات کا مرکز ہے۔ جسے ہوشیار رہنے کے لیے میں نے ابھی تسے کہا تھا۔“  
 ماظنی: ”میری بھی یہی رائے ہے۔“

رہبر: آپ کس یقین کی بنا پر کہتے ہیں کہ وہ مکان بلا خیر اور ظلم انگیز ہے؟“  
 آٹو: تم نے جو صاف دلی سے کل حال کہ سنایا تو ہمیں بھی ضرور ہے کہ تسے کوئی بات چھپانہ کھین  
 لگ رہا رقصہ بہت طول ہے۔ اس وقت اسکا پورا بیان ہو نہیں سکتا۔ اتنا کہدینا کافی ہے کہ ہمیں یقین  
 کامل ہے کہ اس راہب خانے میں جرمی کا ایک ذی شان امیر قید ناعق میں مبتلا ہے۔ صرف تین ہی  
 دن گزرے کہ میں نے امیر ظرنین کو وہاں دیکھا ہے۔“

ایرین: (چونک کر) ”امیر ظرنین! کیا آپ نے“ امیر ظرنین ”کہا؟“  
 آٹو: (ایرین کے حال سے متعجب ہو کر) ”ہاں۔ لیڈی صاحبہ! امیر ظرنین اس راہب خانے  
 میں قید ہے۔“

ایرین: (بیٹابی سے) ”کیا ای نام کے دو امیر ہیں؟“  
 آٹو: نہیں۔ مجھے تو معلوم ہے کہ اس نام کے دو شخص نہیں ہیں۔ اور اس امر کا آپ کو بھی یقین  
 ہو سکتا ہوں لیکن آپ کا یہ سوال مجھے حیرت میں ڈال رہا ہے۔ امیدوار ہوں کہ آپ اس سوال  
 کی حقیقت سے آگاہ فرمائیں گی کیونکہ میں خود اسی تردد میں ہوں کہ آیا دو شخص ایک ہی صورت  
 کے ہیں۔ یا وہی شخص ہے جو شہر دیا تا میں امیر ظرنین کے نام سے مشہور ہے؟“  
 ایرین: میں اس سوال کا مختصر سبب بیان کرتی ہوں۔ سنیے! زمانہ دراز گذرا کہ میں

میں ایک دوسرے پر عاشق ہو گئے تھے۔ رسم نکاح کے ایک دن قبل وہ دفعۃً  
 شوق سے غائب ہو گیا۔ مدت دراز گزرنے کے بعد مجھے خبر ملی کہ وہ شہر ویانا میں ہے۔  
 سنتے ہی یہ قرار ہو کر میں اُس شہر میں پہنچی۔ اور اُس شخص کو دیکھا جو اب امیرِ ظرین کے نام  
 سے شہرت پاتا ہے۔ ایک عورت کا دل جو خالص اور پاک محبت سے بھرا ہوا ہو ہرگز فریب کھا  
 نہیں سکتا۔ میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ جو شخص ویانا میں اُس مبارک نام سے موسوم ہے  
 وہ کوئی مفتری اور دغا باز ہے۔ وہ پیاری صورت جس سے مجھے عشق تھا بلکہ اب تک ہے۔ بدل  
 جائے۔ اُن پھول سے رخسار کی نزاکت عمر کے سبب زائل ہو جائے۔ اور وہ دلربا قد خمیدہ بھی  
 ہو گیا ہو۔ اور اگر اسکی شیریں ملائم آواز بدل بھی جائے۔ اور بد کاریوں کی وجہ سے تمام حالات  
 میں فرق آگیا ہو۔ تب بھی اسکو ہزاروں میں ڈھونڈ نکالوں گی۔ گوا کے ہم شبیہ اور ہمنام  
 کئی شخص ہوں۔“

آٹھ۔ آپ کی تقریر سے بہت اندیشہ و تردد پیدا ہوتا ہے۔ وہی قیدی جسکا میں نے ذکر کیا چھ  
 سال پیشتر میرے رفیقِ باطنی کو نظر آیا۔ اور جب مجھے دیکھ کر عجز و الحاح کے ساتھ رہائی کا  
 خواستگار ہوا۔ تب یہ بھی کہا کہ ”میں زمانہ دراز سے یہاں قید کی سختیاں برداشت کر رہا ہوں“  
 آپ کو اسکی نسبت جو کچھ معلوم ہو بیان کیجیے۔ کیونکہ وہ شخص جواب ویانا میں امیرِ ظرین کے  
 نام سے مشہور ہے میری بہن ایڈاکاشو ہر ہے۔

ایرین۔ تو ہماری یہ اتفاقی ملاقات خالی از مصلحت نہیں۔ آپ ایک ایسے شخص کی تائید یا  
 رہائی کی غرض سے جارہے ہیں۔ جسکو پہلا قربت دار سمجھتے ہیں۔ میں یہ خیال کر کے وطن کو  
 واپس چلی کہ میرا خاص ظرین مل گیا ہے۔ اور کسی دوسرے شخص نے اُسکے نام سے جاگیر حاصل  
 کی ہیں لیکن اس دغا باز کے بارے میں میں کچھ جہان بین نہ کر سکی۔ ایسے کہ میں جو ایک  
 غریب الوطن اور بے وسیلہ عورت ہوں۔ اس شہرِ عظیم میں کیا کر سکو گی؟ لہذا اسکی تلاش  
 سے سروکار ہی نہ رکھا۔ مگر آپ کی باتوں نے میرے دل میں اُٹنگ پیدا کر دی ہے اور

امیدوں کو از سر نو زندہ کیا ہے۔ کیا عجب کہ میرا ظنین جسکی تلاش میں میں خود آپ کھوئی جاتی ہوں ہنوز زندہ ہو۔ بلکہ سلامتی سے اسی قرب و جوار میں ہو۔

یہ خدا کے کام ہیں کہ میری آپ کی ملاقات رات کے وقت ان وحشت خیز پہاڑوں میں ہوئی۔ اب میں اپنا مفصل قصہ کہتی ہوں۔ سنکر آپ غور کیجیے کہ کیا میں اسکو پہچان نہ سکو تگی جسکی تصویر دل میں نقش ہو گئی ہے؟ اگرچہ کوئی اور شخص اس سے مشابہ ہو۔ یاد غاکی راہ سے اسکا نام رکھ لے۔“

ایرین۔ یہ کلمہ بہت دیر تک خاموش بیٹھی رہی۔ اسکی دلسوز تقریر نے صرف آٹو ہی پر نہیں بلکہ باطنی اور دونوں رہبروں کے دلوں میں بھی ایک پوری تاثیر پیدا کر دی۔ جب وہ باتیں کہہ رہی تھی۔ تو اسکی دل فریب صورت پر مسرت اور امید سے ایک چمک دمک ظاہر ہو رہی تھی۔ آگ کے سرخ شعلے۔ اسکی آنکھوں کے نور اور بالوں کی چمک کو ابھار ابھار کے دکھانے لگے۔ آٹو۔ باطنی۔ اور دونوں رہبر ہمہ تن گوش بنکر اسکی طرف متوجہ ہو گئے۔ اسے تمام سرگزشت جیسی کہ ایڈس سے کہی تھی بیان کرنا شروع کی اور وہ بار بھی دکھایا۔ جو ظنین نے تحفے کے طور پر دیا تھا ایرین۔ (قصہ تمام کرنے کے بعد) ”اب آپ خیال کر سکتے ہیں کہ میرا ظنین کے مقید ہونے کا سبب دریافت کرنے کی میں کس درجہ آرزو مند ہو تگی؟ اور آپ کا شکریہ ادا کرتی ہوں (آٹو سے) کہ آپ نے اس بھید کے دریافت میں بہت مصیبتیں گوارا کی ہیں۔ میرا دل گواہی دے رہا ہے کہ وہ پابند آلام وہی میرا ظنین ہے۔ جو میرا دل راہ اور دلدادہ ہے۔ اسکی لم دریافت کرنے تک میں ان پہاڑوں سے نہ جاؤنگی۔ (رہبروں سے مخاطب ہو کر) تم لوگ بھی اس بارے میں میری مدد کرو۔ تمہاری محنت کبھی خالی نہ جائیگی۔ میں نہایت ذی قدرت صاحب متول ہوں تمہارا دل خوش کرنے میں ہرگز کوتاہی نہ کی جائے گی۔“

دونوں رہبر خوشی سے آٹو اور باطنی کے ساتھ اس راہ کے ڈھونڈھ نکالنے پر رضامند ہو گئے اور اپنی جیبوں سے کچھ کھانے کی چیزیں نکال کر زیر پر رکھیں۔ ایرین نے تھوڑا سا کھانا



اُسکے بعد دونوں رہبر جو بہت بھوکے ہو رہے تھے میز پر کھانا کھانے لگے۔ جب اس کام فراغت ہوئی۔ تو سب کے سب بروڈت کے دفعیہ کے لیے چولھے کے اطراف بیٹھ گئے اور دوسرے دن کی کارروائی کے متعلق تجویزین ہونے لگیں۔ آٹو اور ماظنی نے اُس قلعہ کے جانے کا عنہم بیان کیا جہاں ظرنین قید ہے۔ رہبروں کے پتہ دینے سے انھیں یقین کلی ہو گیا کہ امیر ظرنین اسی راہب خانے میں قید کی مصیبت جھیل رہا ہے۔

آٹو نے میں نے ایک تجویز سوچی جو ہماری کارروائیوں میں نہایت مفید ثابت ہوگی۔ اہل قلعہ مجھے اور ماظنی کو بخوبی پہچانتے ہیں۔ ہم کو بر ملا وہاں جانا اور اُسے مہمانی کا خطاب ہونا ٹھیک نہیں بلکہ ایسی حرکت ہماری مطلب براری میں خلل ڈالے گی۔ آپ (ایرین سے) اپنے دونوں ہمراہیوں کو ساتھ لے سیدھی اُس قلعہ میں جا کر شب وہیں گزارنے کی درخواست کیجیے۔ جب آپ بغیر کسی بدگمانی کے اندر پہنچائی جائیں تو اُس جگہ کی ترکیب سے قرینتاً معلوم کر لیں کہ وہی مقام ظرنین کی قید کا ہے یا نہیں۔ جب آپ اُس راہ سے وہاں جا پونچیں گے۔ میں اور ماظنی مخفی راہ کی تلاش میں رہیں گے۔ جسکا سراغ (یقین ہو) کہ ہمیں مل چکا۔ جب آپ اپنے کام کو انجام دین یعنی یہ بات دریافت کر لیں کہ امیر ظرنین وہیں ہے یا نہیں۔ پھر ہمیں واپس آجائیے۔ آپ کی ہماری ملاقات اسی مقام پر ہونا چاہیے کیونکہ ہم بھی اُس راہ کو دھونڈھ کر ہمیں ٹھہرے رہیں گے۔ اس امر کی آئندہ تجویز ہو سکتی ہے کہ اُسکی رہائی کے متعلق کیا کارروائی کی جائے۔ آٹو کی رائے سب کے پسند ہوئی۔ اس تجویز کے بعد تمام لوگ سونے کی تیاریاں کرنے لگے۔ اُس جھونپڑی کے ایک حصے میں ایرین اپنا تمام جسم شالون میں چھپائے سو گئی۔ دوسرے حصہ میں آگ سلگائی گئی۔ اور وہیں چاروں مرد بیٹے آٹو۔ ماظنی اور وہ دونوں رہبر پڑ رہے۔ شب بغیر کسی نئی واردات کے گزر گئی۔ طلوع آفتاب کے قبل سب کے سب بیدار ہوئے جو کچھ پاس تھا کھا لیا۔ آٹو اور ماظنی ایک جانب۔ اور ایرین اور اُسکے دو ہمراہی



## سینٹسوان باب

### راہب خانہ

ہم پہلے لیڈی ایرین اور اسکے دو ہمراہیوں کا حال بیان کرتے ہیں۔ ہر ایک اپنے گدھے پر سوار ہوا۔ اور اتنی دور واپس گئے جہاں سے پہلے دن طوفان اور تاریکی کے سبب رستہ بھول گئے تھے۔ ایک گھنٹے کے عرصے میں وہ ایک شگاف پر پہنچے جو عرضاً چار قدم سے زیادہ نہ تھا اور جو ایک دامن کوہ کے گرد بہت بلندی سے ہو کر ایک تالاب کی طرف گیا تھا۔

ایک رہبر۔ (بلندی سے نیچے کی جانب نگاہ کر کے) ”لیڈی صاحبہ! کل شب کو اس جھونپڑی تک پہنچنے کے آگے ہم اس شگاف پر سے گزرے تھے۔“

ایرین۔ (دشت سے نیچے دیکھ کر) ”کیا تمہیں اس وقت بالکل ہی نہ معلوم ہوا کہ ہم ایسی ہولناک جگہ میں ہیں؟“

رہبر۔ ”اگر ہمیں معلوم ہوتا تو کاش یہ کوہ رستہ اختیار کرتے۔ لیکن ہمارے گدھے بیشک قابل تعریف ہیں جو اندھیرے آجائے میں یکساں کام دیتے ہیں۔ شب کو کچھ اس درجہ خود فراموشی ہو گئی کہ میں اور نہ میرا ساتھی یہ دریافت کر سکے کہ ہم کہاں ہیں۔ لیکن جس طرح آپ نے کہا تھا یہ خدا کے کام ہیں جو اس نوجوان سے ملاقات ہوئی۔ اور اس راہب خانہ کا پتہ لگا۔“

ایرین۔ ”ہم راہب خانے میں کب جا پہنچیں گے؟“

رہبر۔ ”غروب آفتاب کے آگے ہی پہنچ جانا ممکن ہے۔“

تینوں شخص اسی طور پہل رہے تھے۔ ایرین کو اپنے گدھے پر بہت کچھ اعتماد تھا۔ نیچے تالاب کے کناروں پر سبزہ نو دمیدہ کی بہار اور اس سین کی دلچسپ کیفیت قابل دید تھی۔ ہم نہیں چاہتے کہ اس سینری (نظارہ) کا نقشہ کھینچنے کی ناکامیاب کوشش بار بار عمل میں لائیں۔

اور نیز یہ کہ ایرین اور اُس کے ساتھی کو راہب خانے کے چھانک پر پہنچتے تک جو جو جزئی واقعات گذرے بیان کریں۔

استدر کھدینا بس ہو کہ وہ سورج ڈوبنے کے ایک گھنٹہ بعد ایک مستحکم عمارت کے قریب پہنچے جو ایک عجیب و غریب مقام میں تعمیر کی گئی تھی۔ ناظرین تصور کر لیں کہ ایک بڑے سے پہاڑ کی چوٹی میں زمین تک کھود کر ایک گڑھا بنایا گیا تھا۔ اور اُسکی تہ میں ایک عمارت بنائی گئی تھی۔ اسی سبب سے اُس مکان کے اطراف مصنوعی دیواروں کے علاوہ قدرتی دیواریں بھی تھیں۔ اور مضبوط ایسی کہ اُس عمارت کو نہ طوفان یا فوج کے حملہ کرنے سے گزند پہنچنے کا اندیشہ کیا جاسکتا تھا۔ چاروں جانب ٹیلے اس درجہ بلند تھے کہ کسی آدمی کا اوپر تک گذر ہونا غیر ممکن تھا۔ دور سے جانے والے مسافروں کی نگاہ اُس عمارت نہیں ٹپکتی تھی۔ لیکن دونوں طرف پہاڑ کے شگاف میں دھوان وغیرہ خارج ہونے کے لیے جو کھلیں لگائی گئی تھیں وہ البتہ کچھ فاصلے سے نظر آرہی تھیں۔ ایک شگاف بڑے دروازے کے پاس تھا۔ جہاں ایرین اور دونوں رہبر جا کھڑے ہوئے تھے۔ دوسرا عمارت کے پیچھے کے رخ تھا۔ جو ایک مہیب غار کے منہ تک چلا گیا تھا۔ مگر ان شگافوں کی وجہ سے مکان کے استحکام میں کوئی فرق نہ آیا تھا۔ کیونکہ وہ ایسی جگہ پر واقع تھے کہ اگر اُسپر ایک توپ رکھ دی جائے تو ہزاروں کی فوج دم کے دم میں غارت ہو جائے۔ خیر۔ ایرین مع اپنے ساتھیوں کے اُس دروازے پر پہنچے اور جب ایک رہبر نے زنجیر درہلائی تو قلعہ کے اندر گھنٹی بٹنے کی آواز آئی۔ چند لمحے کے بعد ایک راہب نے قندیل ہاتھ میں لیے ہوئے آکر دروازہ کھولا۔ اُسکا چہرہ سُرخ تھا۔ اور وضع صورت کی شگفتگی اور خندہ پیشانی کے مناسب نہ تھی۔

راہب: ”کیا چاہتے ہو؟“

رہبر: ”ہم شب گزارنے کے لیے جاے امن کے مستعدی ہیں۔“

راہب: ”تم سب کتنے آدمی ہو؟“

رہبر ”تین آدمی۔ ایک لیڈی۔ اور دو اسکے رہبر!“  
 راہب۔ اندر آؤ! ہم کبھی سافرون کو راحت و آرام پہنچانے سے انکار نہیں کر سکتے!“  
 ایک رہبر۔ (آہستہ سے) اس راحت رسانی پر خاک جو ایسی برہمی اور ترش روئی سے دی جاتی ہے۔  
 راہب نے یہ الفاظ نہیں سنے۔ کیونکہ وہ دروازہ کھولنے میں مستغرق تھا۔ اور زنجیروں سے حرکت  
 کے سبب کھڑکھڑاہٹ پیدا ہو رہی تھی۔

راہب۔ (اندر پہنچ کر) ”ادھر آراؤ رک! ان دونوں رہبروں کو گدھے چھوڑنے کے لیے جگہ  
 دکھلا دو۔ اور کچھ غذا بھی انھیں پہنچنے کا اہتمام کرو (ایرین سے) لیڈی صاحبہ! آپ میرے  
 ہمراہ آئیں۔ میں یہاں کی ماما کے پاس پہنچائے دیتا ہوں۔ جو آپ کے ساتھ کمال خلق سے پیش  
 آنے لگی۔“

ایرین نے اُسکے ساتھ چلنا شروع کیا وہ ایک کشادہ کمرے سے ہو کر کسی مکان میں لے گیا  
 جسکے سیدھے جانب نشہ نگاہ میں ایک بڑھی سی عورت بیٹھی پُرانے فن کے پاتا بے سینے میں  
 ہمہ تن مصروف تھی۔

راہب ”ملڈ ریڈا! میں اس لیڈی کو جو مجھے مہمان نوازی کی طالب ہے۔ تمہارے سپرد کرتا ہوں  
 تم اسکے آرام و آسائش کے متعلق کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کرنا۔“ یہ کہہ کر راہب نے ایرین کو دعا دی  
 اور باہر چل دیا۔ بڑھیا اٹھی۔ اور میز پر سے ایک چراغ اٹھا کر ایرین کو ساتھ ساتھ آنے کے لیے کہا  
 دونوں پتھر کے زینے سے گذر کر ایک مسجد کمرے میں پہنچے۔ بڑھیا ایرین کو وہاں بٹھا کر آپ کسی  
 کام کی غرض سے چند منٹ کے لیے باہر گئی۔ جب ایرین کو تنہائی نصیب ہوئی تو اُس عمارت  
 کا نقشہ غور سے دیکھنے کا موقع ملا۔ تابی مال میں کوئی دریچہ تو نہ تھا صرف روشنی کے واسطے چست  
 میں ایک کھڑکی تھی۔ اُسی وقت آٹو کا بیان یاد آیا۔ اور وہ سمجھ گئی کہ آٹو یہیں لایا گیا تھا۔ اور  
 یہ بھی یقین ہو گیا کہ اسی عمارت میں میرا عاشق ظرین قید ہے۔

اُس وقت بڑھیا ایک خان میں چند رکابیان جو قیس کھانوں سے بھری ہوئی تھیں۔ اور

ایک شیشہ انگوری شراب کا لے آئی۔ اور بولی: ”لیڈی صاحبہ! یہ لیجیے۔ آپ کے لیے شرب کا کھانا لائی ہوں اور وہ حجرہ (کمرے کے دوسری جانب دکھلا کر) آپ کی خواہگاہ ہے۔ اب میں جاتی ہوں تسلیم ایرین۔“ (سلام کا جواب دیکر) ”تھاری اس تواضع و کرم کا میں شکریہ ادا کرتی ہوں۔“ بڑھیا کمرے سے نکل گئی۔

ایرین۔ (تنہائی میں) اگر میں اس وقت اُسی سائے کے نیچے ہوں۔ جس میں میرا پیارا ظربین بھی تھا تو خدا کرے کہ ہماری جدائی کے دن اخیر ہو گئے ہوں۔ اے خداوند کریم! تو میری دل کی پاکی سے خوب واقف ہو اور یہ بھی جانتا ہو کہ میں کچھ اپنی ذاتی منفعت کی خواہاں نہیں ہوں۔ اگر اُسے کسی دوسری عورت سے شادی کر لی ہو۔ اور اُس کے ساتھ خوش و خرم رہے تو میں اُن دونوں کے لیے دعاے خیر کرونگی مگر وہ شخص۔ وہی دغا باز جسکو میں نے دیا نا میں دیکھا تھا۔ نہیں وہ کبھی اُس کے برابر ہو نہیں سکتا جس کے چہرہ زیبا کا تصور میرے خانہ دل کو اب تک منور کیے دیتا ہو!۔“

جب ایرین دل ہی دل میں یہ خیالات کر رہی تھی تو خواہگاہ کے حجرے سے کچھ حرکت کی آواز آئی۔ وہ انتہا سے زیادہ گھبرا گئی۔ کیا کچھ دغا و فریب ہونے والا تھا؟ وہ ایک ایسی جگہ میں تھی جہاں ہر بدکاری کا عمل میں لانا آسانی سے ممکن تھا۔ اور یہ بات خود ایرین کو بھی معلوم تھی۔ اس لیے وہ خوف سے کانپنے لگی۔ پھر ویسی ہی آواز آئی اور اندازاً معلوم ہوا کہ کوئی اُس دیوار کی دوسری جانب پھر رہا ہے دفعۃً حجرے کی دیوار سے (وہی حجرہ جو ایرین کو سونے کے لیے بتایا گیا تھا) ایک کھڑکی کھلی۔ اور دوسرا دندہ آپہونچے۔

ایرین: ”خدا دندا! مجھے بچانے!“ یہ کہہ کر سر بزاؤ بیٹھ گئی!۔

ایک شخص: ”کیا یہ اُسی کی آواز ہے؟“ ایرین آواز پہچان کے اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اور پھر کر دیکھا تو آٹھ اور ماٹنی ہیں۔

۳۸  
ارتیسوان باب

راہب خانے کا حجرہ

آٹو اور ماطنی اپنے آپ کو اسی حجرے میں پا کر جہان پیشتر لائے گئے تھے ایرین سے بھی زیادہ متعجب ہو گئے۔ مگر تھوڑی ہی دیر میں اس حیرت انگیز راجے کے اثر کو دل سے دور کر دیا۔ اور آپس میں ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرانے لگے۔ جب انھیں اتنی دلجمعی حاصل ہوئی کہ اپنے امور کی طرف متوجہ ہوں تو پہلے ایرین نے حجرے کا دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ اور وہ کھڑکی بھی بند کر دی گئی جسکے ذریعہ دونوں اندر آئے نکلے نہ سکتے تھے۔ اب تینوں نے اطمینان سے باتیں کرنا شروع کیں۔ ایرین نے اس جھونپڑے سے نکلتے ہوئے اب جاننے میں پہنچنے تک کا حال بیان کیا۔ آٹو اپنے اور ماطنی کے سفر کا حال اس طرح کہنے لگا۔

”ہننے آپ سے جدا ہونے کے اُس راہ سے بڑھا شروع کیا۔ جو اُس جھونپڑی کے سیدھی جانب گئی ہو سائے کے دونوں طرف کثرت سے برتن جمی ہوئی تھی غرض کامل دو گھنٹے ہم بے تردد بڑھے گئے۔ وہاں ایک چھوٹا سا گر جا ملا۔ جس کے قریب دو طرف سے دور سے گئے تھے۔ ہم وہاں ٹھہر کر سوچنے لگے کہ کدھر جائیں۔ آخر یہ رائے قرار پائی کہ ایک طرف میں اور دوسری سمت مانظی جائے۔ اور پھر اُسی گر جا میں باہم ملنے کا اقرار ہو گیا۔ میں مانظی سے الگ ہو کر دو گھنٹوں تک چلا گیا۔ وہ رستہ بتدریج تنگ ہوتا جاتا تھا۔ آخر ایک اندھیری سڑک میں پہونچا۔ اسکی دہائی تختینا چھ گز کی ہوگی۔ مگر تاریکی اسقدر کہ ہاتھ کو ہاتھ نہ پہونچتا تھا۔ میں نے انھیں ہاتھوں کو اپنا رہبر مقرر کیا۔ اور ٹٹولتا ہوا سڑک کے اندر جانے لگا۔ یہاں تک کہ میرا ہاتھ ایک دیوار کی تختہ بندی پر پڑا۔ اور معلوم ہوا کہ وہ دروازہ ہی۔ اور ساتھ ہی اسکا بھی یقین ہو گیا کہ یہ دروازہ اُسی عمارت کا ہی۔ مگر اکیلا ہونے کے سبب اُسکے کھولنے اور اندر جانے کی جرأت نہ کر سکا۔ اور یہ بھی خیال میں تھا کہ مانظی اگر مجھے آگے گر جا میں پہونچ گیا ہو تو میرے نہ آنے سے گھبرا گیا۔

لہذا میں پلٹ آیا اور دوپہر کے قریب اُس گرجا میں جا پہنچا۔ ماٹینی وہاں نہ تھا جسکے مجھے انتظار کھینچنا پڑا گھنٹے گزر گئے مگر اُسکا پتہ نہ لگا۔ یہاں تک کہ آفتاب بھی غروب ہو گیا۔

میری فکر اور پریشانی بڑھ گئی۔ ایک ایک ساعت پہاڑ کی طرح ٹپکتی تھی۔ بہت دیر بعد چاندنی میں ایک شکل ہلتی ہوئی دکھائی دی۔ آخر کار ماٹینی میرے روبرو آیا۔ اُسکا قصہ بھی میری ہمت کے دیتا ہوں۔ وہ ناہموار دشوار گزار رستوں سے گذرتا ہوا راہ بھول گیا۔ اور بڑی ہی شکل و خرابی سے مجھ تک پہنچا۔ اور میری کامیابی کا ماجرا سن کر نہایت خوش ہوا۔ وہ تھکا ماندہ بیوی کی وجہ سے تھوڑی دیر توقف کرنا ضرور ہوا۔ الغرض کچھ عرصے کے بعد جو کچھ کھانے کی قسم سے پاس تھا کھا کر اُس سرنگ کی طرف دونوں چل نکلے۔ اور بہت جلد وہاں پہنچ گئے۔ یہ تجویز آگے ہی نہ کر لی کہ کس ترکیب سے دروازہ کھولیں۔ اور کس ڈھب سے اندر داخل ہوں۔ کیونکہ ایسے موقعوں پر مناسب وقت کارروائی عمل میں لانا ضرور ہوتا ہے۔ ماٹینی اس امر میں زیادہ دخل دہی سے پس و پیش کرتا رہا۔ لیکن جب اُسکو آپ کی مدد کا خیال آیا۔ اور مجھے بھی اس بارے میں ہمہ تن آمادہ پایا تو اسے کہہ دیا کہ چاہے جو مصیبت پڑے۔ میں آپ دونوں کی مدد کرنے میں دریغ نہ کروں گا۔“ (بیانِ ایرین نے ماٹینی کا شکریہ ادا کیا) آٹو نے پھر اپنا قصہ شروع کیا۔ ”جب ہم اُس سرنگ کے آخری حد پر پہنچ گئے تھوڑی دیر وہاں بیٹھ کر تجویز کرنے لگے کہ کیا کیا جائے۔ اُسی وقت دو عورتوں کے جہات کرنے کی صدا کان میں آئی۔ اور وہ صدا دروازے کے دوسری جانب سے آرہی تھی۔ لیکن بہت آہستہ ہونے کے سبب ہم اُسکا ایک حرف بھی سن نہ سکے۔

ایرین ”وہ آواز میری اور ماما کی باہمی گفتگو کی ہوگی!“

آٹو ”شاید وہی ہو۔ بعد ازاں ہم چپکے سے دیوار کے قریب آگے سننے لگے اور بڑی ہی کوشش کی کہ کچھ مطلب سمجھ میں آئے تا آئندہ کی کارروائی میں آسانی ہو مجھے یہ بھی گمان تھا کہ آپ اب ہاتھ میں پہنچ گئی ہیں اور وہ آواز آپ ہی کی ہو۔ مگر دلی یقین نہ ہوتا تھا۔ یہ تو قاعدہ ہے کہ مصیبت کے وقت انسان کے دل میں نامحدود خیالات آتے ہیں اور اُن خیالات سے دل پر ایک اثر ضرور



ہوتا ہے۔ جسکی وجہ سے امید اور امید سے جرأت پیدا ہو جاتی ہے اور وہی جرأت اُسکو سعی و کوشش پر آمادہ کرتی ہے۔ مین ماضی کا ماتھ سنبھالے ہوئے نہایت خبرداری کے ساتھ آہستہ آہستہ زینے کی راہ اُترنے لگا۔ لیکن جیسے ہی نیچے پہنچا میرا پاؤں پھسل گیا۔ اور ماضی بھی میرے ہمراہ بے اختیار اُنہ کھڑکی پر آ پڑا۔ آخر وہ کھڑکی کھل گئی۔ اور اُسی سے ہو کر ہم بیان آئے۔ اسکے بعد جو کچھ گزرا وہ تو آپ کو معلوم ہی ہے۔“

ایرین نے زہرے نصیب کہ ہم بغیر کچھ تکلیف و مصیبت بیان ایک دوسرے سے مل گئے۔ اب کون سنجو کرین؟ مجھے یقین ہے کہ آج شب بھر بیان کوئی نہ آئیگا۔ لہذا ہمیں دل کھول کر باتیں کرنے اور سجاویر سوچنے کے لیے اچھی فرصت ہے۔“ ایرین نے یہ الفاظ دلی جوش سے کہے تھے۔ آٹو اسکا مطلب سمجھ گیا۔ ایرین کا پاک دل اُس شخص کو خوش خبری سنانے کے لیے بیتا بیان کر رہا تھا جسے وہ جان سے زیادہ عزیز سمجھتی تھی۔ اور جو دمان قید رہنے کا یقین کامل ہو گیا تھا۔

عورت کی محبت بھی کس درجہ سچی اور عمدہ شے ہے۔ فسانہ گو۔ اور شعرا نے اسکو ایک خیالی ڈھنگ پر مقرر کر رکھا ہے۔ افسوس کہ انھوں نے اسکا صحیح اندازہ نہ کیا۔ اور خود غرضی کی محبت کی بے ثباتی اور سچے نیک دل کی خالص محبت میں فرق نہ کر سکے۔ عورت کی محبت بشرطیکہ خالص ہو ایسی ہے کہ کسی وقت ناپائیدار ثابت ہو۔ وہ نہایت گہری اور مستحکم ہے۔ اس مجسم خاک کو عطا کی ہوئی نعمت اور فصلتوں سے یہی ایک خصلت جسکا نام ”عشق“ ہے نہایت پاک بے بدل مقدس چیز ہے۔ خانہ دل کا روشن اور منور چراغ (یعنی سچا عشق) خود غرض اور بے ثبات محبت کی دھندلی

۱۱ موجودہ شعراے ہند کے طرز بیان سے عشق کی وقعت ہی خاک میں ملی جاتی ہے۔ آج کل کی اردو شاعری ہمارا لٹریچر (علم ادب) مقرر ہوئی ہے ایسی ہے کہ سوا احکام خدا و رسول سے بے پروائی ہونے کے اور دیگر گئی بڑائیوں کے اسکے پھٹنے سے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ ہمارے تعلیم یافتہ نوجوان اس بے سود اور سوسائٹی کو ضرر پہنچانے والی محنت کے عوض کچھ ایسے کام کی طرف متوجہ ہوں جس سے ملک و قوم کو فائدہ پہنچے تو نہایت اچھی بات ہے۔ از مترجم ۱۲

روشنی سے الگ ہو۔ عشق صادق کبھی دل سے دور نہیں ہوتا۔ گو کہ سیکڑوں، ہزاروں تصدیقات  
 و تکالیف مزاحم ہوں۔ بیشک سواموت کے کوئی اُسے جدا نہیں کر سکتا  
 امیر ظرین کے ساتھ ایرین کا عشق بھی ایسا ہی سچا اور پاک تھا۔ ہمیشہ اُسی کی دھن۔ اُسی  
 کا تصور۔ وہی خیال رہا کرتا تھا۔ اور جب یہ معلوم ہو گیا کہ ظرین یہاں قید ہے۔ تو اسکو اُس سے زیادہ  
 کسی بات اور کسی کام میں جی نہ لگتا تھا کہ کسی صورت اُسکی رہائی کا سامان کیا جائے۔

آٹو۔ (بہت غور و تامل کے بعد) ”میری دانست میں دو تدبیریں آتی ہیں۔ اول یہ کہ میں اور ظرین  
 دو پہر شب تک اسی سرنگ میں رہیں۔ اور بعد ازاں پوشیدہ اگر اس پوری عمارت کا جائزہ لیں۔ اور  
 اتنا در یافت کر لیں کہ یہاں مسلح شخص کتنے ہیں۔ اور نیز عمارت کے جدا جدا حصے کس کس رخ پر واقع ہیں  
 ایرین۔ ”نہیں آپ اُنکے ہاتھوں میں گرفتار ہو جائیں گے۔ وہ لوگ جنھوں نے جرمنی کے ایک مہر  
 کو مدت دراز سے قید کر رکھا ہے اپنے بھید کے مخفی رکھنے کے لیے کیا کچھ نہ کریں گے۔ اور ممکن ہے۔ کہ وہ  
 آپ صاحبوں کے قتل میں بھی در یغ نہ کریں۔ اسیلئے کہ آپ پہلے بھی ایک دفعہ یہاں  
 آئے ہوئے ہیں۔“

آٹو۔ ”میری دوسری تدبیر یہ ہے کہ کل صبح میں ماما آپ کی خبر لینے کی غرض سے یہاں آئیگی۔ ہم  
 اُسکو بکڑ لیں۔ اور جان لینے کی دھمکیاں دے کر اُس سے پورے پورے حالات دریافت کر لیں  
 جو ہمیں ضرور ہیں۔“

اس رائے کو ایرین اور ماٹینی دونوں نے پسند کیا۔ ایرین ایک کوچ پر لیٹ گئی۔ اور دن بھر  
 کی نکان کے سبب فوراً نیند آ گئی۔

## ۳۹ آنتالیسوان باب

۱۱

لیڈی ایرین غافل سو رہی ہے۔ گو وہ مقام ایسا تھا کہ دشت سے نیند آتا تو ایک طرف

بھوک پیاس بھی نہ معلوم ہو۔ لیکن ظرین کی اسیدر مائی نے اُسکے دل میں ایک ایسی مسرت پیدا کر دی تھی کہ بیرونی آفات کا مطلق خیال نہ رہا۔ مانٹی۔ اور آٹو باری باری سے سوتے رہے۔ جب ایک سوتا تو دوسرا پردہ دیا کرتا تھا۔ اسی طرح پوری شب امن سے گزر گئی۔ آفتاب کی پر نور شعاعیں صبح ہونے کی خبر دینے لگیں۔ ایرین خواب گاہ سے باہر آئی۔ اور تینوں اپنی تجویز کی عمل پیرائی کے لیے مستعد ہو گئے۔ آٹو اور مانٹی اُسی حجرے میں اپنے آپ کو چھپائے بیٹھے رہے۔ جہاں ایرین نے شب بسر کی تھی۔ اور یہ بات تو پیشتر ہی مقرر کر لی گئی تھی کہ ماما کرے کے اندر پہنچتے ہی ایرین اُس سے اتنا پوچھے کہ وہ اب کس بجے ہیں، اس اشارے پر آٹو اور مانٹی حجرے سے نکل کر غرض ماما تا شتہ لیے ہوئے کمرے میں آئی۔

ماما۔ ”لیڈی صاحبہ! تسلیم۔ مجھے امید ہے کہ سفر کی ماندگی آپ سے رفع ہو گئی ہوگی!“ ایرین۔ ”میں اچھی طرح راحت و آرام سے سوئی۔ تمھاری همان نوازی کا شکریہ ادا کرتی ہوں“ ماما۔ آپ کے لیے صبح کا کھانا حاضر ہو تناول فرمائیے۔ آپ کے دونوں ہمراہی بھی کھا رہے ہیں۔ اب یہ کیسے کہ یہاں سے کوچ کب کیجیے گا۔

ایرین۔ کیا تمھاری ایسی ہی عادت ہے کہ مہانوں کو جبراً نکال دین؟ میں نے سنا تھا کہ اس راہب خانے میں مہانوں کی بڑی آوجھگٹ کی جاتی ہے۔ مگر میرا خیال غلط نکلا۔ خیر۔ میرا یہاں ٹھہرنا کسی کے رنج یا تکلیف کا سبب ہوا ہو تو اس تکلیف کے عوض جس قدر چاہا ہو اپنا روپیہ دینے کے لیے موجود ہوں!“

ماما۔ ”لیڈی صاحبہ! آپ کی تقریر کا ہر جملہ میرے دل سے تیر وستان کا کام کر رہا ہے۔ آپ نہ خیال کیجیے کہ بڑھیا نہایت کنجوس ہے جو مہانداری کے صلے میں روپیہ طلب کرتی ہے۔ میں کچھ بیان دیتا ہوں۔ اور جگہ تاج خدا نے کیا ہے اُنکے حکم کی بجا آوری مجھے ضرور ہی پادری نسیم صاحبہ جو یہاں کے حاکم ہیں بڑے ہی درشت مزاج ترش وہیں۔ وہ اپنے احکام کی تعمیل میں دیر ہونا بالکل گوارا نہیں کرتے۔ اور میں جو یہاں پڑی ہوں۔ اپنی دلی خوشی سے نہیں بلکہ صرف اس خیال

سے کہ اگر چھوڑ دوں تو پھر جاؤں کہاں؟ علاوہ برین میری زیست بھی یہاں سے روگردان ہونے کے بعد زلزل میں پڑ جائیگی ایرین اٹھ کر بڑھیا اور دروازے کے بیچ میں کھڑی ہو کر باتوں میں لگائے رہی تاکہ وہ بھاگ نکلنے کا قصد نہ کرے۔

ایرین۔ میں نے تمہیں رنج دینا نہ چاہا۔ لیکن تمہارے بالادست نہایت بے رحم معلوم ہوتے ہیں۔ میں عودت ذات اور سفر کی عادی بھی نہیں۔ اس قدر جلد کیونکر واپس جاسکو گی۔ مگر تمہیں زیادہ دیر باتوں میں پھنسا رکھنا بھی ٹھیک نہیں۔ اب کئی بجے ہونگے؟

یہ فقرہ ایرین کی زبان سے ابھی پورے طور پر ادا ہونے بھی نہ پایا تھا کہ حجرے کا دروازہ زور سے کھلا۔ اور آٹو نے دوڑ کر بڑھیا کا منہ دبا لیا تاکہ غل نہ مچانے پائے۔ ماٹنی ایک تنگی تلواریسے پیچھے کھڑا ہو گیا۔ اور ایرین نے دروازے کو اندر سے بند کر لیا۔

آٹو۔ (ماما سے) ”اگر تمہیں اپنی جان پیاری ہے تو چند سوال جو تم سے کیے جاتے ہیں ان کا جواب سچائی کے ساتھ دیدو۔ لیکن خبردار! منہ سے کچھ آواز نکالی یا دیگر حرکات سے کچھ بیرونی مدد کی طالب ہوئی تو پچھاؤ گی۔ کیونکہ اُس دیوار سے (دکھا کر) لگی ہوئی سرنگ میں ہمارے بارہ آدمی مسلح منتظر کھڑے ہیں جو اس بدکار گروہ کے غارت کر دینے کے لیے کافی ہیں۔ لہذا میں ابھی سے جملے دیتا ہوں کہ اگر ہم میں سے کسی نے کچھ سوال کیا تو خاموشی سے جواب دو۔ ورنہ چپ ہو رہو۔ شور و فریاد کرنا خود تمہارے لیے خراب ہے ماٹنی آٹو کے اس فقرے سے کہ بارہ شخص سرنگ میں پوشیدہ ہیں، ہنسی کو ضبط نہ کر سکا۔ مگر بڑھیا سب باتیں صحیح جان گئی۔ آٹو نے اپنا ہاتھ اُسکے منہ پر سے اٹھا دیا۔ اور اسکو ایک کرسی پر لا کر بٹھلایا جب بڑھیا کو تھوڑی بہت دلجمعی حاصل ہوئی۔ اُس نے پوچھنا شروع کیا۔

آٹو۔ اس عمارت کے اندر کوئی قیدی نہیں ہے؟

بڑھیا۔ (عاجزی سے) ”ہاں۔ اگر آپ مجھے کچھ تکلیف نہ دین تو سب حال کہہ دوں گی!“

آٹو۔ بیشک تمہیں کوئی اذیت نہ دی جائیگی۔ بس ٹھیک ٹھیک بتا دو (ماٹنی سے) تم اپنی

تو اچھٹیک دو ایہ نیک بخت سب باتیں صحیح صحیح کہہ بنے پر آمادہ ہو (ماما سے) تم کہتی ہو کہ یہاں ایک قیدی ہے۔ بھلا اسکا نام کیا ہے؟

بڑھیا: ”میں اُسکے نام سے واقف نہیں۔ اور نہ کسی کو اسکا نام لیتے ہوئے دیکھا ہے۔ وہ جس جگہ مقید ہو وہاں مجھے جانے کا کوئی کام نہیں پڑتا۔ مگر اتفاقاً اتنی بات گوش زد ہوئی کہ وہ ایک بہت بڑا امیر جرمنی کا ہے!“

(یہاں ایرین کے سینے سے بے ساختہ ایک آنکھ لگی)

بڑھیا: ”اُسکی عمر اندازاً چالیس سال کی ہوگی۔ وہ بہت حسین تو ہے۔ مگر چہرے سے مصیبت و فکر مندی آشکار ہے۔“

ایرین: ”اب کوئی شبہ باقی نہ رہا۔ وہ وہی ہے۔ اچھا کتنے برس سے وہ یہاں مقید ہے؟“

بڑھیا: ”شاید آٹھ یا دس سال کا زمانہ گزرا ہو۔ وہ شب کے وقت یہاں لایا گیا تھا وہ بھی نہایت مخفی طور پر۔ مجھے اُسکا حال صرف دو شخصوں کی زبانی معلوم ہوا جو یہاں کے ملازم ہیں۔ اور جنکا نام کارل اور کانرٹید ہے۔“

ایرین: ”(دردناک لہجے میں) ”آٹھ سال کی قید شدید؟ افسوس! صد افسوس!!“

آٹو: ”اس مدت میں کبھی وہ رہا بھی ہوا تھا؟“

بڑھیا: ”نہیں۔“

آٹو: ”تو میں جس بات کا خوف کرتا تھا وہی آگے آئی۔ وہ شخص جو اُس نام سے دیا نا میں مشہور ہے۔ اور جو میری بہن ایڈا کا شوہر ہے ایک پورا دغا باز نکلا۔“

ایرین: ”آپ اس خیال سے رنجیدہ نہوں۔ آپکی ہمشیرہ صاحبہ کے لیے معقول بندوبست کیا جائیگا۔“

آٹو: ”(شکریہ ادا کر کے) ”تاہم کیسی شرم کی بات ہے؟ خیر اسوقت وہ ذکر رہنے دیجیے بہن اتنی سلت نہیں کہ وقت رائگان کریں۔ (ماما سے) کیا تنے کبھی ایسے شخص کو دیکھا ہے جو اس قیدی سے

مشابہت رکھتا ہو۔

بڑھیا ”نہیں۔ میں نے یہاں کسی اُسکے ہم شبیہ کو بھی نہیں دیکھا!“

آٹو ”کیا تم یہ جانتی ہو کہ وہ شخص کیلئے یہاں قید میں رکھا گیا ہے؟“

بڑھیا ”وہ دیوانہ ہے! اسی بے اُسکے اقربا نے یہاں قید کر رکھا ہے!“

ایرین۔ (پریشانی سے) ”دیوانہ؟ آہ۔ نہیں وہ دیوانہ نہیں ہے!“

آٹو ”آپ فکر نہ کیجیے۔ وہ سوداگی کیون ہونے لگا؟ اُن ظالموں نے اپنی بد اعمالی کے لیے

ایک بہانہ ڈھونڈ نکالا ہے۔ جب اُسے مجھ سے بات کی نہایت غمگین ہو رہا تھا۔ مگر خلل دماغ کی

کوئی علامت نہیں پائی گئی۔“

ماٹینی ”میں نے جو چہرہ برس قبل اُسکو دیکھا ہے اُسوقت بھی اُسکی تقریر سے دیوانہ پن معلوم نہیں ہوا۔“

ایرین ”خدا کرے۔ ایسا ہی ہوا۔“

آٹو۔ (ماما سے) ”تم کوئی ایسی دلیل رکھتی ہو جس سے اُسکی دیوانگی کا ثبوت مل سکے؟“

بڑھیا ”میں خوب جانتی ہوں کہ یہ شہرت بالکل بے اصل ہے۔ مگر یہ راہب جو صدق دل سے

طاعت الہی میں مشغول رہتے ہیں۔ اور جنہیں دن رات تسبیح و وظائف سے فرصت نہیں ملتی۔

اُسکی نسبت کون یقین کر سکتا ہے کہ ایسے گناہ عظیم کے مرتکب ہوئے ہیں؟“

آٹو ”یہاں کا مختار کل کون ہے؟“

بڑھیا ”پادری سلم صاحب۔ جو روپیہ کے بڑے عاشق ہیں۔“

آٹو ”ہر ایک بدی اور گناہ کا سبب یہی گنجت روپیہ ہے (ماما سے) تمہیں معلوم ہے کہ یہاں کا ملازم

فیروز بھی اس ظلم میں شریک ہے۔ یا وہ بھی اُس گرفتار بلا کو دیوانہ خیال کرتا ہے جیسے کہ تم سمجھتی ہو؟“

بڑھیا ”فیروز ایک سنجیدہ مزاج و دانشمند شخص ہے۔ وہ کبھی ایسے امور میں لب کشائی نہیں کرتا۔“

آٹو۔ خیر۔ اب تم غور سے سنو! ہماری اصلی غرض یہی ہے کہ اس قیدی کو یہاں سے چھڑا لیا جائے۔

میں نے تمہیں پیشتر ہی بتا دیا ہے کہ (سرنگ کی طرف دیکھ کر) ہماری مدد کو بہت سے قوی تن لوگ



موجود ہیں میری آنکھ کا اشارہ پاتے ہی سب کے سب گھسکر بہان کے ساکنوں کو قتل کر دیں گے اور ایک ہنگامہ بپا ہو جائیگا۔“ (بڑھیا خوف زدہ چوڑھ دیکھنے لگی۔) اسی لیے میں چاہتا ہوں کہ یہ کام بغیر کچھ ہنگامہ و فساد کے انجام پائے۔ کیا تم اس بارے میں ہماری مدد کر سکتی ہو؟ اور اس بات کا اقرار کرتی ہو کہ یہ راز افشا نہ کر دو گی؟۔ دیکھو اگر رضا مند ہو اور ہماری حسب مرضی عمل کرو تو تمہیں معقول انعام دیا جائیگا۔ بخلاف اسکے کہیں تم نے بدینتی کی اور اقرار سے بدل گئیں تو تم سمجھو گی!“

ایرین۔ مان۔ تمہیں اس قدر انعام دیا جائیگا جس کا اندازہ نہ کر سکو۔ میں بہت ذمی قدرت ہوں۔ اور اتنا روپیہ دے سکتی ہوں کہ تمہارا بڑھاپا آسودگی سے بسر ہو سکے!“

بڑھیا۔ (تھوڑے تال کے بعد) میں آپ کی تابعداری کے لیے حاضر ہوں۔ ایک تجویز میرے خیال میں آتی ہے آپ (آٹھ سو) میرے ساتھ رہیں۔ اور میرے حرکات و سکنات اور میری کارروائیوں سے آپ کو کچھ بدگمانی ہو تو مجھے جو چاہے نرا دیجیے۔ لیکن اگر وہ کام آپ کے خاطر خواہ اور مفید مطلب ثابت ہوں تو اس وقت میں اس لیڈی کے انعام کی مستحق ہوں۔ میں خود بہان سے بیزار ہو رہی ہوں صرف ضرورتاً تنے دن رہنا پڑا۔

ایرین۔ تم بہت ٹھیک کہتی ہو۔ بتاؤ تمہاری کیا تجویز ہے؟

بڑھیا۔ (لایج سے پھول کر) میرا خاص حجرہ اس کمرے کے بیرونی برآمدے سے متعلق ہے آپ (آٹھ سو) میرے ہمراہ وہاں آئیں۔ اگر کوئی دیکھ کے پوچھے بھی تو کہہ دوں گی کہ میرا ہمیشہ زادہ مجھے دیکھنے کی غرض سے آیا ہے۔ مجھے قید خانے کی کنجیاں حاصل کرنے میں بھی کچھ دقت نہ پڑے گی اور قیدی کو دن میں بالا خانے پر ٹہلنے کی اجازت ہے آپ اس وقت وہاں جا کر اسے گفتگو کر سکتے ہیں۔ آٹھ سو کیا اس بالا خانے کے باہر کی جانب جہان قیدی ٹہلتا ہے ایک اونچی دیوار ہے جس میں ایک مضبوط کھڑکی بھی لگی ہوئی ہے۔“

بڑھیا۔ (حیرت سے) تو شاید آپ پہلے بھی اس عمارت کو دیکھ چکے ہیں۔ ورنہ اس قدر ٹھیک بتا

کیونکر دے سکتے؟“

آٹو۔ (مسکرا کر) ”میں نے پیشتر ہی تم سے کہہ دیا ہے کہ ہم یہاں کے کل بھیدون سے بخوبی واقف ہیں!۔ فرض کرو کہ میں اُس سے گفتگو کرنے کے ارادے پر کامیاب بھی ہوا اُسکو بغیر فتنہ و فساد کے یہاں سے نکال لیجانے کے لیے کون تدبیر کیجائے؟“

بڑھیا۔ ”وقت واحد میں دو شخصوں سے زیادہ وہاں پہرے پر نہیں ہوتے۔ اُنھیں شراب پلانے اور باتوں میں لگائے رہنے کا بین ذمہ لیتی ہوں۔ اس عرصے میں آپ سہولت و اطمینان سے قیدی کو چھڑا لیجائیے۔ مگر آج شب تک اس کا ردوائی کو موقوف رکھنا قرین مصلحت ہے۔ کیونکہ ایسے کام اندھیرے میں اچھی طرح ہو سکتے ہیں۔“ آٹو کے دل میں خوف پیدا ہوا کہ مبادا وقت گزر جانے سے بڑھیا کچھ دغا نہ کر بیٹھے۔ اور یہ بھی سمجھے ہوئے تھا کہ دن میں اس غزم کی عمل چرائی ضرور کچھ نہ کچھ قباحت کا موجب ہوگی۔ آخر بڑھیا سے کہا کہ ”میں دیر کا بالکل مخالف ہوں!“

بڑھیا۔ (آٹو کا مطلب سمجھ کر) ”میں سمجھ گئی۔ آپ کو بھجپڑا اعتماد نہیں۔ افسوس! میں کچھ نہیں کر سکتی۔ جس سے میری رستی آپ پر ثابت ہو۔ تاہم آپ تو میرے ہی ساتھ رہیں گے۔ اگر کسی بات میں لغزش پائی گئی تو اُسی دم مجھے سزا دے نہیں سکتے؟۔“

آٹو۔ ”تم کتنی تو ٹھیک ہو۔ لیکن میرا ہمیشہ تمہارے ساتھ رہنا کیونکر ہو سکیگا؟ کسی کام کے سبب تمہیں کہیں جانا پڑے تو میں بھی ہمراہ آنے سے رہا۔“ آٹو کا مطلب یہی تھا کہ حتیٰ الامکان بڑھیا کا دل ٹٹولے۔

بڑھیا۔ ”خیر۔ آپ چاہے جو سمجھ لیجیے۔ اتنا بھی خیال نہیں کرتے کہ روپیہ کی امید نے مجھے اس کام پر آمادہ کیا ہے۔ شاید یہ بات آپ کے ذہن نشین ہوگی کہ میں عمر بھر اسی منحوس مقام میں رہنا چاہتی ہوں۔“

ایرین (آٹو کے کان میں) ”اس پر اعتماد کر لینا مناسب معلوم ہوتا ہے!“

آٹو۔ (ماما سے) ”اچھا میں نے تمہاری بات مان لی۔ یہ لیڈی صاحبہ (ایرین) آج شام

یہاں رہنے کی کیا صورت ہے۔ کیونکہ تمہارے پادری صاحب تو یہاں سے جلد روانہ کر دیا جاتا ہے، بہن علاوہ برین چند مشکلات ایسی ہیں جنکی وجہ سے میں یہاں کے لوگوں سے بالمشافہہ مل نہیں سکتا ہوں۔“

بڑھیا۔ اگر لیڈی صاحبہ ناسازی مزاج کا ذرا سہیلہ کر لیں تو باقی امور میں سنبھال لوں گی لیکن آپ سے ایک غنایت کی امید وار ہوں!۔“

ایرین۔ (جلدی سے) ”بتا دو وہ کیا ہے؟۔“

بڑھیا۔ ”جب آپ لوگ قیدی کو ہمراہ لیے یہاں سے چل نکلیں تو مجھے بھی ہمدرد رکاب ہونی کی اجازت دیجیے کیونکہ میں اس کارگزاری کے بعد یہاں رہوں تو کسی نہ کسی گمان سے مالکِ راہب خانہ میری جان لے لیگا۔ سنا گیا ہے کہ وہ شخص (یعنی پادری نسلم) بہت بڑے اختیارات رکھتا ہے (آہستہ سے) کارنیلیا کا تمام صوبہ اس کے نام سے کانپ اٹھتا ہے۔ اور وہ اس ضلع میں کسی پرزور انجمن کا صدر نشین ہے۔ اور اس انجمن کا کام یہی ہے کہ مجرموں کو تلاش کریں اور نزدین مانظنی۔ (کانپتے ہوئے) مجھے وہ دھمکیاں یاد آ رہی ہیں۔ جو اسی کرے میں دی گئی تھیں!۔“

آٹو۔ اب مجھے معلوم ہوا کہ وہ عاجز اور بے بس قیدی کسے قبضہ قدرت میں ہے۔ مگر کچھ مضائقہ نہیں ایسے خیالات میرے غم میں مانع اور مزاحم نہیں ہو سکتے!۔“

ایرین۔ (ڈری ہوئی) ”یہ کیا بھید ہے۔ جسکا آپ نے ابھی ذکر کیا؟۔“

آٹو۔ (آہستہ سے) ”لیڈی صاحبہ! جرمنی میں چند انجمنیں ہیں جنکا حال آپ نے نہ سنا ہوگا۔ ان کے اختیارات کی کوئی حد ہی نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ ظنین اس خفیہ عدالت کا قیدی ہے جو عدالتِ دُم کے نام سے مشہور ہے۔“

ایرین۔ (بے تاب سے دیوار پر گر کے) ”بائے! کیا اب اسکی رہائی ممکنات سے نہیں ہے؟۔“

آٹو۔ ”کیون مکن کیون نہیں ہے۔ اس انجمن کے اراکین ہمارے ہی طرح انسان ہیں۔ انھیں فریب دینا کوئی مشکل کام ہے؟۔ آپ دیکھتی رہیے۔ میں انھیں کس طرح جل دیتا ہوں۔ ہاں۔“

اب میں سب کچھ سمجھ گیا۔ ان راہبوں کی بے مروتی۔ یہ مستحکم عمارت۔ یہ خفیہ راہیں۔ تمام کا اصلی سبب مجھے معلوم ہو گیا۔ یہ عدالت و دم کا ایک قلعہ ہی۔ یہاں بیکار باتوں میں وقت گزارنا مناسب نہیں۔ (ایرین سے) آپ اپنے دونوں رہبروں کو ساتھ لیکر اس جھوٹری میں چلی جائیے۔ جہاں پرسون شب کو ہم تمام کی اقامت ہوئی تھی۔ میں اور ماٹنی ایک چھوٹی سی گر جاہورہ میں ملی ہوئیں رہتے ہیں۔ بعد غروب آفتاب کے اس سرنگ میں آئینگے۔ اس وقت تم ضرور (ماما سے) اس کمرے میں بسے ملو۔ ہم دونوں اس پوشیدہ دروازے سے اندر آئینگے۔ اور ہمارے لوگ بھی فریب ہی رہیں گے۔“

بڑھیا: ”بہت خوب۔ میں ہر حال میں بسر و چشم آپ کی فرمانبرداری کے لیے حاضر ہو گئی۔“ ایرین نے ایک نہایت بیش قیمت انگوٹھی اپنی انگلی سے نکال کر ماما کو دی۔ اور کہا۔ ”یہ صرف بطور بیعانہ قبول کرو۔ میں اپنے اقرار کے بموجب تمہیں آئندہ بہت کچھ دوں گی۔“ ماما نے شکر یہ ادا کر کے انگشتی لے لی۔

آٹھ۔ (ماما سے) ”ہمارے اس خفیہ رستے سے چلے جانے کے بعد اس لیڈی (ایرین کو دکھا کر) کے ساتھ اگر کچھ بدی کی جائے تو خوب یاد رکھو کہ ہم بالکل فریب رہیں گے۔ اور ذرا سا کھٹکا پاتے ہی اس کے لیے آموجود ہونگے!۔“

بڑھیا: ”اب مجھے اس قسم کی دھمکیاں دینے کی ضرورت نہیں، انشاء اللہ کل آپ خود میری تعریف کریں گے۔“ اس گفتگو کے بعد آٹھ اور ماٹنی ایرین سے نصرت ہو کر اس پوشیدہ رستے سے باہر چلے گئے۔ اور آدھے گھنٹے تک سرنگ میں کھڑے رہے۔ جب یقین ہو گیا کہ ایرین راہب خانے سے نکل گئی ہوگی۔ تو آپ بھی اس گر جا کی طرف چلے۔

## چالیسواں باب

### غراب و کباب

غروب ہوتے ہوئے آفتاب کی شعاعیں جبال آپس کے برف پر پڑ کر قوس قزح کے تمام

رنگ دکھا رہی ہیں اُن برف سے بھرے ہوئے میدانوں میں سورج کی زرد اور آخری روشنی عجیب و غریب لطف دکھا رہی ہے۔ کبھی بجلی کی سی تڑپ نظر آگئی۔ کبھی اُس سے ہر قسم کا رنگ ظاہر ہونے لگا۔ غرض وہ مقام اور وہ وقت ہی کچھ ایسا تھا کہ ہر دیکھنے والے کی نگاہ اُکی وافر کیفیتوں میں الجھ جاتی تھی۔ آٹو چونکہ ایک اعلیٰ درجہ کا مصور تھا۔ اس لیے قدرت خدا کے یہ پیش نمونے دیکھ کر عیش عیش کرنے لگا۔ اور اُسکے دیکھنے میں اس درجہ محو ہو گیا کہ یہ بھی خبر نہ رہی کہ میں کہاں کھڑا ہوا ہوں۔ ماٹنی کے کندھے پر ہاتھ رکھنے سے وہ اپنے ہوش میں آیا۔ آخر دونوں ملکر اُس سرنگ کی طرف گئے۔

آٹو دو تلوار کھینچی ہوئی رکھو۔ تاکہ اگر کسی آفت سے دوچار ہونا پڑے تو ہم بھی مستعد اور آمادہ ہیں۔“ ماٹنی دو میں اپنی جان آسانی سے نہ دنگا۔“ دونوں سرنگ طر کر گئے۔ آٹو نے زینے کی راہ اتر کر دروازے کو آہستہ سے کھٹکھٹایا۔ وہ متا کھل گیا۔ اما چراغ ہاتھ میں لیے اندر کھڑی تھی۔ آٹو بے تردد حجرے میں در آیا۔ ماٹنی بھی اُسکے ساتھ ہی تھا۔ اما کے چہرے پر گھبراہٹ یا خوف کی کوئی علامت نہ تھی۔ تاہم آٹو اور ماٹنی نے گھبرا کر چاروں طرف ایک نگاہ کر لی۔

اما ”مجھے بدگمان نہوجے۔ یہ پڑھیے۔“ یہ ہلکے ایک کاغذ اُسے آٹو کے ہاتھ میں دیا۔ وہ پڑھنے لگا۔ ”میں نے یہ تحریر اب خانے کے باہر دروازے سے کچھ فاصلہ پر پہنچ کر لکھی ہے۔ جہاں دربان مجھے دیکھ نہیں سکتا۔ اما اس بہانے سے یہاں مجھ تک آئی ہو کہ میں ایک شال غلطی سے وہیں چھوڑ آئی تھی جس کا میرے سپرد کرنا ضرور تھا۔ مگر دلی مدعا یہی تھا کہ میں یہاں سے بخیریت نکل جانے کی دلیل اپنے ہی ہاتھوں لکھ کر آپ کی خدمت میں پیش کروں۔ تاکہ وہ بدگمانی جو اسکی نسبت آپ کے دل میں ہو دور ہو جائے۔ میرے عزیز دوستو! خدا آپ کو کامیاب کرے (دستخط) ”ایرین“۔“

آٹو اب میرا اعتماد بڑھ گیا۔ ہر کام دلجمعی سے کر دنگا (اما سے) تنے نہایت درجہ وفاداری کی۔ بیشک تم اُس لیڈی کے انعام کی مستحق ہو۔“

ماما ”خیر۔ یہ فرمائیے کہ جب آپ میرے ہمراہ آئینگے تو آپ کے دوست کہاں رہیں گے؟“

آٹو ”باہر والی سڑنگ میں۔“ مامنی پھر اُس پوشیدہ راہ سے باہر چلا گیا۔

آٹو ”کیا مجھے اندر کسی سے مقابلہ کرنے کی ضرورت پڑیگی؟“

بڑھیا ”نہیں آپ بالکل خوف نہ کیجیے۔“

آٹو ”میں گنسنے کچھ ڈرتا نہیں ہوں۔ بلکہ اس امر کا اندیشہ ہے کہ انھوں نے مجھے پہلے بھی دیکھا ہے۔“

اب نہایت آسانی سے میں پہچان لیا جاؤنگا۔“

بڑھیا ”شاید آپ وہی نوجوان ہیں۔ جسکی آنکھوں پر پٹی باندھ کر چند روز پیشتر یہاں لائے تھے؟“

آٹو ”ہاں۔ میں وہی ہوں۔ لیکن تمہیں یہ حال کیونکر معلوم ہوا؟“

بڑھیا ”فیروز اور اُسکے ہمراہیوں کو ایک دن تمہیں لیجاتے ہوئے میں نے دیکھا تھا۔“

آٹو ”کیا بہت سے آدمی اسی صورت یہاں لائے جاتے ہیں؟“

بڑھیا ”میں دس سال سے یہاں ہوں۔ اس طولانی عرصے میں صرف چار یا پانچ اشخاص اس طرح

لائے گئے تھے۔ اور وہ بھی اُس شخص کے اسیر ہونے کے بعد۔ جسے اب ہم چھڑانے کی تدبیریں

کر رہے ہیں۔“

یہ کہہ کر بڑھیا دروازے کی طرف بڑھی۔ آٹو بھی اُسکے پیچھے ہولیا۔ چند منٹ میں اُس مقام

پر پہنچے جہاں بڑھیا نے ایک بوتل شراب اور چند کباب تیار رکھے تھے۔ بڑھیا نے راہب کا جامہ

پہن لیا۔ اور شراب و کباب اٹھائے آٹو سے کہا کہ ”میرے ساتھ ساتھ آئیے۔ مگر ہرگز کوئی بات

زبان پر نہ لائیے۔ میں نے بوری تجویز کر لی ہے۔ کامیابی میں شک نہیں۔“

آٹو بڑھیا کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ دونوں ایک برآمدے سے گزرتے کسی کھلی جگہ میں پہنچے

جب وہ بھی بے روک ٹوک طے ہوئی تو سامنے ایک دروازہ دکھائی دیا۔ بڑھیا اُسکی کنجیاں کسی بہانے

سے مٹے آئی تھی۔ آخر دروازہ کھول کر تھوڑی ہی دور اندر بڑھے تھے کہ دو مسلح آدمی پیش نظر ہوئے

ایک (بڑھیا کو راہب سمجھ کر) اسی مقدس بزرگوار! ہمیں دعا دیتے جاؤ۔“



بڑھیا۔ (خرافت کے لمحے میں) ”نہیں۔ کوئی بزرگ نہیں۔ یہ بدکار اور گنگنا عورت ہے۔ مگر خاموش کارل اور کانرٹڈ! تم بھی خاموش ہو رہو۔ میں تم سے ابھی بیان کر دوں گی کہ بھیس بدلنے سے میری مراد کیا ہے۔“

کارل۔ ”یہ تمہارے ہمراہ اور کون ہے؟“ (تاریکی کے سبب وہ آٹو کی صورت برابر دیکھ نہ سکے)۔  
 بڑھیا۔ ”میں بہت جلد بتائے دیتی ہوں۔ یہ نوجوان میرا بھتیجا ہے جو افسوس کہ مہینے بھر سے گونگا ہو گیا ہے۔ سبب کے دریافت کرنے میں تمام لوگ حیران ہو رہے ہیں۔ اگر ہمارے گرجا کی صلیب دھو کر اسکا پانی پلایا جائے تو غالباً اچھا ہو جائیگا۔ لہذا میں نہایت عجز کے ساتھ گرجا کی کنجیان سے حاصل کرنے کی آرزو مند ہوں۔“

کارل۔ ”یہ غیر ممکن بات ہے۔“  
 بڑھیا۔ ”وہ غیر ممکن ہی تھی۔ مگر تمہاری ذرا سی عنایت سے سب کچھ ہو سکتا ہے۔ دیکھو تمہارے بے (دکھلا کر) شراب و کباب (جو اس ٹھنڈے کے وقت اکسیر ہے) لے آئی ہوں۔“  
 کارل۔ (اسپینے شریک سے) ”اسوقت میں یہ چیزیں نہایت مفید ہیں۔“  
 کانرٹڈ۔ (کارل کا شریک) ”مان اس میں کیا شک۔ سوائے کے میں بھوکا بھی ہوں۔“  
 کارل۔ ”جاڑا بھی غضب کاڑتا ہے۔“

کانرٹڈ۔ ”اسوقت میں یہ چیزیں کمال لطف و سرور پیدا کرینگی۔“  
 کارل۔ ”لیکن اسکے ساتھ کنجیان دینے کی ٹری کڑی شرط ہے۔“  
 کانرٹڈ۔ ”خیر۔ تھوڑی دیر کے لیے کوئی مضائقہ کی بات نہیں۔“

کارل۔ ”مجھے بھی یہی مناسب نظر آتا ہے۔ یہ جگہ ٹھیک نہیں اس قریب والے سائبان میں چلو (ماما سے) آؤ دمان پہنچ کر گچھے سے گرجا کی کنجیاں لکڑتھیں دوں گا۔ دونوں سبھی مع بڑھیا اور آٹو کے اس سائبان میں گئے۔ دمان چراغ روشن تھا۔“

بڑھیا۔ (آٹو کے کان میں) ”روشنی کے نزدیک نہ آؤ۔“ یہ کہہ کر بڑھیا جو کھٹ پر کھڑی ہو گئی۔ نام

آٹو اس درجہ قریب ہو گیا تھا کہ اُس جگہ کی اندرونی حالت بخوبی نظر آ رہی تھی۔ وہ مقام راہب خانے کے مُردے رکھے جانے کے لیے مخصوص تھا۔ مُردے اس وضع سے سیدھے استادہ کیے گئے تھے کہ اُنکے ہاتھوں کے پنجے سے رسی ڈال کے پیچھے باندھ دی گئی تھی۔ گوشت اور ہڈیاں جسم پر بدستور تھیں بعض مُردوں کے بال بھی جدا نہ ہوئے تھے کاندھوں پر لٹک رہے تھے۔ اور لب ایک دوسرے سے الگ ہونے کے سبب دانت صاف نظر آتے تھے۔ انہیں بہت سے ایسے مسافر و مکی لاشیں بھی تھیں جو راہ بھول کر ان پھاڑوں میں سریلی شدت سے جان بحق تسلیم ہوتے تھے۔ اور جو بعد کو راہب خانے کے ملازمین کی نظر پڑے تھے۔ دہان کی ہوا میں ہی یہ تاثیر تھی کہ مُردے عرصہ دراز تک ٹرنے گلنے نہ پاتے تھے۔

کارل۔ (دماغ سے) ”بڑی بی! کنجی لو اور یہ بتاؤ کہ شراب کہاں رکھی ہو؟“ بڑھیا نے وہ بوتل اور کباب اٹھا دیے۔

کارل۔ (شراب کی بوتل ہاتھ میں لیکر) ”یہ ہم دونوں کے لیے کافی تو ہو گی مگر فراط سے نہیں خیر تم بھی پہلے دور میں ہمارے ساتھ شریک ہو۔!“

بڑھیا۔ (متعجب ہو کر) ”کیا تم نے مجھے شراب پیتے ہوئے کبھی دیکھا ہو؟“

کارل۔ بیشک۔ کئی مرتبہ!۔“

بڑھیا۔ ”ہاں؟ تو خیر اب میں نے تو بہ کر لی ہو!“۔

کارل۔ ”اچھا۔ تمہارا بھتیجا تو ضرور ہمارا ساتھ دیگا! شراب کے استعمال سے ممکن ہو کہ اُسکی قوت

گو پائی عود کرے کیونکہ میں جب کبھی شراب پیتا ہوں تو سیری زبان نینچی کی طرح چلا کرتی ہو!“۔

بڑھیا۔ ”اُس غریب کو یوں ہی جھوڑو۔“ یہ کہہ کر کارل اور دروازے کے بیچ میں کھڑی ہو گئی۔

ایسے کہ کارل آٹو کو حیرت کھینچنے کا قصد رکھتا تھا۔ جب بڑھیا مزامم ہوئی تو وہ اپنے ارادے سے

باز آ گیا۔

کارل۔ (کچھ دیر بعد) ”خیر ہمارا انگریز قبول کر دے کہ اس وقت ایسی عمدہ چیز دے کر ہمیں ممنون کیا!“

یہ کمکر دونوں سپاہیوں نے ایک چوکی پر بیٹھ کر اپنا کام شروع کیا۔ برعیا نے جلدی سے آٹو کے پاس آکر کان میں کہا: ”کیون! تم نے دیکھا کہ میں انھیں کس داتاٹی سے فریب دیر کنجیان لے آئی اب ایک لمحہ بھی بیکار کھونا مناسب نہیں۔ میرے ہمراہ چلے چلو۔ گرجا کی کنجی پاس ہی ہو۔ جسکو ہمیں اپنی کامیابی کی کنجی کتنا چاہیے۔“

آٹو: ”ہم جاتے تو دو شخص ہیں۔ مگر واپسی کے وقت تین آدمی رہینگے۔ کچھ اس امر کا بھی بندوبست کر رکھا ہو؟“

برعیا: ”شراب پینے کے بعد وہ دونوں بڑے سو جائینگے کوئی اندیشہ کی بات نہیں۔ انھیں باتو نہیں بڑھیا آٹو کو ایک عمارت کے دروازے پر لگی ہوئی وہ بہت چھوٹا تھا۔ جب وہاں پہنچے تو ایک اونچے قد والا شخص دیوار کی آڑ سے ٹھکڑا پکارا: ”وہاں کون لوگ جا رہے ہیں؟“

برعیا: ”(آٹو سے) لمے یہ پادری نسلم ہو جو یہاں کا حاکم اور مالک ہو۔“

## اکتالیسواں باب

### قیدی کی رہائی

پادری نسلم کا نام سننے ہی آٹو بھی نہایت پریشان ہو گیا۔ اور سمجھ گیا کہ میں ایک آفت عظیم میں مبتلا ہونے والا ہوں۔ تاہم وہ اپنی پوری دماغی قوت کو مجتمع کر کے تھوڑی دیر اس سمج میں کھڑا رہا کہ کیا کیا جائے۔

پادری نسلم: ”وہاں۔ وہ آواز تو ماما کی ہو۔ کیون یہ تبدیل لباس سے کیا غرض متصور ہو؟“

نہارے ہمراہ کون ہو۔ اور تم جاتی کہاں ہو؟“

برعیا: ”(ماتھ ملکر) خداوند! مجھے معاف کیجیے پادری صاحب!!“

پادری نسلم: ”کیا؟ تم نے کچھ دغا کی نسبت کی تھی۔ ان معلوم تو ایسا ہی ہوتا ہے۔ زرنہ یہ بھیج لے“

میں کیا بات تھی؟ اور تم صاحب! (آٹو سے) کون ہو؟۔“ آٹو نے دیکھا کہ بڑھیا کی بدحواسی ناقلاً بڑھی جاتی ہو۔ اور پادری ہنس کے دل میں بدگمانی پیدا ہو چلی ہو۔ لہذا اسوا دلیری اور جواغری کے کوئی اور تدبیر اس ناگمانی آفت سے بچا نہیں سکتی۔ یہ سوچ کر آٹو ایک شیر کی طرح پادری ہنس پر بھینٹا۔ اور آسکو زمین پر گرا کے ایک پانٹون سینے پر کھدیا۔ بائیں ہاتھ سے منہ دبا کر اپنا خنجر نکالا اور دکھا کر آہستہ سے کہا کہ ”پادری صاحب! اگر آپ چلائے یا آواز بلند کی تو یہ تلوار آپ کے خون میں نہلائی جائیگی۔ میں اس وقت نہایت بیباک ہو رہا ہوں۔ خبردار میرے خلاف مرضی کوئی حرکت نہ کرنا۔ بڑھیا اس واقعہ کو جو ایک چشم زدن میں گذرا حیرت اور تعجب سے کھڑی دیکھ رہی تھی۔

آٹو۔ (بڑھیا کی طرف سر پھیر کر) ”جلدیہ رو برو والا دروازہ کھولو۔ ڈرو نہیں۔ اس کے سبب کچھ ہمارے کام میں خلل نہ ہوگا۔“ جب بڑھیا نے دروازہ کھولا تو آٹو تلوار دانتوں میں بکڑے ہوئے پادری کے کمر سے ڈسٹا کھولنے لگا۔ جب وہ کھل چکا تو اس سے پادری کے دونوں ہاتھ پلو سے باندھ دیے وہ غضبناک نگاہوں سے اپنے حریف کو دیکھ رہا تھا۔ گوا کے دل میں غصہ اور غضب حد درجہ اکٹھا تھا۔ مگر آٹو کے پنجے سے چھوٹنے کی کوشش کرنے یا شور مچانے کی بالکل جرأت نہ ہوئی۔ کیونکہ آٹو کا پانٹون جو اس کے سینے پر تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ گویا ایک لوہے کا ستون نصب کر دیا گیا ہو اور وہ نگلی تلوار جو قریب ہی چمک رہی تھی دیکھ دیکھ کر پادری کی جان نکلی جاتی تھی۔ اور آٹو کی ہڈیاں آسیر طرہ تھین۔

پادری۔ (پست آواز سے) ”آپ مجھے قتل تو نہیں کریں گے؟۔“

آٹو۔ نہیں۔ مگر تمہاری جان کی سلامتی اسی میں ہے کہ مجھے مقابلہ کا قصد نہ کرو۔“

پادری۔ اتنا تو بتائیے کہ اس مقام سے آپ کی کون غرض متعلق ہے؟۔“

آٹو۔ (غضبناک ہو کر) ”خاموش اگر میں سوال کر دوں تو اس کا جواب دو۔ ورنہ جیکے ہو رہو۔“

اس زلمے میں عادت تھی کہ ہر پادری اپنی کمر میں ایک ڈورا باندھے ہوئے رہتا تھا۔ اور یہی اس کے پیشے کی علامت تصور کی جاتی تھی۔ ۱۲۔

کچھ اور الفاظ تمھاری زبان سے نکلے تو سمجھ لینا کہ یہ شمشیر آبدار تمھارے سینے میں رہیگی۔ میں کسی پر جبر اور ظلم کا روادار نہیں۔ لیکن یہ وقت ہی ایسا ہو کہ بجز اس کا رووائی کے مفرط نظر نہیں آتا۔“ غرض پادری کو باندھنا اور بڑھیا کا دروازہ کھولنا سب ایک آن واحد کا کام تھا۔ آٹو اُسکو کھینچتا ہوا اندر لے گیا وہ گر جا کا دروازہ تھا۔ وہاں دو کافوری شمعیں روشن تھیں۔ آٹو نے جلدی سے چاروں طرف نگاہ کر لی۔ جس سے معلوم ہو گیا کہ کوئی ضرر رسان چیز نہیں حالانکہ وہ نہایت رحم دل سلیم المزاج نوجوان تھا۔ مگر موجودہ حالت کا لحاظ ضروری امر تھا۔ وہ کچھ ایسی گھڑی تھی کہ اگر ظلم اور زبردستی سے کنارہ کش ہوتا تو خود اُسی کی جان معرض خطر میں پڑ جاتی تھی۔ لہذا اُس نے پادری کا جامہ اور ٹوپی نکال کر اپنے پاس رکھ لیا۔ اور اُسکو اس درجہ جکڑ دیا تھا کہ جس و حرکت یا منہ سے آواز نکالنا ممکن نہ تھا۔ بڑھیا نے بھی پادری کے باندھنے میں آٹو کی مدد کی۔ کیونکہ وہ سمجھے ہوئے تھی کہ اگر یہ چھوٹ کر بھاگ نکلے۔ یا کسی کی مدد پہنچے تو پھر ہم سے بہت بُری طرح پیش آئیگا۔

آٹو۔ (پادری سے) ”ہم بہت جلد یہاں پلٹ آئیں گے۔ جب میں یہ دیکھوں گا کہ تنے رہا ہوئی کوشش کی ہو تو نہایت بیرحمی اور سختی سے سزا دوں گا۔ جیسے جلا د کسی خون کو دیا کرتا ہو۔“ یہ کہہ کر آٹو اور بڑھیا گر جا کے کوڑا اندر سے بند کر کے آگے بڑھے اور ایک دوسرے دروازے پر پہنچے جو زنجیروں سے بند کیا گیا تھا۔

وہ بہت آسانی کے ساتھ کھل گیا۔ دونوں نے اندر داخل ہو کر دیکھا تو محراب میں چراغ جل رہا تھا۔ آٹو نے اُسکو اٹھالیا۔ تاکہ رستے میں روشنی دے سکے۔ غرض بڑھیا اور آٹو ایک پیچیدہ زینے کی راہ نیچے اترے اُسکی ”“ سیڑھیاں تھیں۔ جب آٹو کو راہب خانے کے ملازم آنکھوں پر ٹی باندھ کے لے گئے تھے اُس وقت بھی اُس نے شمار کیا تو اتنے ہی زینے تھے۔ لہذا اُسکو یقین ہو گیا کہ اب میں اُسی زینے سے اتر رہا ہوں۔ اُس کے آخر میں ایک راہ نظر آئی جو شگاف کوہ سے چلی گئی تھی۔ اب اُس راہ سے یہ دونوں بڑھنے لگے۔ تدریجاً وہ رستہ

چوڑا ہوتا گیا۔ اور اخیر میں ایک وسیع ہال دکھائی دیا۔ اسکی چھت پر تختہ بندی کی گئی تھی اور نہایت مستحکم تھا۔ پتھر کے ستون بے قرینہ چاروں طرف لگے تھے۔ اور انتہائے حد پر ایک اونچی دیوار تھی۔ اور اسی دیوار میں کھڑکی بھی لگی تھی۔ جسکے ذریعہ وہاں کے قیدی کو آٹو سے گفتگو کرنے کا موقع ملا تھا۔ آٹو اس عمارت کی بندش کو دیکھ کر کمال درجہ متحیر ہوا۔

اسلئے کہ وہ راہب خانہ ایک مضبوط قلعہ سے کہیں زیادہ کام دینے کے قابل تھا۔ آٹو ہاتھ سے چراغ پر سایہ کیے ہوئے (تاکہ بجھنے نہ پائے) بڑھیا کے ساتھ بڑھا ہوا جا رہا تھا آخر ایک سگی دیوار کے کونے کے قریب ایک تنگ کھڑکی سے دیمی روشنی پڑتی نظر آئی۔ بڑھیا "قیدی کا حجرہ ہی (دکھا کر) ہو گا۔" دونوں قریب گئے۔ پہاڑ کے درہ کو اڑ لگا کر حجرہ بنا لیا گیا تھا۔ اور پتھر ہی میں ایک مربع کھڑکی بھی کھدی ہوئی تھی۔ دروازے پر ایک بھاڑی ٹونڈا پڑا تھا۔ آٹو دھڑے کو نکال کر اندر گیا۔ اسکی دست خمینا بارہ فٹ مربع ہوگی۔ کیس قدر آرائشی سباب بھی تھا آٹو اندر قدم رکھتے ہی ایک حسین آدمی (جسکے چہرے سے پرمردگی اور غم آشکار تھا) کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اُسکے قریب ایک میز پر کھانے کی بہت سی چیزیں رکھی ہوئی تھیں۔ قیدی۔ (آٹو کو خوب غور سے دیکھ کر) "میں سمجھتا ہوں کہ پہلے بھی کبھی آپ کا چہرہ دیکھا ہو!" آٹو "جی ہاں چند دن قبل اسی دیوار کی کھڑکی سے آپ نے مجھے دیکھا۔ اور کچھ باتیں بھی کہیں میں یہاں آپ کو پچھڑانے کی غرض سے آیا ہوں!"۔

قیدی "مجھے رہا کرنے کے لیے آئے ہیں؟ نہیں یہ غیر ممکن بات ہو۔ میں ہرگز اعتبار کر نہیں سکتا۔"

آٹو "اچھا۔ تو تھوڑی ہی دیر میں معلوم ہوا جاتا ہو۔ دیر نہ کیجیے۔ یہ لباس پہن کر (وہ جامہ اور ٹوپی جو پادری کے جسم پر سے نکال لایا تھا دیا) میرے ساتھ چلیے۔ ہر ایک لحظہ قیمتی ہو مجھے بغیر کچھ بات کیے اور اپنا منہ اس ٹوپی سے چھپائے ہوئے آئیے۔" آٹو۔ "اما اور قیدی ہلکے جلد جلد سب مقامات طے کرتے ہوئے گرجا میں آ پہنچے۔ وہاں کچھ حرکت محسوس نہوئی۔ آٹو نے



قریب جا کر دیکھا تو پادری اسی صورت اور اسی پہلو سے پڑا ہوا ہی۔ جس طرح کہ وہ چھوڑ گیا تھا۔ آٹو نہایت خوش ہوا۔

آٹو۔ (پادری سے) ”مجھے کمال رنج تو اس بات کا ہو کہ آپ کو اب بھی رہا نہیں کر سکتا۔ میری صحت سلامتی۔ اور ان لوگوں کی جو میرے ہمراہ ہیں۔ اسی پر منحصر ہو کہ آپ کو یہاں ایسا ہی پڑا رہنے دوں آپ کی بد کاریوں اور دل آزاریوں نے آپ کو اس سے زیادہ سزا کا مستحق بنا رکھا ہے۔ لیکن میں منصفانہ کارروائی کا موقع نہیں پاتا ہوں۔“ چراغ کی روشنی پادری سلم کے منہ پر پڑ رہی تھی۔ گو وہ بات کرنے یا شور و فریاد مچانے سے عاجز ہو رہا تھا۔ مگر اس کے چہرے سے اس درجہ غیظ و غضب کے آثار نمایاں تھے کہ نوجوان آٹو گھبرا اٹھا۔ انسان کے دل میں جس قدر بڑی نینیں سما سکتی ہیں وہ رب اس کے چہرے سے ظاہر تھیں۔ آٹو نے خوف سے نظر پھیر لی۔ اور اپنے سانھیوں کے پاس چلا گیا۔ جو دروازے کے پاس کھڑے ہوئے تھے۔ چراغ نیچے رکھ کر تلوار کھینچ لی۔ اور ماما کے ہاتھ سے کنجی لیکر دروازہ کھولا۔ اور باہر کی طرف جھانکنے لگا۔ وہاں ساٹا تھا۔ روبرو والی عمارت کی کھڑکیوں سے روشنی پڑ رہی تھی۔ گرجا سے باہر نکلنے کے قبل آٹو کی نگاہ ایک کونے میں رکھے ہوئے صندوق پر پڑی۔ کھول کر دیکھا تو اسیں سب نجاری پیشہ کے ہتھیار تھے۔ اس نے ایک تبر اٹھایا۔ اور قیدی کے ہاتھ میں دیکے کہا ”آپ اسکو رکھیے۔ وقت ضرورت بڑا کام دیگا۔ قیدی کے تبر ہاتھ میں لینے کی ادا سے آٹو پہچان گیا کہ وہ بیشک ضرورت کے موقع پر اس سے عمدہ طرح کام لیگا۔ الغرض تینوں شخص گرجا سے نکلے۔ دروازہ مقفل کر دیا گیا۔ آٹو نے کنجی اپنے ہی پاس رکھی سب ملکر آگے بڑھے۔ جب اس مقام پر آئے جہاں پہرے کے سپاہی شراب پینے کے لیے بیٹھے تھے تو آٹو نے بڑھیا اور قیدی کو وہیں ٹھہرنے کے لیے کہا۔ اور آپ قریب جا کر دیکھا تو دونوں سپاہی غافل سو رہے ہیں۔ کیونکہ بڑھیا کی شراب میں بیہوشی کی دوا شامل تھی۔ آٹو جھٹ سے گرجا کی کنجی ایک سپاہی کی کمر میں لگا کر (تاکہ اسپر کوئی الزام نہ پڑے) ماما اور قیدی سے آگے ملا۔

اور وہ سب دقتیں طر کر کے اس کمرے میں آئے۔ جہان سے سُرنگ کو راستہ گیا تھا۔  
 آٹو۔ (مسرت کے ضبط پر قادر نہ ہو کر) اب ہمیں کوئی اندیشہ نہیں۔“  
 قیدی۔ (نہایت متقیانہ لہجے میں) ”خدا کا ہزار شکر کہ ہم تمام آفات سے بچکر بیا شنگ آئے۔“  
 آٹو نے دوڑ کر سُرنگ کے جانب کی کھڑکی کھولی۔ ماٹنی وہیں کھڑا ہوا تھا۔  
 آٹو۔ (ماٹنی سے) ”ہم فضل الہی سے کامیاب ہوئے۔ قیدی ہمارے ساتھ  
 ہی!“

ماٹنی یہ خیر ایک گھنٹے بھر سے جس تردد اور فکر میں مبتلا تھا۔ شکر ہو کہ اُسکا معاوضہ  
 بخوبی ہو گیا۔“ پہلے پہل ماما سُرنگ میں داخل ہوئی۔ اُسکے پیچھے رہا شدہ قیدی اور سب کے  
 آخر میں آٹو گیا۔“

## بیالیسواں باب

### خوشی اور غم کی خبریں

وہ شخص جسے آٹو نے کمال جرأت و دلیری سے رہا کیا۔ اکتالیس یا بیالیس برس کی عمر  
 کا تھا۔ گوچہرے سے افسردگی اور غم کی علامت ظاہر تھی۔ تاہم وہ نہایت حسین تھا۔ نہایت  
 طولانی قید کی مصیبت اور نہ دلی رنج و الم اُسکی صورت کی دلفریبی میں کچھ تغیر پیدا کر سکی۔ وہ ایک  
 عمدہ شکل و شمائل رکھتا تھا۔ دانت سفید چمکدار اور ہموار تھے۔ بلند پیشانی۔ دلاؤ ویرقد و قنات  
 شیریں آواز تھی۔ اور اوضاع و احوال سے اعلیٰ درجہ کا مذہب پایا جاتا تھا۔ با اینہم اس میں  
 اور اُس بدکار نالائق میں (جو ریانا میں امیر ظرین کے نام سے مشہور تھا۔ اور جو آٹو کا بہنوئی  
 تھا) پوری مشابہت تھی۔ اور یہ مشابہت صرف ظاہری صورت کی تھی۔ ورنہ دونوں کے  
 عادات اور چال چلن میں زمین و آسمان کا فرق تھا۔ ایڈاس کے شوہر میں جس قدر پاجی پن اور کمینگی  
 کی علامتیں تھیں۔ اُس سے کہیں زیادہ شرافت بردباری تحمل کے آثار اس رہائی یافتہ شخص

کے بشرے سے آشکار تھے۔ جب آٹو۔ ماٹنی۔ بڑھیا۔ اور وہ شخص جل رہے تھے تو آٹو۔  
ماٹنی اور ماما کو تھوڑے فاصلہ سے آگے چلنے کے لیے کہا۔ اور آپ حقیقی امیرِ ظرین (رہا  
شدہ شخص) سے باتیں کرتے ہوئے ان دونوں کے پیچھے چلنے لگا۔

آٹو۔ جناب والا! میں آپ کو اصلی امیرِ ظرین سمجھتا ہوں۔ کیا یہ ٹھیک ہے؟  
ظرفین: ہاں۔ میں وہی بدبخت ہوں۔ اگر آپ میری رہائی کا باعث نہوتے تو خدا جانے  
اور کتنی مدت اس زندانِ بلا میں مصیبتیں چیلنا پڑتیں۔ جب مجھے قدرت حاصل ہوگی۔ کچھ  
خوش کرنے میں کوئی بات اٹھانہ رکھوں گا۔ آپ اپنا نام بتائیے تاکہ وقتِ عبادت آپ کے  
حق میں دعا سے خیر کروں!۔

آٹو۔ میرا نام آٹو ہے۔ مگر میں آپ سے کچھ انعام کا طالب نہیں۔ فدوی مصوری کے فن  
سے بخوبی آگاہ ہوں۔ اور فضلِ خدا سے چند ہی دنوں پہلے مجھے بہت سارے پیہ ملائے۔ جسکے سبب  
میں اپنی عمر فارغِ البالی سے گزار سکتا ہوں۔ خیر۔ یہ وقت مجھے اپنے خاص حالات بیان کرنیکی  
اجازت نہیں دیتا۔ آپ سے کئی باتیں کرنا ہیں۔ ایک خبر ایسی ہے جو آپ کو نہایت درجہ مسرور  
کرے گی۔ اور دوسری خبر کے سننے سے غالباً آپ غمگین ہو جائیں گے۔

ظرفین۔ مجھے پہلے فرحت بخش خبر سنائیے۔ کیونکہ قید کی مصیبت نے مجھے اس قدر  
رکھا کہ ابھی سے غمناک اور بے کس کے سننے کے لیے مستعد ہو جاؤں!۔  
آٹو۔ اچھا تو میں پہلے سرتِ خیر کیفیت بیان کرتا ہوں۔ آپ سوداگرِ شوق کی بی بی ایرین  
سے ملے ہی ہونگے۔

ظرفین۔ (چونک کر) ایرین! کیا کہا آپ نے۔ پھر فرمائیے! ایرین! افسوس! یہی پہلا  
نام اسی نام کا خیال اس قیدِ شدید کے اندوہِ عالم میں میری جانبری کا سبب ٹھہرا۔ ان  
سبب ایرین کی کیا کیفیت ہے؟

آٹو۔ بخند! وہ زندہ ہے۔ اور لبتک آپ سے ویسی ہی محبت رکھتی ہے جیسے ان دنوں

رکھا کرتی تھی جبکہ آپ اُسکے ساتھ شہر و شوق کے ایک خانہ بانع میں ٹھلا کرتے تھے۔“

ظرنینؑ: ”شکر ہے۔ ایرین زندہ ہے۔ اور اب تک اُسکا دل میری محبت سے مملو ہے؟ ای خدا! کیا میں خواب دیکھ رہا ہوں؟ کیا میں قید سے رہا کر دیا گیا۔ یاد ہیں ہوں؟ مان یقین ہے کہ یہ خواب نہیں۔ میں بیدار ہوں اور بائیں کر رہا ہوں۔ یہ پہاڑوں کی برف سے بھری ہوئی چوٹیاں میرے دونوں جانب ہیں۔ (آٹو سے مخاطب ہو کر) مجھے معاف کیجیے۔ اور میرے منتشر خیالوں سے گھبرائیے نہیں۔ کسی ایسے شخص کو جو میری طرح زمانے کے ہاتھوں ستایا گیا ہو جب بے اندازہ خوشی دلانے والی خبر سنائیے تو وہ کبھی یک بیک باور نہ کرے گا۔ مان! ایرین کے بارے میں آپ جو کچھ جانتے ہیں جلد فرمائیے! کیا آپ نے اُسے دیکھا ہے؟ اب وہ کہاں ہے؟۔“

آٹو (ظرنین کو بتیج خوشی دلانے کے قصد سے): ”جی مان۔ میں نے فریب زمانے میں دیکھا ہے۔ وہ شہر ویانا میں تھی۔ اور اس عمارت میں بھی ایک شب گزار رہی تھی۔ میں آپ مقید تھے بلکہ وہ گزشتہ رات ہی کا حال ہے۔“

ظرنینؑ: ”کل شب وہ وہاں تھی؟ تو کہیں فریب ہی ہوگی۔ مائے مجھ اب تردد پیدا ہو گیا۔ کہیں اُن ظالموں کے ہاتھ میں گرفتار نہ ہو گئی ہو۔ یہ بات ہے تو چلیے۔ ہم پھر پلٹ کر اُسکو پھٹا لائیں!“

یہ لکھ ظرنین نے آٹو کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور اُسکو مطلق آگے بڑھنے نہ دیا۔

آٹوؑ: ”نہیں خداوند! وہ سلامتی کے ساتھ انہیں پہاڑوں میں ہے۔ انشاء اللہ اور تین گھنٹوں کے عرصے میں آپ اُس سے ملینگے۔“ ظرنین کا پنپنے لگا۔ اگر آٹو نہ سنبھالتا تو صاف گری جکتا تھا۔

ظرنینؑ: ”آہ! کیا یہ صحیح ہوگا؟ (آٹو سے) آپ کوئی فرشتہ ہیں؟ جو مجھے قید سے رہا کر کے یہ خوشخبری سنانے کے لیے بھیجے گئے ہیں؟۔ پیاری ایرین! میں پھر تجھے دیکھ سکوں گا؟ کیا تو مجھے اب تک نہیں بھولی؟ خیر۔ آئندہ کوئی چیز ہماری باہمی محبت میں خلل نہ پیدا کر سکیگی۔“

آٹو یہ پرجوش سچے دل سے ادا ہونے والی تقریر کو سن کر بہت دیر تک ساکت رہا۔ اُسکو

اپنی بہن ایڈا کا خیال آگیا۔ اور وہ ٹیک دل پاکباز ایرین اور ایڈا کی خصلتوں میں فرق کر رہا تھا۔  
 ظرنین نے میں آپ سے یہ نہ پوچھو نکا کہ کیونکر آپ نے ایرین سے واقفیت حاصل کی۔ اور وہ  
 کس طرح ان پہاڑوں میں آئی۔ یہ صرف اتفاقی امر نہ تھا۔ بلکہ اس میں آسانی مدد ضرور شریک تھی۔  
 اگلے قصہ ایرین کی زبان سے سننے میں زیادہ لطف اٹھیکا۔ بیشک آپ نے کمال سہرت ناک خبر  
 سنائی ہو۔ اور یہ خوشی میرے اندازے سے کہیں زیادہ ہو۔ اب جو رنج دلانے والی کیفیت آپ  
 کنا چاہتے ہیں فرمائیے! میں سُننے کے لیے تیار ہوں!!۔“

آٹو: ”وہ خبر آپ کی جائداد و املاک کی نسبت ہو جو کسی وقت آپ کی تھی اور اب ایک غیر شخص  
 نے تاراج کر دی!۔“

ظرنین: ”کیون؟ میں نے کوئی ایسی خطا نہیں کی تھی جس سے میری جائداد سرکار کسی غیر کے  
 حوالہ کر دے یا خود آپ ضبط کر لے۔ قید کی حالت میں مجھے بہت کچھ دھکیان دی گئی تھیں۔ مگر  
 میں نے کسی دستاویز پر دستخط نہیں کیے۔ پھر کیونکر میری ملک غیر کے حوالہ کی گئی؟۔“

آٹو: ”مجھے اس قدر بتائیے کہ کیا آپ کسی ایسے شخص کو جانتے ہیں جو آپ سے نہایت درجہ  
 مشابہت رکھتا ہو؟۔“

ظرنین: ”ہاں۔ ایک شخص ہے۔ جس سے زیادہ بد معاش دنیا بھر میں کوئی نہوگا۔ اُسکی کیا  
 کیفیت ہو؟۔“

آٹو: ”حضور! اب سنئے کہ اُسنے آپکا نام رکھ لیا۔ صورت تو ملتی جلتی تھی ہی لہذا اللہ تعالیٰ  
 دھوکا کھا گئی۔ وہ اُس تمام املاک پر حاوی ہو گیا جو بہت دنوں سرکاری محافظت میں تھی۔ اور  
 افسوس کہ سب کچھ صرف بھی کر چکا۔“

ظرنین: ”(متعجب ہو کر) ”کیا داسٹین نے ایسا کام کیا؟ اُس مرہود نے دغا سے میری ملک  
 حاصل کر کے تاراج کر دیا؟۔“

آٹو: ”جی ہاں۔ مگر مجھے خوف تھا کہ اس ماجرے کی سماعت سے آپ کو بڑا رنج ہوگا۔ لیکن آپ

پورے صابر نظر آتے ہیں۔ اُس ظالم نے مجھے بھی تھوڑا سا نقصان پہنچایا ہے۔ جیسے میری بہن کے جموٹے نام سے دھوکا کھا کر اُسکی زوجیت میں آگئی ہے۔“

ظفرین نے کیا؟ آپ کی ہمیشہ کی محبت و اسٹین کی جو رو ہوگی۔ خیر۔ آپ کے رشتہ دار غریب یا دغا باز نہ بھی تو میں آپ کی خاطر سے اُنھیں مال و زر دیکر نہال کر دوں گا۔ اور اُسے اس طرح پیش آؤں گا۔ جیسے کوئی اپنے عزیز دوستوں سے سلوک و مروت کرتا ہے۔“

اُٹو۔ بجا ہے۔ لیڈی ایرین آپ کے اخلاق و کرم کی نسبت جو جو باتیں کہا کرتی تھیں۔ اب اُسے زیادہ آپ کو پاتا ہوں۔ . . . . میں نے دونوں خبریں بیان کر دیں۔ ایک طرف تو آپ کو یک شریف ذی قدرت و فاشعار حسین عورت جسے آپ جان سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں گلے لگانے کے لیے منتظر بیٹھی ہے۔ اور دوسری جانب ایک جیسا مرد و آپ کو جھٹلانے اور سوا کر نیک اہتمام کر رہا ہے۔“

ظفرین نے خیر۔ اس وقت اس قصے کو پہنچائیے۔ میرا تمام خیال ایرین سے وابستہ ہے۔ اُسے دیکھتے ہوئے ہندوہ سال گزر گئے۔ کیا آپ عشق کے کوچے سے واقف ہیں؟ اگر نہ ہوں تو میں نے اس دراز عرصے میں جو تکلیفیں اٹھائی ہیں۔ اُس سے آپ ناواقف ہونگے۔ عشق اُسی کو کہتے ہیں کہ دینا کوئی اور چیز اُس سے زیادہ مرغوب نہ ہو۔ وہی حاصل زندگی۔ وہی امید۔ اور وہی خیال ہونا چاہیے۔

میرا عشق بھی ایسا ہی ہے۔ معشوق کی مفارقت ہی میرے لیے قید شدید یا بلا سے عظیم سے کم نہ تھی۔ ایرین کے ساتھ میرا دلی عشق نہایت مستحکم اور سچا ہے۔ مجھے کبھی اُسکی نسبت بدگمانی نہیں ہوئی اور یقیناً کہہ سکتا ہوں کہ وہ بھی مجھے ایسے ہی دل سے محبت کرتی ہے جیسے میں چاہتا ہوں۔ مجھے معلوم تھا

کہ ایرین کو سوا میرے دنیا میں کوئی چیز بھلی نہ معلوم ہوگی۔ اور نیز یہ کہ وہ تادم مرگ اپنا دل کسی اور کو نہ دیگی۔ اسی امید نے مجھے ہندوہ سال اُس اندوہناک اسیری میں زندہ رکھا اگر مجھے اُسکی وفاداری میں ذرا بھی شک ہوتا تو ضرور اُسی جہاز کے تختوں سے سر ٹکرا کر مر گیا ہوتا جس پر میں ایک

ظلام کی حیثیت سے سوار جا رہا تھا۔ یا اُس قید خانے کی دیواروں سے ٹکرا کر جان دیدی ہوتی جس سے ابھی آپ نکال لائے ہیں۔ میں خوب جانتا ہوں کہ ایرین بڑی ہی نیک نفس پاکیزہ مزاج



عورت ہو۔ اور اعلیٰ درجہ کی عصمت شعار ہو۔ یہی خیال مجھے قید کے عالم میں بھی فرحت دلانے والا تھا۔ بعض وقت خود بخود میرے دل میں یہ خیالات پیدا ہوتے تھے کہ ”ایرین زندہ ہو۔ اور اب تک میری ہی محبت کا دم بھرتی ہو۔“ اگر ایسا نہ ہوتا تو میرے بال کبھی کے سفید ہو گئے ہوتے اور دیدہ گریبان کی بیتابی اشک ریزی کے سبب صاف جواب دی جاتی۔ محبت بھی کیا چیز ہے؟ تمام آفتوں میں بلاؤں میں غمناک حالتوں میں اسی سے مجھے تسلی و تسلی ہوتی رہی۔ ”ظفرین کی تقریر نے آٹو کے دل میں بہت بڑا اثر پیدا کیا۔ اب رستہ اس قدر تنگ تھا کہ دو آدمی پہلو پہلو چل نہیں سکتے تھے۔ اسی لیے باہمی گفتگو موقوف ہو گئی۔ اس اثنا میں دو پہر رات ڈھل گئی۔ آٹو۔ ماظنی۔ بڑھیا۔ اور ظفرین اُس جھونپڑی کے متصل پہنچ گئے جس میں ایرین اور اُس کے دو لڑکے رہ رہ کر قیام کا بندوبست کیا گیا تھا۔

ماظنی۔ (جھونپڑی کے قریب پہنچ کر) ”اندر سے روشنی دکھائی دیتی ہو۔ اور دھواں بھی نکل رہا ہو!“

آٹو۔ (جھانک کر پست آواز میں ظفرین سے) ”خدا سے کریم کا شکر کرنا چاہیے کہ ایرین بخیر و عافیت یہاں موجود ہے۔ کیا میں پہلے جا کر آپ کے آنے کی خبر دوں؟“ یہ فقرے آٹو کی زبان سے پورے نہ ادا ہوئے تھے کہ ایرین کی جانب سے کچھ گانے کی آواز کان میں آئی۔ سب کے سب متوجہ ہو گئے۔ وہ مشرقی طرز پر نہایت سوزگاز سے داغریب اور موثر آواز میں گارہی تھی۔

خیال رخ با صفا ہو رہا ہو      دل آئینہ حق منسا ہو رہا ہو  
نہیں منہ دیکھا تماشا ہے بس      ذرا مڑ کے دیکھو تو کیا ہو رہا ہو

ظفرین ”وہی پیاری آواز! مجھے خوب یقین ہے کہ یہ اُسی کی دلربا آواز ہو۔“ لیڈی ایرین نے گانا سو قوت کر دیا۔ اُس کا دلدادہ عاشق جو باہر کھڑا ہوا تھا ضبط نہ کر سکا۔ آٹو کو خوف تھا کہ مبادا لیڈی ایرین ظفرین کے یکایک دیکھنے سے انتہائے مسرت کے سبب کین بیہوش نہ ہو جائے۔ اسی خیال سے وہ ظفرین کو روکتا رہا۔ مگر اُس نے نہ مانا۔ اور جبراً اپنے آپ کو

جھڑا کر بے تابانہ جھونپڑی میں گھس پڑا۔ اور ساتھ ہی لیڈی ایرین بھی دوڑ کر اُسکے گلے سے لپٹ گئی۔ دونوں بے اختیار زار قطار رونے لگے۔ بہت دیر تک یہی حالت رہی کہ وہ فرطِ بیانیہ سے ایک دوسرے کا نام لیتے اور برابر روئے جاتے تھے۔ گو دونوں جانب سے گفتگو کے لیے کوشش کی جاتی تھی۔ مگر دلی جوش و خروش ایک حرف بھی زبان سے نکلنے نہ دیتا تھا وہ غم انگیز سماں حاضرین کے دل پر عجیب تاثیر کر گیا کہ بھون نے رونا شروع کیا۔ آخر کار وہ جدا ہوئے۔ اور وہ اس لیے تھا کہ ایرین اُن لوگوں کا شکریہ ادا کرے جو ظنین کی رمانی کا سبب ہوئے تھے۔

ایرین۔ (آٹو سے) ”میں حیران ہوں کہ کن لفظوں میں آپ کا شکریہ ادا کر دوں۔ یہ دلیر اور جوانمرد شخص (ماٹنی کی طرف اشارہ کر کے) مجھے معقول انعام پائیگا۔ اور ماما سے بھی عمدہ سلوک کیا جائیگا۔ مگر آپ کے لیے کیا کہوں؟ میں چاہتی ہوں کہ آج سے آپ کی بہن کٹاؤں اور میرے پیارے ظنین آپ کے بھائی ہوں گے۔ آپ ہم سے کبھی جدا نہ ہوں گے۔ ہم ہمیشہ کے لیے آپ کی راحت و آرام کا دوسہ لیتے ہیں۔“ یہ کہہ کر ایرین نے ظنین کی جانب نگاہ کی۔

ظنین۔ ”میں نے سچے دل سے تمہاری تجویز کو پسند کیا ہے۔“ (آٹو سے) آج سے آپ میرے بھائی ہیں۔ اور ایرین آپ کی بہن ہے۔ ہم اُن نے جاکر ظنین کے ہاتھ کو بوسہ دیا۔ اس وقت اُسکے دل میں بھی کچھ اسدِ رجہ جوش پیدا ہو گیا تھا کہ وہ بات نہ کر سکتا تھا۔ خیر۔ دونوں رہبروں نے اپنی زنبیلوں سے کچھ کھانے کی چیزیں نکال کر میز پر رکھیں۔ اور خوشی خوشی سب مل کر کھانے کے لیے جا بیٹھے۔“

## تینتالیسواں باب

ایڈا۔ اور اُسکا مرد

مذکورہ بالا قصبے کو دو مہینے گزر گئے۔ ایڈا محلِ ظنین کے ایک مہینے خاص کرے میں بیٹھی ایسے متفرق خیالوں میں محو تھی۔ جو اُسکے پوشیدہ امور سے تعلق رکھتے تھے۔ شام کا

وقت تھا۔ آفتاب کو پردہ مغرب میں اپنی نورانی صورت چھپائے ہوئے تھوڑی ہی دیر گزری تھی۔ ایڈا کے روبرو ایک میز رکھی ہوئی تھی۔ اوروہ اُسپر کھنیاں ٹیکے اور ٹھوڑی کو ہاتھوں سے تھامے ہوئے کچھ سوچ رہی تھی۔ اتنے میں دفعۃً دروازہ کھلا اور اُسکا مردانہ آیا۔ چہرے سے معلوم ہوتا تھا کہ اُسے حسب عادت آج بھی شراب نوشی میں کچھ کوتاہی نہیں کی ہے۔

ایڈا۔ (حقارت سے) ”کیون! آپ اپنے دوست شرمین کے ساتھ بادہ خواری موقوف کر کے یہاں کیوں آئے؟ کیا آپ اُس نالائق کی صحبت سے بیزار ہو گئے؟ میں تو جانتی ہوں جب سے وہ اس مکان میں رہنے لگا ہے۔ آپ سے بھی زیادہ اپنی حکومت۔۔۔“  
مرد۔ (بات کاٹ کر) ”ہاں۔ چپ رہو۔ کیا بک بک لگائی ہے۔ تم اپنے قول و قرار کو یاد رکھو اور اُسی پر عمل کرو۔ بیٹے تمہاری آزادی پر روک ٹوک کرنے کا مجھے حق نہیں۔ اور تمکو بھی مجھے اپنے حال پر چھوڑ دینا چاہیے۔“

ایڈا۔ ”تو آپ یہاں آئے کیلئے ہیں؟“  
مرد۔ ”میں اسلئے آیا ہوں کہ تم سے ایک ضروری بات ہے۔“ یہ لکاردہ کرسی پر بیٹھ گیا ”حقیقت حال یہ ہے کہ شرمین کا دل یکایک تمہاری محبت کا گردیدہ ہو گیا ہے۔“

ایڈا۔ (غصے سے کانپتی ہوئی) ”وہ بد معاش نامعقول مجھے الفت رکھتا ہے؟“  
مرد۔ ”ہاں۔ کیون؟ وہ بڑا ہی شمع طبع زندہ دل شخص ہے۔ اگر ذرا سی متانت اور سمجھدگی اُسکے حصے میں آئی ہوتی۔ اور کچھ حسن بھی ہوتا تو۔۔۔“

ایڈا۔ ”ان بیہودہ باتوں کو بالائے طاق رکھو۔ شاید آپ خیر سے شرمین کی تعریف کرنے اور رضا مند کرانے کے لیے تشریف لائے ہیں۔“

مرد۔ ”ہاں۔ میرا یہی مدعا ہے۔ وہ تم پر فریفتہ ہو گیا ہے۔ اور چاہتا ہے کہ تمہارے ناز و داکو ابھی طرح دیکھ کر دل خوش کرے۔ بس اُسکی نمنا پوری کرو۔ اور ہمارے ساتھ

میز پر کھانے میں شریک ہو۔ یہ تو عادت ہی ہے کہ لیڈیان اپنے شوہر کے مہمانوں کے ساتھ اکل و شرب میں شریک ہوتی اور اُسے خاطر و مداراست کرتی ہیں۔ پھر چلی چلو۔ میں تمہیں ہمراہ لیجانے کی غرض سے آیا ہوں۔“

ایڈا نے اپنے ملازمین کے ساتھ باورچی خانہ میں بیٹھی سوکھی روٹی کھانا اس سے کہیں زیادہ پسند کرتی ہوں کہ باجی شرمیج کے ساتھ بیٹھا عمدہ کھانے کھاؤں!“

مرد نے یہ بیجا بات ہے۔ وہ میرا دوست ہے۔ اگر تم خانگی امور کو برابر انجام نہ دے سکیں تو کس کام کی رہیں؟“

ایڈا نے ہمارا باجی ملاپ کوئی معمولی طور پر نہیں ہوا۔ آپ روپیہ کے طالب تھے۔ اور مجھے ایک ظاہری شوہر کی ضرورت تھی۔ آپ کو بیشمار روپیہ دیا گیا۔ جسے آپ نے خاطر خواہ صرف کیا۔ لیکن وہ آزادی میرے نصیب نہ ہوئی جسکی میں مستحق ہوں۔ آپ نے ایک ایسے ملعون کو گھر میں بٹھا رکھا ہے جسے دن بھر شراب لٹکھانے۔ اور وہاں ہی تباہی بکنے کے سوا اور کوئی کام نہیں۔ اور پھر طرہ یہ کہ خدمتگاروں سے آئے دن لڑتا جھگڑتا رہتا ہے۔ اس بارے میں اگر میں کچھ زبان پر لاتی ہوں تو آپ دھمکیوں سے ڈرا دیتے ہیں۔ اور اب ایک نئے طور پر مجھے بھرت کرنے کے لیے آئے ہیں۔“

مرد نے میں تمکو تھامے ہی گھر میں مہمان نوازی کے مراسم ادا کرنے کے لیے بلاتا ہوں۔ اور خود شرمین بھی جا رہا ہے۔“

ایڈا نے اچھا تو مجھے دمان آنے سے انکار ہے۔“

مرد نے اس حالت میں وہ خفا ہو جائے گا۔“

ایڈا نے بلا سے خفا ہو کر کیا بنائے گا؟ آپ کو کچھ دھمکیاں دیگا جیسے پیشتر گذشتہ تھا۔ مجھے ایسی باتوں سے کچھ واسطہ نہیں۔ شاید آپ سے کوئی سنگین جرم صادر ہوا ہے جسکے سبب سے آپ اُسے تابع ہیں۔ یا اسیر آپکا کوئی راز آشکار ہو گیا ہے۔“

مرد: ”(پاؤن زمین پر ٹپک کر) ”تمھاری بہ لٹی محبت محض بیکار ہے۔“  
 شرمن: ”(دفعۃً کرے مین گھس کر) ”کسی کو کاؤن کان خبر نہیں کہ مین دیوار کی آڑ مین کھڑا ہو کر  
 تم دونوں کی باتیں سن رہا تھا۔ (مرد سے) تم ہمیشہ اپنی بیوی کے اس کمرے مین لاسنے کے لیے  
 اقرار کرتے رہے ہو اور مجھے بڑی آرزو تھی کہ دریافت کروں تم دونوں کے باہمی راہ و رسم کیسی ہے۔“  
 ایڈا: ”(شرمن سے) ”تمھاری بہودگی اور گستاخی کی یہاں تک ذہبت پہنچی کہ اب بے اجازت  
 میری خاص کمرے مین بھی آنے لگے۔“

شرمن: ”اونہ۔ مین ایسی سہل رسوم کا پابند نہیں ہوں!۔“  
 ایڈا: ”تم بڑے ہی اچڑ اور جاہل مطلق ہو۔“ یہ لکڑاٹھا غصے سے کانپنے لگی  
 شرمن: ”ان بٹیک مین ایسا ہی ہوں۔ مگر آپ کے اوہ ہمارے امیر صاحب کے کتھڑائی کے  
 شروط نہایت عجیب و غریب ہیں۔ واسد مین اسد رجہ تمھارے خفیہ حالات کا ماہر ہوں جو تمھیں  
 عمر بھر اپنا تابع رکھنے کے لیے کافی ہیں مجھے کسی اور ترکیب کے ڈھونڈھنے کی ضرورت نہیں۔  
 خیر۔ (مرد سے مخاطب ہو کر) تم بیان سے جاؤ۔ مجھے اس لیڈی سے چند باتیں کرنا ضرور ہیں!“  
 ایڈا: ”(جلدی سے) ”آپ ہر گز بیان سے نہ جلیے خداوند!“  
 شرمن: ”(غصہ ہو کر) ”تم جلیے جاؤ!“

ایڈا کا مرد: ”نہیں مین تو نہ جاؤنگا۔“

شرمن: ”(تلوار کھینچ کر) ”مین تمھیں جبراً نکالوں گا!“

ایڈا کا مرد: ”(آپ بھی تلوار کھینچ کر) ”کسی نہ کسی دن یہ بات پیش آنے والی ہی تھی۔ شرمن!  
 مین تم سے نہایت ہی بیزار ہو رہا ہوں۔ یہ تمھاری ہمیشہ کی بے اعتدالیان۔ دن رات کی گھڑکیاں  
 ملازموں کے گرد و بلبے دھڑک سخت کلامی کرنا۔ یہ باتیں مجھے آئے دن پریشان رکھا کرتی ہیں  
 اب فیصلہ ہونے دو۔ یہ ضرب بجالو۔“ یہ لکڑاٹھا کے شوہر نے شرمن پر وار کیا۔ اسے خالی دیکر  
 اسنے بھی جواب دیا۔ ایڈا اس سانحہ کو دیکھا چیخ اٹھی اور دروازے کی طرف بھاگی۔ قریب

ہلاتے ہی دروازہ باہر سے کھل گیا اور ایک ملازم اندر آیا۔ شرمین اور ایڈا کے جردنے گھبرا کر تلواریں  
میان میں کر لیں۔

خدمتگار۔ (گھبراہٹ سے اِدھر اُدھر دیکھتا ہوا) ”خداوند! آپسے ملنے کیلئے کوئی شخص باہر کھڑا ہوا ہے۔“  
ایڈا کا مرد۔ (غضبناک ہو کر) ”پہلے ہی کہہ چکا تھا کہ آج شب میں کسی سے ملاقات نہ کروں گا۔ پھر  
اُسکو یہاں تک آنے کی اجازت کیوں دی گئی؟“

خدمتگار۔ مگر اُسے تو دعویٰ ہے کہ آپ اُسکو بخوبی پہچانتے ہیں۔ اور چاہے کسی حال میں ہوں۔ ملاقات  
ضرور کریں گے۔

ایڈا کا مرد۔ ”بھلا اسکا نام کیا ہے؟“  
خدمتگار۔ ”فیروز۔“

ایڈا کا مرد۔ (گھبرا کر) ”کیا فیروز آیا ہے؟“ مان۔ ”میں اُس سے ابھی ملو گا (آہستہ سے) وہ کیلئے  
آیا ہو گا۔“

شرمین۔ ”میں بھی تمہارے ہی ساتھ آتا ہوں۔ لیکن میں نہیں جانتا کہ یہ کیا معاملہ ہے۔“ ایڈا کا  
مرد اور شرمین باہر نکلے۔ بیرونی برآمدے کے ایک چھوٹے سے کمرے میں فیروز گھبرا یا ہوا اِدھر اُدھر  
ٹپل رہا تھا۔ ان دونوں کے پہنچتے ہی اُس نے پریشان لہجے میں کہا۔ ”ہمارا پرند آٹریگیا اور اب  
بازی ختم ہو چکی۔“ ایڈا کے مرد پر سکے کا عالم طاری ہو گیا۔ وہ کچھ جواب ہی نہ دے سکا۔  
فیروز۔ ”نبیہ اصلی امیر ظرمن قید سے چھوٹ گیا۔ اُسکا راکنندہ قریب تھا کہ پادری انسلم کو ہلاک  
کر دے۔ میں تو یقین جانتا ہوں کہ وہ نوجوان سوا آٹو کے کوئی اور نہ تھا۔“

ایڈا کا مرد۔ ”کیا یہ آٹو کا کام ہے؟“

فیروز۔ ”مان۔ وہی۔ وہ ایک دفعہ پوشیدہ طور پر راہب خانے کو آیا بھی تھا۔ اور پادری انسلم  
تو کہتے ہیں کہ یہ کارستانی اسی کی ہے۔“

شرمین۔ ”تو اب بچنے کھو دیا۔ میرے بہانے سے کوئی فائدہ نہیں۔ لہذا میں جاتا ہوں۔“



یہ لکھ دروازے کی طرف بڑھا اور کھولا تو ایڈا وہیں کھڑی ہوئی کل ننگوٹن رہی ہے۔“  
شرمن۔ (ایڈا کو زور سے اندر کھینچ کر) ”کیا تم خفیہ طور پر ساری داستان سن رہی تھیں؟“  
ایڈا۔ (جھٹک کر) ”ہاں۔ تمہیں نے مجھے یہ ترکیب سکھائی ہے۔ میں سب حال سن چکی۔  
تنے جو کہا کہ اصلی امیر ظرین جھوٹ گیا۔ اس سے کیا مراد ہو؟ میرے بھائی نے کیا کیا لکھو  
خلاصی دی؟ ایڈا نے یہ کلمات فیروز سے مخاطب ہو کے کہے تھے۔

شرمن۔ ”حقیقت حال یہ ہے کہ تمہارے شوہر امیر ظرین نہیں۔ بلکہ واسٹین نام ایک غریب  
آدمی ہیں۔ اور اصلی ظرین کے ساتھ چند روز ترکی بن مقید رہ کر اس سے زیادہ یا رانہ پیدا  
کر لیا تھا۔“

ایڈا۔ (بے تابانہ اداسے ایک صف پر بیٹھ کر) ”ہاے! یہ بڑی غمناک خبر ہے!!“۔ اُس وقت  
دروازہ کھلا۔ اور جوانان کو تو والی گھسکر سمجھون کے گرد کھڑے ہو گئے۔“

ایک افسر۔ (ایڈا کے مرد کی طرف بڑھ کر) ”بادشاہ وقت کے نام سے میں تمہیں قید کرتا ہوں!“  
ایڈا۔ (دروازے کے قریب آ کر) ”میرے شوہر سے جو خطائیں سرزد ہوئیں۔ انہیں بخش دے (شرمن  
کو دکھا کر) بھی شریک ہے۔“ برقعہ اڑون نے ایڈا کے کہنے سے شرمن کو بھی گرفتار کر لیا۔

افسر۔ (فیروز سے) ”م شاید تم بھی اس مقدمے سے کچھ تعلق رکھتے ہو۔ بہر حال جب تک تم اپنے  
بیان ہونے کا معقول سبب نہ بتاؤ گے اُس وقت تک تمکو ہماری نگرانی و حراست میں رہنا ہوگا۔“  
شرمن۔ (ایڈا کی جانب اشارہ کر کے) ”اُس عورت کو بھی کیوں نہیں گرفتار کرتے؟ ہماری طرح وہ بھی  
ہر کام میں اپنے شوہر کا ساتھ دیتی رہی ہے۔ آہ میں محض بے گناہ ہوں۔ اور اس معاملہ سے  
کچھ بھی سروکار نہیں رکھتا۔

افسر۔ ”کسی عورت کی گرفتاری کا مجھے حکم نہیں دیا گیا۔“

شرمن۔ ”وہ عورت ایک بہت بڑے جرم کی مرتکب ہوئی ہے۔ جسکو وہ اپنے شوہر سے بیان  
کر رہی تھی اور اُسکو میں نے پوشیدہ سن لیا تھا۔“

اڈا۔ یہ سکر ہوا جس ہو گئی۔

افسر۔ (شرمن سے) ”دو کلن جہم ہی بیان تو کر دیا۔“

شرمن۔ ”مجھے میں معلوم کہ وہ کیا ہی، مگر اتنا بیشک جانتا ہوں کہ وہ بہت بڑی خطا ہی۔“

افسر۔ ایسی خیالی بے سند باتوں پر عمل کرنے کی مجھے اجازت نہیں ہے (برقندازوں سے) تم

اپنے قیدیوں کو لے چلو۔ یہ حکم پا کر جو اتان کو تو الی بحر مون کو لیکر آگے بڑھے۔ سب سے پہلے

شرمن اسکے بعد فیروز۔ اور آخر میں واسٹین تھا۔ شرمن کے گزرتے وقت ایڈاہیت تفتی سے

دیکھتی رہی۔ اسکے گرفتار ہونے پر ایڈا کو اس درجہ خوشی ہوئی کہ اپنے مرد کا ماخوذ ہونا۔ اور اس دعا بانا

کے فرضی نام سے دھوکا کھا کر اس سے عقد کر لینے کی شرم کا خیال۔ سب کچھ جاتا رہا۔ واسٹین

سریچے لے محافظوں کے ساتھ ساتھ کمرے سے نکل گیا۔ ایڈا نے نفرت سے نظر پھیری۔

جب واسٹین اس محل کے باہر ہوا جس میں وہ مدتوں صاحب خانہ کھلاتا رہا۔ اس وقت ایک

لیڈی (جسکے منہ پر سیاہ نقاب بڑی تھی۔ اور دہنے ہاتھ کی ایک انگلی میں نہایت ہی بیش بہا

مختصری بنے تھی اسکے بازو سے جلد جلد چٹنے لگی۔ اور اسی تیز روی کے عالم میں موقع پا کر واسٹین

کے کان میں کہنا کہ یہ تم ڈرو نہیں۔ میرا بھائی سنہرا اور پادری النہم شہر ویانا ہی میں ہیں۔“

نگہبانوں سے ایک شخص۔ ”کیا اس لیڈی نے تم سے کوئی بات کی؟“

واسٹین۔ (دلیری سے) ”نہیں اسنے تو کچھ نہیں کہا۔“ مگر اس لیڈی کے ہمت دلانے

سے اسکا دل بہت قوی ہو گیا۔

## چوالیسواں باب

### اسیر ظرین کا قصہ

دوسرے دن یعنی ۹۔ جون ۱۸۶۶ء کی صبح کو عدالت عالیہ ویانا میں ایک پر عظمت

سنان نظر آ رہا تھا۔ ایک زرنگار عمدہ نعلی شامیانے کے نیچے عدالت کے بیٹون جج بیٹھے

ہوے ہیں۔ کونٹ کانگسین صدر نشین عدالت بیج میں متمکن تھے۔ ججون کی نشست کے دو بڑے  
چند قدم پر ایک آہنی ڈنڈا ستادہ ہے۔ اور اُس سے تینوں مجرموں کی ہتکڑیاں باندھ دی گئی ہیں۔  
مجرم وہی تھریمن۔ فرورز۔ اور واسٹین تھے۔

عدالت کے جانب راست ایک قسم کے نیچون پر جو اس زمانے کے فن کے مطابق  
گواہوں کے بیٹھنے کے لیے رکھی جاتی تھی آٹو۔ مائٹن۔ امیر ظرین۔ اور راہب خانہ کی ماما  
ملڈریڈ ایٹھے ہیں۔ تمام عدالت تماشائیوں کی کثرت سے بھر گیا تھا۔ اُس شخص کا دفعتاً  
گرفتار ہو جانا جو زمانے تک امیر ظرین کے نام سے مشہور تھا۔ اور اسکے جیل و فریب کی افواہوں  
سے کل ساکنان شہر کے دلوں میں ایک حیرت کا جوش پیدا ہو گیا تھا۔ اُس دن خاص و عام  
عدالت میں بار باب ہونہیں سکتے تھے۔ انھیں لوگوں کو اندر آنے کی اجازت تھی جو ججون سے  
واقفیت رکھتے ہیں۔ ایڈ انہین آئی۔ مگر فوسٹ موجود تھا۔ عدالت کی دوسری جانب ایک  
برقع پوش لیڈی بیٹھی تھی۔ اور اُسی کے قریب ایک نو عمر لڑکی جس کا گندمی رنگ اور بڑی بڑی  
نرگسی آنکھیں بتا رہی تھیں کہ وہ اٹلی کی رہنے والی ہو بیٹھی تھی۔ یہ دونوں ایرین۔ اور مائٹن کی  
پیماری بیٹی نینا تھیں۔ ہم ایک اور لیڈی کی طرف ناظرین کے خیال کو متوجہ کرتے ہیں۔ جو فوسٹ  
سے کچھ دور پر برقع پہنے ہوئے بیٹھی تھی۔ اور جب کبھی برقع کو برابر کرنے کی غرض سے ہاتھ باہر  
نکالتی تھی تو انگلی کی انگلی کی چمک دمک سے دیکھنے والے کی نگاہ کو چکاچوند ہوتی تھی۔ فوسٹ  
نے اُسے دیکھا۔ لیکن اور حاضرین عدالت واسٹین اور ظرین کے ہم شبیہ ہونے کو تعجب اور  
حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ امیر ظرین اپنے عالی رتبہ کے لائق ایک نہایت عمدہ لباس  
پہنے ہوئے تھا۔ گواسمین اور واسٹین میں طاہری مناسبت بہت تھی۔ مگر وہ چہرے کی  
نرمی اور آثار شرافت واسٹین میں نہ تھے۔ دونوں کا قد برابر تھا۔ لیکن وہ جیسا کہ جسم و توانا  
تھا۔ اور ظرین حقیر ہونے کے ساتھ نازک اور دل فریب شکل رکھتا تھا بہر صورت ان دونوں  
میں اس درجہ مشابہت تھی کہ ظرین کی عدم موجودگی میں واسٹین پر بخوبی دھوکا ہو سکتا تھا

خیر عدالت کی کارروائی شروع ہوئی۔ صدر نشین نے اظہار دینے کے لیے ظرین سے کہا۔  
امیر ظرین (صدر نشین عدالت سے) ”جناب عالی! مجھے خوب معلوم ہے کہ میں عدالت کا قیمتی  
وقت رائگان نہیں کر سکتا مگر چونکہ ان مجرموں کی خطا کا ثبوت دینے کے علاوہ اپنے حقوق  
بھی ثابت کرنا چاہتا ہوں۔ چہر اس دعا باز نے (واسٹین کی طرف اشارہ کر کے) تصرف بیجا  
کیا ہے۔ اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس دن سے جبکہ ۱۹۷۹ء میں شہر دیا نا چھوڑا جیسے جو  
جو سانچے مجھے گزرے ان سب کا مفصل حال بیان کروں۔“

حجۃ ۱۲۰۲ء آپ اطمینان اور سہولت سے اپنا قصہ بیان کیجیے! یہ مقدمہ نہایت سنگین ہے اور ہمیں  
ضرور ہے کہ توجہ سے سنا کر اس کا فیصلہ کریں۔ ظرین نے شکریہ ادا کرنے کے بعد اپنا حال اس طرح  
بیان کرنا شروع کیا۔

شعبہ ۱۲۰۲ء کو میری عمر تیس سال کی ہوئی اور والد مرحوم کی وصیت کے بموجب کل ملاک  
وزر نقد جو نہایت کثیر تھا میرے سپرد ہوا۔ اور اُس کے تھوڑے ہی دنوں بعد میرے چچا کے  
انتقال کرنے سے بہت سا مال ترکہ میں ملا۔ میری قدرت اور تو نگری اندازے سے زیادہ  
بڑھ گئی۔ صغریٰ ہی سے مشرقی ممالک کے سیر و سیاحت کی تمنا میرے دل میں گدگدا رہی تھی۔  
میں اُس قوم کی رسم و رواج سے واقف ہونا چاہتا تھا۔ جسے کوہسار الپس سے نکل کر برق کی سی  
سرعت سے یورپ کا بہت بڑا حصہ فتح کر لیا۔ یعنی بین سلطنت عثمانیہ کی سیر کی بڑی خواہش رکھتا تھا  
آخر اس دیرینہ شوق نے مجھے ابھارا جس کے سبب سے چچا کے ایام سوگوار میں منتفی ہوتے ہی اپنے  
تمام امور کا بندوبست کر کے چھ خد متگاردن کو ہمراہ لیکر سفر کو نکلا۔ چونکہ میں خود مختار تھا۔ اور مجھے  
کچھ جلدی بھی نہ تھی۔ لہذا آہستہ آہستہ منزلیں طو کرتا ہوا روانہ ہوا۔ میں ان واقعات و تصدیقات  
کے بیان سے عدالت کا وقت ضائع نہ کروں گا۔ جو اس سفر میں پیش آئیں۔ الغرض میں موجودات  
سرو دیا اور واپچیا سے جہان کے فرمانروا مجھے نہایت خلق و مردت سے پیش آئے گزرتا ہوا شہر  
قسططنہ میں جا پہنچا۔ پورے دو مہینے وہاں قیام رہا۔ پھر وہاں سے اٹھ لیا اور اُس کے بعد پروسا گیا۔

جہاں گذشتہ سلاطین کا مدفن ہے۔ خیر۔ وہاں سے بھی ہو کر مین ملک شام کی سرحد میں پہنچا۔ مجھے نیکے ہوئے دو سال گزر گئے تھے اپنے وفادار خدمتگاروں کے علاوہ ہمیں بیدل سپاہی کے ساتھ جو ایلیو کے مصری گورنر نے میرے ہمراہ کیے تھے مین شام کے بیابان طر کر رہا تھا۔ دمشق کے قریب ایک حادثہ گذرا۔ جسے میری بعد کی زندگی میں بہت بڑا تغیر پیدا کیا۔ دمشق کا بے نظیر شہر ہمارے پیش نظر تھا کہ دفعۃً قزاقوں کی ایک جماعت ہم پر حملہ آور ہوئی۔ انکی تعداد ساٹھ سے کم نہ تھی اور سب کے سب مسلح تھے۔ ہم بھی دلیری سے انکے حملہ کا بچاؤ کرتے رہے مگر کب تک! اشار میں وہ ہم سے بہت زیادہ تھے۔ آخر نتیجہ یہ ہوا کہ ہم مغلوب ہو گئے۔ اور میرے چھوٹے خدمتگار مارے گئے۔ اس قیامت خیز وقت میں ہین تائب غیبی نے مدد کی یعنی ایک تاجر نوٹارس نام (ایرین کا باپ) جو ان ممالک میں مشہور ہے۔ اتفاقاً اپنے ہمراہیوں کے بہت بڑے گروہ کے ساتھ وہاں آ نکلا۔ اسوقت میرے ساتھی نصف سے زیادہ کٹ چکے تھے۔ خیر ان ظالموں کو شکست فاش دی گئی۔ اور وہ نیک نفس رحمدل تاجر مجھے اپنے وطن کو لے گیا۔ مین نہایت ہی مجروح تھا۔ اسکی فرشتہ سیراہ جین لڑکی کمال اخلاص و محبت سے میری تیمارداری میں سرگرم تھی۔ بفضل خدا چند روز میں مجھے صحت حاصل ہوئی۔ انھیں ایام میں میرا دل اس تاجر کی پیاری بیٹی کے دام عشق میں اسیر ہو گیا۔ اور اسکے دل میں بھی میری محبت نے جگہ کر لی۔ بوڑھا تاجر بھی ہماری ہی کمتخدائی کے لیے رضامند ہو گیا۔ ظاہری صورت کے دیکھتے ہماری زندگی مسرت و عشرت سے گزرنے میں کوئی امر مزاحم نہ تھا۔ مین بہت دو لہند تھا۔ اور تاجر بھی علیٰ ہذا القیاس۔ ایرین اسکی اکلوتی بیٹی تھی۔ اور باپ کے بعد کل جائداد کی مالک بھی وہی تھی۔ غرض ہر ایک امر ہماری خواہش کے موافق تھا۔ ایک دن شام کے وقت مین ایرین سے نصیحت ہو کر بازار گیا۔ اسلئے کہ سار کی دکان کو جا کر بھاری قیمت کے ربوڑوں کے بدلے جو میرے پاس بہت تھے مین کچھ ایسے ربوڑ خریدوں جو عورتوں کے زیادہ تر پسند خاطر ہوں۔ کیونکہ مین بیاہ کے دن ایک عمدہ زیور ایرین کو بطور تحفہ دینا چاہتا تھا۔ مین بازار میں اپنے کام کو انجام دیکر واپس آنے لگا۔ اسوقت اندھیرا ہو گیا تھا۔



اور میں ایک تنگ و تاریک سنان گلی میں سے گذر رہا تھا۔ دفعۃً میرے چہرے پر ایک مثال پھینکی گئی۔ اور منہ میں اس قدر ٹھونس گئی کہ بات کرنا ممکن نہ تھا۔ دونوں ہاتھ باندھ دیے گئے۔ اور وہ شخص مجھے اٹھا کر جلد جلد چلنے لگے۔ برابر آدھے گھنٹے تک چلے گئے۔ منہ بند ہونے سے میرا دم گھٹا جاتا تھا۔ آخر میں نیچے اتار دیا گیا اور منہ سے شال بھی نکلی۔ دیکھا تو اپنے آپ کو شہر بنیاد کے باہر چھ مسلح شخصوں کی نگرانی میں پایا میں ایک گھوڑے پر سوار کرایا گیا۔ اور دوسرے گھوڑوں پر وہ لوگ سوار ہو کر سپٹ دوڑاتے ہوئے دو گھنٹے تک برابر چلے گئے۔ آخر ایک غار کے منہ پر پہنچ کر کھڑے ہو گئے۔ وہاں جا کر معلوم ہوا کہ مجھے کون آفت آنے والی ہو۔ جسوقت میں بازار میں زیور خرید رہا تھا اسوقت ان چہروں کا افسر جنھوں نے مجھے لوٹنے کا قصد کیا تھا۔ اور جسکے ہاتھ سے نوٹ اس سوداگر نے بچایا تھا وہاں موجود تھا۔ اور اسی نے اپنی جماعت کے ایک شخص کو ہمراہ لیکر میرا بچا کیا۔ اور اس تیرہ و تاریک گلی میں مجھے اسیر کرنے پر بھی کالیاب ہوا۔ خیر اس غار کے قریب میرا جائزہ لینے لگے۔ نئے خریدے ہوئے زیور چھین لیے۔ مگر چند قیمتی اور عمدہ زیورات جو میں جبین سے لایا تھا۔ اور جنھیں کپڑوں کے اندر مکر بند میں باندھ رکھا تھا ان ظالموں کی نظر نہ پڑنے سے محفوظ رہے۔ میں نے نہایت عاجزی اور معذرت کے ساتھ اُنے کہا کہ اگر تم مجھے دمشق کے جانے کی اجازت دو تو بہت سارے روپیہ بطور انعام دوں گا۔ مگر میری ایک نہ سنی دوسرے دن صبح کو مجھے دریا کی طرف لے گئے۔ یوں دفعۃً ایریں سے جدائی نصیب ہونے کے سبب میرے دل کا جو حال تھا۔ قابل بیان نہیں۔ سامعین خود اندازہ کر لیں کہ اسوقت اندوہ و الم سے میری کیا حالت ہوگی۔ دریا پر پہنچ کر ان لوگوں نے مصریوں کے ہاتھ مجھے بطور غلام کے فروخت کر ڈالا۔ آٹھ جہاز روانگی کے لیے تیار تھا۔ میرے پوچھتے ہی لنگڑاٹھا دیا گیا۔ یہ جہاز ابھی زیادہ دور جانے نہ پایا تھا کہ ترکی امیر ابو کپتان پاشا کے جہازوں نے گرفتار کر لیا۔ مصریوں کے سزا کو قتل کر کے مجھے اور جہاز کے دیگر ملازمین کو ایک اور جہاز پر لگے۔ جان ہم سب سے زنجیروں سے باندھ کر غلاموں کی طرح خدمت لی جانے لگی۔ میں نے امیر ابو کپتان پاشا سے ملنے کی درخواست کی



اور اپنے رتبہ سے بھی اسے آگاہ کرایا۔ مگر اُس درخواست کا کچھ نتیجہ نہ نکلا۔ کیونکہ اُن دنوں ترکی و جرمنی میں جنگ چھڑی ہوئی تھی۔ اسلئے مجھے ایک قیدی کی طرح رکھ کر غلامانہ خدمت لیجانی تھی۔ میں اُن تمام مصیبتوں میں اپنے پاس کے زیور و نگوں کو بچا رکھنے پر کامیاب ہوا۔ میری حالت بہت اندوہناک تھی۔ دن بھر محنت و مشقت سے دم لینے کی مہلت نہ ملتی تھی۔ اور شب کو بچھونا تک میسر ہونا محال تھا۔ ایک افسر ہاتھ میں کوڑا لیکر ہم سبھوں کو مارتا اور اذیت دیتا تھا۔ اور میرے ہمراہی جنہیں اکثر بد معاش اور کم ظرف تھے مجھے ہمیشہ ستانے اور رنج پہنچانے سے نہ چھوڑتے تھے ایسی دل آزار حالت میں پری جمال ایرین کا خیال ایک قیامت ڈھاتا تھا۔ غرض میں آئے دن یہی دعا کرتا رہتا تھا کہ خداوند ابا مجھے موت دے تاکہ اس رنج و الم سے نجات پاؤں۔ ایک سال سیاح گذرا اعلیٰ مدت کے بعد ترکی اور وینس کی بحری فوج میں جنگ عظیم برپا ہوئی۔ اُسکا سبب تھا کہ حکومت وینس جرمنی اور اُن دیگر ممالک کی طرفدار تھی۔ جو اُس زمانے میں سلطنت عثمانیہ کے مخالف تھی۔ آخر اس جنگ کا نتیجہ یہ ہوا کہ عیسائیوں کو شکست فاش ملی اور مسلمان مظفر و منصور ہوئے۔ عیسائی جہازوں کے بہت لوگ ہیر ہوئے۔ دو قیدی اُس جہاز میں بھی آئے جہاں میں تھا۔ یہ جرمنی کے عیسائی تھے۔ اور یہی تھے جو اب عدالت کے روبرو زنجیروں میں جکڑے کھڑے ہیں۔ شرمن اور واسٹین۔ واسٹین اور میں پہلی ہی ملاقات میں ایک دوسرے کے ہمشکل ہونے پر تعجب کرنے لگے۔ اس حالت میں میں اپنے ایک ہم وطن اور ہم شبیہ کو دیکھ کر بہت ہی خوش ہوا اور اپنی کوئی بات اُن دنوں خصوصاً واسٹین سے چھپانہ رکھی جب کبھی ذرا سی فرصت ملی۔ ہم اپنے وطن کے بارے میں گفتگو کر کے دل خوش کر لیا کرتے تھے۔ رفتہ رفتہ میں نے اپنے تمام حالات۔ جرمنی کے جاگیر وں کا حساب۔ اپنی رعایا کا احوال گزشتہ زندگی کے واقعات وغرض سب کچھ بے کم و کاست واسٹین سے بیان کر دیا۔ اور ایرین کا قصہ عشق بھی کہ سنایا۔ چند روز میں ہم با یکدیگر پیسے ہو گئے جیسے حقیقی بھائی ہو کر رہنے لگے۔ لیکن میں واسٹین شرمن سے اس درجہ کی محبت نہ رکھتے تھے۔ اسی سبب اُسکو میری حالت سے زیادہ واقفیت نہ تھی۔ واسٹین

نے مجھے صاف صاف کدیا کہ میں ایک غریب آدمی ہوں۔ چند دن اٹلی میں رہا۔ اور جوا اور شراب خواری اور دوسری بے اعتدالیوں میں اپنا کل سرمایہ کھو کر آخر عدالت و دم کا ملازم ہوا۔ اور ایک خفیہ کارروائی کے لیے جسے کسی پر ظاہر نہ کرنے کے لیے اُسے قسم دی تھی اس جہاز پر سوار ہو کر بار بار ہاتھ جپر سے مین گرفتار کر لیا گیا۔ اتنا لکڑا ہوا کہ گزشتہ طاقت پر پچھانے لگا۔ اور عقل پر ملامت کرنا شروع کی۔

مجھے اسکے حال پر بہت رحم آیا اور کہا کہ اگر ہم ترکون کے پھندے سے چھوٹیں تو وطن پہنچ کر تمہیں اس قدر روپیہ دیں گے کہ اپنی بقیہ زندگی آسائش سے بسر کر سکو گے۔ مین اس درجہ اس پر اعتماد رکھتا تھا کہ اپنے پاس کے زیور بھی بتائے۔ یہ بات ہم دونوں نے شرمین سے مخفی رکھی کیونکہ اسکو قابل اعتبار نہ سمجھتے تھے۔ سالہا سال اس طرح گزرنے لگے اور ہماری دلی افسردگی بڑھتی جاتی تھی۔ آخر ۱۹۴۵ء میں ہماری رہائی کی ایک ایسی مبارک ساعت آئی جسکی مین بالکل امید نہ تھی۔ ہم کپتان پاشا کے جہاز سے ایک چھوٹے جہاز میں بھج دیے گئے جو موریا کے دریا میں گھٹ کرنے کے لیے مامور ہوا تھا۔ ہم اُسی جہاز میں بیٹھے چلے جا رہے تھے۔ ایک دن صبح کو وینس کے ایک جنگی جہاز سے اُسکا مقابلہ ہوا۔ بڑی سخت لڑائی کے بعد اہل وینس فتحیاب ہوئے۔ ہم سب وینس کے جہاز پر گئے کپتان مجھے نہایت ہی خلق و مردت کے ساتھ پیش آیا کیونکہ مین نے اُسے اپنا نام و نشان بتایا تھا۔ اور میرے ہی سبب سے واسٹین اور شرمین کے ساتھ بھی نیک سلوک کیا گیا۔ الغرض چند روز کے عرصے میں وہ جہاز شہر وینس میں پہنچا۔ اور ہم سب جھوٹے دیے گئے۔ مین نے اُسی دم ویانا جانے کا قصد کیا۔ اور یہ امر بھی دل میں گھٹکتا رہا کہ میری نو برس کی عدم موجودگی میں وہاں کچھ نہ کچھ فتور واقع ہوا ہوگا اور وہاں پہنچنے کے بعد اہل وینس سے ملنے کی بھی کچھ صورت کی جاسکتی ہو۔ وینس میں مین نے پاس کے زیور وینس سے کچھ فروخت کیا اور اپنے ساتھیوں (واسٹین و شرمین) کو بھی ہمراہ آنے کے لیے کہا۔ شرمین بوجہات چند در چند شہر وینس ہی میں رہنا چاہتا تھا۔ مین نے اُسے کچھ روپیہ دیدیا۔

بجلاٹ اُسکے واسٹین میرے ساتھ آنے پر دل سے راضی تھا۔ مگر آہ میری تقدیر میں نہ تھا کہ شہر وینس سے بغیر ایک اور مصیبت اٹھائے نکلیاؤں۔ ایک دن شام کے وقت میں وینس کی ایک کشادہ اور آباد گلی میں سیر کر رہا تھا۔ اُسکے بلند عمارات کی شاندار سی اور دکانون کی عظمت دیکھ کر مجھے حیرت تھی میں آہستہ آہستہ خرامان خرامان جا رہا تھا کہ دفعۃً میری نگاہ واسٹین پر پڑی۔ وہ ایک عمدہ بے مثل عمارت میں (جسکا دروازہ کھلا ہوا تھا) کھسا۔ چونکہ میں اسکو جس سر امین ہم فروکش ہوئے تھے وہیں سامان سفر کی تیاری کے لیے چھوڑ آیا تھا۔ کیونکہ دوسرا ہی دن جرمنی کے عزم کی بات مقرر ہو چکی تھی۔ اور اُسے بھی اقرار کیا تھا کہ تیاری سفر کے سوا میں اور کام میں مشغول نہ ہوں گا بلکہ سراسر اسے قدم باہر نہ نکالوں گا۔ خیر اسوقت واسٹین کا وہاں نظر آتا مجھے بہت ہی عجیب معلوم ہوا۔ اور چونکہ میں کئی مرتبہ زک اٹھا چکا تھا۔ لہذا دل میں واسٹین کی جانب سے بدگمانی پیدا ہو گئی۔ اور اسے تلون پر مجھے نہایت غصہ آیا۔ جب میں اسی خیال میں اُس حویلی کے دروازے پر کھڑا رہا تو کسی مظلوم ستم رسیدہ عورت کے چلانے کی آواز کان میں آئی۔ میں نے بے تردد اندر قدم رکھا۔ سیدھے طرف ایک زینہ دکھائی دیا۔ اُسپر چڑھنا شروع کیا چیخوں کی آواز برابر ہی تھی۔ میں بھی جلد جلد اُسی سمت جانے لگا۔ راہ تاریک تھی۔ دونوں جانب دروازے تھے مگر بند۔ میں اسی صورت زینے کی آخری حد پر پہنچا تو ایک دروازہ حائل ہوا۔ تلووار کھینچ کر میں نے اُسے کھولا۔ وہ ایک حجر کا دروازہ تھا جو بالکل آدمی سے خالی تھا۔ اب چیخوں کی آواز بھی یکایک موقوف ہو گئی۔ اُس حجرے کا اندرونی اسباب اس درجہ عجیب و غریب اور تخریباً دینے والا تھا کہ میں چند لمحہ وہاں ٹھہرے بغیر واپس نہ آسکا۔ وہ جگہ باوجودیکہ کشادہ اور خوش قطع تھی مگر وہاں کوئی آرائشی سامان نہ تھا۔ ایک روشن لمپ چھت پر لٹاک رہا تھا۔ میز پر دو باتیں بلورین قاب تھے۔ جنہیں کوئی چیز دھری تھی۔ قابون پر ”کانٹرلا“ تحریر تھا۔ اُنھیں قابون کے پاس بائیں جانب چاہے کسی کف دار عرق سے بھرے ہوئے رکھے تھے اور اُنپر ”آپ کانٹرلا“ لکھا تھا۔ حجرے کے ایک

کو نے مین ایک مسبب ریچھ جھت سے اویزان تھا۔ اُسکی دونوں پھلی ٹانگیں چھوٹی سی آہنی  
 کڑیوں میں لگا دی گئی تھیں۔ ریچھ مردہ تھا۔ اور اُسکے منہ کے برابر نیچے ایک چاندی کے برتن  
 میں اُسی قسم کا پانی تھا جو شیشون مین مین نے دیکھا۔ ہانی ریچھ ہی کے منہ سے نکلا ہوا پایا گیا۔  
 کیونکہ قطرے اُسکے منہ سے ٹپک رہے تھے۔ ایک اور چیز نہایت ہی عجیب وہاں دیکھی گئی۔ ایک  
 بیل جسکے چاروں پانوں چارستونوں سے بندھے ہوئے تھے بیٹھ پر پڑا تھا۔ پیٹ چیر کر اُسکے  
 اعضاے اندرونی نکال دیے گئے تھے۔ اُس مردہ بیل کے قریب سے ایک پلنگ تک برابر  
 آدمی کے خون آلودہ نقش پا نظر آتے تھے۔ بلکہ اُس پلنگ کے پردوں پر بھی خون کے دھبے  
 پڑے تھے۔ الغرض وہ مقام مجھے ایک عالیشان حویلی کے کمرے کے عوض قصاب کے  
 مسلخ سے بہت مشابہ معلوم ہوتا تھا۔ مین حیرت اور تعجب سے کھڑا ان نادر چیزوں کو دیکھ ہی  
 رہا تھا کہ پیچھے سے کسی کے پانوں کی آہٹ معلوم ہوئی۔ مین نے جھٹ پلٹ کے دیکھا تو ایک  
 نہایت حسین ماہ جبین فوجوان عورت نظر آئی۔ اُسی کے پیچھے ایک مرد کی شکل بھی دیکھی جو پس  
 جا رہا تھا۔ مجھے یقین ہوا کہ وہ دسٹین ہی ہے۔ وہ لیڈی جو نہایت لباس فاخرہ پہنے تھی اور  
 جو پورے درجے کا حسن و جمال بھی رکھتی تھی میرے پاس آئی۔ اور کہا۔ 'اس آپ کی دخل دہی  
 کے کیا معنی؟' مین نے اپنے وہاں آنے کا مفصل سبب کہ سنایا۔ وہ مجھے توجہ سے دیکھنے  
 لگی اور ایک حکومتانہ ادا سے میرا نام پوچھا۔ مین نے جواب دیا کہ میرا نام امیر مظفرین ہے۔ اور یہ  
 بھی کہا کہ اگر میرے یہاں آنے سے آپ کی خاطر پر ملال آیا ہو۔ اور کچھ حرج ہو تو معاف کر کے  
 مجھے واپس جانکی اجازت دیجیے۔

لیڈی۔ ہاں۔ تمہارا جلد جانا ہی بہتر ہے۔ لیکن خبردار! (ادھر ادھر دیکھ کر) یہاں جو کچھ  
 دیکھا ہے۔ کبھی بھوئے سے بھی کسی کے روبرو زبان پر نہ لانا۔ یہ کہہ کر آسنے مجھے چلے جانے کا  
 اشارہ کیا۔ مین وہاں سے نکل گیا۔ ہاں مجھے یہ بھی بتانا ضرور ہے کہ وہ لیڈی اپنے سیدھے  
 ہاتھ کی انگلی مین ایک انگشتی پہنے تھی جو نہایت بیش قیمت اور بے نظیر معلوم ہوتی تھی

اُسکے نگ پر شیرزہ کی شکل بنی ہوئی تھی اور آنکھوں کی جگہ دو بہت ہی چمکدار الماس لگے تھے غرض میں نے اُس مکان سے باہر ہو کر سڑکار ستہ لیا۔ لیکن اس بات سے واقف ہونے کے لیے میں مشوش ہو رہا تھا کہ آیا وہ شخص جسے میں نے دو مرتبہ دیکھا ہے وہ اسٹین ہی تھا یا کوئی اور؟ آخر الامر میں سڑاک کے کمرے میں آ پہنچا۔ جہاں ہم فروکش ہوئے تھے۔ دیکھا تو کٹھن ایک میز پر بیٹھا ہے۔ اور شراب کی بوتل جو نصف سے زیادہ خالی ہو چکی ہے۔ اُسکے روبرو رکھی ہے۔ تاہم اُس سے استفسار کیا تو اُس نے کہا کہ میں آج دن بھر سڑاک کے باہر گیا ہی نہیں۔ مجھے باور نہ آیا۔ لیکن وہ اس تین اور رستی سے اپنی بات نباہ رہا تھا کہ چارنا چار بیچ ہی ماننا پڑا۔ تب میں نے اُس عمارت کے عجائب و غرائب کا حال اُس سے بیان کیا۔ وہ سُکر پوچھنے لگا کہ کیا آپ نے اُسکے مالک کا نام و نشان بھی کچھ دریافت کیا یا نہیں؟ میں نے جواب دیا کہ 'نہیں' وہ اسی وقت مستعد ہوا کہ چلیے اُس مکان کے قرب و جوار میں جا کر اُسکی ماہیت دریافت کریں۔ میں بہت تھکا ہوا تھا۔ علاوہ اُسکے مجھے اپنے خاص امور کا خیال دوسرے باتوں کی طرف راغب ہونے کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ لہذا میں اُس کام میں شریک ہونے سے انکار کر کے اپنے خاص کمرے میں چلا گیا۔ دوسرے دن سویرے میں اور دسٹین ویا نا کو جانے کے قصد سے کشتی پر سوار ہوئے۔ اور وہ تینوں شخص بھی آگئے جنہیں دسٹین نے ہماری محافظت کے لیے نوکر رکھا تھا۔ کیونکہ اُن دنوں اٹلی کے راستے میں ڈاکوؤں کا بہت زور تھا ہم چند روز میں جبال آلپس کی سرحد میں جا پہنچے۔ وہاں سے کارنیلیا کی سرحد بہت قریب تھی۔ مگر ہم جبال کا درمیانی حصہ ابھی طو کرنے نہ پائے تھے کہ ساتھیوں کی دغا و فریب کا ظہور ہونے لگا۔ وہ تین مسلح شخص جنکا افسر فریڈرنام عدالت کے روبرو حاضر ہے۔ اور ہم ایک جھوٹے میں پہنچے۔ اور شب وہیں گزارنے کے قصد سے مقام کیا گیا۔ بعد ان فراغ طعام میں پڑ کر سو رہا۔ اس حالت میں میرے ہمراہیوں نے میری مشکین باندھ دیں۔ اور میرے پاس کا زیور وغیرہ لوٹ کر مجھے اُس راہب خانے میں قید کر دیا



جہان پور سے آٹھ برس مصیبتیں جھیلتا رہا وہ زندانِ بلاہر طر سے بند تھا۔ صرف بڑے دورِ دانسے میں ایک کھڑکی لگی تھی جو ہمیشہ قفل ہوتی تھی اور کبھی کبھی محافظوں کی بے پروائی سے کھلی بھی رہتی تھی۔ میں اس خیال سے وہاں کھڑا رہتا تھا کہ اگر کوئی بھولا بھٹکا مسافر ادھر سے ہو کر گذرے تو اپنی رہائی کی درخواست کروں۔ چھ سال کا زمانہ ہوا کہ میں نے ایک شخص کو وہاں دیکھا۔ اس سے نہایت عجز کے ساتھ انماں کیا کہ مجھے یہاں سے خلاصی دلوانی کوئی صورت نکالے! اس گفتگو کے سنتے ہی میرے نگہبان دوڑ پرے اور اس بیچارے کو گرفتار کر لیا وہ اب یہاں (ماٹنی کو دکھا کر) موجود ہے۔ اور خود اپنی زبان سے اپنی گرفتاری کا حال بیان کر لیا اسی طرح ایک مدت گذر گئی اور چند تنہا مسافر اس کھڑکی سے مجھ دکھائی دیے۔ اور سب کو میرے محافظوں نے اسیر کر لیا۔ آخر کاریہ نیک طینت قوی دل نوجوان (آٹو کو دکھا کر) میری نظر پڑا اور اسی کے سبب سے مجھے اُس بند مصیبت سے رہائی نصیب ہوئی۔ اُن آٹھ سال میں جو جو آفتیں اور تکلیفیں مجھے پہنچیں قابلِ بیان نہیں۔ میں نے واسٹین کو اسدن سے آج تک نہیں دیکھا تھا۔ اُس راہب خانہ میں ایک شخص تھا جو میری تمامی الماک و جائداد کو اپنے نام پر منتقل کر لینے کے لیے ہر روز مجھے ستا پکارتا تھا۔ اُسکا نام پادری نسیم ہیگو مین نے کئی مرتبہ اُس سے کہا کہ اگر تو مجھے قید سے رہا کر دے تو اپنی کل الماک سے نصف حصہ بخوشی تمام تجھے دینے کا اقرار کرتا ہوں۔ مگر وہ راضی نہ ہوا۔ لیڈی ایرین سے ملنے کی تمنا میرے دل میں استقدر بخون تھی کہ اُسکے مقابلہ میں تمام دنیا کی دولت و ثروت بیچ معلوم ہوتی تھی۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی خیال ہوتا تھا کہ وہ لوگ جنھوں نے ایک بے گناہ کے بے سبب قید کرنے میں تامل نہ کیا اگر میری جائداد حاصل کرنے کے بعد بھی مجھے قید ہی میں رکھیں تو کیا تدارک ہو سکتا ہے؟ خیر۔ پانچ چار سال سے کسی نے اس بارے میں کوئی سوال نہیں کیا۔ اور میں بھی خاموش ہی رہا۔ مگر افسوس! میری جائداد دوسری ترکیب سے لیکر بے رحمی سے لٹا دی گئی۔ یہ مردود (واسٹین کی طرف اشارہ کر کے) جسے ایک غمخوار دوست کی حیثیت میں میرا من و عن ماجرا مجھ ہی سے سن لیا۔ یہ بد معاش جسے



میرے زیورات جبال آپس پر لٹ لیے یہ نااہل جو مجھ سے بہت مشابہت رکھتا ہے۔ غرض اسی نے میری تمام دولت و غا و فریب سے لیکر برباد کر دی۔ (صدر نشین عدالت سے) جناب عالی اب میں اپنا پُر در و قصہ تمام کرتا ہوں۔ یہ بات عدالت ہی بخوبی دریافت کر سکتی ہے کہ میرا مقید ہونا اس دغا باز کی مفسدہ پردازی کا سبب تھا۔ یا شہر وینس کے ایک عجیب مکان میں جو بے اطلاع کیے چلا گیا اسکی وجہ سے تھا۔ اراکین عدالت کے بلند خیالات اور بیدار مغزی سے یقین ہے کہ اس راز کے ڈھونڈھ نکلنے میں کامیاب ہونگے۔ میرے مالی نقصان کے لیے یہ لٹی (ایرین کو دکھا کر) جو اب میری پیاری بیوی ہے۔ باعث تسکین ہے۔ کیونکہ وہ اسقدر دولتمند ہے کہ میری کھوئی ہوئی جائیداد اُسکے روبرو کچھ نہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ وہ ہماری زندگی امیرانہ روش اور جاہ و اعزاز سے بسر کرنے کے لیے کافی ہے۔ لیکن جو آفات و تکالیف مجھے پہنچائی گئی ہیں اُنکے عوض واسٹین اور فیروز کو سزا دے واجبی دیے جانے کا خواستگار ہوں۔“

صدر نشین: ”تو آپ شرمین پر کوئی دعوے نہیں رکھتے؟“

ظہیرین: ”جی نہیں حضور!۔“

صدر نشین: ”اچھا شرمین کو چھوڑ دو۔ اور واسٹین و فیروز کو قید خانہ میں لیجاؤ۔ عدالت کی کارروائی کل پر موقوف رکھی گئی۔“

## پینتالیسواں باب

### وہ کون عورت ہے

امیر ظہیرین کی سرگذشت سے سامعین کے دل و دل میں در و دار رقت اور حیرت پیدا ہو گئی۔ وینس کی کسی گلی کے ایک مکان میں اُسے جو عجائبات دیکھے۔ اُسکی کیفیت کچھ اس قدر حیرت فزا تھی کہ کسی کی عقل کام نہ کرتی تھی۔ تاہم سب لوگ یہی سمجھے کہ ظہیرین کا رہا ہے حال میں اسے ہونا اسی راز سے متعلق ہے۔ غرض عدالت برخاست ہوتے ہی صدر نشین کوٹنگس

شہنشاہِ جرمنی کے پاس گیا۔ اور ظرنین کی پوری دستاں کہ سنائی۔ شہنشاہِ جرمنی نہایت رحم دل حلیم الطبع فیاض بادشاہ تھا۔ اُسی دم حکم جاری کر دیا گیا کہ ظرنین کی تمام جاگیریں اسکے حوالہ کر دی جائیں۔ اور مصارف کے لیے خزانہ سلطنت سے روپیہ عطا ہو۔“ شہنشاہ نے کارنیلیا کے گورنر کے نام اُسی وقت ایک حکم نامہ لکھ بھیجا کہ جبالِ آلپس کے راہبِ خاصنے پر فوج کشی کر کے اسپر تصرف کیا جائے۔ اس حکم نامے کے ساتھ ایک نقشہ بھی روانہ کیا گیا جسکے ذریعہ راہبِ خانے کے اندر داخل ہونے کی راہیں واضح طور پر بتائی گئی تھیں۔ اور جسے آٹو نے خود اپنے ہاتھوں کھینچا تھا۔ صدر نشین عدالتِ شہنشاہ کی حضورِ سی سے نکل کر سیدھا اُس حویلی میں آیا جہاں امیر ظرنین اور اسکی بیوی ایرین رہتی تھی اور جہاں آٹو۔ مائٹنی اور اسکی بیٹی نینا سہمان تھی شہنشاہِ جرمنی کی جو عنایات ظرنین کے حال پر مبذول ہوئی تھیں۔ سکر سب کے سب انتہا سے زیادہ سرور ہوئے۔ اور راہبِ خانے کے تصرف کے بارے میں جو شاہی فرمان جاری ہوا وہ بھی اُنکے لیے کچھ کم خوشی کی بات نہ تھی۔ یہ ضروری باتیں جو بیان کرنے کی تھیں۔ بیان کر کے ہم پھر اسوقت کو واپس جاتے ہیں جبکہ عدالتِ برخاست ہوئی دونوں قیدی سرکاری حراست میں حالات کو گئے۔ شرمین آزاد کروایا گیا۔ اور تماشائی جوق جوق بھٹنے لگے۔ وہ برقع پوش لیڈی جسکے ہاتھ میں ایک نادرہ روزگار انگشتری تھی۔ سب کے ساتھ لٹکنے کا قصد نہیں رکھتی تھی۔ بلکہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ بھیڑ چھٹنے کا انتظار کر رہی ہے آخر یہی ہوا یعنی لوگوں کا ہجوم بتدریج کم ہونے کے بعد وہ اپنی جگہ سے اٹھی۔ اور عدالت سے نکل کر ایک ایسی گلی میں گئی۔ جو سب کو چون سے نہایت تنگ اور غیر آباد تھی۔ اسکی رفتار نہایت تیز تھی۔ اور کسی غور سے دیکھنے والے کو معلوم ہوتا تھا کہ وہ کسی قدر پرگندہ خاطر بھی ہے۔ فوسٹ اسکی تمام حرکات کو دیکھ رہا تھا۔ بلکہ جب سے ظرنین نے وینس والا قصد بیان کیا۔ اُسوقت سے گویا فوسٹ نے اپنی آنکھیں اُس لیڈی کی حرکات و سکنات پر لگا رکھی تھیں۔

آفتابِ غروب ہو چکا تھا۔ اور چو طرفہ تاریکی پھیلتی جاتی تھی مگر اُس لیڈی کی تیز رفتاری

کوئی فن نہ آیا اور اسے یہ بھی خبر نہ تھی کہ کوئی میری چال اور میری حرکتوں سے ٹٹکی لگائے چلا آتا ہے۔ فوسٹ اس تھوڑی سی روشنی میں بھی اُسکے نازک پاؤں دیکھ کر ہچان گیا کہ وہ نہایت درجہ حسین عورت ہے۔ اور صرف اپنے حسن پر آشوب کو چھپانے کی غرض سے برقع پہنے ہوئے ہے۔ آخر فوسٹ بڑھکراُسکے فریب گیا۔ اور کاغذ پر اپنے ہاتھ سے اشارہ کر کے کہا۔  
 فوسٹ: لیڈی صاحبہ! آپ تنہا ہیں۔ اور یہاں کی گلیوں میں سرکاری نگرانی ٹھیک طور پر نہیں ہوتی۔ لہذا آپ اگر اجازت دیں تو میں آپ کے ہمراہ اُس مقام تک چلوں۔ جہاں آپ جانا چاہتی ہیں!۔“

لیڈی مجھے چوروں کی بہ نسبت اُن لوگوں کا زیادہ خوف ہے جو مداخلت بچا کے مرتکب ہوتے ہیں!۔“ گو لیڈی نے یہ الفاظ نا ملائم اور دشمنانہ لہجے میں کہے تھے۔ مگر اُسکی سیریلی اور نازک آواز کی دلفریبی چھپ نہ سکی۔

فوسٹ: لیڈی صاحبہ! میری اس مردت بھری درخواست کو رد نہ کیجیے۔ آپ اسی عدت سے آرہی ہیں جہاں میں بھی سامعین میں شریک تھا۔ جو جو حالات و ہالیں معلوم ہوئے اُنسے شہر وینس کے مکان کا ایک باجر ا مجھے دریاے حیرت میں ڈبو رہا ہے!“  
 فوسٹ کی گفتگو سے لیڈی گھبرا گئی۔ اور کہا: ”اُس تقریر سے آپ کا مطلب کیا ہے؟“  
 اور پھر تھوڑی دیر میں سنبھل کر بولی: ”میں جانتی ہوں وہ صرف ایک فسانہ ہے۔ درحقیقت یہاں ہونا قیاس میں نہیں آتا!“

فوسٹ: ہاں۔ لیڈی صاحبہ! اگر میرا دل باور کرتا کہ وہ فسانہ ہے۔ تو میں بھی آپ ہی کی رائے سے متفق ہوتا۔ مگر نہیں۔ مجھے کامل یقین ہے کہ وہ ہرگز افسانہ نہیں ہے۔“  
 لیڈی: آپ ہٹ دھرمی کرتے ہیں۔ خیر یہ بتائے! آپ کس طرف جانے والے ہیں؟  
 میں تو سیدھی جاؤنگی۔“

فوسٹ: ”ان گلیوں میں میں آپ کو تنہا جانے کے لیے کبھی چھوڑ دوں گا۔ علاوہ اُسکے

آپ کے ساتھ گفتگو کرنے میں نہایت لطف اُٹھتا ہے۔ شاید آپ نے میرا نام سنا ہوگا۔ میں آرونا کا کونٹ فوسٹ ہوں!۔“

لیڈی: ”ہاں تو آپ کو آج کے مقدمے سے ضرور تعلق تھا۔“  
فوسٹ: ”کیون؟ فرمائیے مجھے کس طرح کا تعلق ہے؟۔“

لیڈی: ”کیا دسٹین کی سلامتی اب دشوار نہیں ہے؟ اور کیا اسکی زلت و رسوائی آپ کی چوربوری پڑا پر کچھ اثر نہ کرے گی؟ یہ فقرے اُس لیڈی کی زبان سے بہت سہولت کے ساتھ ادا ہوئے تھے فوسٹ: ”آپ بڑی ہی دلیرانہ ادا سے گفتگو کرتی ہیں۔ حالانکہ ایڈا کو آپ سے کچھ شناسائی نہیں لیکن میں اب سمجھ گیا (خوش ہو کر) آپ ضرور دسٹین سے واقفیت رکھتی ہیں۔ اور غالباً اسی نے چند ایسی پوشیدہ باتیں بھی آپ سے کہ دی ہیں۔ جو کہنے کی نہ تھیں۔“

لیڈی: ”(زیر لب ہنس کر) ”خیر۔ اسکا مجھے کہیں سے سراغ ملا ہو۔ آپ تو اسکی سچائی کے قائل ہیں۔“

فوسٹ: ”اس صورت میں آپ کو بھی قبول کرنا چاہیے کہ ظنین نے اُس مکان کے جو حالات بیان کیے۔ وہ سب صحیح ہیں۔ آپ کی انگشتی پر شیرزہ کی تصویر ہے تو اُسکا بتایا ہوا نشان ٹھیک ہو گیا۔ اور شک رفع۔“

لیڈی: ”نہیں حضور! آپ دھوکا کھا گئے ہیں۔ دیکھیے میری انگشتی میں تو سانپ کا سر بنا ہوا ہے۔“

یہ کہہ کر لیڈی اُس روشنی کی طرف بڑھی جو کسی گھر کے درجے سے بڑھ رہی تھی۔ اور اپنا نازک اور پیارا ماتہ نکال کے انگوٹھی دکھائی۔ تو درحقیقت اُسپر سانپ کے سر کی شکل بنی ہوئی تھی۔

فوسٹ: ”ہاں اسپر تو بیشک سانپ کا سر ہے۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ کوئی اور انگوٹھی بھی آپ کے پاس ہے۔“

لیڈی: ”میں قسم کھاتی ہوں کہ آج میں نے یہی انگشتی پہنی تھی۔ اور میرے پاس کوئی

اور انگوٹھی ہو بھی نہیں۔ جو پہنون۔“

یہ لکھ لیڈی نے جلد جلد چلنا شروع کیا۔ مگر فوسٹ بھی اُسی کے پیچھے ہولیا۔

فوسٹ یہ انگشتری کے بارے میں آپ سے جھگڑنا اخلاق سے بعید ہے۔ لیکن مجھے پورا یقین ہے کہ آپ عدالت میں تشریف رکھنے کے وقت کوئی اور انگوٹھی پہنے تھیں۔ جس پر شیرزہ کی شکل بنی ہوئی تھی۔ اور آنکھوں کی جگہ دو عمدہ الماس لگے تھے۔“

لیڈی یہ خیر۔ آپ ہی کے قول سے انگشتری کی نسبت جھگڑنا بے سود ہے۔ اور چونکہ آپ مجھ سے واقفیت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ لہذا مجھے یہ پوچھنے کی اجازت دیجیے کہ واسٹین کے بارے میں آپ نے کیا تجویز کی ہے؟

فوسٹ یہ بات آپ کیوں پوچھ رہی ہیں؟ کیا درحقیقت آپ کو اس سے کچھ تعلق ہے؟ نے تو مجھے کہا ہے کہ میں اس امر میں بالکل دخل نہ دوں۔ کیونکہ اگر وہ مردہ و بجا بھی لیا جائے تو ویسی ہی بھائی کی زندگی بسر کرے گا۔“

لیڈی یہ تو آپ اس امر کا اقرار کرتے ہیں کہ ”اُسکے بچانے کی قدرت مجھے حاصل ہے؟“

فوسٹ (مسکرا کر) ”میرے کلام سے تو اس طرح کی کوئی قدرت نہیں پائی گئی!“

لیڈی یہ آپ اس قسم کا اختیار رکھنے سے انکار تو نہیں کرتے ہیں؟ (درد مندی سے) اگر آپ کو ایسی قدرت حاصل ہے تو ضرور کوئی صورت نکالے۔ میں ہمیشہ آپ کی ممنون احسان رہوں گی!“

فوسٹ لیڈی صاحبہ! آپ کی سی نازک اندام حسین لیڈی کی قہر سے میں سرتابی نہ کرتا مگر۔“

لیڈی یہ آپ کو یہ کیونکر معلوم ہوا کہ میں حسین بھی ہوں۔“

فوسٹ میرے طریقہ نے تو کہہ دیا ہے کہ وہ لیڈی جیسے میں نے وینس کے ایک عجیب محل میں دیکھا نہایت درجہ حسین تھی۔“

لیڈی یہ تو آپ اس قصے کو مجھ سے منسوب کرتے ہیں۔ حالانکہ میرے ہاتھ کی انگوٹھی میں

شیرزہ کی تصویر نہیں ہو!۔“

فوسٹ: ”ہاں۔ اسوقت تو بے شک سانپ کے سر کی انگشتی ہو!۔“

لیڈی: ”ان باتوں کو جانے دیجیے۔ کیا آپ میرا ایک کام کریں گے۔ یعنی واسٹین کا بچانا آپ سے ممکن ہو؟۔“

فوسٹ: ”ایسے بد معاش اور نالائق شخص کے معاملہ میں آپ کیون دخل دیتی ہیں؟۔“

لیڈی: ”شاید آپ نہیں جانتے کہ عشق عورت کے دل کو عاجز کر دیتا ہو۔ یقین سمجھیے حضور! میں بڑے ممتاز خاندان کی عورت ہوں۔ اور میرے آبا جان ایک ایسے تخت سلطنت پر جلوہ فرما ہیں۔ جہاں سے خاص اپنی ہی مملکت پر نہیں بلکہ تمام عیسائی ممالک پر قبضہ رکھتے ہیں۔ اس صورت میں آپ کے سے ذی جاہ امیر کو بھی میری مہربانی کبھی نہ کبھی کام آ ہی جائیگی۔ ان باتوں کے نظر کرتے ہوئے میں جس امر کی آپ سے طالب ہوں وہ کوئی بڑا کام نہیں ہو۔“

فوسٹ: ”اگر کل اندام لیڈی صاحبہ! گو میں آپ کے نام و نشان سے محض ناواقف ہوں تاہم آپ کی درخواست کو رو نہ کروں گا۔ ہاں بیشک مجھے یہ قدرت ہو کہ واسٹین کو مصیبت سے نجات دلوادوں۔ لیکن آپ سے اس خدمت کا صلہ سوا اسکے اور کچھ نہیں چاہتا کہ آپ مجھے نظر کرم سے دیکھا کریں۔ اور میں یہ بھی آپ کو یقین دلانا ہوں کہ کل روئے زمین کے شاہی خزانے میری دولت و ثروت کے مقابل کچھ نہیں۔ آپ یہ نہ سمجھیے کہ میں فضول باتیں کہتا ہوں اس گفتگو کے بعد تھوڑی دیر سکوت رہا کیونکہ دونوں اپنے اپنے خیالات میں مستغرق تھے۔ اگلے بعد ایک اور کھڑکی کے قریب جا پہنچے۔ جہاں سے روشنی پڑ رہی تھی۔

لیڈی: ”(روشنی میں منہ سے نقاب اٹھا کے) جب آپ میری تمنا بر لاتے ہیں تو میری صورت بھی دیکھیے اور پہچانیے کہ میں کون ہوں۔“ فوسٹ اسکی دلربا شکل دیکھنے لگا۔ عمر تخمیناً ۲۸ سال کی ہوگی۔ مگر جسم کا ہر حصہ گویا سانپ کے منہ میں ڈھلا تھا۔ چہرہ زیبا و دشمن و پر نور۔ اور گردن



خوارہ نور بخشی۔ فوسٹ متحیر ہو گیا۔

لیڈی۔ ”داسٹین اور فیروز دونوں کو ریلیکھتے تو میں آپ کی زیادہ تر ممنون ہو گئی۔“  
فوسٹ۔ ”آپ چاہے کوئی ہوں۔ میں آپ کی درخواست کو رد نہیں کر سکتا۔ اگر فیروز اور  
داسٹین کو چھڑا دوں تو آپ کی تازک اور مبارک زبان سے مجھے یہ فقرہ سننا کیونکر نصیب ہو گا۔“  
”کہ اب میری تسلی اور خوشی ہوئی۔“

لیڈی۔ (نقابِ منہ پر ڈال کر چلتی ہوئی) ”انشاء اللہ ہم ضرور پھر ملیں گے۔ مگر آج ہی شب میں  
وہ دونوں ضرور رہا ہو جائیں۔ اس لیے کہ کل انھیں بہت سی آفتوں کا سامنا ہو گا۔ اور وہ لوگ  
سے ایک اپنی خطا کا اقرار اتنا کروں گا۔ جس قدر میرے نزدیک نامناسب ہو۔ کل شام قلعہ کی  
فضیلاؤں پر آپ سے ملاقات کی عزت حاصل کر دوں گی۔ اب ہمارا جدا ہو جانا بہتر ہے۔ آپ تو  
سمجھ ہی گئے ہوں گے؟“

فوسٹ۔ ”جی ہاں۔ خدا حافظ۔ کل ضرور فیصلوں پر ملیں گے۔“ فوسٹ واپس چلا۔ اور لیڈی  
اُسی طرح بڑھے گئی۔ مگر اتفاقاً ایڈا نے وہ الفاظ سن لیے۔ جو اُن دونوں کے جدا ہونے کے  
وقت فوسٹ کی زبان سے نکلے تھے۔ ایڈا عدالت کی کارروائی کی نسبت مفصل حال دریافت  
کرنے کی غرض سے فوسٹ کے محل کو جا رہی تھی کہ اُٹا سہ راہ میں یہ گل کھلا۔ یعنی خود فوسٹ  
اور ایک غیر لیڈی وہاں کھڑے کچھ باتیں کر رہے ہیں ایڈا فوسٹ کی آواز سنتے ہی ٹھٹکے ہی  
اور پھرتی کے ساتھ کسی گھر کے دروازے کی آڑ میں کھڑی ہو کر سننے لگی۔ مگر وہاں تو گفتگو کا خاتمہ  
ہو چکا تھا لہذا فوسٹ کا یہ اخیر فقرہ اسکے گوش گزار ہوا۔ ”کل شام کو فیصلوں پر ملیں گے۔“  
اسکے کینہ درد کو بھڑکانے کے لیے یہی ایک فقرہ کافی تھا۔ ایڈا کے دل میں یہ بات بخوبی  
جاگزیں تھی کہ فوسٹ کو کی طرح کے مصرت ہو بچانے کا خیال کرنا بالکل پاگل پن ہے۔ جو بیس  
برس کے عرصے تک اس پر نہ تو کوئی زہری اثر کرے گا۔ نہ تلوار کا گر ہوگی۔ آخر اس کے دل نے  
ایک نئی راہ بتائی۔ یعنی اس لیڈی سے انتقام لینا چاہیے جو میرے عاشق کو اپنے دام میں

میں اسیر کرنا چاہتی تھی۔ لیکن اُسے یہ نہ معلوم تھا کہ واسٹین اور فیروز کی رہائی کی تجویز ہو چکی ہے۔ وہ اسی قدر جانتی تھی کہ ان دونوں نے کل سرشام فصیل پر ملنے کا آپس میں اقرار کر لیا ہے۔ ایڈا کو یہ تمنا ہمیشہ رہتی تھی کہ میں ہی فوسٹ کی چاہتی بیوی بن جاؤں اسی جوش اشتیاق نے اُسے تیزا کے زہر دینے کے ظالمانہ کام سے بھی نہ ڈرایا۔ لیکن آٹو کے پلائے ہوئے بد رتہ میں بھی قیامت کی تاثیر تھی۔ کہ اس زہر کو بے اثر بنا ہی چھوڑا۔ وہ سمجھے ہوئی تھی کہ میرے طاہری شوہر کی موجودگی مد عابر آری میں غفل ڈال لیگی۔ اور اسی خیال سے چاہتی تھی کہ خدا کرے وہ سخت سزا پائے۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی خوف تھا کہ اگر آسنے بلاؤں میں گھر کر باتنگ کر دے مخفی راز جو مجھے بہت زیادہ متعلق ہے کسی پر ظاہر کر دیے تو پھر جھپٹ ستم ہی ہو جائے۔ غرض وہ عجیب کشمکش میں تھی۔ وہ بیچ آیا تو اُس کے ساتھ زندگی بسر کرنے میں دنیا بھر کی آفتیں ہیں۔ باز آئی تو افشاے راز کا مضطر بن کرنے والا خون۔ ان امور سے بھی فوسٹ کو آگاہ کر کے اُسکی ماے لینا ضرور تھا۔ اور اسی غرض سے وہ نکلی بھی تھی مگر رستے ہی میں فوسٹ اور لیڈی کو سرگرم گفتگو دیکھ کر تامل ہوا۔ اور کچھ سوچ کر سخت ارادہ کر لیا کہ واپس چاہے جہنم میں جائے۔ چاہے جس مصیبت میں مبتلا ہو۔ اس بارے میں نیز از یادہ تردد بیکار ہی کیونکہ خود فوسٹ اس بھید کے پوشیدہ رکھنے کا کچھ بند و بست ضرور کرے گا۔ اور اس سے بھی یہ معاملہ بہت بڑا تعلق رکھتا ہے۔ مان۔ اب مجھے کچھ کرنا ہے تو یہ ہے کہ اُس لیڈی کو اسکی بے پاکانہ کارروائی کا مزاج بھاؤں۔ یہ خیال کر کے محلِ ظہن کو پیٹی۔ ایڈا باوجود اس امر کی آگاہی کے کہ ایک مکان دھوے کرے گا۔ اور مجھے نکالنا ہو گا۔ اب تک اسی حویلی میں سکونت پذیر تھی۔

## چھیا لیسوان باب

### پانچ واقعات

دوسرے دن صبح کو شہر ویا نائین عجیب عجیب افواہیں اُڑنے لگیں۔ کیلے کہ اُس رات کو کچھ سمجھ جرت انگیز حالات ہوئے۔ قلعہ میں آئے کہ اہل شہر کو باہمی گفتگو کے لیے بت کچھ قلعے لگے تھے۔

اور عہدہ داران سرکاری کے دل ایک نئی حیرت اور وحشت سے مملو نظر آتے تھے پہلی واردت تو یہ تھی کہ دسٹین اور فیروز قید خانے سے نکل بھاگے۔ حالانکہ انھیں بھاری بھاری بٹریاں پہنائی گئی تھیں۔ بلکہ یون کہنا چاہیے کہ سر تا پا زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے والد اعلم کیونکر نکل گئے؟ قید خانہ کا دروازہ کھلا پڑا تھا۔ اور ایک کھڑکی کے آہنی مضبوط ڈنڈے ٹوٹے ہوئے تھے۔ خود سرکاری افسر حیران ہو رہے تھے کہ پہرے والوں کی نظر بچا کر وہ کیونکر بھاگ سکے؟۔ دوسرا واقعہ یہ تھا کہ وہ شخص جو گورنر کا نیلیا کے نام راہب خانے کے تصرف کی نسبت شاہی فرمان لے جاتا تھا ویانا سے پانچ میل فاصلہ پر مارڈالا گیا۔ اُسکے سینے میں ایک کٹار چھپی ہوئی تھی۔ جسکے دستے پر رسی اور اُسبہن کاغذ بندھا تھا اور کاغذ میں یہ عبارت مرقوم تھی۔ ”وہ لوگ جو عدالت دم کے خلاف کارروائی کرتے ہیں۔ اس شخص کی موت سے عبرت حاصل کریں۔ یہ مقدس عدالت اپنے مخالفوں اور مخالفوں کی تائید کرنے والوں دونوں کو برابر سزا دیتی ہے۔“

قاصد کے کمر سے لگی ہوئی تلوار اور تیز دیک کا پیہ سب کچھ برابر تھا۔ مگر وہ شاہی حکم نذر دے تبسرا حادثہ یہ کہ جب شہنشاہ جرمنی صبح کو اپنی خوابگاہ خاص کے بچھونے سے اُٹھا تو اُسے معلوم ہوا کہ ایک کٹا چھوٹی ہوئی نظر آئی آخر قریب کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ رسی سے ایک کاغذ کا پتہ بندھا ہوا ہے۔ جس پر لفظ ”خبردار“ لکھا ہے۔ چوتھا اجرا جو سب سے زیادہ حیرت دلانے والا تھا وہ یہ تھا کہ ایک شخص جسے چوبیس سال پیشتر شاہی حکم کے بموجب سوئی دی گئی تھی گذشتہ رات کو ویانا میں پھرتا ہوا نظر آیا یہ وہی نکمرا تھا جو ڈیوک لیپولڈ کی رسم گوارہ خانے کے دن ڈاکٹر سے رشوت لیکر بچون کی تبدیلی پر راضی ہو گیا تھا۔ دو آدمی جو اُسکو بخوبی پہچانتے تھے قسیمہ کہتے ہیں کہ وہ ایک پادری کے بھیس میں ہمے ملا ہے۔ ایک نے کہا کہ عدالت کے قریب جوار میں غروب آفتاب سے تھوڑی دیر بعد دیکھا گیا۔ اور دوسرے نے لگا کہ اُس سے بھی ایک گھنٹہ بعد میں نے اُسی شہر پناہ کے جنوبی چٹانگ سے باہر جلتے ہوئے دیکھا ہے یہ دونوں

شخص باوجود اس سپاہی کے دوست ہونے کے آپس میں ایک دوسرے کو نہ جانتے تھے۔ اس سے  
نیال کیا جاسکتا ہو کہ انہوں نے کچھ سازش نہیں کی ہو۔ وہ بیان کرتے تھے کہ گوزمانہ دراز گھر جانے  
کے سبب اسکی ہیئت تبدیل ہو گئی تھی۔ لیکن شکل بخوبی پہچانی جاتی تھی۔ بلاشبہ وہ وہی تھا۔  
شہر کے کل عمر لوگ اس بات سے واقف تھے کہ وہی الپرگ نام سپاہی اور ڈاکٹر اور دایہ قلعہ کی  
فضیلوں پر پھانسی دیے گئے تھے۔ اور انکی لاشیں چیر کر دیکھنے کے لیے ڈاکٹر کے حوالہ کی گئیں۔  
جیل کا ڈاکٹر اسوقت مرجع تھا۔ لیکن الپرگ کے زندہ ہونے کی کیفیت نے بہت لوگوں کے دلوں  
میں تعجب اور خوف پیدا کر دیا۔ ان حالات اربعہ کی نسبت یعنی قیدیوں کا بھاگ نکلنا۔ نامہ بر  
کا قتل۔ شاہی خواب گاہ میں رسی اور کٹار کا نمودار ہونا الپرگ کے صبح و سالم زندہ ہونے کی خبر سے  
ویانا میں ہر گھر میں کھڑی پک رہی تھی۔ ہر گلی ہر کوچے میں بلکہ ہر بڑے اور بچے کی زبان پر یہی  
ذکر ہی بیان تھا۔ ان سب باتوں کے علاوہ ایک اور واردات نے تمام اہل شہر کو متحیر کر دیا تھا۔  
غروب آفتاب کے قریب وہی برقع پوش لیڈی حسب وعدہ فضیل پر آ پہنچی۔ اور اپنے برقع  
کی ٹون کو برابر کرتے ہوئے ٹھلنا شروع کیا۔ وہ اسوقت وہی انگشتری پہنے تھی جسے فوسٹ  
نے عدالت میں دیکھا تھا۔ اور جس پر شیرزہ کی تصویر بنی تھی۔

لیڈی۔ (دلمین) مجھے اپنے بھائی سینہ سے خصلت لینے کے لیے بڑی وقت اٹھانا پڑی۔ وہ  
مجھے نہایت بدگمان ہو رہا ہو۔ تاہم فوسٹ کے اقرار کی بناہ ضرور تھی۔ (انگوٹھی والا ماتھ برقع  
میں چھپا کر) فوسٹ ایک شکیل خوبصورت طرصار نوجوان ہو۔ میں نے تو اسکی نسبت بہت کچھ سنا  
اور مان۔ جرمنی کے امراء و عائد سے وہ کون شخص ہو جسکی حقیقت میں نہیں جانتی؟ ہمارے خاندان  
کے جاہ و جلال اور ثروت و حکومت کے دیکھتے ہمارے لیے سب کچھ ہم پہنچ سکتا ہو۔ نادان میں  
وہ لوگ جو ہمارے خلاف سازشیں کر کے خود آپ اپنی جان کے دشمن بنتے ہیں۔ انکی ہلاکت  
کا سبب سوا ہمارے کسی اور کو نہیں معلوم ہوتا۔ بیشک ہمارے اولوالعزم نام نے تمام دنیا پر  
بہت بڑا عجب ڈال رکھا ہو فوسٹ کے معاملات سے غالباً کوئی منفی امر متعلق ہو۔ ورنہ وہ یوں

کیا ایک اس اعلیٰ درجہ رفعت پر کیونکر پہنچ سکتا تھا؟ اس کے کلام سے تو پایا جاتا ہے کہ وہ کوئی خطا  
 و اعزاز کا خدائن نہیں ہے بلکہ گویا کل روئے زمین اُسی کے قبضہ قدرت میں ہے جیسے قریب تر  
 میرے آبا جان کو حاصل ہونے والی ہے۔ میں فوسٹ کو اپنے نام و نشان سے آگاہ کر دوں تو وہ  
 بہت متحیر ہوگا۔ مجھے ضرور ہے کہ اُسے اس امر سے آگاہ کروں۔ کیونکہ اسے میرا ایک بہت بڑا کام انجام  
 کیا ہے۔ اور اُس کے عادات و اطوار بھی مجھ سے ملتے جلتے ہیں۔ اگر میرے بھائی سیر سے اور اُس سے  
 دوستی ہو جائے تو سیر کے لیے بہت اچھی بات ہو شہر دینا میں ہمارا کوئی ایسا نائب مقرر ہو تو ہمارے  
 تمام امور شائستگی سے انجام پائیں گے۔ ہمارے خاندان کے لیے صرف اٹلی کی حکمرانی کافی نہیں۔  
 غرض وہ حریص لیڈی اپنے خیالات میں اس درجہ محو ہو رہی تھی کہ اس کو ایک سوارجوس سے  
 پائون تک ایک طویل جاسپینے تھا قریب پہنچنے کی بھی خبر نہ تھی خیر۔ جب بہت ہی نزدیک آگیا  
 تو سمجھی کہ فوسٹ ہے۔ اسے معاً نام لیکر چارنگر فوسٹ ہوتا تو جواب بھی دیتا۔ وہ تو ایڈا تھی جسے رقبہ  
 کا غم اس لیڈی کی ہلاکت کے لیے مردانہ لباس میں یہاں تک کھینچ لایا تھا۔

ایڈا! ”ای بکر دار عورت! میں فوسٹ نہیں ہوں۔ بلکہ میں وہ ہوں جسے فوسٹ کی محبت اور  
 عشق گرویدہ بنائے ہوئے ہے۔ اور مجھے کہیں یہ گواہ نہ ہو گا کہ اُس محبت میں کسی غیر کی شرکت ہو“  
 یہ لکراڈا بھلی اور لیڈی پر خیر آبدار کا ایک وار کیا۔ لیکن اُس کا ہاتھ اُسی کے جانے کی شکنوں میں رک  
 رہ گیا۔ اور لیڈی دو چار قدم پیچھے ہٹ گئی۔ جس کے سبب وار خالی گیا۔ ایڈا دوسرے حلقے کے ارادے  
 ہی میں تھی کہ لیڈی نے جھٹ سے اپنا ہاتھ انگشتی پر پھیرا۔ شیرازہ کی صورت دفعہ سانپ کے  
 سر سے مبدل ہو گئی اور ساتھ ہی اُسے ایڈا کا ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ سے سنبھال کر انگوٹھی اس کے گالوں  
 پر ملی ساتھ رکھنے کے سبب ایڈا کو دوسرے وار کا موقع نہ ملا۔ یہ سب کچھ ایک آن واحد میں  
 گذر گیا۔ اور لیڈی کچھ پیچھے ہٹ کر سہولت و اطمینان سے کھڑی ہو گئی۔ گویا یہ بات یقینی تھی  
 کہ اب کوئی اندیشہ و خوف باقی نہیں رہا۔ اس انگوٹھی میں قیامت کا اثر تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے  
 ایڈا پہنچ مار کر گھوٹے سے زمین پر گر پڑی اور فوراً ہلاک ہو گئی۔



لیڈی۔ (واپسی کے قصد سے پلٹ کر) ”اب فوسٹ سے ملنے کے لیے یہاں ٹھہرنا  
قرین مصلحت نہیں۔“

## سینٹا لیسوان باب

### وہ کون مرد ہے

لیڈی اپنے حریف کا کام تمام کر کے اور اُسکی لاش وہیں چھوڑ کے بیس گز کا فاصلہ طو کرنا  
پائی ہوگی کہ دفعۃً ایک خیال آیا۔ اور دل میں سوچی کہ ”ایڈا کی موت کو کسی دیکھنے والے پر  
کے کام پر محمول کرنا بہتر ہوگا۔“ وہ پھر اس مقام پر لوٹ آئی جہاں لاش پڑی تھی۔ چاند کی  
خفیف روشنی مردے کی صورت پر پڑ رہی تھی۔ اور سو اس سنگدل لیڈی کے کوئی اور دماغ تھا۔  
لیڈی۔ (دل میں) میں ہرگز مردوں سے نہ ڈرونگی۔ کیونکہ ایسے کئی واقعات دیکھ چکی ہوں۔  
یہ کمکر اور اُدھر نظر کرنے لگی کہ کوئی میری حرکات کو دیکھ تو نہیں رہا ہو؟ جب اس بات سے ڈبھی  
ہوئی تو اسے ایڈا کے لباس کو ٹٹولنا شروع کیا۔ جیب سے ایک خط اور ایک روپیہ کی تعمیلی  
اور انگوٹھیاں نکلیں وہ اسے لے لیں۔ اُسکی تلوار جو وہیں پڑی ہوئی تھی۔ لیڈی نے اٹھا کر  
اسی کے سینے میں جھود دی۔ ابھی اچھی طرح ان امور سے فراغت نہ ہوئی تھی کہ کسی کی آہٹ  
معلوم ہوئی۔ وہ پھرتی کے ساتھ دماغ سے نکلا کر سیٹرف چل دی۔ اُسی دم فوسٹ وہاں آجود  
ہوا۔ ایک شخص کو بے ترکیبی سے نیچے پڑا دیکھ کر جھکا اور غور سے دیکھنے لگا۔

فوسٹ۔ (متحیر ہو کر) ”اے ایڈا مردانہ لباس میں مری ہوئی یہاں پڑی ہو خداوند! یہ  
کسا کام ہو؟ افسوس! اُسکا لباس جا بجا سے پھٹ گیا ہو۔ انگوٹھیاں نکال لی گئی ہیں اور شاید  
روپیوں کی تعمیلی بھی غائب ہو۔ یقیناً یہ کسی رہزن ہی کا کام ہو۔“

ایک آواز۔ ”تو بالکل کوتاہ نظر انسان ہو۔“ فوسٹ نے پھر کر دیکھا تو جن کھڑا ہوا ہو۔  
فوسٹ۔ ”کیونکہ یہ بے طلب کی آمد کیسی؟ میں نے تو تجھے بلوایا نہ تھا۔“



جن۔ (اپنے دونوں ہاتھ سینے پر باندھ کر لاش کو اطمینان سے دیکھتا ہوا) ”مان بیشک طلب تو نہیں کیا لیکن میں سمجھا کہ تم اپنے معشوق کے قاتل کا نام و نشان دریافت کرنے کے بہت مشتاق ہو گے۔ اسی لیے میں آیا واقعی تم بڑے ہی سادہ دل اور محدود و نظر ہو۔ جس شخص کے ہاتھوں یہ ظلم وقوع میں آیا۔ اُسے صرف اپنی کارروائی کا افتخار ہونے کے لیے یہ ترکیب کی ہو کہ لاش سے مال و اسباب نکال لے گیا۔ تاکہ دیکھنے والے کو کسی راہزن یا فراق کا گمان ہو۔“

فوسٹ۔ ”مان تیرا خیال بہت ٹھیک ہے۔ کیا تو اس وقت یہاں موجود تھا۔ اور ایڈ کو قتل ہوتے ہوئے اپنی آنکھوں دیکھا۔ کیا تو نے اُس عورت کے بچانے کے لیے کچھ کوشش نہیں کی جو کس قدر مجھے عزیز تھی؟“

جن۔ ”جب وہ مار گئی۔ میں بھی یہیں تھا۔ مگر قاتل و مقتول دونوں کی نگاہوں سے پوشیدہ۔ میرے اسکان میں نہ تھا کہ ایڈ کو بچانے کا خیال بھی کروں۔ کیونکہ اُسکی موت کی گھڑی آچکی تھی۔“

فوسٹ۔ ”مجھے جلد بتا کہ اسکا قاتل کون ہے؟“

جن۔ ”ایک عورت۔ تم میں اور کسی لیڈی میں کل شام کو یہاں ملنے کا جوا قرار ہوا تھا۔ اُسے ایڈ نے سُن لیا اور اُس لیڈی کا سرتن سے جدا کر کے رقابت کا جھگڑا پاک کرنے کو وہ آئی تھی مگر یہاں معاملہ برعکس ہو گیا۔ یہ دیکھو مردے کے گال پر لیڈی کی انگوٹھی کی رگڑ کا نشان ہے۔ اسکا زہر کچھ ایسا ہے کہ دنیا میں کوئی زہر اسکا مقابلہ نہیں سکتا۔“

فوسٹ۔ ”ہاے! مجھے اُسی دم اُس انگوٹھی کے بارے میں تردد ہو گیا تھا۔ خیر۔“

جن۔ ”تمہاری پیاری دلربا ایڈ اسی انگشتی کے چھو جانے سے مری ہو۔ وہ تلوار جو اپنے فرضی مخالف کی جان لینے کی نیت سے ہمراہ لائی تھی خود اُسی کے سینے میں جھونکی گئی۔“

فوسٹ۔ (تامل کے بعد) ”میں اُس لیڈی اور اسکی انگوٹھی کی نسبت مفصل حال دریافت کرتا چاہتا ہوں ایک دفعہ اُسکے روئے زہر کے دیکھنے کا بھی اتفاق ہوا۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ کوئی اور انسان بھی اس درجہ کا حسن و جمال رکھتا ہے۔“

جن۔ مان۔ تو یہ کہو وہ تریزا سے بھی زیادہ حسین ہی ہے۔“  
 فوسٹ۔ بیشک تریزا کی اُسکے آگے کوئی اصل حقیقت ہی نہیں۔“  
 جن۔ (مذاق سے) ”اچھا۔ کیا ایڈاکو بھی اُسکے مقابل بیچ سمجھتے ہو؟“  
 فوسٹ۔ تو یہ ایڈاکا اور اسکی مناسبت ایسی ہی ہے جیسے دتے اور آفتاب کی مجھے اہم پوشیدہ اُسی لیڈی کے مکان پر لے چل !۔“

جن۔ کیا تم اپنے معشوق کی لاش کو اسی صورت بے گور و کفن چھوڑ جانا چاہتے ہو۔“  
 فوسٹ۔ مان۔ کیونکہ اگر مین لاش کو میان سے اٹھو الیجاؤن تو مجھی پر اُسکے قتل کا گمان کیا جائیگا رگزدرون سے کوئی دیکھ کر شہرت دے تو اُسوقت مناسب طور پر مردے کو لیجانے کا اہتمام ہو سکتا ہے۔

اُس لیڈی کا نام و مقام انگوٹھی کے حالات اور دیگر تفصیلی کیفیت معلوم کرنے کے لیے  
 مین بیتاب ہو رہا ہوں۔ کل اگرچہ اُس نے مجھ کو اپنے ذی مرتبت اور عالی خاندان ہونے کا ثبوت دیا تھا۔ لیکن مین اُسکی تقریر اچھی طرح نہ سن سکا۔

جن۔ بلاشبہ اُس نے صبح کہا ہے۔ اُسکا باپ ایک عظیم الشان طاقتور بادشاہ ہے۔ اور وہ  
 لیڈی بادشاہ حال کے ایک قریبی رشتہ دار سے منسوب ہے۔“

فوسٹ۔ (ناامیدی سے) ”تو کیا وہ شوہر رکھتی ہے؟“

جن۔ مان۔ یہ اُسکا دوسرا مرد ہے۔ تاہم وہ کچھ اُسکے تابع فرمان نہیں بلکہ اپنے فعل کی محتار  
 انسان جن معمولی الفاظ کا استعمال کرتے ہیں۔ اگر مین بھی انھیں الفاظ میں کہوں تو وہ لیڈی  
 فرشتے کے لباس میں شیطان مجسم ہے۔ خیر اب یہ قصہ تم کرو۔ تھوڑی دیر میں نہایت عجیب و غریب  
 چیزیں تمھیں دکھلاتا ہوں۔ اپنا ہاتھ لاؤ۔“ فوسٹ نے اُسکے کہنے پر اپنا ہاتھ بڑھایا۔ اوچشم زدن  
 میں اپنے آپکو مع جن کے ایک وسیع کمرے میں پایا۔ وہ کمرہ ایک فراخ مجلس کا تھا جو دیوانا کی  
 شہریناہ کے باہر ایک کم آباد گلی میں واقع تھی۔ کچھ آرائشی اسباب بھی تھا۔ جو وقت فوسٹ کو

جن وہاں گئے تو دو شخص بیٹھے ہوئے نظر آئے۔ ایک تو پادری نسلم راہب خانہ آپس کا ہاتھ دھو رہا تھا دوسرا ایک اونچے قد والا شخص تھا جسکی عمر تیس سال سے متجاوز نہ ہوگی۔ چہرہ زرد تھا۔ او داڑھی کے بال بھورے تھے۔ ایک مٹھی رنگ کا لمبا کوٹ پہنے تھا۔ جو مونڈھوں اور کمینوں پر بٹھا ہوا تھا۔ سر پر سیاہ مٹھی ٹوپی تھی جسکی کلنی اسکے بائیں کاندھے تک ٹنگ رہی تھی۔ دونوں میز پر بیٹھے تھے اور اُس میز پر شراب کی بوتلیں اور کچھ میوے رکھے تھے۔ فوسٹ اور جن کی موجودگی کی انھیں اصلاً خبر نہ ہوئی۔ کیونکہ یہ دونوں انسان کی نگاہوں سے غائب تھے۔ اسی سبب وہ بے تردد آپس میں گفتگو کیے جاتے تھے۔

جوان: ”تو کیا آپ آج ہی شب کو یہاں سے جانے کا مصمم قصد رکھتے ہیں؟ پادری صاحب!“  
 نسلم: ”جی ہاں۔ بندہ پرور! اب یہ مقام میرے رہنے کے قابل نہیں۔ آج ایک ایسی افواہ اُڑی ہے جسکے منہ سے سہم گیا۔ دو شخصوں نے یقینی طور پر کہا ہے کہ ”وہ مجھے ملے ہیں۔ علاوہ اسکے یہ بات عدالتِ دم کے افسر کو زیبا نہیں کہ دارالسلطنت میں بیٹھا وقت ضائع کرتا رہے۔ یہ مقام بسیار اہم ہے۔ اُس مقدس عدالت کی کارروائی ٹھیک طور پر ہو نہیں سکتی۔ یہاں کے لوگ اس سے بالکل کارہ اور متنفر ہیں۔“

جوان: ”(ہنسکر) تاہم آپ نے شہنشاہ وقت کے ڈراڈینے میں کامیابی حاصل کی۔ حالانکہ وہ اپنے محل کی خوابگاہ میں تھا۔“

انسلم: ”ہماری عدالت کی خوش نصیبی کے سبب سے شہنشاہ کے مصاحبین سے ایک شخص ہمارا معتقد ہو۔ اور اُسی کے ذریعہ وہ کٹار شاہی خوابگاہ کی میز پر لگائی گئی۔“

جوان: ”کارنیلیا کے نامہ بر کا قاتل بھی وہی مصاحب تو نہیں؟“

پادری: ”جی نہیں حضور!۔ وہ کارروائی خاص فدیوی کے ہاتھوں وقوع میں آئی ہے۔ عدالتِ دم کے بعض جلیل القدر عہدہ داروں کو بھی ضرورت کے وقت ملازمین کی خدمت بجالانا پڑتا ہے۔ میں یہ بات دریافت کرنی ضرور تھی کہ گورنر کارنیلیا کے نام شاہی حکم کس مضمون کا بھیجا گیا ہو۔“

قاصد کو رستے ہی میں ہلاک کر دینے کے سبب وہ کافذات دستیاب ہوئے جو گورنر کے پاس پہنچے ہوئے تھے۔ اور خیکے ذریعہ ہمیں معلوم ہو گیا کہ راہب خانے کے تصرف کے لیے حکم کیا گیا تھا۔ آٹھونے جو نقشہ تیار کر کے دیا۔ اس سے بخوبی معلوم ہو سکتا تھا کہ کس رخ سے فوج کشی کرنا مفید ہوگا۔ اور راہب خانے کے رہنے والے بھوک پیاس کی تاب نہ لا کر اپنے آپ کو فوج کے حوالہ کر دیں گے۔ کیونکہ وہ عمارت کچھ ایسی ترکیب سے بنائی گئی ہو کہ ایک لشکر عظیم کے حملہ سے بھی کچھ گزند نہ پہنچے۔ اور اگر اشیائے خوردنی برابر پہنچتے رہیں تو محاصرے کا بھی کوئی خوف نہیں لیکن آٹھونے نقشہ ایسے مقامات پر فوج کشی کا اشارہ کر دیا تھا کہ راہب خانہ کے لوگ باہر سے کوئی چیز منگوانہ سکیں۔ اور ہر رستے پر فوج بٹھادی جائے۔“

جوان ”تو کیا اب آپ اپنے مقتدرین کو بھی وہاں سے نکل جانے کا حکم دینے والے ہیں؟۔“  
 پادری ”نہیں حضور! قاصد کے قتل اور شہنشاہ کو دھکیل دینے سے مجھے اتنی مہلت نصیب ہوئی کہ واسٹین اور فیروز کا بے کشتگی وہاں پہنچ کر اس قدر ذخیرہ جمع کر لینا ممکن ہو کہ کارنیلیا کا گورنر نہ بہتنگ ہو کر واپس جانے تک ساکنان راہب خانہ کو بھوک کا صدمہ نہ اٹھانا پڑے۔“

جوان ”اُن دونوں ملازمان و فم (فیروز و واسٹین) کی جو رہائی ہوئی۔ بڑی ہی تعجب خیز بات ہو خود وہی لوگ مجھے برابر بتانے لگے کہ وہ کیونکر قید سے چھوٹ نکلے۔ میں ہرگز باور نہ کروں گا کہ میری بہن نے فوسٹ کے ذریعہ انھیں رہا کر دیا ہو۔“

پادری ”میں بھی اس امر میں حیران ہوں۔ لیکن آپ کی ہمیشہ والا صفات نے یہاں فرمایا کہ ”میں ہی نے فوسٹ سے کھرا انھیں قید سے چھڑایا ہو۔ خیر چاہے کچھ ہو اتنی بات تو سہم ہو کہ فیروز و واسٹین رہا تو ہو گئے۔ اور اب کارنیلیا کی سرحد کے قریب ہو گئے۔ تھوڑی دیر میں میں بھی اسی رستے جاؤں گا۔“

جوان ”کل میں بھی اپنی بہن کو ہمراہ لیکر دیا نا کو خیر باد کہتا ہوں۔ واسٹین کے خوش نصیب کہ ہم بھی اس وقت جب وہ اپنی طاقتوں کی وجہ سے سزا پانے والا تھا اپنے خاص امور کی انجام دہی

کے لیے نام بدلے ہوئے ویانا ہی میں موجود تھے۔ مجھے بار بار واسٹین کی اس بھائی پر ہنسی آتی ہو کہ اُسے اپنے آپ کو ظرنین کا ہم شبیہ پا کر اُسکی الماک و جائیداد پر ہمیشہ کے لیے قبضہ کر لینا چاہا۔ پادری "مین نے اُس مال سے اپنا حصہ بھی لے لیا ہو۔ کچھ تمام و کمال واسٹین ہی کو نہیں ملا۔ خیر۔ امیر ظرنین کو قید کرنے میں آپکا اور آپ کی ہمیشہ صاحبہ کا کیا مطلب تھا وہ۔"

جوان۔ (بات کاٹ کر) "مین نے پہلے ہی آپ سے کہہ دیا ہو کہ ظرنین شہرونیس میں ایک دن شام کے وقت پھرتا پھرتا ہمارے اُس کمرے میں بھی آگیا۔ جہاں ہمارے چند خفیہ امور طوطے ہیں۔ اور جکے سبب آبا جان کو یہ ثروت و عظمت نصیب ہوئی۔ اُن تمام حالات سے تو آپ واقف ہی ہیں۔ اُس دن میری بہن اور واسٹین اُس مکان کے دوسرے کمرے میں بیٹھے تھے۔ اور واسٹین اپنا ترکون کی قید میں گرفتار ہونا۔ اور وہاں امیر ظرنین سے دوستی پیدا کرنے کا حال بیان کر رہا تھا۔ دفعۃً میری بہن کو اُس پوشیدہ کمرے کے دروازہ کا کھلا ہوا ہونا یاد آیا لہذا اُسی دم واسٹین کو ساتھ لیکر وہاں آئی تو ایک غیر شخص کو کھڑا ہوا دیکھا۔ بچہ داسکے دیکھنے کے واسٹین فرار ہو گیا۔ اور میری بہن نام و نشان دریافت کرنے کی غرض سے اس نووار و کیطرف بڑھی اور قریب پہونچ کر اسکے اور واسٹین کے بالکل مشابہ ہونے پر تعجب کرنے لگی مگر یہ نہ جانا کہ خود امیر ظرنین ہی ہو جسکا ذکر واسٹین ابھی کر رہا تھا۔

غرض اُسے اپنے مان آنے کا سبب بیان کیا۔ یہ نہیں معلوم کہ وہ صحیح تھا یا غلط۔ اُس وقت میری مان ایک خادمہ عورت کو سزا دے رہی تھی۔ شاید اُسی کی چیخون کی آواز نے اُس راہ چلتے کو متوجہ کیا۔ اُس وقت ہم دشمنوں میں گھرے ہوئے تھے۔ اور ہمارے حرکات کی نگرانی کے لیے جاہل مقرر تھے۔ اور کل اشخاص آبا جان کے علوی مرتبت پر حسد کرنے کے سوا ہمارے کل خاندان کے جانی دشمن ہو رہے تھے۔ اس صورت میں ہمیں ضرور ہوا کہ مال اندیشی اور عاقبت بینی میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کریں۔ پہلے مین نے اور میری بہن نے واسٹین کو یہ ترکیب سکھا دی کہ ظرنین کو کسی بہانے پر آپ کے حوالہ کر دے۔ مگر ہم نے کچھ یہ نہیں کہا تھا کہ تو خود ہم

بنکر شہر ویانا میں جا کے گلچھڑے اڑا۔“

پادری: پہلے اس طرح مشرح حال مجھے نہ معلوم تھا۔ اب میں بخوبی جان گیا کہ ظنین کے قید کرنے سے کون غرض متعلق تھی۔ جب وہ اس کمرے کا حال اور وہاں کے اسباب کی کیفیت کسی اور سے کہہ دیتا تو آپ کے خاندان کے حق میں برا نتیجہ نکلتا۔“

جوان: بیشک۔ اور وہ وہاں سے زندہ ہی کیوں جانے پاتا؟ مگر میری بہن کا دل اس کا حسن و جمال دیکھ کر نرم ہو گیا۔ اور بعد میں بھی وہ نہیں چاہتی تھی کہ ظنین عدالت و م کے ہاتھوں مارا جائے۔ آخر یہ راسے ٹھہری کہ زندگی بھر قید میں رکھا جائے۔ کیونکہ اسی میں ہماری بہتری متصور تھی۔ ایک عورت کی مہل اور ناقص راسے پر عمل کرنے کے سبب سے اب وہ رہا ہو گیا۔ اور آزادی کے ساتھ ہماری پوشیدہ کارروائیوں کو علانیہ بیان کر رہا ہے۔ لیکن جو شخص سے ہمارے نام اُسے نہیں معلوم۔ اور نہیں جانتا کہ اس کمرے کا مالک کون تھا۔“

پادری: اب بھی رسی اور کٹار کا طلب نامہ اس کو پہنچنا ممکن ہے!۔“

جوان: نہیں۔ اُس کا زندہ ہونا کچھ موجب نقصان نہیں۔ کیونکہ وہ ہمارے نام و نشان سے ناواقف ہے۔ علاوہ اُس کے ہمارے خاندان کو آجکل وہ قدرت و حکومت حاصل ہے کہ ایسی خبری باتوں سے حضرت کا اندیشہ نہیں ہے۔“

پادری: اگر آپ کی راسے ایسی ہوتیوں ہی سی۔ میں آپ کا کمال درجہ ممنون احسان ہوں لہذا کبھی عدول حکمی نہ کرونگا۔“

جوان: ہم آپ کے بے عنقریب کوئی اعلیٰ عہدہ تجویز کریں گے۔ کیونکہ آپ زمانہ دراز سے ہماری خدمات و فاداری کے ساتھ بجا لاتے رہے ہیں۔“

پادری: (خوش ہو کر) ”ممنون! اس اقرار کے سبب فدی نہایت ممنون ہوا۔“

ان: ہم آپ کو بھی نہ بھولیں گے۔ اور ہاں میری بہن اب تک واپس نہیں آئی۔ میں نے

تہ سبھا دیا ہے کہ ویانا میں نہایت خبرداری سے رہا کرے۔ تاہم وہ ایک جا قرار



نہیں لیتی۔ اور ہمیشہ پھرتے رہنے کی عادی ہو رہی ہے۔“ پادری آنسلم نے ہنوز کچھ جواب نہ دیا تھا کہ دروازہ کھلا اور وہ برقع پوش لیڈی (فوسٹ کی نئی معشوقہ) اندر داخل ہوئی۔

## اڑتالیسواں باب

### ایڈا کا خط۔ جنازہ

لیڈی نے کمرے میں پہنچتے ہی برقع نکال ایک طرف چھینک دیا۔ اور تکان کے سبب بے اختیار ایک کرسی پر ٹپھ گئی۔

لیڈی (نوجوان سے) ”مجھے ایک گلاس شراب بھر کر دو۔ میں بہت تھکی ہوئی ہوں۔ جلد لاؤ۔ جوان نے شراب میں زہر بھی ملا دیا؟“ دیکھو اگر تم میرے کمرے پر نہ چلو گی تو ایک دن ایسا ہی کر گزرے گا۔“ لیڈی۔ (گلاس ہاتھ میں لیکر تھیرے پیارے بھائی! تم کیوں مجھے آئے دن دھمکیاں دیا کرتے ہو؟ شاید یہ نہیں جانتے کہ اگر تم (نہایت جذبہ سے) اور میں آپس میں لڑیں جھگڑیں تو بڑا سخت ہنگامہ پیدا ہو جائیگا۔“

یہ کہہ کر شراب پی گئی اور کرسی کی پشت پر ہاتھ رکھ کر کہنے لگی۔ ”سینر! یہ بڑی شرمناک اور خوف دلائے والی بات ہو کہ تم ہم باہمی لڑائی کا خیال کریں۔ کیونکہ ہم ایک دوسرے کے دلی اداور اور تجویز دن سے بخوبی واقف ہیں۔ اور جنکا پورا ہونا ایک دوسرے کی مدد پر موقوف ہے۔ لہذا ہمیں بیجا مخالفت کے سبب اپنے خاص امور میں خلل اندازی نہ کرنا چاہیے۔“

سینر نے سچ ہی۔ مگر یہ تمہارا ہر وقت کا بے روک ٹوک پھر نامبادا ہمارے یہاں ہونے کو ظاہر نہ کر دے جب وزیر اعظم شہنشاہ جرمنی اور آبا جان بین اخلاص و محبت پیدا ہونے کی کشین کر رہا ہو اور تم اس طرح ماری ماری پھرتی رہو تو ضرور ہماری موجودگی کا راز آشکار ہو جائیگا۔ اگر شہنشاہ کو اس قدر پتہ معلوم ہو جائے کہ میں یہاں ہوں اور وزیر اعظم کو اسے دے رہا ہوں تو اسیدم کل معاملہ دیرہم و برہم ہو جائیگا۔“

لیڈی - خیر۔ یہ ذکر جانے دو۔ تمہارا خوف سراسر بیجا ہے۔ کیونکہ شہنشاہ نے تو عہد نامہ پر دستخط کرنے کا تمہارے دوست وزیر اعظم سے اقرار کر دیا۔ اور اباجان کو اس عہد نامہ کی قوت پر اپنے تمام مخالفین سے مقابلہ کرنے کی پوری پوری امید ہو گئی۔ ہم تو کل ہی اس شہر سے رخصت ہونے والے ہیں۔ پھر خوف و ہراس کی بات ہی کیا ہے میری کارروائیاں تمہاری نظروں میں شاید سچ معلوم ہوتی ہیں جسوقت واسٹین گرفتار ہو کر اپنے مکان سے حراست میں جا رہا تھا میں نے فریب جاکر چپکے سے اس کے کان میں کدیا کہ ”ڈرو نہیں ہم سب تمہاری بریت کی سہمی میں ہیں۔“ خیال تو کرو۔ اگر میرے جانب سے وہ ہمت نہ دلائی جاتی تو وہ ضرور اپنی مخلصی کیلئے ہمارے خفیہ امور عدالت میں بیان کر دیتا۔“

سینئر - میں بلاشبہ تسلیم کرتا ہوں کہ تم نے یہ کام بہت اچھا کیا۔ اور اپنی معمولی جرأت و دلیری کو عملی میں لائیں۔“

لیڈی - (سُکراتی ہوئی) ”کل تم مجھے عدالت کے جانے سے منع کر رہے تھے۔ اور بالکل سمجھے کہ ہر ایک مشکل سے مشکل کام بھی میری نظروں میں وقعت نہیں رکھتا۔ آخر میں نے تمہارا حکم ٹال کر جانے میں تامل نہیں کیا۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میری تحریک اور لارڈارونا (یعنی فوسٹ) کی حکمت عملی سے فیروز واسٹین رہا ہو گئے۔“

سینئر - یہ کام بھی ہمارے لیے مفید ہوا۔ مگر دو ایک مقدمات میں کامیابی اور سرخروئی حاصل ہو تو بہت سے ایسے امور بھی پیش آئیں گے۔ جن کے سبب آفت و مصیبت کا سامنا ہو گا۔“

لیڈی - (تعارف کے لمحے میں) ”سنو! آج بھی شام کو میں تمہاری خلاف مرضی باہر گئی تھی اور ایک کام ایسا کر آئی ہوں جو یہاں کی سرکار میں ہمارے کاموں کے لیے بہت کچھ مفید ثابت ہو گا۔“

سینئر - بتاؤ تو سہی۔ وہ کون کام تھا۔ اور وہ ہمارے حق میں کیا عمدہ نتیجہ پیدا کرے گا تو مجھے تمہارے خلاف کی ضرورت نہ پڑے۔“

لیڈمی: ”اچھا تو سنو! میں نے واسٹین کی بی بی ایڈا کو پہلے ہلاک کر دیا۔ اور۔۔۔“  
 سیزر: (حقارت سے) ”لاحول ولا قوۃ۔ تم سمجھتی ہو کہ یہ کارروائی ہمارے لیے کچھ مفید ہوگی؟“  
 لیڈمی: ”تو بہ۔ یہ جلدی ہی تو بڑی ہے۔ میری گفتگو غور سے سن کر بعد جو چاہے کہنا۔ ایڈا لڑائی کی منظور نظر تھی۔“

سیزر: ”تو پھر فوسٹ ایڈا کے قاتل کی تلاش میں کوئی کسر اٹھانہ رکھیگا۔“

لیڈمی: (سرت سے) ”ہاں۔ مگر بات تو یہ ہو کہ خود فوسٹ ہمارے قبضہ میں ہی۔ میں سب کچھ کہہ سکتی ہوں۔ تم خاموش سنے جاؤ۔ ایڈا کی پوشاک سے ایک خط دستیاب ہوا جو اُسے فوسٹ کے نام لکھا تھا۔ اور جسکو میں نے ابھی سرسری نگاہ سے دیکھ لیا ہو اُس خط میں ایک تعجب انگیز راز لکھا ہوا ہے۔ جو نہایت ہی پوشیدہ امر ہے۔“ لیڈمی اسی قدر کہنے پائی تھی کہ فوسٹ جو جن کے ساتھ کھڑا سب تقریریں رہا تھا بے چین ہو گیا۔ آخر مضطربانہ دہان سے چل دینے کے لیے جن کو اشارہ کیا۔ مگر اُسے سر ہلا کر اشارے ہی میں جواب دیا کہ ”اور تھوڑی دیر توقف کرو۔“ فوسٹ کی پریشانی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ اُسے بار بار یہ خیال پریشان کیے دیتا تھا کہ ایڈا نے بچوں کی تبدیلی کاراز کمین لکھ نہ دیا ہو جسکی ابتک جن کو خبر نہیں ہے۔ لہذا چند قدم پیچھے ہٹ کر جلدی سے پلٹ کر میں کہا: ”میرے ہمراہ ابھی چل۔ میں تجھے اپنے باہمی اقرارنامے کے رو سے حکم دیتا ہوں۔ جن اس حکم کے خلاف نہ کر سکتا تھا۔ اُسیدم فوسٹ کا ہاتھ پکڑا۔ اور چشم زدن میں دونوں شہر کی فیصلوں کے قریب اُس مقام سے تھوڑے فاصلے پر پہنچ گئے۔ جہاں فوسٹ نے ایڈا کی لاش دیکھی تھی۔“

جن: (نزارہ مذاق) ”شاید آپ اُس نیک صحبت سے نکلبانے کیلئے نہایت پریشان ہو رہے تھے؟“  
 فوسٹ: ”بس منہ بند کر! وہاں بات کہنے سے کچھ فائدہ نہیں!۔“

جن: ”میں ہر حال میں تمہارا تابع فرمان ہوں۔ خیر۔ اب اور کوئی حکم دینا چاہتے ہو؟“

فوسٹ: ”ہاں ایک کام ہے مجھاس عورت کا نام بتادے۔ جس نے ایڈا کی جان لی ہو!۔“

جن: ”وہ نام تمام یورپ میں نہایت مشہور و معروف ہے اور ایسا ہے کہ اُسے سکر ہزاروں

قوی دل کانپ اٹھتے ہیں۔“

فوسٹ ”جلدی بتا کیا نام ہو؟“

جن۔ فوسٹ کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر جھکا اور کوئی نام کہا۔

فوسٹ ”افوہ وہ عورت تو کتنی ہو کہ میں اس کے قبضے میں ہوں۔“ جب یہاں یہ معاملات

ہو رہے تھے۔ تو ایک شب گرد افسر ایڈا کی لاش فیصلون پر پڑی دیکھ کر فریب کی چوکی پر لے گیا۔

وہاں کے سپاہی مردانہ لباس میں عورت کی مردہ شکل دیکھ کر متحیر ہو گئے۔ پہرے کے جوانوں میں

ایک وہ شخص بھی تھا۔ جو اسٹین۔ فیروز۔ دشمن کے گرفتار کرنے میں شریک تھا۔ اس نے غور سے

نگاہ کر کے پہچانا کہ یہ اسی عورت کی لاش ہے۔ جو اسٹین سے منسوب تھی۔ گو وہ شب کا وقت تھا۔

مگر یہ خبر اسی وقت تمام شہر میں پھیل گئی۔ بھجرو معلوم ہونے کے آٹھ دوڑا ہوا چوکی پر گیا۔ اور دیکھا

تو ایک شکستہ بیچ پر ایڈا کی لاش اسی کے لباس میں لپیٹی پڑی ہوئی۔ اس کے پہنچنے کے بعد سپاہی

چلے گئے۔ آٹھ فرط غم سے بہن کی لاش پر گر پڑا اور زار قطار رونے لگا۔ گواہ کا چال چلن اس کے

ظاہری تعلق کے قطع کرنے کا سبب ہوا تھا۔ مگر اس کا دل برادرانہ محبت سے مملو تھا۔

آٹھ۔ (لاش پر پڑا ہوا) ”میری عزیز بہن! کیا تو اس قدر جلد مر گئی؟ شاید تجھے اپنے گناہوں

سے تائب ہونے کی بھی مہلت نہ ملی۔ بے کیا تیرے نصیب میں ایسی ہی موت لکھی تھی؟

کیا عجب کہ یہی ترے لیے سزا مقرر کی گئی ہو۔ اگر تیرے گناہ بے اندازہ ہیں تو خدا کی رحمت بھی

کچھ محدود نہیں ہے۔ وہ خدا جسے ہر چیز کسی مصلحت اور بہبودی کے لیے پیدا کی ہے۔ وہ خدا جس کا ہر

فعل ہزاروں فائدہ دین پر مبنی ہے۔ وہ خدا جو اپنی بندگی کرنے والوں کو نیکی کی طرف راہ نمائی کرتا ہے

وہی تیری روح کو ہمیشہ کے لیے نجات عطا فرمائے گا۔

اگرچہ مجھے کئی مصیبتیں اٹھانا پڑیں۔ اور زمانہ کی نیرنگیوں نے مجھے انتہا آفتوں میں گرفتار

کیا غربت و افلاس نے دم نہ لینے دیا۔ لیکن اے خدا! تو ہی خوب جانتا ہو کہ میں کبھی تجھ سے باپوس

وہاں اسید نہیں ہوا جب کبھی دائروں کی قسمت مجھے بے چین کرتی تھی۔ تو تیرھی ہی بارگاہ میں التجا

گرتا تھا۔ جسکے سبب دل میں ایک جرأت سی پیدا ہو جاتی تھی۔ وہ عابھی کیا چیز ہے؟ وہ پرستش جو بندہ خالص نیت سے کرتا ہے بیشک ایک نعمت عظمیٰ ہے۔“ غرض آٹھ بڑی دیر تک اپنی بہن کی لاش کے قریب دوڑا نو بیٹھا اسکی سجات کے لیے نہایت گریہ و زاری کے ساتھ درگاہ خدا میں دعا کرتا رہا۔ آخر اسکے دل میں تسکین پیدا ہوئی۔ اور ساتھ ہی دروازہ کھلا۔ اور امیر ظرنین اپنے خدنگاؤں کے علاوہ جنازہ و کفن بھی ہمراہ لیے ہوئے اندر آیا۔

ظرنین۔ (آٹھ کا ماتہ پکڑ کر) ”میرے عزیز نوجوان دوست! آپکی بہن کی لاش پہلے میرے مکان پر لیجا کر وہاں سے قبرستان میں دفن کرنا مناسب ہے۔“ ظرنین کی اس مردت و ولداری کے سبب آٹھ اسکا نہایت درجہ ممنون ہوا اور اُسی کے تجویز کے بموجب تمام کارروائی وقوع میں آئی۔ ایڈا کی لاش اُس مکان میں لے گئے جہاں ظرنین اقامت گزین تھا۔ اور جیسا پہلے بیان کر دیا ہے آٹھ اور ماٹھنی بھی وہیں رکارتے تھے۔ فوسٹ کی بی بی تریزا۔ اور میریادوسرے دن ایڈا کی تجہیز و تکفین میں شریک ہونے کو آئیں۔ چونکہ ایڈا نے بچپن سے انہیں دونوں کے ساتھ پرورش پائی تھی سو اسکے انکو اسکے مذموم افعال سے بھی مطلق آگاہی نہ تھی۔ لہذا انکی ناگہانی موت نے دونوں کے دل پر بڑا اثر کیا۔ رقت و درد سے بے اختیار رونے لگیں اور بہت دیر تک آنسو نہ تھم سکے۔ غرض مرنے کے تیسرے دن صبح کو ایڈا کی لاش دفن کی گئی۔ اور اکی حاضرین تاسف کنان واپس آئے۔

## انچاسواں باب

روم

اب ہمارا سین شہر روم کی طرف بدلتا ہے۔ یہاں کا آغاز ہے۔ شہر کی رونق کمال ترقی پر ہر طرف چہل پہل دھوم دھام ہے۔ وہ خوشنما باغ اور صفا شکرین۔ وہ کشادہ اور آباد

کلیان۔ جنکے دونوں جانب عالی شان عمارات تعمیر کی گئی ہیں۔ وہ سربلک کشیدہ عظمت  
 گر جا۔ اور پوپ (فرمانرواے ملک) کا بے نظیر محل۔ غرض کوئی مقام اور کوئی جیت  
 لوگوں کی کثرت و ہجوم سے خالی نہیں ہے۔ اہل شہر اپنے ملک کے فن کے بموجب مختلف  
 قسم کے لباس زیب تن کیے ہوئے ادھر ادھر پھر رہے ہیں۔ جس وقت کا ہسم ذکر  
 کر رہے ہیں روم نہایت عظیم الشان پر عظمت شہر تھا۔ اُسکی سرزمین اسی قدر فرت افزا  
 آباد اور بارونق تھی۔ جس قدر آجکل کے زمانے میں ویران اور دنیا بھر کے امراض پیدا  
 کرنے والی ثابت ہوئی ہے۔ اس مشہور و ممتاز شہر کے اطراف و جانب کئی وسیع و سرسبز  
 دیہات تھے۔ جنکے باشندے کاشتکاری کا پیشہ کرنے والے تھے اور اُنکے گائے۔ بیل۔  
 بھیڑ وغیرہ اُن شاداب زمینوں میں ناز پروردہ انسانوں کی طرح رہا کرتے تھے۔ علاوہ  
 اُنکے سلطنت روم کے تمام حدود بڑے بڑے شہروں اور قریوں سے آباد تھے۔ اُس  
 زمانے کی تہذیب نے دمان اپنا پورا اثر ڈال رکھا تھا۔ اُس سے قطع نظر کر کے ہر درجات  
 کو اگر دیکھا جائے تو کوئی مقام ایسا نہ تھا جہاں کے تمام لوگ محنتی جفاکش اور خوش گذران  
 نہ ہوں۔ دیہاتی زندہ دلی اور مہمان نوازی دمان تھی۔ چرواہے غربہ۔ ہر قسم کے سیوے  
 زمین کو زینت دینے والی جھونپڑیاں خوشحال گاؤں۔ صنعت و حرفت سے بھرے ہوئے شہر  
 ہر طرف موجود تھے۔

افسوس! وہ محنت کا جوش و خروش۔ صنعت و حرفت کے مبارک دلولے۔ نیکنامی  
 و برتری حاصل کرنے کی سرگرمیاں جو ایک ذی عقل سوسائٹی کے رگ و ریشے میں فروغ  
 دلانے والا جوش پیدا کر دیتے ہیں۔ باشندگان اٹلی میں اب نہیں۔ اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ سر  
 و شادابی کے بدلے ویرانہ اور آجڑا بن عالی شان عمارات کی جگہ ٹوٹی ہوئی جھونپڑیاں  
 پوپ پادریوں کے سرگرد کو کھتے ہیں۔ گزشتہ زمانے میں کل شان یورپ پوپ کے تابع فرمان  
 ہوتے تھے۔ اور خود پوپ ملک اٹلی پر حکمرانی کرتا تھا۔ موجودہ زمانے میں بھی پوپ ہے۔ مگر اُسکے اختیارات نہایت محدود ہیں۔



نیکون کے بدلے بدکار یاں۔ تو نگری کی جگہ نکبت و افلاس اُنکا حصہ ہو مگر ہمیں تو روم کی اسوقت کی حالت سے مطلب ہو۔ جو ہمارے قصہ سے تعلق رکھتی ہو۔ یعنی ۱۷۹۶ء سے اور جیسا ہم اوپر بیان کر آئے ہیں۔ اسوقت شہر روم کی آبادی دس سبزی خوب ہی ترقی پر تھی۔ شہر میں سینٹ پیٹر نام ایک محلہ تھا۔ جس میں پوپ کا محل تھا۔ ایک دن چند ساکنان محل ایک برآمدے میں بیٹھے کچھ تماشا دیکھ رہے تھے۔ جو اُنکا جی بہلنے کے لیے کمال عمدگی سے کیا جا رہا تھا۔ اُن تماشا یون میں سب سے آگے پوپ سکندر ششم جو اسوقت کا پوپ تھا بیٹھا ہوا تھا۔ یہ شخص یعنی سکندر ششم ابتداً رڈریگو بوجیا کے نام سے مشہور تھا۔ اُسکے عالم شباب میں اُسکے ایک دوست نے مرستے دم نہایت عاجزی سے کہا تھا کہ اپنی بیوہ عورت اور یتیم بچوں کو یہ اپنی پرورش میں لے۔ رڈریگو نے قبول کیا اور اُسکا دوست اطمینان سے چل بسا۔ مگر چند ہی دنوں میں اُس بیوہ کی بھی اجل آگئی۔ اور وہ بھی وقت اخیر کمال عجز و اسحاق کے ساتھ رڈریگو سے اپنے دونوں بچوں کو بچاے والدین کے پرورش کرنے کے لیے کہ گئی۔ رڈریگو نے اُسکی درخواست بھی منظور کی۔ لیکن اس غریب بیوہ کے وفن ہوتے ہی ایک لڑکی کو تو کسی راہب خانہ میں بھیج دیا۔ اور دوسری کو خود آپ تصرف میں لایا۔

۱۷۹۶ء آجکل مسلمانوں کا بھی یہی حال ہو۔ کوئی زمانہ تھا کہ تمام جلیل القدر بادشاہ ہمارے در پر جہہ سائی کرتے تھے۔ ہمیں سے علوم و فنون سیکھے۔ ہمیں سے تہذیب حاصل کی۔ اسلام ہی کی روشنی سے سبھوں نے اپنی اپنی حالتیں درست کر لیں گاڈ فری گنس صاحب (جو ایک اعلیٰ درجے کے غیر متعصب مورخ تھے) لکھتے ہیں۔ ”اگر انصاف کی نظروں سے دیکھا جائے تو مسلمانوں ہی نے اہل یورپ کو ۱۳۰۹ء صدی عیسوی تک علم اور تہذیب تمدن سکھایا۔“ سپید و سیہ پر ہو احسان عرب کا ہر اگر گیا سب کو باران عرب کا۔ مگر آج ہماری حالت کیا ہو؟ علوم میں تہذیب اخلاق میں۔ صنعت و حرفت میں۔ تجارت میں۔ غرض ہر طرح ہم نام مہذب اقوام دنیا سے کم بلکہ بہت ہی کم ہیں۔ ۱۲ مہرجم۔

اس دوسری لڑکی کا نام روزا تھا جو حسن و جمال میں مشہور آفاق بلکہ کیتا سے عصر تھی۔ ڈیڑھ گھنٹہ  
کو اس عورت سے پانچ بجے ہوئے۔ غرض اس وقت پوپ سکندر ششم کی عمر تقریباً ساٹھ برس  
کی تھی۔ اور گو اسے اپنی تمام عمر بدکاری اور دغا و فریب میں بسر کی تھی۔ مگر با اینہم وہ نہایت  
توانا و تندرست دکھائی دیتا تھا۔ روزا اس کے پہلو میں بیٹھی ہوئی تھی۔ روزا کی دلفریب صورت  
پر ہنوز وہ علامات باقی تھیں جس کے سبب اس کے حسن عالم فریب کا شہرہ تمام یورپ میں پھیلا ہوا تھا  
دوسری جانب پوپ کا بڑا بیٹا ڈیوک آف والن ٹینو جسے اس سے ایک سال قبل اپنے بڑے  
بھائی کا خون ناحق کیا تھا۔ بیٹھا تھا۔ حاصل کلام جو وقت خاندان پوپ اور دوسرے پادری  
مشغول ناشائستے۔ اس وقت شہر کے دوسرے حصہ میں ایک ماجرے کا وقوع ہوا۔ جس کا بیان  
کرنا ضروری ہو۔ فوسٹ ایک تنگ گلی میں بھڑ بھڑ سے الگ کسی گھر کی دھلیز پر کھڑا ہوا۔  
دوپہر کا وقت ہے۔ آفتاب اپنی پوری حدت دکھا رہا ہے۔ مگر لوگ اسکی تلذت کو خاطر میں نہ لا کر  
اپنے معمولی کاروبار میں ہمہ تن مصروف ہیں۔ فوسٹ کو دان کھڑے چند ہی لمحوں گزرے ہوئے  
کہ ایک عورت ریشمی نقاب منہ پر ڈالے بیٹھ کر اس کے پاس آئی۔ وہ ایک چرواہے کی عورت کا لباس  
پہنے ہوئے تھی۔ مگر ہر ایک ادا سے دلفریبی کا نشان ملتا تھا۔ آخر نزدیک آئی اور فوسٹ کے  
کاز سے پہنچ کر کھڑکی کے کنارے کھڑی ہوئی۔ آواز سنائی دے گی کہ وہ کسی کام کی غرض سے شہر میں  
آئی ہے۔ فوسٹ چونکہ اس پر اس پیاری آواز سے کچھ نادانانہ نہ تھا۔  
جس دن سے ویانا میں یہ دار با آواز سنائی تھی۔ اس وقت سے اس کے کانون میں برابر وہی سربلی  
صد گونج رہی تھی۔

فوسٹ۔ (اس لیڈی کا ہاتھ پکڑ کر) آپ کی بیخیر حسن و جمال کی کشش مجھے یہاں تک کھینچ لائی ہے۔  
لیڈی۔ (آہستہ سے ہاتھ کھینچ کر) بجا ہر آپ خوشامد بھرے الفاظ فرما رہے ہیں۔  
فوسٹ۔ میں نے حقیقت حال بیان کی ہے۔ جب پہلے پہل ویانا میں آپ کے چہرے  
جہاں آرا کی زیارت نصیب ہوئی تو اس دن سے آپ کے عشق و محبت نے دل میں گھر کر لیا ہے۔

اور اُسکے دور کرنے پر کبھی میری کوشش غالب نہ ہو سکی۔ ابھرتے ہوئے شوق نے مجبور کر دیا کہ یہاں آنکر آپکے دیدار سے لطف اٹھاؤں۔“

لیڈ می۔ (کچھ تامل کے بعد) ”آپ اس شہر میں کب داخل ہوئے؟“

فوسٹ۔ ”آج ہی صبح میں۔ خوشانصیب کہ اس قدر جلد آپکی ملاقات کا انتخاب حاصل ہوا۔“

لیڈ می۔ ”تو کیا آپ کو اب تک نہیں معلوم کہ یہ ڈیوٹرھی میرے ہی مکان کی ہے؟ آپکی خوش قسمتی نے برابر میرے ہی گھر پہنچا دیا۔ مجھے ضرور ہو کہ آج آپکی مہمان داری کروں۔“ یہ کہہ کر کنڈھی ہلائی تو

ایک خادمہ نے ایک طرف کا دروازہ کھول دیا۔ لیڈ می فوسٹ کو ساتھ لیے ہوئے ایک عمدہ سجے ہوئے کمرے میں لگئی۔ اُسکی کھڑکیوں کے ذریعہ ایک نہایت ہی دلنریب بہارا فرا چمن نظر آ رہا تھا۔ لیڈ می نے چہرے سے نقاب ہٹا کر نوکروں کو دسترخوان بچھانے کا حکم دیا۔ حکم کی فوراً تعمیل ہوئی۔ نقری ظروف میں پرتکلف عمدہ کھانے اور نفیس شرابیں حاضر کی گئیں۔ کچھ بعد لیڈ می نے تمام ملازمین کو باہر چلے جانے کا اشارہ کیا۔

فوسٹ۔ (خدا م کے جانے کے بعد) ”آپ کو یاد ہو کہ ہم کس طرح ویانا میں ایک دوسرے سے جدا ہوئے؟ شرط تو یہ تھی کہ میں اُن دو شخصوں کو قید سے چھڑا دوں۔ جس نے آپ کو کچھ تعلق تھا۔ اُسکے ملکہ میں اقرار کے بموجب آپ کی نازک زبان سے اُس امر کا شکریہ ادا کیا جانا ضرور تھا۔ مگر افسوس بین وعدے پر ملنے کا اتفاق ہی نہ ہوا۔“

لیڈ می۔ ”یہ آپ کا قصور تھا۔ کیونکہ آپ ہی کے آنے میں دیر ہوئی۔ میں تو ٹھیک اُسی مقام پر ہی ساعت آپ کی منتظر کھڑی تھی۔ جسوقت کا آپ نے اقرار کیا تھا۔“

فوسٹ۔ ”جب میں وہاں گیا تو بجائے آپکے کسی دوسری عورت کی خون آلودہ لاش دیکھی۔“

لیڈ می۔ (نہایت دلجمعی سے) ”جی ہاں سآپ اپنی معشوقہ ایڈا کی لاش کا ذکر کر رہے ہیں نا؟“

وہی ہولناک سمان دیکھا۔

فوسٹ۔ ”مجھے یقین ہو کہ آپ نے وہ نشان دیکھا ہو گا۔ جو خفیہ سآپس محرمہ کے گالوں پر بنا تھا۔“

لیڈی: ”ہاں وہ بھی دیکھا ہی۔“

فوسٹ: ”اچھا آپ نے جسم معائنہ کیا۔ کیا لاش پر سے کوئی چیز نکال لی گئی تھی؟“

لیڈی: ”ہاں۔ مگر کیوں اس ماجرے سے لاعلمی ظاہر کرنے کی کون ضرورت ہو؟ میں صاف طور پر کہے دیتی ہوں کہ ایڈامیر سے ہی ہاتھ مار لیگی۔ اور میں سمجھتی ہوں کہ آپ بھی اس حال سے واقف ضرور ہیں۔ لیکن یقین جانیے کہ میں نے کسی خاص غرض سے اُسکی جان نہیں لی ہوتی ہے۔ کچھ عداوت تھی۔ بلکہ صرف اپنے بچاؤ کے لیے اُسے مارا۔ جیسا میں نے اور کئی لوگوں کے ساتھ کیا ہے۔ اور اگر آپ بھی کچھ چین چڑھ کر بیٹھے تو وہی سلوک آپ کے ساتھ بھی کیا جائیگا۔“ یہ کہہ کر شیرزہ کے منہ والی انگشتی جیب سے نکال کر انگلی میں بہن لی۔

فوسٹ: ”(اطمینان سے) یہ شاید آپ کے لیے ہتھیار کا حکم رکھتی ہے۔“

لیڈی: ”جی ہاں۔ خداوند! یہ وہی انگوٹھی ہے جسے دیانا میں آپ کو متحیر بنا دیا تھا۔ یہ شیرزہ کی تصویر جاسپر کندہ ہے بالکل بے ضرر چیز ہے۔ دیکھیے میں اپنے گالوں پر ملتی ہوں۔ مجھے کوئی نقصان نہ پہونچے گا مگر ان کسی پتھری پرزے کے حرکت دینے کے سبب شیرزہ کی شکل سانپ کے سر سے تبدیل ہو گئی اب اگر کوئی اسے ذرا بھی اپنے جسم سے ملائے تو زہر قاتل کا کام کر دے۔ اسی شکل کی حالت میں اس انگشتی نے ایڈا کو ہلاک کیا۔ جسکا آپ رنج و غم کر رہے ہیں۔“

فوسٹ: ”جب آپ کو دیکھتا ہوں تو اُسکا غم دور ہو جاتا ہے۔ اچھا یہ بتائیے کہ آپ نے خاص اپنے بچانے کے لیے اُسکا کام تو تمام کر دیا۔ پھر میں نہیں سمجھتا کہ اسکا مال و اسباب بھی لوٹ لینے کی کون ضرورت سمجھی گئی۔“

لیڈی: ”سنیے! حالانکہ میرا دل کسی خوف کو ہاس بیٹھنے نہیں دیتا۔ تاہم مناسب موقع اپنے کام کو لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ رکھنے کے لیے کچھ نہ کچھ تدبیر کر دیتی ہوں۔ تاکہ عام غلاموں کو میری نسبت کچھ شان گمان ہی نہ ہو بلکہ چور کا کام معلوم ہو۔ اسی دور اندیشی کے سبب مجھے ایڈا کی جیب سے ایک ایسا کاغذ ملا۔ جو غالباً ہمیشہ کے لیے آپ کو ہمارے خاندان کا تابع بنا کر رکھا

اور ہمارے بہت سے امور جو دربار شاہی سے متعلق ہیں۔ نہایت آسانی سے انجام پائینگے۔“  
 فوسٹ : تو معلوم ہوتا ہے کہ اُس کاغذ میں کئی پوشیدہ باتیں لکھی ہوئی ہیں۔ خیر لائیے !  
 دیکھوں تو سہی۔ آپ کا چھپانا بیکار ہے۔ اور یہ بھی یقین رکھیے کہ میں آپ کی دھمکیوں سے ڈرنا والا  
 نہیں۔ صرف آپ کے ہمیشہ حسن نے مجھے گردیدہ بنا رکھا ہے۔“

لیڈی : آپ ایسا خیال نہ کیجیے کہ آپ کے خفیہ حالات سے لوگوں کو خبر ہو گئی۔ اور وہ  
 واقف اس حال ہونے سے آپ کو کچھ مضرت پہنچائیں۔ ہمارے خاندان میں دغا و فریب کی اسدچ  
 کثرت ہے کہ ہمیں وہ عیب نہیں معلوم ہوتا۔ اور اُن لوگوں کا پاس ادب ملحوظ رکھنا ہم فسرص  
 سمجھتے ہیں۔ جو ایسے کاموں میں زیادہ مشاق ہیں۔ آپ کو اس معاملہ میں زیادہ دیر مقرر رکھنا  
 نہیں چاہی۔ لہذا مجھے جہانک آپ کے مخفی امور سے واقفیت ہو سب کچھ دیتی ہوں اور وہ کاغذ  
 بھی حاضر کرتی ہوں۔ جو ایڈا کی پوشاک سے دستیاب ہوا۔“ یہ کہہ اُٹھی۔ اور فوسٹ کو بٹھا کر  
 آپ کاغذ لانے کو گئی۔ اور تھوڑی دیر میں لا کر فوسٹ کے حوالے کیا۔ وہ خاص ایڈا کے ہاتھ کا  
 لکھا ہوا خط تھا جس میں مندرجہ ذیل مضمون تحریر تھا : ”عالیجناب کوئٹ آف آر دنا۔“

مضمون : امیرے نصیب آج کل مجھے برسریر خاش ہیں۔ آپ ہی کی بے انتہا محبت جو میرے  
 دل میں تھی اور ہے۔ ان آفات کا سبب ہوئی۔ آپ کی تجویز پر میں ایک ایسے شخص سے منسوب  
 ہوئی۔ جو آخر میں بڑا ہی بد معاش اور دغا باز نکلا میں اپنے آپ کو امیر ظرین کی چاہتی بیوی  
 سمجھتی رہی۔ مگر مائے اب اس حالت کو پہنچ گئی کہ لوگوں کو منہ دکھاتے ہوئے شرم آتی ہے۔  
 موذی داسٹین جسے امیری کا جھوٹا دعویٰ کیا تھا اب پھر قید سے چھوٹ نکلا ہے۔ میں حیران  
 ہوں کہ وہ کیونکر رہا ہوا؟ غالب گمان ہے کہ آپ ہی کی پوشیدہ قوت جسکے خیال کرنے سے کلیجہ  
 لرز جاتا ہے اسکی نجات کا باعث ہوئی۔ چونکہ داسٹین اب آزاد ہو گیا ہے۔ غالباً وہ مجھے پھر  
 اپنے ساتھ رہنے پر مجبور کرے گا۔ اُس سے بے دھڑک انکار کرنے کی بھی گنجائش نہیں کیونکہ وہ  
 میرے بچے کے قتل کا بھید بخوبی جانتا ہے وہ بچہ جو صرف میرا ہی نہیں بلکہ آپ کا بھی ہے۔ آپ



یہ نہ سمجھے کہ یہی امور مجھے پریشان رکھتے ہیں۔ نہیں۔ ایک اور تازہ غم مجھے مارے ڈالتا ہے۔ وہ یہ کہ آپ کے دل میں میری وہ اگلی سی محبت باقی نہیں رہی۔

یا تو ایسی مہربانی مجھ پر۔ یا کچھ بھی نہیں۔ ابتدا ہی ابتدا تھی۔ انتہا کچھ بھی نہیں۔

بہی رنج و الم مجھے ہمیشہ بے چین رکھتا ہے۔ کل شام کے وقت میں نے بچشم خود دیکھا کہ آپ اور ایک غیر عورت راہ میں کھڑے باہم کچھ اقرار کر رہے ہیں۔ وہ عورت چاہے کوئی ہو آج شب کو میرے ماتون سے نیچمگی میں ہمہ تن آمادہ ہوں کہ آج اسکا پیانہ عمر بزرگزدون۔ خیر۔ آپ نے مجھے بہت ہی بڑا سلوک کیا۔ میں وہی ہوں جو آپ کے غم و فکر کے عالم میں دلدہی کرتی رہی۔ اور آپ کی ایک نہایت اہم اور سنگین کارروائی میں پوری مدد کر کے انصرام کو پہونچایا۔ خیال تو کیجیے اگر میری مدد نہوتی تو آپ کے بیٹے کی تبدیلی ڈیوٹیک لیپولڈ کی بیٹی سے کیونکر ہو سکتی تھی؟ میرے حقوق پر غور کر کے دیکھیے کہ آپ کو کس درجہ ممنون ہونا چاہیے تھا یہ خط اس غرض سے لکھتی ہوں کہ آپ میری موجودہ حالت کا اندازہ کریں۔ اور اس کے الفاظ کو غائر نظر سے دیکھیں۔ میں سمجھتی ہوں کہ زبانی کہنے کے بہ نسبت ایسے امور لکھ چھپنا بدرجہا بہتر ہے۔ کیونکہ اسوقت غور کرنے کا موقع ملتا ہے۔ آج میں اس خط کو آپ کے وفادار خادم کے حوالے کرتی ہوں۔ جو سوا آپ کے کسی اور کو نہ دیکھا۔ یہی خط آپ پر ظاہر کر دیکھا کہ آپ کی نئی معشوقہ کا قاتل کون ہے۔ اور نیز یہ بات کہ میں محبت میں جسقدر نرم دل ہوں اُسقدر دشمنی میں بے رحم اور سخت بھی ہوں۔ میری چند خواہشیں ہیں۔ جنکو پورا کرنا چاہیے اگرچہ وہ اور شخص سے ممکن بھی ہیں۔ مگر آپ کے اختیارات کے مقابلہ میں کچھ نہیں۔ یعنی وہ اسٹین کی جانب سے مجھے کچھ خوف باقی نہ رہے۔ اور یہ بات صرف اس کے قتل سے حاصل ہو سکتی ہے اور مجھے دولت و خشت اور اعزاز ملنا چاہیے۔ ان خواہشات کو پوری کیجیے تو عمر بھر آپ کی مطیع اور ممنون ہوگی۔

فوسٹ۔ ایڈاکا خط پڑھ لینے کے بعد بہت دیر تک ساکت رہا۔

لیڈی۔ آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ ہم گوارہ خانے کے معاملہ سے بخوبی آگاہ ہیں!۔

فوسٹ۔ (گھبرا کر) آپ کے سوا اور کن لوگوں کو معلوم ہوا؟۔



لیڈی: ”میرا بھائی سیر اور پادری آئسٹم۔ یہ دو ہی شخص جانتے ہیں۔ لیکن آپ گھبرائیے نہیں ہم اس بارے میں بہت ہوشیار رہیں گے۔ اور کسی چوتھے کو خبر نہ ہونے پائیگی۔“

فوسٹ: ”میں جو کچھ آپ کے احکام کی تعمیل کروں۔ صرف اس محبت و عشق کی وجہ سے ہو۔ جو آپ کے ساتھ مجھے ہو ورنہ آپ کے بیجا و باوجہ کچھ اثر نہ کر سکیں گے۔“ فوسٹ دل میں خوش ہو رہا تھا کہ ایڈا کے خط سے میرے خفیہ اختیارات کی حقیقت نہ کھلی (لیڈی سے) اب آپ ہم ایک دوسرے کو بہت اچھی طرح پہچانتے ہیں۔ کیونکہ میں آپ کو اسی قدر جانتا ہوں۔ جس قدر آپ میرے حالات سے واقف ہیں۔ پہلے پہل آپ اسپین کے ایک امیر سے منسوب ہوئیں۔ اور نہایت آزادی سے زندگی بسر کرنا۔ جہاں چاہے بے روک ٹوک جانا آنا شروع کیا۔ لیکن جب آپ کے والد ماجد پوپ کے عہدے سے ممتاز ہوئے۔ تو آپ کا شوہر اس قابل نہ رہا کہ پوپ کا داماد کہلائے۔ لہذا اُس سے علحدہ ہو کر تم نے لارڈ پزارو سے شادی کر لی۔ آخر لارڈ سے بھی میزان نہ پٹی۔ اور نا جاتی پیدا ہوئی۔ چونکہ آپ کے آبا جہاں کو خوش نصیبی سے ان امور میں پورا اختیار حاصل ہو۔ اسی سبب لارڈ پزارو بھی رد کر دیا گیا۔ اور آپ نے الفانسو سے عقد کر لیا۔“

لیڈی: ”(مسکرا کر)“ آپ ایسے حالات بیان کرتے ہیں۔ جنہیں کل یورپ جانتا ہو۔ اور یہ کچھ ایسی پوشیدہ باتیں بھی نہیں ہیں۔ جنکی واقفیت کے سبب میں آپ سے شرمندہ ہوں۔“

فوسٹ: ”درست! اگر میں تمام وہ امور بیان کروں جو مجھے معلوم ہیں تو بلاشبہ آپ کو سچ ہوگا۔ وہ آپ کی دعوتیں جنہیں خفیہ طور سے مخالفین کو زہر دیا جاتا ہو۔ اور وہ راز جس سے آپ کے دشمن ایک ایک دنیا سے غائب ہو جاتے ہیں۔ وہ آپ کی بمثل جراتیں۔ وہ خاندانی فتنہ و فساد۔ وہ سمیٹا اور وہ اُن کے توڑ۔ میں سب کچھ جانتا ہوں۔“

لیڈی: ”(جلدی سے)“ بس کیجیے! بے شک ہم ایک دوسرے کے تمام بھید و ن سے بخوبی واقف ہیں۔ لیکن کیا آپ کو کوئی خوف و انگیز نہیں ہوا جو مجھ سی عورت کے ساتھ محبت کرنے پر آمادہ ہو گئے۔“

فوسٹ ”نہیں مطلق نہیں۔ کیونکہ اُن زہرون کا تدارک مجھے خوب معلوم ہے۔“  
 لیڈی۔ (ہاتھ بڑھا کر) ”آپ کا رنگ ڈھنگ بالکل میری خواہش کے برابر ہے۔ دلیر۔ دیباہ  
 دو لقمہ شکیل۔ اور پھر کمر و فریب میں کامل۔ ہر پہلو سے آپ میری محبت کے لائق ہیں۔ آج  
 سے میں آپ کی عاشق ہوں۔“  
 فوسٹ ”میں آپ کا شکر یہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے میری محبت کا اقرار کیا۔“ یہ کہہ کر فوسٹ  
 نے لیڈی کے ہاتھ پر بوسہ دیا۔

## ۵۰ بیچا سوان باب لوکریزا بوجیا

وہ لیڈی جسکے ہاتھ میں زہریلی انگلی تھی۔ پوپ سکندر ششم کی بیٹی۔ اور سیزر بوجیا کی  
 بہن لوکریزا بوجیا تھی۔ جسکا نام آج تک تمام یورپ میں مشہور و معروف ہے۔ دنیا کی تاریخ میں  
 کوئی اور تین ایسے بدکار نہ ملینگے جیسے سکندر ششم اور اسکا بیٹا اور بیٹی (سیزر و لوکریزا) تھے۔ یہ  
 تینوں اپنی دنیوی ترقی کے تعلق کوئی ذریعہ گو وہ کیسا ہی خراب اور بدیون سے بھرا ہوا کیون نہوں  
 نہ چھوڑتے تھے۔ انھیں کی فتنہ پرداز یون اور دغا و فریب کا نتیجہ تھا کہ سکندر ششم پوپ کے  
 تخت کا مالک ہوا۔ وہ عظیم الشان پر فضا آباد شہر (روم) کبھی اُس سے زیادہ بدکاریوں  
 سے نہ بھرا تھا۔ جس قدر اس پوپ کے عہد میں تھا۔

ایک عورت کو زیادہ تر حسین ثابت کرنے کے لیے جس درجہ کا حسن و جمال ضرور ہے۔ لوکریزا  
 میں اُس سے کہیں زیادہ تھا۔ مگر ساتھ ہی بڑے افعال بھی اسی قدر تھے۔ اُسکی عیش پرستی و  
 دنیوی فحاش کی کوئی حد باقی نہ تھی۔ فسق و فجور میں اُسے کچھ ایسی منارت حاصل تھی کہ اپنے ہر کام  
 پر بجائے رنج یا انفعال کے خوش ہوتی تھی۔ جب ایسے نالائق اور ناخدا ترس لوگ حکمران ہوں  
 تو رعایا کو اُن سے منفعت حاصل ہونا یا نیک رویہ کی ہدایت پانا کیونکر ممکن تھا؟ اُن دنوں

عورت کی عصمت کوئی عمدہ شے نہیں تصور کی جاتی تھی۔ اعلیٰ درجے کے پادری کچھ چوری چھپے ہی نہیں علانیہ بدکاری میں مصروف تھے۔ شاذ و نادر ہی کوئی دن ایسا گذرتا ہوگا جس میں شہر کی گلی کو چون میں خونریز یا انہوں۔ کسی ذاتی رنجش کے سبب ایک دوسرے کو قتل کر دینا کوئی بڑی بات نہ تھی۔ کو تو اسی کے ملازم سب کے سب رشوت خوار۔ انصاف کوڑیوں کے مول فروخت ہوتا تھا ذی مقدور اغلیا لوگ بد معاشرے اور کم ظرفوں کو نوکر رکھ کر ان کے ذریعہ مخالفین کو توہین کرتے تھے۔

فوسٹ لوکریزا سے پہلے پہل تو ویانا میں ملا۔ لیکن دوسری دفعہ جس وقت یہ دو لون شہر روم میں ملے تو اس وقت اس شہر کے حالات اس طرح پر تھے۔ خیر۔ گذشتہ باب کے مذکورہ حالات جسدِ ان گذرے۔ اُسی شب لوکریزا اپنے خاص مکان کے خواب گاہ میں تنہا بیٹھی تھی۔ شہر کے دوسرے حصہ میں اُسکا ایک عالی شان محل تھا لیکن وہاں اُسکی مرتبت اور شان کے مطابق بہت سی خواہشیں اور دیگر ملازمین ہونے کی وجہ سے اپنی پوشیدہ کارروائیوں کے لیے ایک الگ مکان لے رکھا تھا۔ اُس میں وہ اور اُسکا بھائی سینر باہسم فتنہ انگیز یون کے مشورے کیا کرتے تھے۔ اور اُن کے دشمنوں کو موت کا سامان وہیں تیار ہوتا تھا۔ لوکریزا اور سینر (بھائی بہن) میں جس قسم کی دوستی تھی قابل بیان نہیں خلاصہ یہ کہ اُن ظالموں نے بدکاری کا کوئی دقیقہ بانی نہ چھوڑا تھا۔

شام کا وقت تھا۔ (وہی شب جسکی صبح میں لوکریزا اور فوسٹ کی اسی مکان میں ملاقات ہوئی تھی) لوکریزا شیرازہ کی تصویر والی انگلیٹھی پہنے اکیلی بیٹھی تھی۔ بشرے سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ کس کا انتظار کر رہی ہو۔ تھوڑی دیر بعد اٹھ کر ایک دروازے کے قریب گئی۔ جو دیوار میں کمال احتیاط سے پوشیدہ طور پر بنایا گیا تھا۔ اُس دروازے کے نیچے باغ کی کسی مخفی راہ سے نکل کر رکھنے والا ایک تنگ و تاریک زینہ تھا۔ خیر لوکریزا اُسکے کو اڑکھو لکر بھراہنی جگہ پر آکر بیٹھ گئی۔ شب کے نو بجے ہونگے۔ شہر میں جو طرف خاموشی پھیلنے لگی تھی۔ ناگہان دوسرے طرف

دروازے سے کسی کے کھٹکھٹانے کی آواز آئی۔ لوکر نیرا سمجھی کہ کوئی ملازم اندر آیا چاہتا ہو۔ لہذا بے تردد اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ بھر دگھلنے کے دو شخص تنگی تلواریں ماتھون میں لیے۔ جالی کی نقاب منہ پر ڈالے کرے میں گھس پڑے لوکر نیرا نہایت درجہ بدحواس ہو گئی۔ مگر ساتھ ہی پھر سنبھل کر پوچھنے لگی۔ ”یہ بیجا مداخلت اور بیوجہ کی آمد کیسی ہے؟“ اُن دونوں میں سے ایک نے جلدی کے ساتھ بڑھ کر دروازے بند کر دیے۔ اور لوکر نیرا کے قریب آکر کہنے لگا۔ ”لیڈی صاحبہ! آپ کا وقت آخر ہو گیا۔ اب مرنے کے لیے تیار ہو جائیے۔“ لوکر نیرا اسکی آواز پہچان گئی۔ اور بولی ”مورکم! تم ہو؟“

مورکم۔ (نقاب چہرے سے نکال کر) ”ہاں لیڈی صاحبہ! میں ہوں۔ اور اس لیے آیا ہوں کہ میرا چچا پادری کا سنرا جو آپ کے ماتھون مارا گیا۔ اُسکے خون کا بدلہ لون!۔“  
دوسرا۔ (نقاب پھینک کر) ”لیڈی صاحبہ! میں مظلوم مرد لان کا ہمیشہ زادہ بکشی ہوں۔ اس قتل کا انتقام آپ سے لوں گا۔“

لوکر نیرا نے صاحبو! آپ کا مجھے قتل کرنا اتنی ایک بے گناہ کے خون سے ماتھ بھرنا ہو۔ آپ خوب یقین جاسیے میں نہ پادری کا سنرا کے قتل سے کچھ تعلق رکھتی ہوں۔ نہ سرو لان کی موت کچھ میری وجہ سے ہوئی!۔“

مورکم نے ہم ابھی طرح جانتے ہیں کہ اُن دونوں بیچاروں کا خون آپ ہی کی گردن پر ہے۔ تاہم اگر اُس سے بری الذمہ ہیں تو کیا ہوا۔ آپ کی اور کئی ایسی بدکاریاں ہیں کہ آپ کو مار کر دنیا پاک کرنا داخل حسات ہو۔ اہل روم خاندان بوجہ جیا کے خون کے پیاسے ہیں۔ اور میں پادری آپ اور آپ کے بھائی کے قتل کا فتوے دے چکے ہیں۔ پس تیار ہو جاؤ! تمہارا سلسلہ حیات (تلوار ہلا کر) اس کے ذریعہ ابھی منقطع ہو جائیگا۔“

لوکر نیرا (جنتاب ہو کر) ”خدا را مجھ غریب عورت ذات پر رحم کرو۔ اور اس قدر رحمت“ کہ میں مرنے کے لیے تیار ہو جاؤں۔“ منے ابھی کہا تھا کہ میرے اور میرے بھائی کے

قتل برتین پادریوں نے فتوے دیا ہر ذرا ان کے نام بھی مجھے بتا دو۔ تاکہ خیال تو کروں کہ میں نے  
ان کے حق میں کون برائی کی تھی۔“

مورکم۔ ”کاسہ۔ نووا۔ اور کوپس نام تین پادریوں نے تم دونوں شیاطین سے دنیا کے  
پاک کرنے کی اجازت دی ہے۔ خیر۔ میں صرف چند لمحوں کی مہلت دیتا ہوں۔ یقیناً جانوائی  
دیر میں پیشکش (دکھا کر) تمہارے سینے میں رہیگی۔ تم سب بدکار ظالم عورت کو عفو گناہ کے لیے  
خدا سے التجا کرنے کی مہلت دینا بھی فضول ہے۔ کیونکہ تمہارے گناہ ایسے نہیں جو توبہ و استغفار  
سے بخشے جائیں۔ مناسب ہے کہ اب تم میرے روبرو دوزانو بیٹھ جاؤ۔ میں ہرگز کچھ رحم نہ کروں گا۔  
کیونکہ ان لوگوں کی صورت میری آنکھوں میں پھر رہی ہے جنہیں تم نے کمال بیرحمی سے ہلاک  
کیا ہے۔“

لوکریزا۔ ”کیا انصاف اور تمہاری خدا ترسی اسی کی مقتضی ہے کہ ایک بیگس والا چار عورت کے  
قتل کرنے پر آمادہ ہو؟۔“

مورکم۔ ”تمہاری موت سے شہر و مہم پاک ہو جائیگا۔ تم گھبراہٹ کے ساتھ ادھر ادھر کی  
دیکھ رہی ہو؟ کوئی تمہاری مدد کے لیے آ نہیں سکتا۔ پہنچے پورا بند و بست کر رکھا ہے کہ تمہارے قتل  
ہونے تک اس مکان میں کسی اور کا گزرنہ ہو۔ ورنہ اتنی دیر باتوں ہی میں کیوں لگے رہتے؟  
یہ بھی ہماری خوشی ہے کہ مرنے کے قبل تمہیں اچھی طرح تنبیہ کریں۔“

لوکریزا۔ (جبرے کو باتوں سے چھپا کر) ”خداوند! وہ کیوں نہیں آیا؟ لوکریزا موت سر بردیکھ کر  
فی الحقیقت گھبرا گئی تھی۔“

بلکشی۔ (مقابل ہو کر) ”تمہاری ماں نے تین سال پہلے ایک جلسہ کیا تھا۔ حاضرین جلسہ کے  
نام بتانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ تمہارے خاندانی کل ممبر۔ شہر کے معزز پادری۔ اور دیگر اہم  
موجودین۔ میرے خالو سرولان تمہارے مرحوم بھائی ڈیوک آف گیانڈی کے پہلو میں بیٹھے تھے  
تم میز پر سے بہت جلد اٹھ کر چل گئیں اور اسی گھر میں آئیں۔ یہ وہ گھر ہے جہاں تم اپنی بدکرداریوں

کے مشورے کیا کرتی ہو۔ غرض تنہی یہاں سے ایک آدمی کو اپنے مرحوم بھائی ڈیوک آف گیانڈی کے نام ایک خط دیکر بھیجا۔ جس میں ڈیوک نے اُسیدم سے اور تم سے کچھ پوشیدہ امور کے متعلق گفتگو کرنے کی تائید کی گئی تھی۔ خیر۔ ڈیوک تمہاری طلب پر دسترخوان سے اٹھا۔ اور باہر جاتے ہوئے سردلان کو بھی گلی کے نکر تک ہمراہ آنے کے لیے کہا۔ کیونکہ اُن دنوں رات کے وقت لوگ بیہوش و خطر گلیوں میں بھر نہیں سکتے تھے۔ جیسا اب تک بھی ہو۔ دوسرا ایک مہمان بھی اس وقت میز سے اٹھا۔ اور باہر نکلا۔ گھوڑے پر سوار ہو کر جھوٹے شہر میں پہونچا جہاں اُسکو چار اور قوی سپاہیوں کی مدد پہونچی۔ اور جھوٹے شہر میں ڈیوک آف گیانڈی کو قتل کیا۔ اور اُس بچارے کی لاش ندی میں پھینک دی گئی۔ وہ پہلا سوار جس کا میں نے ذکر کیا ہو تمہارا دوسرا بھائی سینر تھا۔ جو اپنے برادر بزرگ کو قتل کر کے ہشاش بشاش تھیں خوشخبری سننے کو دوڑا ہوا یہاں آیا۔ اسی سے ظاہر ہوا کہ تم اور سینر دونوں ہی نے ملکر اپنے خفی بھائی کی جان لی جو تمہارا خالو ڈیوک کو گلی کے آخر تک پہونچا کر واپس آگیا تھا۔ لہذا اس وقت تمہارے شر سے محفوظ رہا۔“

لوکریزا۔ (گھبرا کر) ”یہ بالکل ہی خلاف واقعہ بات ہو۔ میں نے یہ خط لکھا۔ نہ کسی کے ہاتھ روانہ کیا۔“

بلکشی۔ ”مسا ذائد۔ تم مرنے کے وقت بھی جھوٹ بولنے سے نہیں چوکتی ہو؟ خیر۔ اس واقعہ سے کچھ دیر بعد پادری گیوانی تمہارا چچا زاد بھائی اٹھا۔ اور ڈیوک کے قتل کی کیفیت سنا۔ قاتل کی تلاش اور اُسے انتقام لینے پر آمادہ ہوا۔ کیونکہ وہ ڈیوک کے ساتھ کمال درجے کی محبت کرتا تھا۔ اس امر کا پتہ معلوم ہوتے ہی تم اور سینر نے اسکی دعوت کی۔ اور بظاہر نہایت خلق و مردت سے پیش آئے۔ آخر کار اُسکے جام شراب میں زہر قاتل ملا دیا گیا۔ پھر کیا تھا؟ اپنی بدکرداری کا ساز آشکار ہونے کے لیے اُسے بھی ٹھنڈا کر دیا۔ اُسے! چاہیے تھا کہ یہ آگ بین تک فرو ہو جاتی مگر نہیں میرا خالو سردلان بھی اس طرح تمہارے ایک اشارے پر مار ڈالا گیا۔ افسوس! اس واقعہ کی شہج اعلیٰ نسب آن واحد میں تمہارے ظلم کی خند ہو گیا۔ لوکریزا! میں اُسی کا انتقام لینے کیلئے



آیا ہوں۔“

لوکریزا۔ (بے چین ہو کر) ”مجھ پر رحم کرو۔ اور مجھے جھوڑو۔ میں تمہیں زرد مال اور عزت سے نہال کر دوں گی۔“

بلکشی۔ (ترش روئی سے) ”خاندان بورجیا کے قول و قرار پر شہر روم کا کوئی ہاگل اور یوقوت بھی اعتماد نہ کریگا۔“

مورکم۔ اب اس ظلم کی تفصیل سنو جبکہ انتقام لینے کی غرض سے میں آیا ہوں۔ میرا چچا پاورسی کا سنرا جعلی دستخط بنانے کے جھوٹے دعوے پر گرفتار کر لیا گیا۔ حالانکہ اُس کا قد پر خاص پوپ کے دستخط تھے۔ اور یہ بات تم خود بھی جانتی ہو۔ اُس کا غد میں ایک راہبہ سے نکاح کرنے کی اجازت دی گئی تھی۔ جسکے لیے ساٹھ ہزار دینار تمہارے والد نے رشوت کے طور پر لیے تھے۔ خیر۔ جب اس بات کی شہرت ہوئی تو حضرت سٹ پٹاگئے کہ کہیں میرا رشوت لینا نہ ثابت ہو۔ آخر اُس دستخط کو جعلی ٹھہرایا۔ اور مجرم کی تلاش ہوئی تو میرا بے گناہ چچا ماخوذ ہوا قید خانے میں تم اور تمہارا بھائی سینر دونوں گئے پہلے کچھ گیدڑ بیکیان ظاہر کیں پھر عاجزی کی۔ غرض اس سے اتنا لکھو الیا کہ ”وہ دستخط میرا ہی ہے“ اسکے بعد اُس بچاؤ کو ایک تنگ و تاریک جگہ میں مقید کر دیا۔ اور تین دن میں صرف ایک دفعہ کچھ تھوڑا سا کھانا آسکو پہنچانے کا معمول رکھا۔ اسی حال سے جب پورا ایک برس گزرا اور وہ نہایت ہی حقیر و ناتوان ہو گیا تو ایک سخت غذا دینی ہی موقوف کر دی۔ آخر کار ایک ہفتے میں وہ بڑبڑپے مر گیا۔ جب اُسکی لاش باہر نکال کر دیکھی گئی تو معلوم ہوا کہ بھوک کے صدمے سے عاجز ہو کر اپنے ماتھن کا گوشت کاٹ کاٹ کر کھاتا ہوا ہے۔ اسے اتنے اس قدر ظلم و ستم اسی لیے کیا کہ تمہارا مکر و فریب اور جلادی لوگوں میں آشکار ہو۔ کیا دنیا میں مساکوئی اور ظالم بھی مل سکیگا؟ میں سمجھتا ہوں کہ نہیں۔ ہرگز نہیں۔ الغرض میں اُسی ظلم کا بدلہ لینے کو آیا ہوں۔“

لوکریزا جو دوزانو بیٹھی ہوئی تھی دفعۃً اٹھی۔ اور پورے استقلال سے ان دونوں کے

مقابل کھڑی ہو گئی اُسکے دربار و دشمن چہرے سے کسی قسم کی گھبراہٹ یا خوف کا کوئی نشان نہ پایا جاتا تھا۔ مورکم اور بکشی سے مخاطب ہو کر کہنے لگی: ”سنو! میں اول مرتبہ جو مرنے پر ڈر گئی تھی۔ اب وہ بات باقی نہیں۔ میں ہر طرح تیار ہوں۔ مگر قبل اسکے کہ ان تلواروں کی لوک میرے سینے میں چھوٹی جائے دو عنایتوں کی آپ سے طالب ہوں۔“

مورکم: ”وہ کیا؟ بتاؤ! مگر جلد۔ کیونکہ مجھے بیکار اور فضول باتوں میں بہت وقت ضائع کر دیا ہے۔“  
لوکر نزا: (جیب سے ایک گنجی نکالے) ”یہ گنجی لو! اور اُس (دکھا کر) الماری کو کھول کر اُس میں سے برادر مرحوم کی ایک گینڈی کی ایک تصویر ہے۔ نکال کر مجھے دو۔ تاکہ مرنے سے پہلے ایک نظر دیکھ لوں۔ اور نہ است و افسوس کے ساتھ اُس کا بوسہ لوں شاید پروردگار عالم مجھ پر رحم کرے۔ اور اس کے قتل کا گناہ بخش دے۔“

مورکم نے یہ بات قبول کی۔ اور لوکر نزا کے ہاتھ سے گنجی لیکر الماری کے قریب گیا۔ اور گھما گئے لگا چو نکہ قفل زنگ آلود تھا۔ کھلنے میں دقت ہوئی۔ اور اُس کا زور سے گنجی مڑوڑنا بے سود ٹھہرا۔ لوکر نزا اس اثناء میں اپنے دوسرے دشمن بکشی کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگی: ”مجھے اتنا بتا دو کہ میں ماری جاؤں تو اپنے چچا کا خون جو میری گردن پر ہو معاف کر دے یا نہیں؟“  
بکشی: ”ان۔ لیڈی صاحبہ! میں ضرور بخشہ دینگا۔ جسے کہ میں تمہاری نجات کے لیے دعا بھی کر دینگا۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی یقین سمجھ لو کہ اب بغیر ہلاک کیے تمہیں چھوڑنے والا نہیں۔“

لوکر نزا: ”میں نے جب سے حرفِ بخشش تمہاری زبان سے سنا۔ بس مرنے پر تیار ہو گئی ہوں۔“  
یہ کہہ کر بکشی کا ہاتھ پکڑ کے اس طرح دبا دیا۔ جیسے لوگ انتہائے مسرت کے وقت اپنے محفلِ لذتِ باطن میں بعد از ان ہاتھ جدا کر کے کچھ دور ہٹ کر کھڑی ہو گئی اتنے میں ایک حادثہ جانکاہ وقوع میں آیا۔ یعنی مورکم الماری کے قریب سے ایک بیج مار کے زمین پر گر پڑا۔ اور اُسیدم بکشی کی بھی وہی حالت ہو گئی۔ دونوں نے ایک ہی وقت اور ایک ہی لمحہ میں دم توڑا۔ یہ تمام کارروائی صرف چند ہی منٹ میں ختم ہو گئی۔ مورکم نے لوکر نزا کے ہاتھ سے جو گنجی لی۔ اُسکے سر سے پر ایک کٹنا سا لگا ہوا تھا۔

جسکے چہیتے ہی اسکی موت آگئی۔ اور اس انگوٹھی نے بیچارے بکشی کا کام تمام کر دیا۔  
لوکر نزا۔ (لاشوں کو ہانوں سے ہٹا کر) میرے دشمنو! تمہارے نصیب میں اس طرح کی موت  
لکھی تھی۔ خیر۔ میں ان تین پادریوں کی ضرور خبر لوں گی۔ جو ہماری جانوں کے ورپڑے ہوئے ہیں  
لوکر نزا یہ الفاظ ابھی پورے طور پر کہنے نہ پائی تھی کہ وہ خفیہ کھڑکی (جسکا بیان اوپر ہو چکا ہے)  
کھلی۔ اور فوسٹ اندر آ پہونچا۔ چھت سے لگے ہوئے عمدہ لمب کی شفات روشنی لوکر نزا  
کی پیاری شکل کی دلغزبی اور نور کو ابھار ابھار کے دکھا رہی تھی۔ جو اس وقت دو لاشوں کے  
درمیان میں نہایت دلجمعی و اطمینان سے کھڑی تھی۔

فوسٹ۔ (گھبرا کر) ”لوکر نزا! یہ کیا ماجرا ہو؟“

لوکر نزا: ”محضور! گھبرائیے نہیں۔ اگر آپ وقت معین پر تشریف لاتے تو آپ کی آبدار تلوار  
مجھے اس گفتگو سے بچاتی۔ جو ایک ساعت تک ان دو سرکشوں سے کرنا پڑی۔ یقین جانیے  
کہ میں بہت ہی خائف و ہراسان ہو رہی تھی۔“

## باب ۵۱

### خاندان بوریجا کا زہر

دوسرے دن سویرے لوکر نزا اپنے بھائی سینر کے مکان پر گئی۔ اور تمام حالات موبو کہہ سنا۔  
سینر۔ (کل قصہ سنکر برہمی سے) ”ہن! وہ تینوں پادری بے شک قابل رحم نہیں۔ انھیں  
کیسے طرح ہلاک کر دینا چاہیے۔ اباجان کو اس حقیقت سے آگاہ کر کے انکی معرفت ان ملعونوں  
کی دعوت کی جائے۔ اور اسی میں انکا کام تمام ہو۔“

لوکر نزا: ”یہ ذرا مشکل امر ہے۔ ہمیں نہایت خبرداری کے ساتھ انجام دینا ہوگا۔ وہ لوگ جنہیں  
کل میں نے موت کا نزا چکھایا چند ایسے واقعات بیان کرتے تھے جس سے مجھے خوف ہوتا ہے  
کہ کسی کے دفعہ مرنے پر لوگ ہمپر گمان نہ کریں۔ انھیں ایسا زہر دینا چاہیے جو سریع التاثر نہ ہو

بلکہ کچھ دیر بعد مرین۔“

سینر نے اچھا۔ تو اُسکا تیار کرنا میرے ہی ذمے چھوڑ دو۔ افسوس ہو کہ ویانا والی دوا ساز فتنہ مگر گئی۔ لیکن اُسکی تعلیم کا اثر مجھ میں ابھی تک کچھ باقی ہے۔“

لو کر نرا۔ کیوں؟ ہمارا تیار کیا ہوا زہر ”کانٹرلا“ اُسکی تمام دواؤں سے بہتر ہے۔“  
سینر نے مان۔ ہے تو ایسا ہی۔ مگر اُسی کا بتایا ہوا ہے۔ گوہنے بہت کچھ ترقی دی۔ پھر بھی اُسکا احسان کی طرح بھول نہیں سکتے۔ اسلئے کہ وہ ہماری استاد ہے۔ خیر تم یہ تو کہو کہ کیا فوسٹ یعنی کونٹ آف آر دنا ہماری مدد پرستہ ہے؟ اب غمگین جو تلکہ چمکنے والا ہے۔ اُسین شہنشاہ جرمنی کو مدد اخلت سے باز رکھنے کا اقرار کر دیا؟

لو کر نرا۔ مان۔ شہنشاہ جرمنی ان باتوں سے کنارہ کش ضرور ہوگا۔ فوسٹ جو آجکل میرا غلام ہو گیا ہے دربار شاہی میں نہایت عزت و اقتدار رکھتا ہے۔ مگر سوا شہنشاہ کے باز رکھنے کے اس سے کسی اور کام یا ٹرائیون میں معاون ہونے کی امید رکھنا بیکار ہے۔ کیونکہ اُسے صاف طور پر کہہ دیا ہے کہ میں جنگ و جدال کی بد نسبت عیش و آرام کو زیادہ پسند کرتا ہوں۔“

سینر نے دیر۔ کچھ مضائقہ نہیں۔ اگر شہنشاہ جرمنی اس امر میں مدد اخلت نہ کرے تو میں اٹلی کا مستقل بادشاہ بن سکتا ہوں۔ اب تم جاؤ۔ مجھے کوئی ایسا زہر تیار کرنا ہے جو کم سے کم دنوں بعد اپنا اثر دکھائے۔ اور کل ایک جشن ترتیب دیکر ان تینوں پادریوں کو بھی مدعو کیا جائے۔“  
لو کر نرا اپنے بھائی کے محل سے ٹھکر پھرا اپنے اُسی مکان میں آگئی۔ جہاں فوسٹ اُسکا منتظر بیٹھا تھا۔ اُسکے جاتے ہی سینر نے ایک چھوٹی سی تقری گھنٹی بجائی۔ فوراً ایک خدمتگار حاضر ہوا۔ اس وفادار خادم کا نام میکٹو تھا اور بدکاری و شرارت میں اپنے آقا کے برابر ہی برابر تھا۔ اسی ظالم نے ڈیوک آف گیانڈی سینر کے بڑے بھائی کو قتل کیا تھا۔

سینر نے میکٹو آج ایک صدمہ پیش ہوئی ہے۔ ہمارے تین دشمنوں کی ہلاکت کا سامان ہم یونچانا چاہیے۔ تم جا کر اپنے دونوں تابعین کو ہمراہ لیکر جلد وراٹھانے میں آؤ۔ میں بھی اب

دہن جا رہا ہوں۔ چند لمحہ میں سیر ایک بڑے کمرے میں گیا۔ جو اسکے دو سازی کی جگہ تھی۔ مکمل طور پر اپنے ہمراہی دو شخصوں کے ساتھ وہیں تھا۔ کمرے میں آرائشی سامان کچھ نہ تھا چند رسیان اور قلابے چھت سے آویزان تھے کمرے کے درمیانی حصہ میں ایک میز پر چند خالی شیشے دھوے تھے۔ اور کئی شیشے عمدہ شرابوں سے بھرے ہوئے تھے۔ ایک سنگی مرتبان اور ایک ماون مع دستے کے موجود تھا۔ کمرے کے ایک کونے پر کاسٹلک دروازہ تھا اور اسپر بھاری ڈنڈے پڑے ہوئے تھے۔ اور اوپر ایک زیبحر دروازے کے دوسری طرف سے کبھی کبھی ایک مہیب آواز سنائی دیتی تھی۔

سیر نے یہ تمام شیشے جو خالی ہو گئے ہیں ہاتھ میں پھراز سر نو بھر دینا چاہیے۔ مکمل طور پر بہت خوب۔ پیر و مرشد! (اپنے دونوں ساتھیوں سے) کیوں؟ تم تو اپنے جانتے ہو۔ “سیر تلوار کھینچ کر اس بڑے دروازے سے کچھ فاصلہ پر کھڑا ہو گیا۔ مکمل طور پر حضور! آپ کوئی اندیشہ نہ کیجیے۔ یہ دونوں پہلوان اس موذی کو عاجز کرنے کے لیے کافی ہیں۔“ کمرے کا اندرونی دروازہ کھول کر خدام اندر گئے۔ اس میں ایک مہیب ریچھ گھاس پر لیٹا ہوا تھا۔ ایک خادم کے جگانے سے انگڑائیاں لیتا ہوا اٹھا۔ اور ایک حشت کا چیخ ماری۔ اور پھرے کا دروازہ کھلا پا کر باہر نکل آیا۔ اُن دو ملازموں میں سے ایک شخص جرات کے ساتھ آگے بڑھا۔ اور ریچھ کو اپنی طرف متوجہ کر لیا دوسرے نے اس کی پھیلی ٹانگوں میں مضبوط رستی سے گرہن باندھ دیں۔ اور رستی کا دوسرا کنارہ اوپر کے قلابے سے باندھ دیا۔ جس کے سبب وہ بالکل عاجز ہو گیا۔ سیر نے اسے عاجز دیکھ کر تلوار پھر میان میں کر لی اور تھوڑی سی ٹھیکیا ماون میں ڈال کر پیسنے لگا۔ کچھ دیر بعد آسمین ذرا سا پانی بھی شریک کیا۔ آخر ایک گھاس میں لیکر ریچھ کے قریب گیا۔ دونوں ملازم اس قوی جانور کو اپنی پوری طاقت سے دباؤ رہے سیر نے اس زہر سے بھرے ہوئے گھاس کو ریچھ کے منہ میں ڈال دیا۔ بعد ازاں وہ پچھلے پانوں سے لٹکا دیا گیا۔ گو بہت کچھ کشمکش کرنے لگا۔ اور چیتا شروع کیا۔ مگر کسی طرح



رہائی ممکن نہ تھی۔ آخر یہ کچھ کے منہ سے کھٹ جا رہی ہو۔ جو تقری برتن میں ٹپک رہا تھا اس وقت ایک قسم کی بدبو تمام کمرے میں پھیل گئی۔ چند منٹ تک اسی طرح اُسکے منہ سے کھٹ جا رہی رہا۔ یہاں تک کہ وہ مر گیا۔ اس وقت وہ کھٹ تقری برتن سے نکال کر شیشون میں بھر دیا گیا ناظرین یہ نہ قیاس کریں کہ یہ بات غلط ہو۔ نہیں حقیقتہً اسی طور پر خاندان بوریہ کے زہر تیار ہوا کرتے تھے۔ آپکو یاد ہو گا کہ ظنین نے شہر دینس کے ایک مکان میں واسٹین کو تلاش کرتے ہوئے چند نہایت عجیب چیزیں دیکھی تھیں۔ یعنی ایک شکم دریدہ بیل کا پڑا ہونا اور آدمی کے خون بھرے نقش پا وغیرہ وغیرہ یہ سب اسی خاندان کے کار نمایان تھے جو آئندہ بیسان کیے جائینگے۔ غرض سیر نے خادمون کو رخصت کا حکم دیا اور مکلو کو ہمراہ لیکر اپنی کار روڈ پہنچا۔ کہ پورے کرنے کی غرض سے اٹھا۔ تین نفیس شراب کی بوتلیں کھولی گئیں۔ اور انہیں تھوڑا تھوڑا از ہر ملا کے آگے کی طرح بند کر دی گئیں اور آپر سیر نے اپنی تھر لگا دی۔ یہ مکلو سے کہا۔ یہ تینون شیشے لیجا کر پوپ کے بڑے خانہ۔ ن کو دو۔ اور کہو کہ کل ایک محفل طرب منعقد ہوگی یہ شیشے دوسری شراب سے الگ رکھے جائیں اور ان لوگوں میں اسکی شراب تقسیم ہو جائے گی۔ حکم دون۔ خبردار! بڑی ہوشیاری سے یہ پیام اُس تک پہنچانا چاہیے۔ مکلو شیشے لیکر چلا گیا۔ سیر نے اپنے باپ کے محل میں جا کر اُس سے تنہائی میں کچھ گفتگو کی۔ اُس ملاقات سے ایک گھنٹہ بھی نہ گزرنے پایا تھا کہ جشن کی دعوت کے رقعہ چار و زطرت تقسیم ہونے لگے۔ وہ تین شامت زدہ بادری بھی مدعو ہوئے جنکا ابھی ذکر کیا گیا۔ اور کیون نہو؟ یہ سب کارستانی تو محض انھیں کے لیے کی گئی تھی۔

## باب ۵۲

### پوپ کے محل کا جشن

وقت معین پر پوپ کے محل میں نہایت عمدہ روشنی کی گئی۔ ہر طرف سامانِ جشن مہیا تھا۔



محل کا بڑا کمرہ کچھ اس درجہ آراستہ تھا کہ دیکھنے والے کو کسی مشرقی بادشاہ کے محل کا دھوکا ہوتا تھا۔ امرا و عمائد کے لیے جدا جدا دسترخوان بچھے تھے۔ ہر مقام پر موقع سے متعدد کافوری شمعیں روشن تھیں۔ دیواروں اور ستونوں پر گلکاری کی گئی تھی۔ شام کے سات بجے دروازہ کھلا اور کل مہمان یوپ سکندر ششم کے ساتھ دعوت خانے میں داخل ہوئے۔ سب سے پہلے یوپ اور اسکی مدخولہ اس کے بعد سیزر۔ اور تیسری صف میں فوسٹ اور یوپ کی بیٹی لوکریزا تھی۔ لوکریزا سر سے پائون تک جواہرات میں غرق تھی۔ اور تمام مال اسی کے زیوروں کی چمک سے درخشان ہو رہا تھا۔ اسکا حسن و جمال۔ انداز و ادا۔ نزاکت و لطافت ہی غضب ڈھاتی تھی۔ اسپر یہ بھاری پوشاک اور پیشل زیورات سے تو اور قیامت معلوم ہوتی تھی۔ سر پر شتر مرغ کے پروں کی کھنٹی تھی جو سلطان بازید دوم نے یوپ کو ہدیہ بھیجی تھی۔ لوکریزا کبھی کبھی فوسٹ کے کچھ آہستہ کہنے پر مسکرا دیتی تھی۔ کسی نئے دیکھنے والے کے دل میں ہرگز یہ گمان نہ گذر سکتا تھا کہ اسی حور و شاد و حسین لیڈی اس درجہ بدکار ہو۔ لوکریزا کا مرد دیوک آف ہزار و ایک مغز لیڈی کے ساتھ تھا۔ اور اس کے پیچھے تمام پادہ می اور شہر کی حسین عورتیں تھیں۔ اور آخر میں امرا و مغزین مع اپنی لیڈیوں کے دعوت خانے میں آئے۔ یوپ اپنے تخت پر جو ایک مٹھی شامیانے کے نیچے بچھا تھا۔ بیٹھ گیا۔ دوسرے کل مہمان اپنی اپنی جگہ پر فریے سے متمکن ہوئے۔ یوپ سکندر ششم نے اپنا کمر صرف ملک اٹلی ہی پر نہیں بلکہ تمام عیسائی ممالک پر اس طرح بٹھا دیا تھا کہ اس زمانے میں اسکا حکم نہ ماننا داخل گمراہی و ضلالت سمجھا جاتا تھا۔ لہذا یوپ کے تمام فرمانروا اس کے تابع حکم تھے۔ اور اس کے اختلاف کی کسی میں جرأت نہ تھی۔ خیر۔ اس عالی شان مال میں تو قریباً ستر مہمان اور دو سو ملازم جمع تھے۔ گو آگے بھی یوپ کے ہاں اس سے بڑے بڑے کئی جلسے ہو چکے تھے لیکن تکلف اور شان و شوکت کے اعتبار سے یہ جشن سب میں اول تھا۔ بہت سے ناخدا ترس بدکار اس میں شریک تھے۔ جبکہ نام دنیا کی تاریخ میں قیامت تک بدی کے ساتھ مشہور رہیگا۔

وہ تین پادری یہی تھے۔ جنگی موت کا سامان پوری طرح فراہم ہو چکا تھا۔ اور جو اس جشن کے انعقاد کا اصلی سبب تھے پوپ نے اُس دن عادت سے زیادہ خوش اخلاقی اختیار کی تھی۔ اُسکی بیٹی لوکریزا کی صورت لوگوں کی نظروں میں ہمیشہ سے زیادہ دلکش و دل فریب معلوم ہوتی تھی۔ اور اُسکا بیٹا سینر معمول سے زیادہ خوش و خرم تھا۔ دسترخوان پر ایسی عمدہ اور لذیذ چیزیں جتنی گئی تھیں کہ اُس زمانے میں اُس سے زیادہ پُر تکلف اسباب کا مہیا ہونا ناممکن تھا۔ منتخب شرابیں۔ نایاب میوے۔ عمدہ اطمینہ جو اُس وقت کے یورپین بادشاہوں کے جشن میں بھی کبھی نہ دیکھے گئے ہوں مہیا تھے۔ لغرض جب سب مہمان جمع ہو گئے تو کھانے سے پہلے باتیں ہونے لگیں۔ شب کے سب سے بچ گئے۔ رفتہ رفتہ مقدس امور میں گفتگو شروع ہوئی اور جادو اور طلسم کی نسبت کچھ ذکر نکلا۔

پوپ ”میں سمجھتا ہوں کہ پروردگار عالم جن نیک بندوں پر مہربان ہوتا ہے۔ انھیں بنیادی آفات سے بچنے کے لیے کوئی طلسم یا تبرک ایسا عطا کرتا ہے۔ جسکے سبب وہ ہر آنے والی بلا سے محفوظ رہتے ہیں پس سیرا عقیدہ ہے کہ طلسم اور تبرکات میں بڑی تاثیر ہے۔“

پادری کرافا۔ (پوپ کا سکرٹری) ”جب آپ کا سپر اعتقاد ہو تو دوسرا کون انکار کر سکتا ہے اور اگر سیرا قیاس غلطی پر نہ ہو تو آپکے پاس کوئی طلسم ضرور ہے۔“

پوپ ”ہاں۔ میرے پاس ایک طلسم ہے۔ مگر اُس میں تمام آفات سے بچانے کی تاثیر نہیں صرف زہر اور تلوار سے محفوظ رکھ سکتا ہے۔“

لیڈی سانکلیا۔ (پوپ کی بھتیجی) ”اگر گستاخی نہ تو میں یہ کہنے کی جرأت کرتی ہوں کہ محکو ایسی ہیش چیز کی ایک نظر دیکھنے کی اجازت ملے۔“

پوپ ”ہست اچھا۔ میں تمھیں ابھی دکھاؤں گا۔“

یہ لکڑی میں ماتھ ڈالا تو طلسم کی تختی کا پتہ نہیں۔ چہرے پر ہوا بیان اُڑنے لگیں مگر ساتھ ہی کچھ سوچ کر اپنے سکرٹری پادری کرافا سے کہا۔ ”امو صاحب میں طلسم کی تختی اُسی

مینر پر چھوڑ آیا ہوں۔ جہاں آپ نے آج صبح کو چند ضروری کاغذات پر میرے دستخط حاصل کیے تھے!۔“ پادری کرافا سمجھ گیا۔ اور اُس تختی کے لانے کی غرض سے اُٹھا۔ چونکہ اُس کمرے میں بہت سے پوشیدہ اور کارآمد کاغذات رکھے تھے۔ ایسے پوپ نے کسی کم حیثیت ملازم کو وہاں بھیجنا مناسب نہ جانا۔ پادری کرافا اتفاقاً پادری کوپس کا نہایت دوست تھا۔ اور پادری کوپس منجملہ اُن تین پادریوں کے ایک تھا جنہیں قیصر نے زہر دینے کی تجویز کی تھی۔ چونکہ کرافا اور کوپس باہمی اتحاد کی وجہ سے قریب بیٹھے تھے ایسے سیزر شش و پنج کرتا رہا کہ اگر کوپس کو زہر ملی شراب دی جائے تو کمین غلطی سے کرافا نہ پی لے۔ لیکن جب کرافا اٹھ کر تختی لانے کو گیا تو سیزر نے یہ موقع غنیمت جانا۔ اور صدمہ قصد کر لیا کہ کرافا کے واپس آنے تک کارروائی ختم ہو جائے۔ اور اُسے اقل مرتبہ دس منٹ کا عرصہ چاہیے کہ بہت سے کمرے اور تاریک مقامات طح کرنے کے بعد اُس خاص کمرے میں پہنچے گا۔ جہاں طلسم کی لوح رکھی ہو۔

سیزرؒ اگر میرے والد بزرگوار اجازت دیں تو کونٹ آف آر ونا یعنی فوسٹ کی حرکت کی خوشی میں ہم سب ملکر ایک ایک جام شراب پئیں۔“

پوپؒ میں کمال مسرت کے ساتھ تمہیں اس امر کی اجازت دیتا ہوں۔“

سیزر نے بڑے خانسانان کو بلوا کر کان میں آہستہ سے کہدیا کہ زہر ملی ہوئی شراب اُن تین پادریوں کو دی جائے۔ اور خالص شراب دوسروں کے رومہ و رکھی جائے۔ خانسانان اپنے بدکاروں کے ذریعہ جام شراب پوپ۔ سیزر۔ فوسٹ اور اُن تین پادریوں کے آگے لیگیا۔ دیگر ملازمین اور مہمانوں کی خدمت میں مصروف تھے۔ غرض کہ دور چلنے لگا۔ ابھی پوپؒ طح پر فراغت حاصل نہ ہوئی تھی کہ پادری کرافا جو طلسم کی تختی لانے کے لیے گیا تھا واپس آیا۔ اُسکے چہرے سے دشت برس رہی تھی۔ اور کچھ اس درجہ گھبراہوا تھا کہ کوئی بات منہ سے نہیں نکل سکتی تھی۔ اس فوری تغیر سے تمام مہمان تعجب کرنے لگے۔ پوپؒ کے سب اُسی کی طرف متوجہ ہوئے۔ وہ بدحواس اپنی کرسی پر بیٹھا۔ اور گھبراہٹ سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

پوپ: ”آپ کا یہ کیا حال ہے؟ کہیں نصیبِ اعلا فرج تو علیل نہیں ہو گیا؟“  
 کرافا: ”خدا آپ کی مبارک ذات کو سلامت رکھے۔ میں کچھ بیمار نہیں ہوں۔ مگر انتہا سے زیادہ گھبرا گیا ہوں۔“

یہ کہہ کر چاروں طرف پریشانی کے ساتھ دیکھنے لگا۔

پوپ: ”بتائیے تو سہی آپ کو ہوا کیا ہے؟ کیا کسی نے آپ پر حملہ کیا؟“  
 کرافا: ”نہیں حضور۔ آپ ہرگز اس بارے میں مجھ سے اصرار نہ فرمائیے۔ میں بیان ہی نہیں کر سکتا کہ مجھے کیا گزری۔“ پوپ سجدہ ہو رہا تھا کہ وہ حقیقت حال بیان کرے۔ مگر وہ انکار ہی کیے گیا۔ آخر آسنے چسپن بچھین ہو کر حکم دیا کہ بلا صدمے کم و کاست سب ماجرا بیان کرو اسی میں تمھاری خیر ہے۔ پادری کرافا تنگ آکر کہنے لگا۔ ”حضور وہ واردات آپ ہی سے متعلق ہے!“  
 پوپ: ”(ستعجب ہو کر) مجھے تعلق رکھتی ہے؟ خیر چاہے کچھ ہو۔ جو حال کہ گذرا ہے حرف بحرف بیان کرو!“

کرافا: ”حضور! میں آپ کے حکم کے بموجب چراغ ہاتھ میں لیکر اس کمرے میں جانے کے ارادے سے بڑھا۔ اور وہاں پہونچ کر دروازہ کھولا تو ایک تیز ہوا کا جھونکا اس زور سے لگا کہ چراغ گل ہو گیا۔ مجھے حیرت اس بات کی ہو کہ وہاں اور چراغ روشن تھے۔“  
 پوپ: ”(برہمی سے) کیا؟ میرے خاص کمرے میں کسی غیر شخص کا دخل ہوا؟ یہ جرات کس کی ہوگی؟“

کرافا: ”میں بہت فریب آپ کی تشفی کر دوں گا کہ وہ کسی انسان کا کام نہیں۔“ کرافا کی اس گفتگو نے سامعین کے دلوں میں ایک حیرت کا اثر پیدا کر دیا۔ اور سب تعجب سے ایک دوسرے کی صورت دیکھنے لگے۔

کرافا: ”(تھوڑے تال کے بعد) ہاں۔ کمرے میں روشنی دیکھ کر میں نے کواڑوں کو ڈھکیلا۔ خودہ زور کے ساتھ کھل پڑے ابھی جو کھٹ پر پورا قدم بھی نیچنے پایا تھا کہ مجھ پر ایک اباخوف

طاری ہوا کہ آگے بڑھنے کی بالکل جرأت نہ ہوئی لہذا میں واپس ہوا۔ اتنا لکڑ بھر کر فاشش و بیج کرنے لگا۔ پوپ کے دل میں مفصل کیفیت سننے کی خواہش بڑھی جاتی تھی۔ آخر آٹھ دنوں کا حکم دیا کہ ”بغیر کسی اندیشہ کے پوری حقیقت بیان کرو۔“

کرافٹا نے جب میں نے چوکھٹ کے اندر قدم رکھا تو عجیب ہولناک سماں پیش نظر ہوا۔ جیسے ایک جنازے پر مردہ پڑا ہوا ہے اور اطراف میں چھ کاغذی شمعیں روشن ہیں۔ گوچہر نہایت متغیر ہو رہا تھا۔ تاہم میں نے اچھی طرح پہچان لیا۔ چھپانے کی کون بات ہے۔ وہ مردہ آپ ہی کی شکل کا تھا۔ اس وحشت خیز بیان کو سنکر تمام مہمان سہم گئے۔

پوپ نے اچھا وہ لوح طلسم کیا ہوئی؟

کرافٹا نے سنیے۔ جب یہ پریشان کن حالت نظر آئی تو میں نے پیچھے ہٹنے کا حوالہ دیا۔ اور پھر ہٹ کر آگے بڑھا۔ کمرہ بالکل تاریک اور خالی تھا۔ آخر اسی اندھیرے میں ٹٹول کر یہ تختی اٹھا لایا ہوں۔“

پوپ نے لاؤ میرے حوالے کرو۔ جب تک وہ میرے پاس ہی نہ کسی دشمن کا خوف نہ کسی زہر کی تاثیر کا اندیشہ ہو سکتا ہو۔“

یہ لکڑ تختی لینے کی غرض سے ہاتھ بڑھایا۔ سکندر ششم جو ایک اول درجہ کا بدکار اور بدسرشت تھا۔ اُس زمانے کے جاہلانہ اعتقادات پر مٹا ہوا تھا۔ اور اسی سبب سے اس طلسمی تختی کو اپنی سلامتی کا موجب سمجھتا تھا۔ جب وہ تختی لینے کے لیے آگے جھکا۔ ابھی اُس نے آسپر ہاتھ رکھا ہی تھا کہ ایک چیخ مار کے زمین پر گر پڑا۔ اور بیہوش ہو گیا۔ اُسی دم سیز کو بھی اپنے مزاج میں کچھ تغیر معلوم ہوا۔ اور دل میں انواع و اقسام کے خیالات و توہمات آنے لگے۔ وہ اسی انتشار و تردد کے عالم میں کھڑا ہوا تھا کہ پیچھے سے کسی کی آواز سنائی دی۔ ”جناب عالی! میں سمجھتا ہوں زہر آلود شراب کے دیے جانے میں غلطی واقع ہوئی۔ آپ کے والد پوپ صاحب فریب المرگ ہیں۔ اور آپ کا چہرہ زرد پڑ گیا ہے۔ اور مجھے بھی کچھ بھینسی سی معلوم ہوتی ہے۔“

یہ سنتے ہی سیزر نے پلٹ کر دیکھا تو فوسٹ کھڑا ہو۔

سیزر۔ (خفگی سے) ”میں بالکل سمجھ نہ سکا کہ آپ کیا فرما رہے ہیں!“

فوسٹ۔ ”کیون۔ آپ کی ہمیشہ صاحبہ کو گریز تو مجھے کوئی بات پوشیدہ نہیں رکھتی ہیں۔ آپ جلد اسکا کوئی توڑ کیجیے ورنہ آپ کے جان کی خیر نظر نہیں آتی۔“

سیزر۔ ”آپ اپنے اپنے لیے کون تدبیر کی ہو؟“

فوسٹ۔ ”جی میرے لیے کوئی فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔“ یہ کہہ کر فوسٹ اُن مہمانوں میں جا ملا۔ جو پوپ کو گھیرے ہوئے چار طرف کھڑے تھے۔ اس سانحہ کے بعد دعوت خانہ پوپ ماتم کدہ بن گیا۔ اور جن لوگوں نے اُن تین پادریوں کو ہلاک کرنے کی تجویز کی تھی۔ خود وہی قریب المرگ تھے۔“

## باب ۵۳

### سکندر ششم کی موت

سیزر نے باپ کے مرنے کی کوئی پروا نہ کی۔ ضیافت خانے سے نکل کر سیدھا اپنے محل میں چلا گیا۔ وہاں پہونچ کر اپنے وفادار مکٹو کو جلدی سے کچھ حکم دیا۔ اور آپ تبدیل لباس کر کے خوابگاہ میں آیا۔ اور زہر کا بدرقہ پی کر پچھونے پر لیٹا اور اُن حالات کو جو ابھی گزرے فوسٹ کے ساتھ خیال کرنے لگا۔ آدھا گھنٹہ اسی صورت سے گزرا تھا کہ ایک خفیہ دروازہ کھلا۔ اور مکٹو اندر آیا۔

سیزر۔ ”سب تیار ہو؟“

مکٹو۔ ”جی مان۔ خداوند! کل حیرین مہیا ہیں۔“ سیزر یہ سن کر اٹھا۔ اور ایک ریشمی قبا پہن کر اُسی پوشیدہ دروازے سے ہو کر بازو دالے کمرے میں گیا۔ وہاں ایک کونے میں پلنگ بچھا تھا۔ دیبچوں پر چلنیں پڑی تھیں۔ ایک قندیل محبت سے لٹک رہی تھی۔ پلنگ کے



قریب ہی چار ستون فرش سے سقف تک استادہ تھے۔ اور ان کے بالائی حد پر چرخے لگے ہوئے تھے۔ ایک کمنہ میز پر دو تین نہایت تیز چاقو رکھے تھے۔ غرض۔ سیزر کا کمرے میں پہنچنا ہی تھا کہ اُس کے خاص نوکر مکلو نے ایک دروازہ کھولا۔ اور چار ملازم ایک قوی شبہ بیل کو اندر لے آئے۔ مکلو نے بڑا سا لٹھ ہاتھ میں لیکے بیل کے سر پر اس زور سے مارا کہ وہ نیچاں ہو کر زمین پر گر پڑا۔ اسی وقت خادموں نے اس کے چاروں پائوں اُن چار ستونوں سے باندھ دیے۔ اور ایک شخص نے میز پر سے بڑا چاقو اٹھا کے بیل کے پیٹ کو تھوڑا سا چیر دیا۔ اور اُسکی آستین وغیرہ نکال کر ایک طرف میں ڈال دیں۔ اس کے بعد سیزر اپنی پوشاک اُتار کر بیل کے پیٹ میں بیٹھ گیا اور اُس کے خون سے تمام جسم دھونے لگا۔ دس منٹ کے بعد اس میں سے باہر نکلا۔ اور پلنگ پر لیٹ گیا تو بدن سے پسینا نکلنا شروع ہوا۔ خاندان بورجیا کا کوئی شخص جب کسی کی جان لینے کے لیے زہر تیار کرتا تو اُسکی تاثیر کے ہتھان کی غرض سے پہلے اپنے آپ پر آزما تا تھا۔ اور بعد ازاں اس کے اثر کے دور کرنے کے لیے دواؤں کے استعمال کے سوا بیل کے خون میں نہایا کرتا تھا۔ ناظرین کو یاد ہو گا کہ امیر طرین نے شہر میں کے ایک مکان میں یہی کیفیت دیکھی تھی۔ وہ لوکر نیرادختر پوپ کے کارنایان تھے۔ القرض سیزر کا دل اس مصروفیت کے عالم میں بھی اپنے خاص امور کے افکار سے خالی نہ تھا۔ دوسرے ملازموں نے اُس مردہ بیل کو وہاں سے اٹھایا اور وہ پاک کر کے رخصت ہوئے سیزر اپنے وفادار مکلو کو قریب بلا کر کہنے لگا۔ یہ بات غیر ممکن ہو کہ ابا جان اس حادثے کے بعد زندہ رہ سکیں۔ چونکہ وہ عمر آدمی ہیں۔ اُنکے لیے کوئی بدرقہ بھی سودمند نہ ہو گا۔ اور اُنکی طبیعت خون کے حمام کی تحمل نہ ہو سکیگی۔ اگر موجودہ حالت میں ایسی کوئی کارروائی عمل میں لائی جائے تو لوگ بدگمان ہو جائیں گے۔ جو آئندہ میرے حق میں بہت ہی بُری ہو لہذا تم دو خد متگا ر دن کو ہمراہ لیکر اس وقت ابا جان کے محل میں جاؤ۔ اگر واقعی اُنکی حالت دیکھی ہو جیسی کہ میں خیال کرتا ہوں تو تم پادری کا سہ کے پاس جو پوپ کا خزانچی ہو

جا کر نرمی و ملائمت سے در نہ کچھ دھمکا کر اُسکے پاس سے کنجیان حاصل کر لو۔ اور تمام عمدہ زیورات وغیرہ جو خزانے میں ہیں یہاں لے آؤ۔“ اُسوقت دو پہرات گئی تھی۔ مکٹو دولہا کو ساتھ لیکر اپنے آقا کی تعمیل حکم کے لیے نکلا۔ یہ تینوں شخص کئی گلیاں اور کوچے طو کرتے ہوئے پوپ کے محل کی طرف جا رہے تھے۔ تمام شہر میں ہل چل مچی ہوئی تھی۔ پوپ کے دفینے بمبار ہونے کی خبر اور اسی کے ساتھ مختلف افواہیں پھیل گئیں۔ ہر کس و ناکس کی زبان پر یہی کہہ رہا تھا۔ اور لوگ چاروں طرف دوڑتے پھرتے تھے۔ پوپ کے مخالفین ایک فوج کی حیثیت میں جمع ہو کر جو طرفہ لوٹ مار کرنے لگے۔ مکٹو اور اُسکے ساتھی منزل مقصود پر پہنچے۔ پوچیان کنڈی کے عالم میں پڑا تھا۔ تاہم حاضرین کی گفتگو سمجھنے کا ہوش باقی تھا۔ لوگ زیرِ ابھی باپ کو تنہا چھوڑ کر اپنے خفیہ مکان میں چلی گئی۔ اور وہیں اس ناگمانی انقلاب کے نتیجہ کا انتظار کرتی رہی جس کے سبب اپنے خاندان پر زلزلہ تباہی لازمی سمجھے ہوئے تھی۔ خیر۔ کل مہمانوں سے فقط چار پادری پوپ کی تیمارداری کے لیے رہ گئے۔ اور ان چار میں دو وہ بھی تھے جنہیں مارنے کی تجویز ہوئی تھی۔ وہ بیچارے اُسوقت تک بھی نہ جانتے تھے کہ غیب سے ہماری موت پوپ صاحب پر پلٹ گئی ہے۔ مکٹو پادری کا سہ کو پوپ کے پاس سے بلا کر ایک پرائیوٹ مقام پر لے گیا۔ اور وہاں اپنے ہمراہیوں کے ساتھ اُسکو اس قدر دھمکیاں دیں اور ڈرایا کہ اُسے مجبور ہو کر کنجیوں کا گچھا حوالے کر دیا۔ مکٹو نے کنجیان پاتے ہی کا سہ کو ایک حجرے میں بند کر کے قفل چڑھا دیا۔ اور تاکید کر دی کہ خبردار کچھ شور بلند کیا یا فریاد کے لیے ہاتھ پائوں ہلانے تو اُسیدم سرتن سے جدا کیا جائیگا۔“ اور آپ دونوں خدمتگار کو ساتھ لیکر خزانہ پوپ میں داخل ہوا۔ اور سونے سے بھرے ہوئے دو صندوق اور کل زیورات اٹھا کر سیزر کے محل میں پہنچا دیا۔ دوسرے دن صبح کے وقت سیزر نے اپنے وفادار مکٹو کے ماتحت میں ایک فوج دیکر پوپ کے محل پر قبضہ کر لینے کے لیے روانہ کیا۔ پوپ اپنی زندگی کی آخری ساعت میں ہتھیاروں کی آواز (جو خانہ جنگی کی علامت تھی) سن کر

بہت ہی گھبرایا۔ لیکن سیر تو ادھار کھائے بیٹھا تھا کہ ہر طرح اپنے اختیارات قائم رہنے کی کوشش کرے۔ اور باپ کے مرنے کے بعد کسی ایسے شخص کو پوپ کا عہدہ دلوائے جو اپنا تابع فرمان رہے۔ سکندر ششم برابر آٹھ دن تک اسی جان کنی کی حالت میں پڑا رہا۔ گورو برو گزرنے والی تمام کارروائیوں سے وہ باخبر تھا۔ مگر کبھی بھولے سے بھی اپنے بچوں کے دیکھنے کی خواہش ظاہر نہ کی نہ ان کا نام زبان پر لایا۔ آخر کار نہایت اذیت و تکلیف کے ساتھ اس کا دم لٹک گیا۔ سیر باپ کی خبر مرگ سنتے ہی محل میں آیا۔ اور وہیں رہنے لگا۔ دوسرے لوگ محل کا محاصرہ کیے ہوئے پڑے تھے۔ سیر جو غلطی کے وجہ سے زہر پی گیا تھا۔ باوجود متعدد قسم کے توڑ کرنے کے اس کی حالت ابتر ہو رہی تھی چہرہ زرد اور آنکھیں خون کی بوتلی کی سی سرخ تھیں۔ اور چلنا پھرنا درکنار بڑی شہزادی سے گھٹنوں کے بھلے رنگنا نصیب ہوتا تھا۔ جب پوپ نے انتقال کیا تو دستور کے مطابق پادریوں کا صد نشین انجمن سیر کی رضا مندی کے ساتھ حکمرانی مملکت پر مامور ہوا۔ پوپ کی لاش بہت پھولی ہوئی تھی۔ اور سیاہ پڑ گئی تھی۔ آخر بدبو آنا بھی شروع ہوئی۔ سیر اس بات کی بڑی خبر داری کرتا تھا کہ پوپ کی لاش پر اجنبی لوگوں کی نگاہ نہ پڑ سکے۔ اور اس کی موت کا اصل سبب کسی پر آشکار نہ ہو۔ اسی لیے تجنیز و تکفین کے متعلق بہت جلد جلد تیاریاں ہونے لگیں۔ پوپ کے مخالفوں کا سیر رد لو کرنا بلکہ تمام خاندان بوجیا کو اس قدر خوف تھا کہ ان سب کی آئندہ بہبودی تو ایک طرف جانیں ہی معرض خطر میں پڑ گئی تھیں۔

## باب ۵۴

### موت کا مہرہ

پوپ کی لاش مدفون ہونے کے ایک رات قبل سیر معمولی لباس پہنکر محل سے اس کمرے میں گیا جہاں لاش پڑی ہوئی تھی۔ وہ ایک صندوق میں بند تھی۔ اور صندوق جہاں پر رکھا گیا تھا چاروں طرف کو فون پر مہما سے کا فوری روشن تھیں۔ گو آئینوں کے داغ منظر

نہونے کے لیے خوشبو کی کئی چیزیں جل رہی تھیں۔ لیکن عفونت کسی طرح کم نہوتی تھی۔ یہیں کہا جاسکتا کہ شب کی اُس ساعت میں تنہا وہاں جانے سے سیزر کا کیا مطلب تھا۔ شاید باس کی محبت غالب آگئی اور دل نے چاہا کہ دفن ہونے کے آگے اپنے باپ کی صورت اخیر مرتبہ ایک نظر دیکھ لے۔ یا خدا جانے زہر دیے جانے کی غلطی کا تا سفت تھا۔ بہر حال سیزر دوپہر شب وقت مردے کے قریب گیا۔ اور منہ سے چادر ہٹا کر اُس متغیر اور متعفن چہرے کو حسرت و افسوس سے دیکھنے لگا۔ وہی چہرہ جو باوجود ضعیفی کے توانا اور رعب دار تھا۔

سیزر۔ (غناک لہجے میں) ”اے اُس شخص سے جو کل یورپ کے عیسائی ممالک کا شیخ رہا اب یہی باقی رہ گیا۔ (مردے کی صورت دیکھتا ہوا) تمہاری موت سے کچھ اٹلی ہی میں نہیں بلکہ تمام یورپ میں ایک عظیم انقلاب ہو جائیگا۔ آپ کے اختیارات کے خوف سے جو لوگ آپ کی زندگی میں سب باتوں سے درگزر کیے بیٹھے تھے۔ اب میدان خالی پا کر جو نہ کریں تھوڑا سا آہ اودہ آپ کے سب اختیارات نابود ہو گئے۔ وہ چہرہ جسکا چین چین ہونا ایک قوم کو بھڑانے کے لیے کافی تھا۔ وہ مانتے جس سے سلاطین یورپ کو حکمنانے لکھے جاتے تھے قریب ہو کہ مٹی کے کیڑوں کا نوالہ ہوں۔ اور معلوم نہیں جسم کی خاک کس کس کے پامال افسوس!“

ایک آواز۔ (نہایت ہی نرمی و آہستگی سے) ”خدا اس خاک پر رحم کرے۔“ اس آواز سننے ہی سیزر پر بے انتہا خوف طاری ہو گیا۔ گھبرا کر ادھر ادھر دیکھنے لگا تو جنازے۔ دوسری جانب لوکریزا دوزانو بیٹھی نظر آئی۔

سیزر۔ (کمال تعجب سے) ”یا الہی! کیا تم خدا کی عبادت کر رہی ہو؟“

لوکریزا۔ ”ہاں۔ زمانہ دراز کے بعد آج ہی ایسا اتفاق ہوا۔ مگر کیا تم سمجھتے ہو کہ ہماری کے سبب آبا جاکلی بخشش ہو سکتی ہو؟“

سیزر۔ ”معلوم ہوتا ہو کہ تم راہبہ ہونا چاہتی ہو۔ آج ہکوا اپنی عزت بنھانے کے۔“

جرات و ہمت ضرور ہے۔ ایسے وقت میں پست ہمتی سے یہاں بیٹھنا بھی واسع عجیب بات ہے۔“  
 لو کہ نراناہ میں خوب جانتی ہوں کہ اب ہماری عزت و ثروت معرض خوف میں ہے۔ لیکن مجھے  
 معاف رکھو۔ اس لاشے کے دیکھنے سے میرے دلی عجب حالت ہو گئی ہے۔ جبکی وجہ سے میں تمام  
 ہمت ہارے بیٹھی ہوں۔ دل میں اتنا بڑا تغیر کبھی نہ پیدا ہوا تھا۔ میں اپنے پوشیدہ مکان سے  
 اس نیت سے یہاں آئی کہ چلکر آخری دیدار کر لوں! مجھے حاشا یہ امید نہ تھی کہ تم بھی یہاں ملو گے۔  
 مگر جب یہاں آکر اس لاش کی ہیکسی کو غور سے دیکھا تو دنیا آنکھوں میں تیرہ دنار ہو گئی۔ شہہ داروں  
 سے یا غیروں سے کوئی متنفس موجود نہیں حالانکہ یہ اسی کی لاش ہے۔ جسکا دبہہ اور بھبھکل پورپ  
 پر چھایا ہوا تھا۔ غرض جب میں نے یہ حال دیکھا تو دل میں ایسے خیالات پیدا ہوئے جسکا بیان کرنا  
 ممکن نہیں۔ یکایک میری تمام بدیاں میرے روبرو ہو گئیں اور ان لوگوں کی صورت نظروں میں  
 پھرنے لگی۔ جو میرے ماتھے سے پلاک ہوئے۔ میں خوف سے کانپ گئی اور ادھر ادھر دیکھنے لگی۔  
 اے! اسوقت میرے دل کی جو حالت ہوئی بیان نہیں کر سکتی۔ یہاں سے بھاگ نکلنے کا قصد  
 کیا۔ مگر طاقت نے یاری نہ دی۔ اور پاتوں نہ اٹھ سکے تو میں دوزانو بیٹھ کر خدا کی درگاہ میں استعا  
 کرنے لگی۔ آخر یہی امر میرے لیے باعث تسکین ثابت ہوا۔ اور سمجھی کہ خداوند عالم مجھے ضرور رحم  
 کریگا۔ اور میرے تمام گناہ بخش دے گا۔“

سینئر ان باتوں کو بالائے طاق رکھو۔ اب ہمیں صرف اپنے ذاتی امور کی فکر اور تدبیر کرنا  
 ضرور ہے۔ ہم آجک شیروں کی طرح زندگی بسر کرتے رہے ہیں۔ اب اگر بھیڑوں کی فہلت ختم  
 کر لیں تو غالباً ہمارے دشمن ہمیں کھا جائیں گے۔ اچھا اب تم یہاں سے چلو۔ مرحوم کی تجہیز و تکفین  
 سے فراغت ہونے کے بعد میں کل تم سے تمہارے خفیہ مکان میں ملاقات کروں گا۔ اور اسی وقت  
 میں اپنی آئندہ زندگی سے تعلق رکھنے والی چند تجاویز کہ سناؤں گا۔ سر دست مکش کو تمہارے  
 ساتھ بھیجتا ہوں۔“ لو کہ نراناہ نے اپنے بھائی کے کہنے پر دھان سے نکلی۔ کیا اس عورت کے دل میں  
 ذرا بھی خوف خدا کا اثر نہ تھا؟ نہیں نہیں۔ باوجود ان بدیوں اور سیہ کاریوں کے دل میں



ایک خفیف سی روشنی باقی تھی۔ جبکہ ذریعہ اُسے اپنی بدکرداریوں کی ایک تصویر دیکھ لی۔ اگر اُسکا شیطان صفت بھائی اسوقت وہاں نہ آتا تو وہ اثر اپنے تمام گناہوں سے تائب ہونے پر آمادہ کر دیتا۔ اور غالباً وہ بخششی بھی جاتی۔ لیکن خدا کا ارادہ ایسا نہ تھا۔

## باب ”۵۵“

### اہل روم کا غضب

دوسرے دن صبح کو پوپ کا جنازہ محل سے نکلا۔ اُس زمانے کے طریق کے بموجب تابوت بند نہ تھا۔ صرف ایک چادر اور اُسپر سے سیاہ مغل پڑی ہوئی تھی۔ چادر میں عطر اور دیگر خوشبوئیں نہایت کثرت سے تھیں۔ ٹھیک سات بجے کا وقت تھا۔ جنازہ سینٹ پیٹرک کے گرجا کی طرف بھجوا رہے تھے۔ پوپ کے بیٹے سیزر نے اپنی فوج اُن کو چون مین دورویہ استادہ کی جسمیں سے ہو کر جنازہ گزرنیوالا تھا۔ اوس کل فوج کا سردار سیزر کا وفادار ملازم مکلو تھا۔ ان فوجی قطاروں کے پیچھے ساکنان شہر کا انبوه جمع تھا۔ اور ہر شخص جنازے کے دیکھنے کا مشتاق ہو رہا تھا۔ حالانکہ پوپ کی زندگی میں سب اُس سے دلی عداوت رکھتے تھے۔ ہر عمارت کے بیشمار دیوچون سے کوئی ایسا نہ تھا جس سے دو چار مرد اور عورتیں یا بوڑھے یا بچے نہ جھانکتے ہوں۔ شہر کے تمام بازار بند تھے۔ اور کل گرجاؤں میں گھنٹے بج رہے تھے اور اُمراء و عمائد کی مجلسراون کے پھاٹک پر یا کیراڈالا گیا تھا۔ یہ سب کارروائی کچھ سکندر ششم ہی کے لیے نہیں۔ بلکہ ہر پوپ کے مرنے پر ساکنان شہر کو ان رسوم کی پابندی ضرور تھی۔ ورنہ سکندر ششم کوئی ایسا شخص نہ تھا جسکے مرنے کا کیونہ غم ہو۔ الغرض جنازہ بڑے تکلف سے روان تھا۔ سب کے آگے کم درجے کے پادری صفت تھیں۔ انھوں میں کاغذی شمعیں لیے ہوئے تھے۔ انکے بعد طالب علموں کی صفیں تھیں۔ انکے بعد بزرگ کے سپاہیوں کی چند صفیں۔ اور انکے پیچھے جنازہ چھاؤمیوں کے کاندھوں پر تھا۔ جنازے کے پیچھے عالی رتبہ پادریوں کی صفیں تھیں۔ اور آخر میں سیزر اپنی باقی ماندہ فوج لیے ہوئے



قاعدے سے چار ہاتھا۔ جنازہ ابھی محل سے سو گز بھی نہ گیا تھا کہ آسمان پر بادل جمع ہونا شروع ہوا۔ اور بجلیاں چمکنے لگیں۔ بادل کے گرجنے کی صدا نے خلایق کی آواز کو بالکل ہی گم کر دیا۔ گویا مشرقی فسانہ گو یون کے قول کے بموجب وہ لاکھوں آدمی پتھر کے ہو گئے تھے۔ ابر کی ہولناک آواز سے تمام اہل شہر کے کلیجے دہل گئے۔ تھوڑی دیر کے لیے جنازہ ٹھہر گیا۔ سیر پریشانی کے ساتھ چار و نظرف دیکھنے لگا۔ اور مکھٹو بھی سخت گھبرا گیا۔ پادریوں نے انجیل کی آیتیں پڑھ کر اپنے سینوں پر دم کرنا شروع کیں۔ اس وحشت فر اوار دات سے لوگ ابھی کچھ سنبھلنے بھی نہ پائے تھے کہ ایک بجلی اس زور شور سے کڑکی کہ رہے تھے حواس اور غائب ہو گئے۔ یہ بجلی رپارٹا کے گرجا کے مینار پر گری۔ لوگ اس واقعہ کو شگون بد تصور کرنے لگے۔ ایسے کہ سکندر ششم سے پہلے جو پوپ تھا۔ اسکے دفن کے روز بھی اسی گرجا کے مینار پر بجلی گری تھی۔ جس کے بعد شہر روم پر کئی بلائیں نازل ہوئیں۔ جاہل اور بد عقیدہ لوگ سمجھ گئے کہ سکندر ششم کے بعد بھی کوئی تازہ آفت نازل ہونے والی ہو۔ خیر۔ طوفان کا زور آنا فانا تر تہی کر رہا تھا۔ اور ساتھ ہی لوگوں کا خوف بھی زیادہ ہوتا گیا۔ اس بیشمار خلقت میں ایک شور اور ہل چل پیدا ہوا۔ آخر کئی آدمی غصہ میں آکر اپنی تلواریں ٹٹولنے لگے۔ تاکہ خاندان بوریجا سے عوض لیں۔ کیونکہ وہ سمجھے ہوئے تھے کہ انھیں کی بد کاریوں کی وجہ سے یہ بد شگونیاں ظاہر ہو رہی ہیں۔ سیر رائے کے ارادے سے واقع ہو گیا اور سمجھا کہ اب مشکل بڑی لگی۔ لہذا سڑک پر دو طرفہ صف بستہ فوج سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔ ”خبردار! تم اپنی جانیں عزیز رکھتے ہو تو بڑی ہوشیاری سے لوگوں کو روک کر ہو۔“ مکھٹو بھی سرگرمی کے ساتھ سپاہیوں کی صفیں برابر کرنے اور انھیں بہت وجہات دلاتے ہیں مشغول تھا۔ مگر تھوڑی ساہ ایک جم غفیر کے روکنے پر کیونکہ کامیاب ہو سکتی تھی خصوصاً ان لوگوں کو جو جان سے ہاتھ دھو کر لڑنے پر آمادہ ہو گئے ہوں۔ خاندان بوریجا کی تمام بد کرداریاں اس وقت لوگوں کو اس طرح یاد آ گئیں کہ گویا ابھی ان معاملات کا وقوع ہوا ہو۔ اٹکا وہ دھوکے میں نہ ہوینا۔ وہ پوشیدہ خونریزیان۔ وہ سنگدلی اور بے ایمانی۔ غرض سب باتیں پیش نظر

ہو گئیں۔ اور پوپ کی لاش اور سیر سے انتقام لینے پر آمادہ کر دیا۔ آخر یہاں تک نوبت پہنچی کہ ہزاروں اشخاص چلا کر کہنے لگے کہ ”آج خاندان بوجیا کا قتل عام ہو۔“ مکٹو اور سیر نے بہت کچھ اہتمام کیا۔ مگر انکی سب کوششیں بیکار ثابت ہوئیں۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے صد ہاتھوں کا بلند ہو گئیں۔ سب کے سب صفوں کو چیر کر سیر و مکٹو پر جھک پڑے۔ کیونکہ انھیں دونوں کا قتل کرنا سب کا اصلی مقصد تھا۔ لیکن وہ بھی نہایت دلیری کے ساتھ انکے حملوں کو بچاتے رہے۔ فوج اور صفوں کا جو انتظام تھا اٹھ گیا۔ تمام پادری دوڑ دوڑ کر کلیسا سینٹ پیٹر میں جا چھے اور وہ لوگ جو کاندھوں پر جنازہ اٹھائے ہوئے جا رہے تھے گر جل کے پھاٹک میں چھپنے کی غرض سے دوڑنے لگے۔ وہ کچھ اس درجہ بوکھلائے ہوئے تھے کہ پھاٹک کے زمینوں پر پہنچتے پہنچتے جنازہ انکے کاندھوں سے گر پڑا۔ اور پوپ کی لاش جو نہایت بوسیدہ اور متعفن ہو رہی تھی جانب سے نکل کر زمین پر گر پڑی۔ جب قریب کے لوگوں نے اس ڈراونی شکل میں لاش کو دیکھا تو بے اختیار چیخیں مارنے لگے۔ اور شہر بھر میں یہ مصیبت متقی کہ بجز شور و بجا کی صدا کے اور کوئی آواز نہ سنی جاتی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد شور و غل موقوف ہوا۔ اور سیر و مکٹو پر جو حملے کیے جاتے تھے اس سے بھی سبھوں نے ہاتھ روک لیا۔ مگر دش ہی منٹ کے بعد عوام پوپ کی لاش پر ٹوٹ پڑے۔ بچوں اور خیمفون کی پامالی عورتوں کی گریہ وزاری۔ انھیں حملہ کرنے سے روک نہ سکی۔ طوفان کا زور اب تک برابر اپنا زنگ دکھا رہا تھا۔ پوپ کی لاش زمین پر گرنے سے جو تھلک برپا ہوا تھا۔ اس میں سیر اور مکٹو کو امن حاصل کرنے کی مہلت ملی۔ تاہم نہ وہ خود بھاگ سکے۔ نہ انکے سپاہیوں کا ایک جگہ فراہم ہونا ممکن ہوا۔ سیر کی بہن لوکریزا فوسٹ کے ہمراہ ایک بلند مکان میں حبسی ہوئی بیٹھ کر دوسے کل تماشہ دیکھ رہی تھی۔ جب سیر پر چو طرف سے حملے ہونے لگے تو اسنے فوسٹ کا ہاتھ پکڑ کر نہایت گریہ وزاری اور بجا جت سے کہا کہ ”مائے وہ اسکو زندہ نہ چھوڑو۔“ کبوت میرے بھائی کے خونکے پیاسے بہن۔ لوکریزا باوجود سنگدل اور بدکار ہونے کے اچھے بھائی سے کمال درجے کی محبت رکھتی تھی۔

فوسٹ :- دیکھو۔ سیزر نہایت دلیری سے لڑ رہا ہے۔ اور اُسکے سپاہی چاروں طرف حلقہ کیے ہوئے ہیں۔“

لوکریزا :- (اُس ہنگامے کی طرف دیکھتی ہوئی) ”مگر لوگ اُسکی سپاہ کو شکست دے رہے ہیں۔ آہ فوسٹ! کیا میں سیزر کو اس طرح اپنی آنکھوں کے رو بہ قتل ہوتا ہوا دیکھوں؟“

فوسٹ :- ”تم ڈرو نہیں۔ میں اُسے ضرور بچاؤں گا۔“ یہ کہہ کر لوکریزا کے پاس سے اُٹھ گیا۔ وہ وہیں بیٹھی ہوئی دیکھ رہی تھی۔ اور گو فوسٹ کے باطنی اختیارات سے وہ ناواقف تھی۔ مگر اتنا البتہ معلوم تھا کہ فوسٹ کو کوئی ایسی قدرت ضرور حاصل ہے جو خلاف قیاس ہے۔ وہ اس سے بھی آگاہ تھی کہ فوسٹ ابتداءً غریب تھا۔ اور اس غربت کی حالت سے دفعۃً سلطنت مینی مین اوج پر آیا۔ ایک دفعہ اُسکے اختیارات کے آزمائش کا بھی موقع ملا تھا۔ جب اُس نے وعدے کے بموجب فیروز داسٹین کو قید سے چھڑا دیا۔ علاوہ برین خاندان بورجیا کے مخفی حالات پر دن پورے پورے بیان کیے۔ اور زہر آلود شراب غلطی سے پی جانا۔ اور اُسکا کچھ محسوس نہ ہونا بھی لوکریزا کے لیے کچھ کم تعجب کی بات نہ تھی۔ انھیں باتوں کے تصور نے اُسکے دل میں فوسٹ کی جانب سے ایک ادب اور خوف پیدا کر دیا تھا۔ اور اسی سبب سے جب فوسٹ نے سیزر کے بچانے کا اقرار کیا تو اسکو یقین ہو گیا کہ وہ ضرور اپنی کوشش میں کامیاب ہوگا۔

جس دم فوسٹ سیزر کی مدد کے لیے لوکریزا سے جدا ہوا۔ اُسی وقت پوپ کا لاشہ جنازے سے نکال کر نیچے گرا۔ یہ حال دیکھ کر لوکریزا نہایت غضبناک ہو گئی۔ اپنے باپ جو زندگی میں ایسی حکومت اور رعب و جلال رکھتا تھا کہ لاش کی یہ خرابی و ذلت دیکھ کر بالکل ہی بیچ و تاب کھانے لگی۔ فوسٹ سیزر کے رخ سیدھا جا رہا تھا۔ اور دیکھنے والے کو صاف معلوم ہوتا تھا کہ اُسکو کوئی چیز اُسکے بڑھنے سے مانع نہیں ہے۔ سیزر اُس دم بُری طرح دشمنوں میں پھنس گیا تھا۔ اسپر ہر طرف سے حملے ہو رہے تھے۔ لیکن وہ بھی ہمت نہ مار کر دارون کو برابر خالی دے رہا تھا۔ اور اُسکا وفادار خادم مکٹو بھی اُس وقت اپنے آقا کے بچاؤ میں پوری کوشش کر رہا تھا۔ مگر کچھ کام

آئی۔ اور اُسی کی تلوار کھینچ لی گئی۔ اور سیزر گھوڑے سے نیچے گرا دیا گیا۔ آن واحد میں دونوں کا کام تمام ہونے والا تھا کہ کسی شخص نے ہاتھ میں نئی تلوار لیکر سیزر پر حملہ کرنے والوں کو اس جرات سے ہٹایا کہ سب کے سب منتشر ہو کر بھاگے۔ اور سیزر و مکلو کو اپنے حواس بجا کر لینے کا قابو ملا۔ فوسٹ نے تلوار گھا کر اس قدر رستہ نکال لیا کہ آپا وہ یہ دونوں شخص آسانی سے نکلیں سیزر کی فوج کے پس ماندہ سپاہی جمع ہو کر لوگوں کے هجوم کو براگندہ کرنے لگے۔ لوگ یہ حال دیکھ کر نہایت پریشان و بدحواس ہو گئے۔ اور ہر طرف بھاگنے لگے تمام شہر میں پھرار سرزد شور و غل شروع ہوا۔ سب لوگ جیسے جمع ہوئے تھے ویسے ہی منتشر بھی ہو گئے۔ ہر گلی کو بچے میں بھاگ پڑی تھی۔ یہاں تک کہ کلیسے سینٹ پیٹر کے اطراف کا بہت بڑا حصہ تھوڑی دیر میں سنان مید کی شکل بن گیا۔

## باب ”۵۶“

### جین کا لکچر

سکندر ششم کی لاش بے گور و کفن کلیسے سینٹ پیٹر کے چھانک پر پڑی ہوئی تھی غوسٹ کے آنے سے لوگ براگندہ ہو کر دوڑنے لگے تھے اس وقت یہ شہرت اڑی کہ ایک فوج عظیم سیزر کی کمک پر آگئی ہو۔ اسی لیے پادری اور طالب علم وغیرہ جو پوپ کے جنازے کے ہمراہ تھے اپنی اپنی جان بچانے کے لیے فرار ہو گئے۔ اور اپنے آقا کے مردے کو اس بے ترتیبی سے چھوڑ جانے کا بھی خیال نہ کیا۔ جہاں لاش پڑی تھی وہاں کی ہوا عفونت کے سبب سے غلیظ ہو گئی تھی۔ اس حالت میں سیزر لوکریزا۔ و دیگر اراکین خاندان بوریسیا کو اپنی جانوں کی پڑی ہوئی تھی کسی میں اتنے حماس کمان تھے کہ مردے کے دفن کا کچھ بند و بست کریں۔ لوکریزا ایک پادری کا بھیس کر کے اپنے پوشیدہ مکان میں چلی گئی۔ اور سیزر اپنے سپاہیوں کی محافظت میں پوپ کے محل میں پہنچ گیا۔ جب ہنگامہ فرو ہوا۔ اور چوہرہ خاموشی طاری ہوئی تو پوپ کے چند معتقد جمع ہوئے اور باہم تجویز کی کہ لاش کو جہانے میں ڈال کر جا کے اندر لیجائیں۔ مگر فریب پوپ نکمہ مردے کی صورت

دیکھی تو اس درجہ وحشت ناک تھی کہ وہ ڈر کر واپس آئے۔ غروب آفتاب کے وقت فوسٹ کو اس طرف جانے کا اتفاق ہوا۔ جب یہ پوپ کی لاش کے قریب پہنچا تو یہ الفاظ بے ساختہ اس کی زبان سے نکل گئے: ”افسوس! اس شخص کی یہ حالت ہوئی جس سے تمام پوپ کا بننا تھا۔“ ایک آواز: ”تم اس لاش کی نسبت کیا خیال کرتے ہو؟“ فوسٹ گھبرا کے مڑا اور دیکھا تو وہ جن کی آواز تھی۔

فوسٹ: ”کیا تو بیان ہو؟“

جن: ”پھر ہوں کہاں؟ عاشق اپنے معشوق کا پہلو چھوڑ کر کہاں جائیگا؟ یہ دیکھو (بازن سے بتلا کر) یہاں اس شخص کی لاش پڑی ہو۔ جو اگر چاہتا تو لاکھوں آدمیوں کو خوش و خرم رکھ سکتا تھا۔ اس کا صرف ایک اشارہ بڑے بڑے جلیل القدر بادشاہوں کے لیے حکم تھا۔ مگر افسوس! انسان بڑا ہی جھوٹا ہے۔ مثلاً اس پوپ کی سوانح عمری ہی پر غور کرو۔ یہ عیسائی ممالک سے ایک عظیم الشان سلطنت پر قابض ہوا۔ اس کے آگے دور سے تھے جو ایک ہی مقام سے دو طرف جاتے تھے۔ اور ایک ہی جگہ پر دونوں آخر بھی ہوئے تھے۔ ایک تو راہ راست یعنی نیکی کا راستہ تھا۔ اور دوسرا بدی کا۔ یہ دونوں راہیں ایک ہی مقام پر پہنچا سکتی ہیں۔ چکو دولت عزت اور ناموری کہتے ہیں۔ اس شخص نے بیہودگی سے بدی کی راہ اختیار کی۔ اور آخر دم تک اسی پر قائم رہا۔ یقین جانو کہ راہ بد میں جس قدر تصدیقات و تکالیف ہیں۔ راہ نیکی میں بھی اسی قدر ہیں۔ کچھ زیادہ نہیں۔ تاہم اکثر گمراہ لوگ جو بدی کی راہ اختیار کرتے ہیں۔ اس کا سبب کیا ہو؟ غالباً اس کے خیال میں دولت و ثروت بدی کے ساتھ بڑی آسانی سے حاصل ہو سکتی ہو۔ لیکن یہ بہت بڑی غلطی اور غلط فہمی ہے۔ میں اس لیے تم سے یہ حقیقت بیان کرتا ہوں کہ تم تو اب میرے پھندے سے چھوٹ نہیں سکتے۔ لہذا ان باتوں کے معلوم کرنے سے تمہیں جو کہ رنج ہو گا وہی میری خوشی کا موجب ہو۔“

فوسٹ۔ (جھنجھلا کر) ”افسوس! ذرا سی مہل اور بے سود طمع پر میں نے اسے چھوڑ دیا جبکہ



مبارک نام نہ تو لے سکتا ہے اور نہ میں۔ شاید اس رنج کے تازہ کرنے اور میرے دل دکھانے میں تجھے مسرت حاصل ہوتی ہے!۔“

جن بے شک۔ مگر میری کامل بات تو سن اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ میں انھیں اغوا کر کے بدرہا کروں یا ہوں لیکن یہ سراسر بے اصل ہے۔ مجھے دغا و فریب سے کام لینے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔ انسان خود اپنے نفسانی خواہشات سے میرا مطیع ہو جاتا ہے۔ اگر میں انھیں حقیقت حال سے مطلع کر دوں تو میرے بہت سے مرتبے ہاتھ سے جاتے رہینگے۔ تم اس بارے میں مطلق شبہ نہ کرو کہ بدی اور دغا سے جو دولت و عزت حاصل ہو سکتی ہے۔ اتنی ہی آسانی کے ساتھ نیکی میں ملنا بھی ممکن ہے۔ سوا کے نیکی میں جو عہد گیان اور خوبیاں ہیں وہ بدی میں ہرگز نصیب نہیں ہو سکتیں۔ پھر بھی لوگ بُری راہ پر ہی لٹو ہیں۔ کسی چور سے پوچھو کہ محنت سے پیدا کیے ہوئے مال سے زیادہ لطف حاصل ہوتا ہے یا اس مال سے جو دغا و فریب سے حاصل کیا گیا ہو یا کسی بادشاہ سے استفسار کرو کہ ظلم و جور کی حکمرانی میں زیادہ فراہی یا عدل و انصاف کے ساتھ حکومت کرنے میں؟ یا اس شخص سے دریافت کرو جسے قیسموں اور بیودن کے مال سے متول حاصل کیا ہو کہ آیا اس تو نگری میں زیادہ لطف ہو یا اس مفلس میں جو مفلس محنت مزدوری سے اپنی زندگی بسر کرتا تھا تم انسانوں میں فیلسوف بھی ہیں جن کا قول ہے کہ دنیا میں نہ بدی کی سزا ملتی ہے۔ نہ نیکی کی جزا۔ اور وہ سمجھتے ہیں کہ اگر مجرم ملکی قوانین کی آگ سے بچ جائے تو اسکو کوئی دوسری سزا نہیں ملتی۔ اُنکا یہ عقیدہ اس خیال کی وجہ سے ہے کہ جس قدر جلد بدکاری اور دغا سے دنیا کا مال حاصل ہوتا ہے اُس قدر جلد نیکی اور راستی سے صل نہیں ہو سکتا۔ اور اسی لیے نیکی کا ثمرہ بہت کم ملتا ہے۔ یہ اعتقاد محض بے اصل ہے۔ کیا قانون ملکی کے سوا بدی کی اور کوئی سزا ہی نہیں؟ اور کیا نیکی میں بجز دنیاوی جاہ و چشم کے اور کوئی بہتری نہیں؟ کیا دل کی پشیمانی جسمانی سزائیں داخل نہیں؟ اور کیا دل کی مسرت و شادمانی دنیاوی جزائیں تسلیم کی جاسکتی؟ میں اگر سب باتیں تفصیل کے ساتھ بیان کروں تو شاید کئی دن تک میری تقریر ختم نہ ہو۔“



فوسٹ: ”مین بڑا ہی بد نصیب ہوں۔ زندگی بھر ہی تاسف رہیگا۔ مین نے جو اقرار نامہ تجھے لکھ دیا۔ وہ بہت بڑی حماقت کا کام تھا۔ حالانکہ کل روے زمین کی دولت میرے قبضہ قدرت میں ہے۔ مگر دلو کو کسی پہلو چین و راحت نہیں۔ بعض وقت خیال آتا ہے کہ تجھ سے سرگراں کر جان دیدوں۔ لیکن اس حرکت سے اور بھی جلد اپنے آپکو تیرے قبضے میں کر دینے کا خیال مجھے روکتا ہے۔ گو مین ہنستا بھی ہوں۔ مگر دل کسی وقت خوش نہیں ہوتا۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی شخص میرے جسم کے اندر سے میری بدیون کو یاد دلا رہا ہے۔ اور کہتا ہے کہ ”تو نے اپنی زندگی شیطان کے سپرد کر دی ہے۔“

جن: ”آہ! مین اگر اپنی دلخراش حالتوں سے تجھے آگاہ کروں تو یقین ہے کہ تو ڈر جائے گا میرے ساتھ کیے ہوئے قول کی یاد تیرے دل کو جو ہمیشہ منفعل اور پریشان رکھتی ہے۔ اُسکی نسبت مین کہتا ہوں کہ تو ہرگز گزشتہ باتوں کے خیال کو دل میں جگہ نہ دے۔“

فوسٹ: ”تیرے اس کلام نے ایڈا کی ایک تجویز کو یاد دلادیا کوئی ایسی تدبیر کرنا تیرے ارکان میں ہے کہ مین تیرے دام سے آزاد رہنے تک اس عہد و پیمان کو بھول جاؤں۔ جو مین نے تیرے ساتھ کیا ہے؟“

جن: ”جزائر بحر اوسط میں ایک جزیرہ ہے۔ وہاں کے پہاڑوں میں ایک صیب خار کے اندر نہایت شفاف پانی کا ایک چشمہ ہے۔ اُس خار میں اس درجہ کی روشنی ہے کہ ہزاروں چراغوں کی روشنی بھی اُسکے روبرو کچھ وقعت نہیں رکھتی۔ اور پانی میں یہ تاثیر ہے کہ کوئی شخص ایک تڑپ تھوڑا سا پی لے تو دل میں پریشان کن خیالات ہرگز بار نہیں پاسکتے۔ وہ سب کچھ بھول جاتا ہے۔“

فوسٹ: ”(خوش ہو کر) ”ضرور اُس سے تھوڑا سا پانی مجھے پلا دے۔ تاکہ مین اس درد اور غدا ب سے چند روز کے لیے نجات پاؤں۔“

جن: ”اچھا۔ کل صبح مین طلوع آفتاب کے قریب مین تمہیں وہاں لے جاؤں گا۔“ یہ کہہ کر

شیطان لگا ہوں سے غائب ہو گیا۔ فوسٹ نہایت خوش ہو رہا تھا کہ گزشتہ اور موجودہ حالات کے فراموش کر دینے کا اچھا ذریعہ ہاتھ لگا۔ وہ تو بھڑبی جانتا تھا کہ کسی نہ کسی دن میرا برا انجام ہونے والا ہو۔ مگر ابھی چند روز جو باقی ہیں اُس میں گزشتہ اور آئندہ کی روداد کے خیال سے عیش و آرام غمخ نہ ہو۔ اور ہنسی خوشی زندگی بسر ہو جائے غرض اسی شوق میں فوسٹ دھانکے آگے بڑھ گیا۔ جہان پر پک کی لاش پڑی ہوئی تھی۔ اُسکو گئے ہوئے کوئی آدھا گھنٹہ گزرا تھا کہ ایک گورکن اور چند مزدور سکنہ ریششم کی لاش کو جنازے میں رکھ کر اُس مقام کو لے چلے۔ جہان کی قبر کھدی ہوئی تھی۔

## باب ۵

### ختمہ عفت

اب ہمارا سین جزائر بحر اوسط کو بدلتا ہے۔ انٹی پیراس نامے ایک جزیرہ یونان اور انٹولیا کے درمیان واقع ہے۔ فوسٹ اور جن اُسکے خوشنما سرسبز میدانوں کو طوطے ہوئے چلے جا رہے ہیں۔ طیور جموتے ہوئے ہری ہری ڈالیوں پر چھپا رہے ہیں۔ کیڑے ہوا میں بھبھکتے ہیں۔ مچھلیاں خوشی سے پانی میں اُچھل رہی ہیں۔ سبززاروں میں بیشمار گائے بھیر جرتے پھرتے ہیں۔ دھبے کچھ اسدڑ سہانی اور فرحت افزا تھی کہ بیماروں کی صورتوں سے بھی اُسکا اثر محسوس ہوتا تھا۔ فوسٹ اور جن چلتے چلتے ایک چھوٹی سی پہاڑی کے دامن میں پہنچے۔ جہان ایک بت بڑی کمان جو ناہموار پتھروں سے بنی تھی جنگلی بیلوں اور پتوں سے ڈھکی ہوئی تھی۔

اسے مصنف امید کرتا ہے کہ ناظرین اس قصے کے اصل مطلب کو سمجھے ہوں گے۔ یہ صرف ایک داستان ہی نہیں۔ بلکہ اسکے ہر حصے سے ایک اخلاقی نتیجہ نکلتا ہے۔ اب یہاں سے واضح طور پر ناظرین کو معلوم ہو گا کہ فوسٹ کی بدکرداری اور آٹو کے نیک چال چلن میں کس قدر تفاوت تھا۔ اور آخر اسکا نتیجہ کیا ہوا۔ ۱۱

جن۔ (تھوڑی دیر وہاں ٹھہر کر) یہی دروازہ اس مشہور غار کا ہے۔ اور اسی کے اندر پھر ہزاروں برس سے صنایع کر رہا ہے۔ جو جو کار نمایاں تو نے اندر دیکھے ہیں وہ صرف پانی اور پستے جھننے کی وجہ سے ہوئے ہیں۔ مگر تجھے تو ان عجائبات کے نظارے سے کچھ سر دکا رہیں۔ فقط پانی پینا مقصود ہے۔ میرے ساتھ ساتھ چل۔ شیطان غار کے منہ میں داخل ہوا اور فوسٹ بھی کمال دلیری سے اس کے پیچھے ہوا۔ رستہ بہت ہی تنگ و دراز تھا۔ لیکن اوپر والے چند روزوں سے دن کی روشنی کچھ کچھ دکھائی دیتی تھی جب تقریباً تیس گز راہ طو ہوئی تو بالکل ہی تاریکی چھا گئی۔ اس وقت جن کے اشارے سے ایک روشنی پیدا ہوئی جس کے سبب سے غار کی ناہموار چھت اور دیواروں میں ہیر و نکلی سی چمک ہونے لگی ہزار ہا برس کی پانی کی تراوش سے وہاں عجیب شکلیں نظر آنے لگیں۔ درختوں کی۔ آدمیوں کی۔ پرندوں کی تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ حاصل کلام تھوڑے عرصے میں شیطان فوسٹ کو لیکر ایک ایسے مقام پر پہنچا۔ جہاں نہایت ہولناکیاں اور پرخطر غار تھیں اگر کوئی دوسرا آدمی ہوتا تو مارے ہیبت کے کئی قدم پیچھے ہٹ جاتا۔ لیکن فوسٹ تو ان خوفوں سے بری تھا۔ اسی سبب سے وہ شیطان کے ساتھ بے دھڑک غار میں داخل ہو گیا۔ اس دوسرے غار میں بعض بعض جگہ پر جٹانیں اس قدر نکلی ہوئی تھیں کہ ان پر سے رنگتے ہوئے گزرنے کی ضرورت پڑتی تھی۔ مگر فوسٹ شیطان کے پیچھے اس روشنی کے سہارے پر چلا جا رہا تھا۔ بہت دیر تک ایک تیسرا غار دکھائی دیا۔ یہ نسبت اور غاروں کے زیادہ عجیب تھا۔ اور اس کے رستے میں کئی جھوٹے جھوٹے عمیق دوسرے غار بھی تھے۔ اسکی دیواریں کف کے ڈھیروں کی تھیں۔ اور ستون زرد رنگ کے کف سے قدرتی طور پر بنے ہوئے تھے۔ وہاں ہر چیز انسان کی کاریگری سے کئی درجے بڑھے ہوئے ہونے کا ثبوت دیتی تھی۔ غرض یہاں سے بھی بڑھ کر ایک غار پر پہنچے جو سب سے اخیر تھا۔ اسکی سطح نہایت ہموار تھی۔ اور چھت اور دیواروں کی دیواریں سیاہ کف کی تھیں۔ جب یہ دونوں اس مقام پر پہنچے تو جو روشنی شیطان کے عمل سے پیدا ہوئی تھی۔ دفعۃً غائب ہو گئی۔ اور فوسٹ نے اپنے آپ کو سخت اندھیر میں پامال

جن کو کچھ خوف نہ کر۔ اس تاریکی سے تجھ اُس روشن اور منور مقام پر لیجاؤں تو تو اُسکی بڑی قدر کر چکا۔ یہ کہکشیطان نے فوسٹ کا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھنا شروع کیا۔ اور ایک پتھر پر جو کسی دروازہ کی جو کھٹ سا معلوم ہوتا تھا لیجا کر ہاتھ چھوڑ دیا۔ اور کہا: ”اب دیکھ!“ وہی روشنی پھر نمودار ہوئی۔ مگر تجلی اور درخشندگی آگے سے کہیں زیادہ ہو۔ فوسٹ نے دیکھا تو ایک حجرے میں کھڑا ہی۔ جو تین سو قدم مربع ہو اور قریب ساٹھ قدم کے بلند۔ مگر لطف یہ کہ قدرتی بنا ہوا۔ اور سطح زمین سے کو سون نیچے۔ آرائش کی یہ کیفیت کہ انسان کی عقل چکر میں آجائے۔ حجرے کی چھت گنبد نما تھی۔ پانی کی دائمی تراوش سے وہاں انواع و اقسام کی گلکاریاں ظاہر ہو رہی تھیں مختلف قسم کی بیلین۔ پھول اور پتے اپنی رنگارنگ کی زیبائش سے اُس مکان کی رونق اور دلنرمی کو بڑھا رہے تھے۔ تروتازہ پھول۔ اور بڑھی ہوئی بیلین ماروں کی طرح اُن دیواروں اور ستونوں پر لٹک رہی تھیں۔ حجرے کے درمیانی حصہ میں عبادت گاہ کی شکل پر ایک کف والا چوترہ تھا جو چھ قدم طویل اور دو قدم عریض اور پندرہ قدم بلند تھا۔ اس سیاہ کف والے سطح پر پانی کے بہ بہ کر جم جانے سے ایک قالین کی سی شکل پیدا ہو گئی تھی۔ اور چوترے کے اطراف میں سفید کف چھوٹے چھوٹے ستونوں کی صورت جم گیا تھا۔ جیسے عیسوی گرجاؤں میں کافوری شمعیں رکھا کرتے ہیں۔ غرض وہاں کے کل سامانوں کے ساتھ اُس چوترے کے دیکھتے ایک گرجا کی وضع پائی جاتی تھی۔ جزیرہ انٹی بیراس میں یہ غار اب تک موجود ہے۔ فوسٹ اس قدرتی صناعمی اور دلچسپی کو دیکھ کر بخود ہوا گیا۔

جن۔ قدرت کے ان عجیب کارروائیوں کی نسبت تمہارے خیالات کیا ہیں؟۔

فوسٹ۔ میں اس وقت اس درجہ متحیر ہوں کہ مجھے وہ الفاظ نہیں ملتے جنکے ذریعہ سے اپنے دل کا حال بیان کروں۔ زیادہ حیرت دلانے والی تو یہ بات ہے کہ یہ تمام بناوٹ اتفاقی ہے۔ خود صنائع نے یہ نہ خیال کیا ہو گا کہ یہاں اس وضع اور اس ترکیب سے ایسی عمارتیں تیار ہوں۔ اور خوبصورتی اور عمدگی اس قدر ہو کہ انسان کے ہاتھوں سے بنی ہوئی عمارتیں

اُسکے مقابل بے رونق اور ہیچ معلوم ہوں۔“

جن ”انسان کی عقل ان باتوں کے سمجھنے سے قاصر ہو کہ نیچر کس قسم کے آلات سے کام لیتی ہے سیپون کے اندر جو کپڑے ہوتے ہیں۔ اُنکے ذریعہ سے دریا میں کیسے بڑے بڑے جہاز پیدا ہو جاتے ہیں اور یہاں تو صرف پانی کے ٹپکنے سے ان صنایعوں کا وقوع ہوا ہے۔ ایسی صنعتوں سے قدرت نئے جزائر اور نئی دنیا بناتی جاتی ہے۔“

فوسٹ ”کیا ان مقامات میں ہم ہی ایسے لوگ رہا کرتے ہیں؟“

جن ”یہ بات کسی اور وقت میں کہوں گا۔ اس ڈھب کی تقریر کا یہ نہ موقع ہے اور نہ وقت ہے کیا تو اپنے یہاں آنے کا سبب بھول گیا؟“

فوسٹ ”ہاں ہاں۔ میں یہاں کسی نہ خانے کو دیکھ کر اُسکی تعریف کرنے کے لیے نہیں آیا بلکہ اُس چشمے سے تھوڑا سا پانی پینے کی غرض آیا ہوں جس کا نام ”چشمہ غفلت“ ہے۔“

جن ”وہ چشمہ بہین ہے۔“ یہ کہہ کر آگے بڑھا۔ فوسٹ بھی اُسی کے پیچھے پیچھا چلا گیا۔ اُسوقت شیطان نے اپنا چہرہ اس درجہ دشت ناک بنالیا تھا کہ اگر فوسٹ بھی دیکھتا تو خوف سے تھرا اُٹھتا۔ مگر وہ تو چشمہ کی تلاش و آرزو میں ہمہ تن محو ہو رہا تھا۔ خیر۔ جب چشمہ اچھی طرح پیش نظر ہو گیا تو فوسٹ کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ جن فوسٹ کو پانی پینے کا زیادہ شوق دیکھ کر کہنے لگا۔ ”کیا تو اس پانی کے استعمال پر بالکل ہی عازم ہے۔ مگر کیا تو نے اُسکے کل نتائج پر غور کر لیا ہے؟“

فوسٹ ”غور کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ معلوم تو ہے کہ پانی پینے کے بعد میں اپنا دلی غم بھول جاؤں گا۔ پھر غور و فکر کی کیا حاجت ہے؟“

جن ”تو ناواں محض ہے۔ یقین جان کہ اس پانی کے استعمال سے صرف تیرے غمگین خیالات ہی دور نہ ہوں گے۔ بلکہ تمام تعلقات یہاں تک کہ سیکھا ہوا علم بھی فراموش ہو جائیگا۔ اور تو ایک نوکروں کو بچہ بن جائیگا۔ مان اتنی بات ہے کہ جسمانی قوت اور گویائی کی قوت باقی رہیگی۔“



مکٹو ۲۲ پیروم شد۔ یہ پیشل انگوٹھیان اور عمدہ جواہرات ایک کاتو کیا حساب دس پادریوں کے خریدنے کے لیے کافی ہو سکتے ہیں۔“

سینر ۲۲: میں اپنی کامیابی پر یقین ہونے کے لیے یہ سب کچھ ایک ہی شخص کو دینا چاہیے۔ اب تم یہ پیشل پادری وٹور وکی بی بی کے پاس لیجاؤ۔ اور اسکو دیکر رسید لے لو۔ رسید میں ان کل چیزوں کی تفصیل اور قیمت بھی جو اس عورت کی دانست میں مناسب ٹھہرے لکھی جائے۔ تم تو سمجھ ہی گئے ہو گے۔ خیر جلدی جاؤ!۔“

مکٹو خدمت ہو کے چند لمحے نہ گزرے تھے کہ پادری لہلم خیال آپس کے راہب خانے کا حاکم سینر کے کمرے میں داخل ہوا۔

سینر ۲۲: آئیے! شہر روم میں کس طرح تشریف لائے؟ میں تو سمجھتا تھا کہ آپ کسی اور مقام پر عدالت دم کی کارروائیوں میں مصروف ہو گئے!۔“

پادری سلیم ۲۲: میرے حاضر ہونے کی یہ غرض تھی کہ پوپ کا عمدہ آجکل خالی ہے۔ زمانہ دراز سے آپ کے خاندان کی مدد کے متعلق مجھے جو جانفشانیان عمل میں آئیں۔ انکے اس وقت دہرانے کی ضرورت نہیں۔ غرض مجھے وفادار خادم کو اپنی خدمات کا عوض حاصل کرنے کے لیے اس سے بہتر کوئی موقع مل نہیں سکتا۔

سینر ۲۲: آپ کا فرمانا بہت درست ہے۔ مگر میرا اختیار نہیں کہ پوپ کا عمدہ کسی کو دون!۔“

پادری ۲۲: کیوں؟ اگر سکندر ششم نہیں تو آپ آخر ملک روم کے شاہزادے تو ہیں؟۔“

سینر ۲۲: ہاں۔ ہوں تو سہی۔ لیکن غالب گمان ہے کہ پوپ کی خدمت پادری فرانسس کو ملیگی۔“

پادری ۲۲: تو میری خدمت گزار یوں کا کچھ بھی صلہ نہیں؟ آپ خیال فرمائیے کہ کس درجہ وفاداری کے ساتھ جتنے مدت دراز تک آپ کی خدمات کی انجام دہی میں کس دلی ہمدردی سے عدالت دم کو آپ کے اجر اے کار کا ذریعہ ٹھہرایا۔ اپنے نائبوں کی معرفت خاندان بوریجیا کی کامیابی کے لیے کس قدر مدد کی ہے۔“



سیرر: پادری صاحب! میں آپ کے احسانات اور مفید خدمات کو بھولا نہیں ہوں۔ اسی سبب سے تنگدستی کے عالم میں بھی بہت سارے پیسے آپ کی نذر کیا ہو۔ اور جب میں صاحب دلت ہوں تو قدر ہوا جب بھی آپ کی جائز فائزات کا معقول طور پر معاوضہ کیا گیا۔ اور اگر اب بھی خواہش ہو تو فرمائیے میرا خزانہ آپ کے لیے حاضر ہے۔“

پادری: حضور! میں اس طرح کا کوئی انعام نہیں چاہتا۔ بلکہ اس قرار کی تکمیل چاہتا ہوں جو۔“ سیرر: (غصہ ہو کر) اقرار؟ ان میں نے آپ سے کچھ وعدہ تو کیا تھا۔ مگر وہ نشہ شراب کی حالت میں تھا اور میں سمجھتا ہوں کہ ایسے وقتوں میں ہونی والے اقرار کبھی قابل تکمیل اور مقبر ہو نہیں سکتے۔“ پادری: (غصہ سے دانت پیسکر) جی! تو معلوم ہوتا ہے کہ جو وقت آپ نے وعدہ کیا۔ اسی وقت اس کے ایفاء کا قصد نہ تھا۔

سیرر: آپ جو جی چاہے سمجھ لیجیے۔ لیکن اب اس قسم کی تقریر سے میرا منہ نہ کھائیے۔ میں اس وقت نئے پوپ کے مقرر ہونے کے بارے میں زیادہ متفکر اور متردد ہوں۔ علاوہ اسکے جزیرہ میں غلطی سے پی گیا تھا اسکی تاثیر پورے طور پر اسکا جسم سے خارج نہ ہوئی۔ ایسی حالت میں میری بہبود بلکہ میری زندگی خطرناک منزل میں پڑ گئی ہو۔ بے ڈھب سوالات اور ضد کرنا بھی آپ کو اچھا موقع ملتا تھا آیا!۔“

پادری: دیکھیے! مجھے دشمنی مول نہ لیجیے آپ کی مشکل کے وقت بارٹائیے ہوئے افسرار بن نے یاد دلانے ہیں۔“

سیرر: بجا! آپ کو اتنا بھی سلیقہ اور پاس ادب نہیں کہ اپنی خود غرضی کو پردہ میں رکھ کر بیان کریں آپ کا مدعا یہی ہے کہ کوئی اور شخص پوپ مقرر ہو تو میری خرابی ہو جائیگی۔ لہذا اس وقت جو مجھے مل سکے وہی غنیمت سمجھ کر لے لیجیے کیونکہ ٹھیک ہی نہ؟ خوب ہوا کہ آپ نے صاف صاف اپنے خیالات ظاہر کر دیے!۔“

پادری سلیم: میں پھر جتانے دیتا ہوں کہ آپ مجھے مخالفت کرنے سے پہلے ذرا سوچ

سمجھ لیجیے!۔“

سینئر: تو بہ کیا میں آپ سے ڈرون؟ آپ جو ایک پادری کی صورت میں اپنے اصلی نام و نشان کو چھپائے بیٹھے ہیں۔ آپ جو شاہی جلا د کے ماتھوں سے پکڑ چوری چھپے اپنی زندگی بسر کرنے ہیں۔“

پادری: (گھبرا کر) بس کیسے حضور! یہ باتیں جانے دیجیے۔ اس طرح کے نازک مقدمات میں گفتگو کرنا آپ کو زیبا نہیں۔ خیر۔ تیار ہو جائیے! آپ ہم لڑیں تو سہی۔ دیکھیں قسمت کدھر فیصلہ کرتی ہو۔ میں کچھ آپ ہی سے نہیں بلکہ تمام خاندان بوجیہ سے تلوار آزمائی کا مشتاق ہوں۔“

سینئر: اس زبانی جمع خرچ اور ایسی دھمکیوں سے میں ڈرنے والا نہیں۔ پوپ کے عہدے کیلئے کوئی اور ہی شخص منتخب ہوگا۔ تم کو اس معنی کی امید رکھنا فضول ہو۔ چونکہ اب بالکل ہی بے مردانہ الفاظ میں گفتگو کر رہے ہیں ایسے میں آپ کے لیے ہرگز کچھ سچی دکوشش نہ کروں گا۔ لیکن ہم ایک دوسرے کو بخوبی پہچان تولیں۔ آپ اگر چاہیں تو بہت سے فتنہ برپا کر سکتے ہیں۔ اور میں بھی اس بار میں! آپ سے کسی طرح کم نہیں ہوں۔ شاید میرے چند خفیہ حالات سے واقفیت ہونے کے سبب سے آپ مجھے ڈرانا چاہتے ہیں۔ مگر یاد رہے کہ میرے راز کی بات کسی غیر کے روبرو آپ کی زبان پر آئے تو اسیدم مشہور کروں گا کہ پادری نسلیم رکن اعظم عدالت و قلم اور راہب خانہ جبال الپس کا حاکم وہی شخص ہے جو۔“

پادری: (مضطرب ہو کر) جانے دیجیے حضور! افشاے راز کے متعلق خاموشی ہی اچھی ہے۔

جان دوسرے امور میں البتہ میں آپ کے خاندان سے جھگڑوں گا۔“ یہ کہہ کر پادری نسلیم کمرے سے باہر نکل گیا۔ سینئر اسکے گھبراہٹ کے ساتھ نکل بھاگتے پر بے اختیار ہنس پڑا۔ تھوڑی دیر گزری تھی کہ مکٹو آیا۔ چہرے سے کامیابی کی علامت آشکار تھی۔

سینئر: تم اپنے ارادے پر کامیاب ہوئے؟“

مکٹو: جی ہاں خداوند! پادری و نٹورو کی بی بی نے آپ کے بھیجے ہوئے تحفے کو نہایت

خوشی سے قبول کیا۔ اور اس طرح کا اقرار بھی کیا، جو آپ کی مطلب براری کے لیے کافی ہے۔“

سینئر نے وہ رسید تو دکھاؤ! (رسید ہاتھ میں لیکر) اچھا! پانچ ہزار روپیہ اسکی قیمت ٹھہرائی ہے خیر اب تم پوپ کے محل کو جاؤ۔ معلوم تو ہے کہ تین بجے پادریوں کے لیے کھانا اندر جائیگا۔ ہر شخص کے خوان پر جدا مہر ہوتی ہے۔ تم اس رسید کو باور چھانے میں لیجاؤ اور بشب پارما کے پاس جبکہ اہتمام سے مہرین ہوا کرتی ہیں دیکر کہو کہ پادری ونٹورو کے خوان میں مہر کرنے سے قبل رکھ دیا جائے۔“

مکمل طور پر بہت خوب! آپ کے حکم کی تعمیل پوری پوری ہوگی۔“ یہ کہہ کر تسلیم خم کیا اور محل پوپ کی طرف چلا۔

بشب پارما سینئر کا ایک معتبر دوست تھا۔ اسنے بے ترد پادری ونٹورو کے خوان پوشش کی تہ میں رسید رکھ دی۔ الغرض چھتیس ملازموں سے ہر شخص ایک ایک خوان سر پر اٹھا کر باور چھانہ سے کونسل روم کی طرف بڑھا۔ بشب پارما سب سے آگے تھا۔ جب دروازے پر پہنچے تو دو معمار جو اس کام کے لیے مستعد کھڑے ہوئے۔ تھے حسب ضرورت دیوار توڑنے لگے۔ جب کافی راستہ ہو گیا تو تمام خوان کونسل روم میں دیدیئے گئے اور پھر دیوار اٹھا دی گئی۔ بشب پارما ملازموں کو لیکر واپس ہوا۔ اس کارروائی کے بعد بہت دیر گزر گئی۔ شام کے پانچ بجے کے وقت اہل شہر پوپ کے محل کے اطراف اس کثرت سے جمع ہو گئے کہ شہر کے دوسرے حصے دیران نظر آتے تھے۔ آخر پانچ بجے لوگوں کے اضطراب اور شورش کی کوئی حد باقی نہ رہی۔ اور اسقدر شور و غل شروع ہوا کہ کونسل کے کمرے پر حملہ کیے جانے کا احتمال پیدا ہو گیا۔ تھوڑے عرصے میں کونسل روم کے اندر سے دیوار میں کھڑکی توڑی جانے لگی۔ جب وہ ایک آدمی کا سر نکلنے کے قابل وہ ہو گئی تو پادری ونٹورو نے اس سے سر نکالا اور کہا۔ ”میں نہایت خوشی سے آپ صاحبوں کو اطلاع دیتا ہوں کہ پادری فراسسکو پوپ کے عہدے پر ممتاز ہوئے ہیں۔ اور وہ آج سے پوپ پیر روم نام سے مشہور ہونگے۔“ اس خبر کے سنتے ہی تمام لوگ خوشی کے شادیاں بجانے لگے۔ اور فراسسکو کے تقرر سے نہایت مسرور ہوئے۔ یہ کیفیت سینئر اور لوکرینا کو معلوم کرادی۔

## باب ”۵۹“

### کلو سیم

جب پادری نے ظلم نہایت برہمی کے ساتھ سیزر سے نصحت ہوا (جیسے کہ اوپر والے باب میں بیان کیا گیا ہے) تو پادریا نہ لباس میں اپنے آپ کو اس درجہ چھپا لیا کہ صورت تک نظر نہ آتی تھی۔ اور افتان و خیزان گلی کو چون سے گزرتا ہوا کلو سیم کی طرف چلنے لگا۔

وہ سر بفلک کشیدہ پیش عظیم الشان عمارت جو روم کی گذشتہ عظمت و جلال کا ایک نمونہ ہو گواہ شکستہ و دیران ہو گئی ہے۔ لیکن پہلے پہل دیکھنے والے مسافر یا سیاح کو اب بھی متعجب بنا دینے پر بخوبی کامیاب ہو سکتی ہے خود پوپ کی سطوت و شان بھی آجکل اگلے حالات کی عظمت اس قدر ایک اجنبی شخص کے پیش نظر نہیں کر سکتی جس قدر یہ عمارت کرتی ہے۔ اہل روم جو دین مسیحی سے متنفر اور کارہ تھے اس مقام پر عیسائی علماء کو قتل کرتے تھے اور بتوں کی پرستش بھی ہوا کرتی تھی۔ عمارت دو ہزار فیٹ مربع ہے۔ اکثر لوگ روایت کرتے ہیں کہ ان تیس ہزار یہودیوں نے اس عمارت کو تعمیر کیا جو اس وقت کے بادشاہ کے قیدی تھے۔ شہنشاہ روم ”وسپیشین“ نے اس عمارت کو عام کے لیے وقف کر دیا تھا۔ اور وہاں سرس و خیرہ اور ایسے ہی دیگر کھیل تماشے ہوا کرتے تھے۔ عمارت کے اندر آٹھ ہزار تماشائیوں کو جگہ مل سکتی تھی۔ اس زمانے کے مورخ لکھتے ہیں کہ وہاں آن واحد میں پانچ ہزار درندوں کی کشتی ہوتی تھی۔ شہنشاہ ٹیس کے عہد فرمانروائی میں کلو سیم کا ستارہ ادج پر تھا۔ اور اسی کے زمانے میں درندوں کی کشتیاں ایجاد ہوئیں۔ رفتہ رفتہ دیگر فرمانروایان روم

”کلو سیم“ شہر روم کی ایک عالی شان عمارت کا نام ہے۔ جو آجکل کنڈر پڑی ہوئی ہے مگر اسکی بندش کی عہدگی اور نزاکت اب بھی نادرات سے تصور کی جاتی ہے۔ اس میں اقسام کے تماشے ہوتے تھے اور کشتیاں نکالی جاتی تھیں ۱۲۔

اس عمارت کا سامان نکال نکال کر دوسری عمارتوں میں صرف کرنے لگے اور یہاں تک نسبت پہنچی کہ اب کلوسیم کا صرف نشان ہی نشان باقی رہتا ہم وہ نشان بھی کسی مسافر کو گزشتہ عروج کے یاد دلانے کے لیے کافی ہو۔ خیر۔ جب پادری سلیم وہاں پہنچا تو شب کا وقت تھا۔ چاندنی اپنی پوری بہار اور ولفریبی کے ساتھ عمارت کے اندرونی حصوں میں سنگ مرمر کی سطح اور ستونوں پر پڑ کر موتی کی سی چمک دکھا رہی تھی۔ باوجود ویران پڑے ہونے کے وہاں ہر ہر ستون اور ہر ہر دیوار و در سے پورا عجب و حلال ظاہر ہوتا تھا۔ عمارت کے ایک حصہ کے درمیان جوڑا کی افتاد سے اب تک محفوظ ہی ایک کشتی آب مقدس سے بھری لٹکی ہوئی تھی۔ اور اسی کے قریب ایک صلیب بھی آویزاں تھی۔ اور صلیب پر یہ عبارت مرقوم تھی۔ ”جو شخص خالص نیت سے اس مقدس نشان کی زیارت کریگا۔ وہ تین مہینے تک تمامی آفات اور بلیات اور ہر قسم کے گناہ سے محفوظ رہیگا۔“ پادری سلیم ایک ایسی جگہ پر آکھڑا ہوا جہاں دیوار کلوسیم حائل ہونے کے سبب چاند کی روشنی پہنچ نہ سکتی تھی۔ اس خفیہ اندھیرے میں دو شخص جو اپنے لباس کا بچھونا کیا زمین پر پڑے سو رہے تھے انھیں بیدار کیا۔

ایک شخص (بیدار ہو کر) ”کون ہو؟“

پادری سلیم ”میں ہوں۔ تم اس درجہ کیون چلا کر بات کرتے ہو؟ یہاں متقی لوگ ان مقتولوں کی زیارت کے لیے آتے ہیں۔ جو اگلے زمانے میں کفار کے ماتھوں مارے گئے۔ اچھا فیروز! تم اپنے ساتھی داسٹین کو بھی ہوشیار کرو۔ ایک نہایت ضروری امر درپیش ہے۔“

داسٹین ”میں جاگ رہا ہوں حضور! فرمائیے سیر سے ملاقات ہوئی؟“ (ناظرین واقف ہونگے کہ یہ وہی داسٹین ہے جو ایک مدت تک امیر ظرین کے نام سے مشہور رہا۔ اور جس سے ایذا کی شادی ہوئی تھی۔

پادری سلیم ”سیر بڑا ہی دغا باز نکلا۔ میں آئندہ اسکی تابعداری نہ کروں گا۔ حضرت کس مزے سے چاہتے تھے کہ مجھے روپیہ دیکر رخصت کر دیں۔ مجھے روپیہ کی ضرورت ہی کیا ہے؟

مین نے اُس سے پوپ کا عمدہ دلوانے کے لیے کہا تو وہ انکار کر گیا۔ اب ضرور ہوا کہ مین اُسے اس احسان فراموشی کی سزا دوں۔“

واسٹین نے جب پوپ کی خدمت آپ کو ملنا محالات سے تھی تو میرے نزدیک۔ وہ یہ حاصل کر لینا ہی مناسب تھا۔“

بادری نسلم۔ (غضبناک ہو کر) ”ان باتوں میں تم کیوں دخل دیتے ہو؟ تمہیں اپنی خدمت گزاروں کے عوض کے سوا دوسرے امور سے کچھ تعلق نہ رکھنا چاہیے۔ سیرر مجھے اپنی کل دولت بھی دیدے تو میں ہرگز نہ لونگا اس نابکار خاندان سے عوض لینے کا خیال ہر لحظہ میرے دل میں ترقی کرتا رہتا ہے۔ فقط سیرر اور اس کے خاندان ہی سے انتقام نہ لونگا۔ بلکہ اس کے خیر خواہوں و دوست آشناؤں اور ملازموں کو اپنے غضب کا مزا چکھاؤں گا۔“

واسٹین نے اگر ہم روم میں اس طرح دیر تک قیام کر کے وقت رائگان کر بن تو کیا عجب کے شاہی قاصد کارنیلیا میں پہنچ جائے۔ اور جبال آلبس کے راہب خانے پر قبضہ کر لیا جائے تو ہم بالکل ہی آوارہ ہو جائیں گے۔“

بادری نسلم نے مجھے اسکا کچھ بھی خوف نہیں کیونکہ شہنشاہ کی خواہ گاہ میں رسی اور کٹار کے ساتھ جو حکمنامہ لگایا تھا اس سے شہنشاہ اس قدر ڈرا ہوا ہے کہ ظنین کی خاطر سے بھی وہ دوسرا حکم کارنیلیا کے گورنر کے نام نہ بھیجے گا کہ راہب خانے پر تصرف کرے۔ شہنشاہ اس خیال سے زیادہ ہم اجاتا ہے کہ جس ہاتھ سے کٹار نیز چھوٹی گئی۔ وہی ہاتھ مجھے چلنا بھی ممکن ہے۔ بیشک عدالت و م سے کل بادشاہان وقت ڈرتے ہیں۔ اور فرمانروا سے جرمی کوئی ایسا بوقوت تو ہے نہیں کہ ایسی بیجا حرکت سے اپنے آپ کو مصیبت میں ڈالے۔ عدالت و م کے اراکین کی باہمی ہمدردی اور اتفاق سے وہ اچھی طرح واقف ہے۔“

واسٹین نے جی۔ تو راہب خانے کی طرف سے اطمینان ہے؟ اب بلا غصہ میں دیکھی کے ساتھ آپ کے احکام کی تعمیل کروں گا میرے ہمراہی فیروزان خیالوں سے اپنے دماغ کو پریشان نہیں کرتے۔“



قیہ وزیر کا شتم بھی میری سی عادت اختیار کرتے تو کیا اچھی بات تھی۔ وہی لوگ دوسروں کو نصیحت کرنے کے لائق ہیں جو صاحبِ فہم اور مدبر ہوا کرتے ہیں۔ مگر وہ لوگ جو قوی جثہ اور مضبوط دل تو رکھتے ہیں لیکن عقل سے بے بہرہ ہیں۔ وہ صرف دوسروں کی تابعداری کر نیکی قابل ہوتے ہیں۔ تنے اس نصیحت پر عمل کیا ہوتا تو اب تک ظرنین راہب خانے میں مقید رہتا اور تم اسکے بھیس میں عیش و آرام سے زندگی بسر کرتے اور لوگوں کو راہب خانہ آلیپس اور اسکے ساکنوں سے بدگمانیاں نہ ہوتیں۔ اب وہاں کے حالات اور اُسکی پوشیدہ راہیں سب معلوم ہو گئیں۔ اب ہم سوا اسکے کہ اُسے ایک گوشہ عافیت سمجھیں اور کوئی کام اس سے لے نہیں سکتے۔ واسٹین: ”کیا تم بیوقوفی کا الزام مجھ کو دیتے ہو؟ کیا تمھیں نہیں معلوم کہ جو کام میں نے کیا ہے وہ سراسر دانائی و حکمت پر مبنی ہے۔“

یاد رہی اسلیم نے ان واہیات باتوں کو موقوف کرو۔ جو کچھ گزر گیا وہ واپس آئینا لا نہیں بین بالکل پسند نہیں کرتا کہ گذشتہ امور کی نسبت سرگرمی سے بحث ہوتی رہے۔ اگر تمھاری کچھ خطا یا بیوقوفی میری نظروں میں ہے تو صرف یہی کہ ظرنین کی ملک و الماک کو تم نے اپنی ذاتی عیش و عشرت میں لٹا دیا۔ مقدس عدالتِ دہم کی تائید میں کچھ زیادہ رقم نہیں صرف کی۔ خیر۔ میں مکر تمھیں جتنا ہوں کہ تم یا فیروز کبھی گذشتہ حالات کا تذکرہ زبان پر نہ لانا۔ اب اپنا اصلی مدعا بیان کرتا ہوں یعنی خاندانِ بوجیا کے ایسے احسان فراموش فرقہ کی خاطر خواہ تنبیہ کرنے کا دلی ارادہ ہے ورنہ روم میں مجھے کوئی اور کام نہیں۔ مگر ان سلطنتِ جرمنی کا سفر ضرور ہے۔ کیونکہ عدالتِ دہم نے آٹو کو جو ظرنین کی ربائی کا سبب ہوا سزا دینے کی تجویز کی ہے۔ البتہ اُس شخص کو نہایت اذیت سے ہلاک کرنا ہوگا۔ کیونکہ وہی راہب خانے کے اقتلا سے راز کا سبب ہوا۔ ماضی صرف اسکا تابع فرمان تھا۔ اسی لیے مبارک عدالتِ اُس سے درگزر کرنے پر راضی ہوئی ہے۔ اب رہی ماما۔ جسے آٹو کی مدد کی۔ وہ بھی حقیر ناچیز عورت ذات ہے۔ اُس سے بھی کچھ باز پرس نہیں یہی نوجوان ولیز نکسٹ شخص آٹو ہے جس سے آئندہ بھی ہماری خرابی کے درپے ہونے کا گمان

پایا جاتا ہے۔ لہذا اُسکو معقول سزا دینا ضرور ہے۔ اس کام سے فراغت ہونے کے بعد دریا سے  
الٰب کی طرف میرا جانا ہوگا۔“

فیروز (جو نک کر) ”ہاں۔ آپ شاید ہمارے قدیم آقا کونٹ مانفریڈ کے پاس تشریف لیجانے کا  
قصد رکھتے ہیں!“

یادری۔ ”بیشک تمہارا خیال نہایت صحیح ہے۔ تم بھی میرے ہمراہ وہاں آؤ۔ میں نے کونٹ مانفریڈ  
کا ایک ایسا بھید پایا ہے جس سے وہ ہمیشہ میرا عاجز ہو رہا ہے  
فیروز۔ کیا آپ کو اُس لڑکی کا کچھ سراغ لگا۔“

یادری۔ ”تم اب تک اُسکو لڑکی ہی کہتے ہو؟ اتنا نہیں خیال کرتے کہ کس قدر زمانہ متقاضی ہوا۔  
اب وہ ایک نوجوان حسین عورت ہے۔ اور یادری سخت سے ایسے عالی رتبہ کو پہنچی ہے  
کہ۔ خیراب موقع نہیں۔ میں کل ماجرا تنہائی میں تم سے بیان کر دوں گا۔ کیا عجب کہ اس عالم  
ضعیفی میں کونٹ مانفریڈ تمہیں تمہارے اصلی نام ہیوگو سے پہچان نہ سکے۔“

فیروز۔ ”جی ہاں۔ البتہ۔ زمانہ بھی عجیب انقلابات پیدا کر دیتا ہے۔ اُس زمانے میں جسکا ذکر  
ابھی ہو رہا تھا آپ کونٹ مانفریڈ کے ایک ادنیٰ ملازم تھے۔ اب دیکھیے مقدس عدالت وہم کے  
آپ بھی ایک رکن اور کونٹ کے ہم پلہ ہیں۔ مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کل ہی میرے  
عوض اُس بکس لیڈی کی محافظت کے لیے مامور ہوئے۔“

یادری۔ ”خاموش! یہ محل نہیں کہ ایسے پوشیدہ امور کی نسبت گفتگو کی جائے۔ ایسا وقت  
ابھی نہیں آیا۔ ہاں کونٹ مانفریڈ نے اپنے احاطے میں بہت سی خطائیں کی ہیں۔ اس لیے اراکین  
عدالت وہم اُسکو معزول کرنے کی تجویز کر رہے ہیں۔ کیونکہ اُسے باوجود متواتر احکام پہنچنے کے اپنی  
بد انتظامیوں کا انکاد نہ کیا اُسکے عوض مجھے مقرر کرنے والے ہیں۔ میں وہاں جا کر جب اُسکو  
معزولی کا حکم سنا کر کام سے علحدہ کر دوں گا اُسوقت تمہارے اور میرے ساتھ جو بدسلوکیاں  
کی ہیں ان سب کا بدلہ لینے کے لیے اچھا موقع ہے۔ مگر ابھی اُسکا ذکر کرنا قرین مصلحت نہیں۔“

کیونکہ واسٹین جسکو یہ حالات معلوم نہیں دریافت کرنے اور حقیقت حال جاننے کے لیے  
 بے قرار ہو جاتا ہے۔ اور وہ کوئی معتمد شخص بھی نہیں کہ سب رازوں سے اسکو آگاہ کیا جائے!۔  
 واسٹین ”مجھے ان باتوں سے کچھ غرض نہیں۔ جو حکم دینا چاہتے ہیں فرمائیے۔ تاکہ میں  
 اسکی تعمیل کے لیے چل نکلوں اس کمنہ عمارت میں بیٹھے بیکار باتیں کرنا مجھے خود پسند نہیں ہے۔“  
 پادری ”تمھیں شراب کی دوکان پر جانے کی جلدی پڑی ہے۔ صاف کیون نہیں کہتے؟  
 خیر۔ اب میری تقریر متوجہ ہو کر سنو! فیروز! تم لارڈ آرسنو مخالف خاندان بوریجیا کی حویلی پر  
 جا کر اس سے ملاقات کی درخواست کرو۔ صرف میرا نام کہہ دینے پر وہ تمھیں اندر بلا لے گا۔  
 اس سے ملکر کہہ دو کہ خاندان بوریجیا کی ہلاکت کا زمانہ قریب آ پہنچا۔ آج کے چوبیسویں دن  
 سرحد کارنلیا کے دو سواراکیں عدالت و قلم شہر رومین جمع ہونگے اور انھیں یہ حکم دیا جائیگا  
 کہ ذرا سا اشارہ پاتے ہی سب ملکر خاندان بوریجیا پر حملہ کرو۔ اور تم واسٹین! (جیب سے  
 ایک لپیٹا ہوا کاغذ نکال کر) گر جائے سینٹ پیٹر میں جا کر اسکے دروازے پر اس نوشتہ کو  
 چسپان کر دو۔ جب تم دونوں ان احکام کی تعمیل سے فارغ ہو جاؤ گے تو اختیار ہو کر تیسویں دن  
 تک جہان دل چاہے سیر تماشے میں گزارو میں بھی ان ایام میں یہاں نہ رہوں گا مگر تیسویں دن  
 شب کو اسی مقام پر مجھ سے ملنا تب تک ہمارے ماتحت کے لوگ فراہم ہو جائیں گے۔ اور تم  
 ضرور رہو گا کہ ان سب کو یہاں مجتمع کریں۔ میں سب تدبیریں تمھیں بتا دوں گا۔ بوریجیا خاندان  
 کو تباہ و غارت کرنے میں ہم لارڈ آرسنو کو مدد کرنا دو فائدوں سے خالی نہیں۔ ایک تو اپنے  
 پامال ہونگے۔ دوسرے لارڈ آرسنو انعام و اکرام کے دینے میں کوتاہی نہ کریگا۔“ فیروز واسٹین  
 کو تمام باتوں کی ہدایت کر کے پادری آئیم کلوسیم سے نصحت ہوا۔ اور چند منٹوں کے بعد فیروز  
 واسٹین بھی اپنی اپنی خدمت انجام دینے کے لیے ایک دوسرے سے جدا ہوئے۔  
 دوسرے دن صبح کو گر جائے سینٹ کے چٹانک پر لوگوں کا ایک انبوہ کثیر جمع ہوا۔ اسکی  
 وجہ یہ تھی کہ ایک نوشتہ قبرستان کے دروازے پر لگایا گیا تھا جسکا مضمون یہ تھا۔

”سکندر ششم نے دین سچی کو اور اُسکے گریباؤن کو فروخت کر دیا۔ اُسکو فروخت کر نیکا  
 حق حاصل تھا کیونکہ خود اُسی نے خرید کیا تھا۔“ ان مختصر جملوں سے متونی سکندر ششم کی  
 رشوت ستانی اور بد اعمالی ظاہر ہوتی تھی۔ لوگ اُس مطلب کو پہچان گئے۔ اور سب کو  
 سکندر کی بد کاریاں از سر نو یاد آ گئیں۔ اسی میں پادری انسلم کا مدعا بھی حاصل ہو گیا۔  
 جن لوگوں کو سکندر کی نسبت کچھ کچھ خفیف گمان تھا۔ اور دو لوگ اسے رکھتے تھے۔ انہیں  
 بھی اب یقین ہو گیا کہ وہ بڑا ہی ملعون اور دغا باز تھا۔ اور دلوں میں خاندان بوریجا سے تازہ  
 نفرت پیدا ہو گئی۔ یہاں تک کہ کئی لوگ شر و فساد پر آمادہ ہو گئے۔ اس اثناء میں ایک نوجوان  
 بیٹھڑ کاٹا ہوا اگر جا کے دروازے پر آیا۔ اور اس پر جب کو نہایت غضبناک اور اسے نکال کر بارہ  
 بارہ کر دیا۔ اور اُسکے پر زدن کو کھڑے ہوئے لوگوں کے منہ پر پھینک کے تلوار کھینچے ہوئے  
 کمال دلیری سے اس طرح واپس چلا گیا۔ نوجوان کے چہرے سے اس قدر عجب و جلال  
 ظاہر ہوتا تھا اور ایسا غم و غضب طاری تھا کہ لوگ سکتے کی حالت میں خاموش کھڑے  
 کے کھڑے ہی رہ گئے۔ کسی کو یہ جرأت نہ ہوئی کہ بڑھکر اُسکو بیدھڑک چلنے سے روکے۔ یہ  
 نوجوان سکندر ششم کا بیٹا سپر بوریجا تھا۔ اسکا وفادار مکلٹو کچھ فاصلے پر چند کار آزمودہ  
 سپاہی لیے منتظر کھڑا ہوا تھا کہ اگر حاملہ گروں ہو جائے اور ضرورت پڑے تو اپنے آقا کی تائید  
 کے لیے جھٹ سے جامو جود ہو۔

## باب ۶۰

### خاندان بوریجا اور آرسنو

گذشتہ باب میں بیان کیے ہوئے حالات کے جو میسین دن صبح میں اسوقت جبکہ سپیدہ  
 سحر آفتاب کے آنے کی خبر دیتا ہے۔ دو تئو آدمی کی ایک مسلح جماعت جنگی وضع باشندگان  
 جرمنی کی سی تھی کلویم میں فراہم ہوئی۔ پادری سلیم۔ فیروز۔ اور واسٹین اس جماعت کے

افسر تھے۔ آفتاب نے افق مشرق سے ابھی سر نہ نکالا تھا کہ یہ مختصر فوج سیر کے محل کی جانب بڑھنے لگی۔ جب وہ گلی کو چوں سے ہو کر گذر ہی تھی تو چند دیگر مسلح اشخاص جو اہل اٹالی تھے خاموشی کے ساتھ اپنے اپنے گھروں سے نکل کر اس فوج میں مل جاتے تھے۔ جس سے معلوم ہوتا تھا کہ پہلے ہی اس امر میں پوری تجویز ہو چکی ہے۔

سیر کے محل کے اطراف و جانب سات سو کی فوج پہلے سے جمع تھی۔ جس کا افسر خود لارڈ آرسنو تھا۔ غرض یہ اور کلو سیم سے آئی ہوئی فوج دونوں ملکر جلد آگے بڑھنے لگیں اور تھوڑی ہی دیر میں کل فوج سیر کے محل کے قریب پہنچ گئی۔ وہ اس وقت اپنی حویلی میں دولت و شہمت کے خواب دیکھتا ہوا پڑا سو رہا تھا۔ مکملٹو نے دور سے دشمن کی فوج کو آتے دیکھ کر اسے بیدار کیا سیر کی مختصر سپاہ معاً تیار اور آمادہ ہو گئی۔ اور دشمن کے حملے کو روکنے کے قصد سے خود آگے بڑھ کر جنگ شروع کر دی سیر و مکملٹو اپنے سپاہیوں کو جرات دلا کر لڑانے لگے۔ مگر نتیجہ یہ ہوا کہ سیر کی فوج کو شکست فاش نصیب ہوئی۔ اور محل میں جا کر پناہ لینا پڑی۔ ساتھ ہی لارڈ آرسنو کی فوج بھی حکمت عملی سے محل میں گھس گئی۔ اس عالیشان عمارت کے عمدہ ہال اور مسجد کمرے جنگی سطح اور دیواریں نفیس سنگ مرمر سے بنی تھیں اور جہاں سیکڑوں جشن اور بے انتہا بدکاریاں ہوتی تھیں ان واحد میں میدان جنگ کا نمونہ بن گئے گو کہ بڑی دیر تک سیر مستقل رہ کر جو اندری کی داد دے رہا تھا۔ لیکن اپنے کار آزمودہ سپاہیوں کی لاشیں جو طرف پڑی دیکھ کر استقامت کی تاب باقی نہ رہی۔ بھاگ کر جان بچانے کی تدبیر میں سوچنے لگا۔ آخر مکملٹو کی مدد سے حویلی کے عقب سے ہو کر افتان و خیزان پلوپ کے محل میں جا داخل ہوا۔ حویلی کے پیچھے گہانہ درختوں کی کثرت کے سبب لارڈ آرسنو کے سپاہی سیر کو بھاگتا ہوا دیکھ نہ سکے۔ اور خود سیر بھی بڑی ہوشیاری عمل میں لایا تھا لارڈ آرسنو کی سپاہ سیر کے محل کا ہر کمرہ لٹھنے لگے۔ اور اس کمرے میں بھی جا کھسے



جہان وہ زہریات تیار کرتا تھا۔ اور خون کا حمام ہوا کرتا تھا۔ وہ ان کے تمام شیشے اور دوائیں لارڈ آرسنو کے محل کو بھیج دی گئیں تاکہ امتحان کیا جائے۔ پھر کیا تھا ہر فرد بشر خاندان بوجیا کے پوشیدہ مکر و فریب سے واقف ہو گیا۔ خیر۔ جب سیزر اس پریشانی اور بدحواسی کے ساتھ اپنی خاص حویلی سے مکمل طور پر خند باقیماندہ سپاہ کو ہمراہ لیے پوپ کے محل میں آیا اور ان سب کو دروازے پر نگہبانی کے لیے چھوڑ کے آپ اندر پہنچا۔ اور دیکھا تو پوپ پیس سوم جسے چوبیس دن پیشتر پوپ کا عہدہ پایا تھا بستر مرگ پر پڑا ہی۔ جسوقت سیزر خون آلود لباس میں سر تا پا مجروح اسکے قریب گیا تو وہ اپنے ہوش حواس بھی بجا نہ رکھتا تھا۔ نزدیک ایک جراح بیٹھا ہوا تھا۔ جو سیزر کے پونچنے ہی روبرو دھلے کرے میں گھس گیا۔ سیزر پوپ کے بستر کے قریب بیٹھ کے کہنے لگا۔ ”جناب عالی! میرے خاندان کے اور آپ کے دشمنوں نے مجھے حملہ کیا ہی میرے بہت سپاہی نذر اجل ہو گئے۔ آخر مجبور ہو کر صرف پناہ لینے کی غرض سے یہاں آیا ہوں۔ اور آپ سے تائید کا امیدوار ہوں۔“

پوپ۔ (ناتوان آواز میں) افسوس! میں قریب المرگ ہو رہا ہوں تمہارے لیے ایسی حالت میں کچھ نہیں کر سکتا۔“ سیزر یہ سُنکے پوپ کو غور و تامل سے دیکھنے لگا تو واقعی اسکی حالت نہایت ہی رومی معلوم ہوئی۔ کہا ”میں سمجھتا ہوں کہ آپ کو کوئی خاص مرض نہیں ہو بلکہ کسی نے آپ سے دغا کی ہو۔ اچھا یہ تو بتائیے آپ کس بیماری میں مبتلا ہیں؟“

پوپ۔ ”ماتھ پر ایک چھوٹا سا پھوڑا ہوا تھا۔ مگر وہ آنا فانا ترقی کر گیا۔ جراح کوئی مرہم لگایا کرتا ہو۔ مگر آسین سوزش اسد جہ کی ہو کہ میں بالکل تاب نہیں لاسکتا۔“

سیزر۔ (کچھ سوچ کر) ”ان بلاشبہ یہ کام لارڈ آرسنو کا ہو۔“ یہ کہہ کر اوپر کے کپڑے ہٹا کے پوپ کا ماتھ باہر نکالا۔ بڑھادر سے کراہنے لگا۔ سیزر زخم کے دیکھتے ہی بے تحاشا دوڑ کر جراح کو پوپ کے بستر کے قریب کھینچ لایا۔ اور آنکھیں نیلی نیلی کر کے اُس سے پوچھنے لگا۔ ”تمہی بتا یہ مرہم جو پوپ کے ماتھ کو لگا یا جاتا ہو تمہی کس نے دیا؟“۔ بیچارہ جراح سیزر



غضبناک صورت اور گڑبگڑیوں سے بدحواس ہو گیا۔ اسکی زبان سے بجز اس فقرے کے اور کچھ نکلتا ہی نہ تھا۔ ”حضور! مجھے چھوڑ دیجیے۔“ سیزر نے اپنی خون بھری تلوار کھینچ لی اور جلدی کے ساتھ ایک انگشتری انگلی سے لٹکائے مرہم پر رکھی وہ سیزر کے باپ سکندر مرحوم کی تھی۔ غرض بجز درکھنے کے مرہم کی تاثیر سے اسکا زرد بے رونق ہو گیا۔ سیزر نے انگشتری رکھ لی اور پوپ سے کہا: ”میرا گمان ٹھیک نکلا۔ آپ کو زہر دیا گیا ہے۔“

پوپ ”زہر! مجھے زہر دیا گیا؟“ یہ کہنے بیہوش ہو گیا۔

جراح ”مجھے پناہ دیجیے میں پوری حقیقت بیان کرتا ہوں۔“

سیزر ”سچ سچ بتاؤ کہ تجھے اس کام کی ترغیب کسے دی؟“

جراح ”لارڈ آرسنوا اسکا بانی ہوا۔ مجھے آزاد کیجیے حضور! آہ! میں بے گناہ ہوں۔“

یہ سنکر سیزر میں ضبط کی تاب نہ رہی۔ جراح کے سر پر تلوار کا ایک ہاتھ اس زور سے چھوڑا کہ سر پاش پاش ہو کے دماغ کے ریزے پوپ کے بستر پر پھیل گئے۔ اس برہمی سے کیے گئے وار کی دل شکن آواز اور ایک قوی تن آدمی کے بے اختیار زمین پر گرنے کی صدا نے پوپ کو غفلت سے بیدار کر دیا۔ وہ بڑی دقت کے ساتھ اٹھکے اپنے بچھونے پر بیٹھا۔

سیزر نے آپکا ایک دشمن تہ تیغ ہوا۔ لارڈ آرسنوا نے اس کمبخت کو ترغیب دی ہے کہ اس مرہم کے ذریعے زہر دیا جائے۔ مگر بے! اس وقت میرے ہی جان کے لالے پڑے ہیں اب آپ فرمائیے کہ میں کہاں جاؤں تو اسن اور اطمینان نصیب ہو۔؟“

پوپ نے مرہم کے تکیہ کے نیچے قلعہ سینٹ آنگلو کی کجیاں بہن۔ انہیں لیجا کے کیسیطرح اپنی جان بچالو۔ میں آخر دم تک تمہاری سلامتی کے لیے دعا کرتا رہوں گا۔“ سیزر کجیاں لیکے قلعہ سینٹ آنگلو پر گیا اسکو اتنی بھی فرصت نہ تھی کہ پوپ کا شکریہ ادا کرے۔ قلعہ کا حاکم سیزر کے ساتھ نہایت اخلاق و مروت سے پیش آیا۔ کیونکہ اسکو یقین ہو گیا کہ سیزر پوپ کے پاس سے کجیاں لے آیا ہے۔ اور اسی سبب خیال کیا

کہ شاید پوپ نے سیزر کو دشمنوں کے ہاتھ سے بچانے کے لیے حکم کیا ہی۔ گورنر نے مکٹھو کو جو پوپ کے محل پر چند سپاہیوں کے ساتھ بڑا تھا کھلا بھیجا کہ جلد سب ہمراہیوں کو لیے قلعہ میں آ جاؤ۔ مکٹھو نے نہایت خوشی سے اس حکم کی تعمیل کی۔ لارڈ آرسنو سیزر کا محل لوٹ چکنے کے بعد پوپ کے محل کی طرف بڑھا چلا آ رہا تھا۔ تاکہ آسپر بھی اپنا پورا قبضہ کر لے غرض جب دروازہ مکان پر پہنچا تو پادری کو پس نے باہر نکلا پوپ کا قریب المرگ ہونا اور سیزر کا قلعہ انجیلو میں پناہ لینا لارڈ آرسنو سے بیان کر دیا لارڈ کو پوپ کی بیان شدہ حالت میں کچھ شک نہ تھا۔ کیونکہ وہی اسکے زہر دیے جانے کا سبب ہوا تھا۔

لارڈ آرسنو نے اپنی فوج کو واپسی کا حکم دیا۔ کیونکہ قلعہ انجیلو کا محاصرہ کرنے کے لیے کافی فوج اسکے پاس نہ تھی۔ لیکن یہ حکم پادری اسلم کی رائے کے خلاف تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ ابھی قلعہ پر حملہ کیا جائے۔ مگر لارڈ نے باوجود پادری کے اصرار کے ایک نہ مانی۔ فوج واپس ہوئی۔ اور وہ دن گذر گیا۔ تمام شہر میں کھل بل بڑی تھی۔ ہر شخص خاندان بورجیا پر نفرتیں اور لارڈ آرسنو کی کامیابی کے لیے دعا کر رہا تھا پادری نے جو خاندان بورجیا کے خون کا پیاسا تھا لو کریز کو بہت کچھ ڈھونڈا۔ مگر اسکا شہر بھر میں کہیں پتا نہ ملا۔ اور ملتا کیونکر؟ بھائی کی ناکامی اور بتلاے آفت ہونے کا حال سنتے ہی وہ فوسٹ کے ہمراہ اپنی جان بچانے کے لیے نکلتی۔ اور شہر کے باہر آکر دم لیا۔ اہل شہر کو یقین ہو گیا کہ اب آئے دن جنگ و جدال سے فرصت نہ ملیگی اور صلح و امن ڈھونڈنے سے نہ ملیگا۔ اسی رات میں پوپ پچیس سوم مر گیا۔ اُن آدمی رتبہ پادریوں نے جو خاندان آرسنو کے مخالف تھے سیزر کو کھلا بھیجا کہ ہم آپ کی مدد کیلئے مستعد اور آمادہ ہیں۔ یہ کیفیت سیزر کو آدھی رات کے وقت معلوم ہوئی۔ گو اس سے ایک امید اور خوشی پیدا ہو گئی۔ لیکن جسم سے خون زیادہ بہنے کے سبب وہ نہایت ناتوان ہو رہا تھا۔ اور دوپہر شب گذر جانے سے نیند بھی غلبہ کرنے لگی تھی۔ حاکم قلعہ کے کوچ پر بٹھا ہوا تھا۔ ابھی پورے طور پر آنکھیں بند نہ ہوئی تھیں کہ بہت ہی سہولت سے دروازہ کھلا۔ اور ایک شخص

سر سے پاؤں تک اپنا جسم لباس میں چھپائے ایک ہاتھ میں چراغ لیے اور دوسرا ہاتھ اس پر ہوا نہ لگنے کے لیے اڑکیے ہوئے اندر آیا۔ سیرنگھبر اکراٹھا۔ اور اپنی تلوار جو پہلو میں رکھی ہوئی تھی لیکر مستعد کھڑا ہو گیا۔

شخص ”حضور والا! آپ کچھ خوف نہ کیجیے۔ میں دشمن نہیں بلکہ آپ کا خیر خواہ ہوں۔“ لیکر چراغ میز پر رکھا۔ اور جب اوپر والا طویل جامہ نکال دیا تو سیرنگھبر نے پہچاننا کہ کون شخص ہے وہ پادری جولین تھا۔

سیرنگھبر۔ (تلوار ہاتھ میں کھڑے ہوئے) ”آپ مجھے کیا چاہتے ہیں؟“  
پادری جولین۔ ”حضور! شہر و م کے پادریوں کا ایک بڑا حصہ آپ کے زیر فرمان ہے آپ پوپ کا عہدہ مجھے دلوادیکھیے تو میں آپ کے دشمنوں کو تباہ و برباد کرنے کا فرما لیتا ہوں۔“

سیرنگھبر۔ ”اچھا۔ میں راضی ہوں۔“ سیرنگھبر پادری جولین میں چند شرطیں ہوئیں اس کے بعد پادری وہاں سے نکل گیا۔ سیرنگھبر کو اپنی برگشتہ قسمت کے پھر عروج پر آنے کی امید بھی دوسرے دن علی الصبح علماء پوپ کے محل میں جمع ہوئے۔ کیونکہ اس وقت کی حالت کے نظر کرتے جلد کسی شخص کو پوپ کے عہدے پر مقرر کرنا ضروریات سے تھا۔ اس بارے میں سیرنگھبر بھی بہت کچھ سعی کر رہا تھا کہ جلد یہ کام وقوع میں آئے۔ غرض اس روز دن کے گیارہ بجے پادری جولین پوپ مقرر ہوا۔ مکٹو اپنے آقا کو یہ خیر سنائے کی غرض سے نکلا۔ اور اس کے کمرے کے قریب پہنچا ہی تھا کہ روبرو سے فوجی ہتھیاروں کی آواز کاؤن میں گونجنے لگی۔ سیرنگھبر اور مکٹو دونوں کے دونوں بہت ہی گھبرائے۔

سیرنگھبر۔ (کھڑکی سے نگاہ کر کے) ”مکٹو! افسوس! ہم سے دغا کی گئی۔ حاکم قلعہ ہمارے پوپ نے مجھے دغا دی ہے۔ لارڈ آرسنوک کی فوج ہماری جان لینے کے لیے آگئی ہے۔ اب ہمیں ضروری ہے کہ دم واپسین تک مستقل رہے اپنے جان بچانے کے لیے۔ یہ فقرے

ابھی سیزر کی زبان ہی پر تھے کہ لارڈ آرسنو پادری انسلم واسٹین فیروز اور بہت سی سپاہ بہ زور و دروازہ کھول کر کمرے میں در آئی۔

سیزر ”اٹھی! اب ہماری جانوں کا خاتمہ ہی!“

پادری انسلم۔ (آگے بڑھ کر) ”ہاں۔ امی ملعون بوجیا! بیشک تیری موت آگئی۔ یہ ککر پادری انسلم تلوار کھینچ کر سیزر پر وار کرنے کی نیت سے بڑھا۔ قریب تھا کہ سیزر دو ٹکڑے ہو کے زمین پر گر پڑے کہ دفعۃً فوسٹ لوگوں کو ہٹاتا ہوا بلا سے ناگہانی کی طرح وہاں آپہنچا۔ اور پادری کے ہاتھ کو روک کر کہنے لگا۔ ”تو بڑا ہی بد بخت ہی تیری یہ جرات!! کیا تجھے نہیں معلوم کہ خاندان بوجیا کے خیر خواہ ابھی دنیا میں باقی ہیں“ یہ ککر پادری انسلم کو گھسیٹتے ہوئے کمرے کے دوسرے کونے پر لیجا کے ٹھہرایا۔

سیزر۔ (فوسٹ سے) ”میری زبان نہیں کہ آپ کا شکریہ ادا کروں۔ یہ دوسرا مرتبہ ہی جو آپ میری جان بچائی“ لارڈ آرسنو اور اسکے ہمراہی فوسٹ کے یکایک آپہنچنے سے اس درجہ متحیر ہو گئے کہ منہ سے بات بھی نہ نکلتی تھی۔ حیران و پریشان ایک دوسرے کی صورت دیکھ رہے تھے۔ فوسٹ نے لارڈ آرسنو سے مخاطب ہو کر کہا۔ ”کیا جنگ کرنے کا یہی طریق ہے کہ ایک شخص کو بے بس اور لاچار دیکھ کر اتنے لوگ یکبارگی اسپرٹوٹ پڑیں۔ اس مرد کو دیکھو! پادری انسلم کی طرف اشارہ کر کے جو متقیانہ لباس میں ہی تم جانتے ہو کہ یہ کون ہے اسکا اصلی نام الکرکٹس ویانا کا رہنے والا ہے۔ یہ پہلے شاہی فوج کا ایک سپاہی تھا۔ اور گہوارہ خانہ کا پہرہ دیتے ہوئے کچھ دغا و فریب کرنے کے جرم میں اسکو سولی دی گئی۔ لیکن جب جلاوٹے مردہ سمجھ کر بھٹک دیا تو اسوقت تک اسکی جان نکلی نہ تھی۔ بہت دیر بعد میں آیا۔ اور دوسرے شہر دن میں بھاگ کر وہاں اپنے آپکو ایک متقی پادری کی حیثیت میں مشہور کیا ہے۔ تم سب بھی اسکے دھوکے میں آگے چھٹیس سال سے اسی کمر فریب میں زندگی بسر کر رہی ہو۔ اور نہ دراصل یہ وہی الکرکٹس ہی جو چھٹیس برس پیشتر شہر نیاہ ویانا کے باہر لٹکا یا گیا تھا۔“

## باب ”۶۱“

قلعہ سینٹ آنجلو کے تہ خانے

لارڈ آرسنواور اُسکے ساتھیوں نے جب فوسٹ کی زبانی پادری انسلم کی حقیقت سنی تو کمال متعجب ہو گئے۔ اور حیرت و استعجاب سے اُنکے دلون کی حالت قابل بیان نہ رہی اُس نے مانے میں یہ بات نہایت معیوب خیال کیجاتی تھی کہ کسی مجرم اور خاطی سے گو کہ وہ کیسا ہی شریف و نجیب کیون نہوراہ و رسم رکھی جائے۔ غرض سب کو پادری انسلم کی طرف سے ایک نفرت سی پیدا ہو گئی۔

فوسٹ۔ ”وہ شخص ارک کنس جسے تم ایک مقدس شکل میں دیکھ رہے ہو بڑا ہی مکار اور دغا باز ہے۔ جب یہ اور اسکے دو اور ساتھی ٹکرائے گئے تو سب کی لاشیں ڈاکٹری ہتھان کی غرض سے ایک کوٹھری میں بند رکھی گئیں۔ جب رات کو ڈاکٹر نے آکے دیکھا تو ایک لاش کا پتا نہیں۔ اسکا سبب یہ ہوا کہ یہ مرد و دھتوڑی دیر بعد ہوش میں آیا۔ اور دیگر لاشوں کے ساتھ اپنے آپ کو پکڑا دیکھ کر پہچان گیا کہ میں اسپتال کے مردہ خانہ میں ہوں۔ بدحواسی کے ساتھ اٹھ کر بازو کے کمرے میں گیا جو خاص ڈاکٹر کے رہنے کی جگہ تھی۔ اور اسوقت آدمیوں سے خالی تھی۔ خیر جھٹ سے ڈاکٹر کا ایک کوٹ اور کچھ روپیہ لیکر فرار ہو گیا۔ اور اس بھیس میں لوگوں کو بڑی ترغیبیں دیتا رہا ہے۔ میں نے جو کچھ کما خود اُسی سے پوچھو کہ صحیح ہے یا غلط۔ کیونکہ وہ تو ہمیں رو برو کھڑا ہوا ہے۔“

یہ سنکر پادری انسلم جو خستہ حالی سے نیچے پڑا تھا اٹھ کر کہنے لگا۔ ”مجھے اب بیان سے جانے دو۔ میرا کوئی کام نہیں۔“ سب کے سب اس قدر دودھٹ گئے کہ پادری کے جسم کی ہوا بھی لگنے نہ پانے۔ جب وہ جانے لگا تو اُسی کے ملازم والسٹین و فیروز نے بھی اسکے حال پر کچھ تاسف نہ کیا۔ والسٹین جو ایک اول درجے کا دغا باز و جلسا ساز تھا۔ اور جسے ظہرین کے نام سے



ایک مدت زندگی بسر کی۔ اور ایک دفعہ موت کے پنجے سے چھوٹ نکلا تھا۔ وہ بھی اُس سے نفرت و انکار کرنے لگا۔ مگر بان فیروز کے دل میں کچھ رحم آ ہی گیا۔ لہذا چند قدم بڑھ کر کہا: ”اگر کوئی شخص کسی جرم کے سبب سزا یا بھرا ہو۔ اور اُس سے اتفاق سے یا خوش نصیبی سے بچ نکلا ہو۔ کیا ضرور ہی کہ تمام لوگ اُس کے ساتھ انکار و نفرت کا برتاؤ کریں۔ چاہے اور سب اُس سے الگ ہو جائیں۔ میں تو آخر دم تک اُس کا وفادار ساتھی ہو رہوں گا۔“ یہ کہہ کر فیروز الکرکنس کے پیچھے بولیا۔ اور دو دن دم کے دم میں نظروں سے غائب ہو گئے۔

فوسٹ۔ (لارڈ آرسنوسے) ”آج کی روداد سے آپ سین بیکھلین کہ کسی غیر شخص کو اپنا معاون بنانے کے قبل اُس کے پورے حالات سے واقف ہو جانا چاہیے۔ ورنہ پشیمانی ہوگی اور وہ بروہا نہ شرمناک تھم جو اپنے ایک بیکس و مجروح شخص کے قتل کا کیا وہ۔“ جب فوسٹ نے اس قدر کہا تو لارڈ آرسنوسے میں تاب باقی نہ رہی نہایت غصہ ہو کر کہا: ”میرے خیال میں نہیں آتا کہ تم جو محض اجنبی ہو مجھے نصیحت کرنے کا کیا حق رکھتے ہو؟“

فوسٹ۔ (حقارت سے) ”میں اس لیے نصیحت کرتا ہوں کہ تم سے قوی تر اور بالادست ہوں۔ تم نہیں جانتے کہ اس قلعہ کی زمین میں چند کھڑکیاں ایسی لگی ہیں جنکے نیچے فوجوں کو غارت کرنے کے لیے عمیق چاہ بنائے گئے ہیں؟۔ تم اس سے بھی بخبر ہو کہ مارکر آرسنوسے نے جو تمہارے اجداد سے تقا کس حکمت و دانائی سے اُن کھڑکیوں اور چاہوں کو تباہ کیا جو صرف ایک کمان کو حرکت دینے سے اعلیٰ زمین اور پھر اُن کا پتہ نہ لگے۔“

لارڈ آرسنوسے۔ ”بان میں نے سنا تو ہی۔ مگر میری دانست میں وہ روایت کسی فسانہ گو کے خیالی ڈھکوسلے سے زیادہ معتبر نہیں معلوم ہوتی۔ خیر۔ تم ہٹ جاؤ خانہ ان بورجیا کے نابود ہونے کا وقت قریب آگیا۔“

فوسٹ۔ تمہیں ضرور ہی کہ یہاں سے نکلیاؤ۔ ورنہ اسی تہ خانے میں غارت کر دیے جاؤ گے جسکا میں نے ابھی ذکر کیا ہے۔ اس وقت تم موت کے ہونٹوں پر کھڑے ہو۔ (دیوار میں لگی ہوئی)



ایک کڑی پرہاتھ رکھے) دیکھو یہی کبھی اُس غار کے دروازے کو کھولنے کی ہی جو اس وقت  
تھارے قدم کے نیچے ہی۔

لارڈ آرسنو کے ہمراہی خوف سے کانپنے لگے۔ مگر وہ برابر انکار ہی کیے گیا۔

فوسٹ۔ (آرسنو سے) ”تم بڑے احمق ہو۔ اب بھی اگر جان پیاری ہی تو چلے جاؤ مین  
تھیں امن حاصل کرنے کا موقع دیتا ہوں۔“ فوسٹ نے اپنا ہاتھ کڑی پر سے اٹھا لیا  
مکلوٹو نے دیکھا کہ فوسٹ کا ارادہ دشمنوں کو غارت کرنے کا نہیں ہے۔ بس پھرتی کے ساتھ  
آپ ہی آگے بڑھ کر اُس کڑی کو دبا دیا۔ اور اس قدر جلد کہ باوجود فوسٹ کی کوشش کے  
اُسکا ہاتھ رک نہ سکا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لارڈ آرسنو اور اُسکے چھ یا ساتھ ہمراہی ایک غار کے مُنڈ  
سے نیچے اترنے لگے۔ اُنکی گریہ وزاری اور چیخنے چلانے کی صدا مین سیننے والوں کے دلوں  
کو ہلا رہی تھیں۔ ایک لمحے مین سبھوں کے پانی مین گرنے کی آواز آئی۔ اور وہ چیخ موقوف ہو گئیں۔  
اُس وقت غار کے ایک جانب لارڈ آرسنو کے باقی ماندہ چند سپاہی اور دوسری طرف  
فوسٹ سینر اور مکلوٹو کھڑے تھے۔ سپاہی ہیبت و وحشت سے کھڑے غار کو دیکھنے لگے۔  
فوسٹ بھی ششدر کھڑا تھا۔ مگر سینر و مکلوٹو مسرت کے ساتھ ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے  
آخر کار فوسٹ اُن سپاہیوں سے مخاطب ہو کر کہنے لگا: ”اب تمہارا یہاں کوئی کام  
نہیں بہتر ہے کہ چلے جاؤ۔“ سب خوشی سے نکل گئے۔

فوسٹ۔ (مکلوٹو اور سینر کی طرف متوجہ ہو کر) ”جو کچھ گذر گیا۔ وہ واپس آنے سے بہا۔  
مگر یہ دردناک حادثہ وقوع مین نہ آتا تو مناسب تھا۔“

سینر۔ ”وہ نامرد بزدلانہ طریق سے مین قتل کرنے پر آمادہ ہوا۔ اُسے چاہیے تھا کہ وہ اپنے  
میدان مین جنگ کرنا۔ اس صورت مین مکلوٹو نے جو کچھ کیا بہت خوب کیا۔ لیکن آپ نے  
ہماری نسبت آج جو ہمدردی کی اُسکا شکر افاظ کے ذریعہ ادا کرنا ممکن نہیں اتنا تو بتائیے  
کہ آپ کیونکر ٹھیک اس وقت یہاں آئے۔ جبکہ مجھے مدد کی سخت ضرورت تھی۔“

فوسٹ ”کل صبح کو میں آپ کی ہمیشہ کو کرنا کو شہر سے باہر لیے چلا گیا۔ تاکہ دشمن اپنا حملہ نہ کر سکیں۔ اور بہت دور تک اُنھیں پہنچا آیا۔ رخصت کے وقت وہ نہایت عاجز کے ساتھ گئیں کہ آپ کو مخالفون کے شر سے بچاؤں۔ اور میں نے وعدہ بھی کیا تھا کہ حتی الامکان تمہارے بھائی کی مدد کروں گا۔“

اُسی اقرار کے بموجب میں پھر اس شہر میں آیا۔ آپ کو کرنا کے بارے میں کچھ فکروں پر نہ کریں۔ وہ اس وقت دشمنوں کے پنجے سے بہت دور نکل گئیں ہیں۔ جبکہ میں کل شب میں یہاں پہنچا تو سنا کہ پادری انسلم کو کرنا کو تلاش کر رہا ہے۔ اور نیز آپ کے قتل کا ارادہ رکھتا ہے۔ مجھے معلوم تھا کہ آپ اس قلعہ میں پناہ گزین ہوئے ہیں کل جس وقت پادری جو لین پوپ کے عہدے سے ممتاز ہوا۔ اُسی وقت اُس نے اور لارڈ آرسنوں نے ملکر کوئی پوشیدہ تجویز کی اور اُسی تجویز کا نتیجہ ہی جو آپ پر حملہ ہوا میں اُنکے ساتھ ہی یہاں آیا۔ اور اُس قاتل کے وار کو روکا جو اور لمحہ بھر میں آپ کی جان لے لیتا۔“

سینئر ”نادم مرگ میں آپ کا ممنون احسان رہوں گا۔ لیکن یہ بات مجھے حیرت میں ڈال رہی ہے کہ آپ کو ان غاروں کی ماہیت کیونکر معلوم ہوئی؟ جس سے آج تک مجھے خود آگئی نہ تھی۔“

فوسٹ ”معاف کیجیے! یہ راز میں آپ سے بیان نہیں کر سکتا۔ گو میں بہت دور کی خبر رکھتا ہوں مگر اسکا ذریعہ نہایت پوشیدہ ہے جو کسی سے کہنے کا نہیں۔ خیر۔ چلتے چلائے میں آپ کو ایک نصیحت کرتا ہوں اگر مان لیجیے تو آپ ہی کے حق میں بہت کچھ مفید ہے۔“

سینئر ”بسم اللہ فرمائیے! میں سر آنکھوں سے اُس پر عمل کروں گا۔ چونکہ آپ میرے خالص اور سچے دوست اور دلی خیر خواہ ہیں۔ لہذا میں یقین سمجھتا ہوں کہ آپ جو کچھ فرمائیں گے وہ عین میری بہتری کے لیے ہوگا۔“

فوسٹ ”آپ پادریوں کا لباس بدل کر روم سے شہر آسٹیا کی طرف نکل جائیے۔ وہاں سے بے خوف و خطر فرار میں پہنچ سکتے ہیں۔ جہاں آپ کی ہمیشہ ہیں اب مناسب ہے کہ“

آپ افواجِ سلطنتِ روم کی سپہ سالاری سے دست بردار ہو جائیں۔ اور پوپ کے تقرر کے بارے میں بھی دخل نہ دیں۔ جلدی اٹھیے ایک ایک لمحہ جو گذر رہا ہے آپ کے لیے بہت قیمتی ہے۔ پوپ جو لین آپکا دشمن ہو گیا ہے۔ اور عجب نہیں کہ لارڈ آرسنوکے طرفدار آپ سے انتقام لینے پر مستعد ہو جائیں۔“

سینئر: ”تو کیا آپ بھی لو کر نرا کے پاس فرار کو تشریف لیجاتے ہیں؟“  
 فوسٹ: ”نہیں۔ مجھے وہاں کوئی کام نہیں اگر سچ پوچھو تو خاندان بورجیا کے امور میں دخل دیتے دیتے میں تنگ آگیا۔ لہذا صرف آپکو شہرِ آسٹبان تک پہنچا کر رخصت ہو جاؤں گا۔“  
 سینئر: (غصے سے ہونٹ چبا کر) ”کیا لو کر نرا سے آپ اس قدر جلد باز آجانا چاہتے ہیں؟“  
 فوسٹ: ”جی ہاں۔ آپ سے کہتے ہوئے مجھے کچھ خوف نہیں۔ آپ کی ہمیشہ صاحبہ کی گذشتہ بدکاریاں اور پھر ہمیشہ انہیں کونباہے چلے جانے کا خیال مجھے ترغیب دے رہا ہے کہ میں ایک ایسے شیطان سے جو فرشتے کی صورت میں ہی باز آجاؤں۔“

سینئر: (تلوار پر ہاتھ رکھ کر) ”حضور! یہ گستاخی۔ اور پھر میرے ہی روبرو؟“  
 فوسٹ: ”آرہ، نے سچا حال کہنے کے لیے فرمایا تو میں نے راست راست بیان کر دیا۔ اب آپکو جان عزیز ہو تو میرے ہمراہ جلد آئیے۔“ یہ کہہ کر دیوار پر لگی ہوئی کڑی کو زور سے دبا یا تو غار کے منہ پر ڈھکن پڑ گیا۔ اور سطح برابر ہو گئی۔ سینئر غصہ کو پی گیا۔ کیونکہ فوسٹ کی چند خاص باتیں یاد آگئیں اور اسکو سہاویہ یعنی زہریلی ہوئی شراب پیکر بغیر کسی ہرج کے صحیح سالم رہنا۔ سکندر کے جنازے پر جو حملہ ہو رہا تھا اس دن ایسے استقلال سے آکر ہزاروں لوگوں کو منتشر کر دینا۔ پادری انسلم کا وار بجانے کے لیے دفعۂ آمو جو دہونا قلعہ سینٹ آنجلو کے مخفی تہ خانوں سے واقف ہونا۔ اور اسکو کسی وقت کسی کا خون دامنگیر نہ ہونا وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب باتیں ذہن میں آکر سینئر کے دل میں فوسٹ کی جانب سے خوف اور رعب پیدا کرنے لگیں۔ آخر وہ اسکی نصیحت پر عمل کرنے کے لیے

مستعد ہو گیا۔ مٹھو پاؤں پر پاشاک لانے دوڑا گیا۔ اور جلد لا کر حاضر کیا۔ لباس پہننے کے بعد فوسٹ سینئر اور مکٹو وہاں سے نکلے۔ اور دریاے پیٹریر جا کر ایک کشتی میں سوار ہو کر نہایت سرعت کے ساتھ شہر اسٹیا میں داخل ہو گئے۔ وہاں پہونچ کر فوسٹ نے ایک کیسہ پُر از زہر سینئر کو دیا۔ اور کہا: ”اب آپ دشمنوں کے تعاقب سے محفوظ رہیں۔ جائیے خدا حافظ! غالباً آپ ہم آئندہ کبھی ملنے کا اتفاق نہ ہوگا۔“

سینئر نے آپ کا بھی خدا حافظ۔ مگر قبل اسکے کہ ہم جدا ہوں اتنا اور بتا دیجیے کہ میری جو آپ نے اس درجہ مدد و تائید کی۔ اسکا اصلی سبب کیا ہو؟۔“  
فوسٹ نے۔ ”کچھ تو آپ کی ہمیشہ کی خاطر سے۔ اور کچھ اسوجہ سے کہ آپ کے سے دلیر اور بیباک شخص کی مدد کرنا مجھے ہمیشہ مرغوب طبع رہا ہو یہ کارروائی عمل میں آئی۔“ یہ کہہ کر فوسٹ معاد وہاں سے کسی طرف چل دیا۔

سینئر۔ (مکٹو سے) ”فوسٹ بلی عجیب شخص ہی! میں خوب سمجھتا ہوں اُسے کوئی ایسی قوت حاصل ہے جو انسان کے قیاس میں نہ آسکے۔ وہ دیکھتے ہی دیکھتے افلاس کے تاریک گڑھے سے نکلا کر دولت و شہرت کے آسمان پر آفتاب کی طرح چمکنے لگا۔ مگر یہ کوئی نہیں بتا سکتا کہ اُسے اس قدر اقتدار کیوں حاصل کیا!۔“  
مکٹو نے ہان پیر و مرشد بندہ بھی اسی تردد میں ہی لیکن کیا عجب کہ وہ کوئی شیطانی تعلق رکھتا ہو؟۔“

سینئر۔ (ہنسکے) ”وہ اگر واقعی شیطانی تعلقات میں پھنسا ہوتا۔ جیسے کہ بعض افسانہ نویس لکھا کرتے ہیں تو ضرور خاندان بورجیا کے اراکین کو اپنی خدمت میں لینے کی خواہش کرتا تھا۔“  
مکٹو نے شاید اسکا یہ خیال ہو کہ اہل خاندان بورجیا بغیر میری تحریک و ترغیب کے ضلالت میں گرفتار ہیں پھر انھیں اپنی خدمت میں لینے کی کون ضرورت ہے؟۔ جب یہ فقرے مکٹو کی زبان سے ادا ہوئے۔ اُس وقت کسی کے زور سے قہقہہ مار کر ہنسی کی

آواز کان میں آئی۔ حالانکہ کوئی تیسرا شخص وہاں نہ تھا۔  
 سیزر۔ (سنبھل کر) ”یہ صرف ہمارا گمان ہی ہے۔ ورنہ حقیقت کچھ نہیں!“  
 مکٹو۔ ”بجا ارشاد ہوا۔ بیشک گمان ہی ہے۔ لیکن بعض اوقات آدمی کی زبان سے  
 بے ساختہ کوئی ایسی بات نکل جاتی ہے جو واقعی ہو پس میرا یہ کہنا کہ ”فوسٹ کو کچھ شیطانی  
 تعلق ہوگا۔“ صحیح ہے“ سیزر نے اسکا کچھ جواب نہ دیا۔ اور تھوڑی دیر بعد اسپینرو کو  
 جانے کے لیے جہاز مقرر کرنے کے قصد سے ساحل پر گیا۔

## باب ۶۲

### مہمانسراے کبرگ

ماہ۔ اگست ۱۸۹۷ء ہے۔ شہر وٹن برگ کے اطراف و جوانب میں قیمتی فصل کسانوں  
 کے دلوں میں امید اور خوشی کی انگلیں پیدا کر رہی ہے۔ ناظرین کو ہم مکرر مہمانسراے کبرگ  
 تک لیجانا چاہتے ہیں۔ جسکا بیان قصہ کی ابتدا میں ذرا سا آچکا ہے۔ مالک مہمانسرا  
 (وہی شخص جسے ہامیل کی مہمانی کی تھی) ایک کرسی پر بیٹھا دیہات کی بنی ہوئی شراب  
 پی رہا تھا۔ یہ شخص (یعنی مالک مہمانسرا) ہر من نام موضع کبرگ میں نہایت باوقار اور  
 قابل تعظیم سمجھا جاتا تھا۔ وہ اس گائون کا مجسٹریٹ بھی تھا۔ اور اسی لیے لوگ گمان کرتے تھے  
 کہ اسکو عدالت و مسمے بھی کوئی خفیہ تعلق ہے۔ کل لوگ اسکا نہایت ادب اور خوف کرتے تھے  
 اور وہ بھی اپنے رعب و داب کو قائم رکھنے کی غرض سے لوگوں کے اس خیال کے ترقی  
 دینے اور اپنے اوصاف و اطوار سے اس امر کا ثبوت دینے میں ہمیشہ سرگرم رہا کرتا تھا۔  
 آسدن جبکہ وہ شراب اڑاتے ہوئے مہمانسرا میں بیٹھا تھا۔ شام کا وقت تھا۔ رات کی تاریکی  
 شفق کی سرخی کو مٹا رہی تھی۔ ایک نوجوان شخص گھوڑے پر سوار مشرقی سمت سے آکر مہمانسرا  
 کے دروازے کے رو برو ٹھہرا۔ مسٹر ہرمن نے اسوجہ سے توجہ نہ کی کہ نووارد شخص کے ہمراہ



نہ ملازم ہی تھا نہ سپاہی۔ اور نہ وہ کوئی شاندار لباس پہنے تھا۔ صاف ستھری پوٹاک  
مین بے تکلفی کا رنگ جھلکتا تھا۔ اور ساتھ میں بجز ایک چمڑے کے بکس کے جوڑین سے  
بندھا تھا۔ کوئی اور اسباب نہ تھا۔ ایسے شخص پر مسٹر ہرن جو ایک مجسٹریٹ اور عالی دماغ  
شخص تھا۔ کیونکر توجہ کرتا؟ اپنے خادم کو پکار کر کہنے لگا: ”لڈوگ! تم بڑے ہی کاہل آدمی ہو  
ایک مسافر دروازے پر کھڑا ہوا ہو۔ اور تم کچھ خیال ہی نہیں کرتے۔“ یہ حکم کر کے آپ ایک  
اور پیالہ چڑھا گیا۔

لڈوگ باہر نکل آیا۔ اسکی ہیئت نہایت عجیب تھی۔ سر کے بالوں میں کچھ اس درجہ کا  
کوڑا اور گھانس لگی تھی کہ دیکھنے والے کو پہلی نظر میں کوڑے کا ٹوکرا نظر آتا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ  
اپنے قوی جسم کو کھینچتے ہوئے سوار کے قریب آیا۔ اور اس سے اترنے کی درخواست کی۔  
”مسافر! کیا یہاں کھانے کے لیے کچھ غذا اور شب کو سونے کی جگہ مل سکیگی؟“  
لڈوگ: ”واہ! اگر آپ کے پاس روپیہ ہو تو یہاں بیاہ بھی ہو جانا ممکن ہو!۔“  
”مسافر! مسٹر ہرن نے مجھے شاید ایک اجنبی تصور کر کے کچھ التفات ہی نہ کیا؟“  
”ہرن! آغاہ! آپ ہن میرے مکرم دوست!! آٹو!!“

”مسافر! جی ہاں۔ میں ہوں۔ اپنے ملازمین کو حکم دیکھیے کہ جلد اسباب خورد و نوش مہیا  
کرین کیونکہ میں بہت بھوکا ہوں۔“ ہرن آٹو کے دیکھنے سے نہایت مسرور ہوا۔ وہ  
بچپن سے اُسکو جانتا تھا۔ اُسکے نیک رویہ اور عمدہ چال چلن کے سبب دیگر لوگوں کی  
طرح وہ بھی آٹو کو دل سے عزیز رکھتا تھا۔ اُسی بنا پر مالک مہانسرا اپنی عالی دماغی کو طاق  
رکھ کر جھٹ سے اُٹھا۔ اور باورچیخانہ میں جا کر حکم دیا کہ جلد آٹو کے لیے کھانا تیار کیا جائے  
اور آپ لوٹ کر اپنے مہمان کے قریب آیا اور کہا: ”کھانا بہت جلد تیار ہو کر آجائے گا۔“  
”میرے پاس رکھی ہوئی شراب سے دو ایک ساغر نوش کیجیے۔ تاکہ پیاس اور  
ماندگی رفع ہو۔“ آٹو نے قبول کیا۔ اور وہیں مسٹر ہرن سے ادھر ادھر کی باتیں کرتا بیٹھ گیا۔



ہرمن - (تھوڑے تامل کے بعد) میں آپ کو عام کمرے میں کھانا کھلوانے پر مجبور ہوں۔ کیونکہ اس خاص کمرے میں جو ادھر کی جانب ہو دو نئے شخص فروکش ہیں۔ وہ کچھ اجنبی لوگ بھی نہیں ہیں۔ مگر خیر انکا ذکر جانے دیجیے۔

آٹو - اس بارے میں مجھے کہنے کی کون ضرورت ہے؟ آپ تو جانتے ہیں میں کوئی رہنما طلب اور تن آسان نہیں ہوں جو ہمیشہ پر تکلف مقامات میں آرام و آسائش سے رہنے کا ارادہ کروں؟ ہرمن - آپ کی ہمیشہ ایڈا کی کیا کیفیت ہے؟ میں نے سنا تھا کہ اسکی شادی ایک بہت بڑے عالیجاہ امیر سے ہو گئی ہے۔

آٹو - اسکا ذکر میرے روبرو نہ چھیڑیے! اب وہ زندہ بھی نہیں ہے۔ ہرمن - ہاے کیا عین جوانی میں وادع مفارقت دائمی دے گئے؟ افسوس! آٹو - (غملگین آواز میں) وہ جو ر و ظلم کے ساتھ مار گئی۔ مگر میری خوشی اسی میں ہے کہ ہم اس گفتگو سے باز آئیں۔

ہرمن - اچھا یوں ہی سہی۔ یہ تو فرمائیے کہ آپ ادھر کیونکر آ نکلے۔ میں سمجھے ہوئے تھا کہ آپ نے ویانا میں کچھ تجارت وغیرہ شروع کی ہے!۔

آٹو - مدت دراز تک غربت و افلاس نے میرا پیچھا نہ چھوڑا۔ لیکن بعد کو خوش نصیبی سے ایک امیر میرے حال پر مہربان ہوا۔ اور ایک ادنیٰ خدمت کے صلہ میں مجھے اس درجہ نال کر دیا کہ اب تک فارغ البالی نصیب ہے۔ میرے ادھر آنے کی یہ وجہ ہوئی کہ لارڈ روزنٹل کی بیٹی تریزانے چار سال کے زمانے سے اپنے باپ کو نہیں دیکھا ہے۔ اور اسی وجہ سے خطوط دیگر مجھے لارڈ کی خدمت میں بھیجا ہے۔ میں اب اسی کے قلعہ کی طرف جا رہا ہوں۔ اس خدمت کی انجام دہی خوشی کے ساتھ میں نے ایسے اپنے ذمے لی کہ ایک تو بچپن سے مجھے اس سرحد کے ساتھ یوں ہی سی محبت ہے۔ اور دوسرا اپنی مادر شفقت کی قبر کی زیارت کا بھی موقع ملے گا۔ اسوقت مسٹر ہرمن کی بھتیجی آئی۔ اور کھانا تیار ہونے کی اطلاع دی۔ جب آٹو کھانا

کھانے کی غرض سے اٹھا تو لڑکی نے جھک کر آہستہ سے اپنے چچا کے کان میں کہا: ”وہ دو مسافر جو اس کمرے میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ آپکو جلد بلاتے ہیں۔“ آٹو کھانے پر گیا۔ اور پھر ان مہمانوں کی طلبی پر وہاں گیا۔ اور چپکے سے دروازہ کھول کر نہایت ادب کے ساتھ اندر داخل ہوا۔ اور پھر اندر سے دروازہ بند کر لیا۔ وہاں پادری انسلم اور فیروز بیٹھے ہوئے تھے۔ اور ایک میز پر شراب کے چند شیشے اور دو چار پیالے رکھے تھے۔

پادری انسلم (ہرمن سے) ”بیٹھو! تمہارے پاس ایک نیا مہمان آیا ہے۔ میں نے کھڑکی کے ذریعہ ابھی دیکھا۔“

ہرمن نے آپ نے اسکو پہچانا؟ ”ہرمن ڈر گیا۔ کیونکہ وہ آٹو کے ساتھ دلی اُٹس رکھتا تھا۔ اور پادری کی گفتگو سے غصہ و غضب کے آثار ظاہر تھے۔

پادری انسلم نے بان۔ میں اسکو بخوبی پہچانتا ہوں۔ اُسکا نام آٹو ہے۔ اور وہ عدالت دم کے مجرموں سے ایک مجرم ہے دو ماہ قبل رسی اور کٹار کا طلب نامہ اُسکے سامنے پیش کیا گیا مگر اُس نے عدول حکمی کی۔ لہذا وہ قابل قتل تصور کیا گیا ہے۔ اتفاق سے آج رات میں اُسکی موت اسکو یہاں تک نشان کشان لے آئی ہے۔ تم اُسکے سونے کے لیے اس تختہ بندی کی کوٹھری میں جگہ دو۔“ ہرمن نے منہ پر ہوائیاں اُڑنے لگیں۔ وہ پادری انسلم کے حکم سے یہ طرح انحراف کر نہیں سکتا تھا کیونکہ خود عدالت دم کا ایک ممبر تھا۔ اور ہر ممبر کی شرکت کے وقت اُس سے یہ عہد و پیمان لے لیے جاتے تھے کہ عدالت دم کی کارروائیوں میں کوئی لحاظ قرابت یا محبت اور دوستی کا نہ کیا جائیگا۔ اور اُسکے احکام کی تعمیل کے لیے مذکورہ بالا ابواب سے کوئی چیز مداخلت نہ کیگی۔ پس ہرمن اچھی طرح جانتا تھا کہ اُسکا خلاف کرنا خود میری ہی جان پر آفت لائیگا۔ لیکن اپنا دلی رنج و غم پادری انسلم پر ظاہر نہ کرنے دیا۔ اور تعمیل حکم کے لیے دل سے مستعد ہونے کے ثبوت میں اپنا سر پادری کے روبرو جھکا دیا۔

پادری ”اب تم جاؤ۔ مگر خبردار! گفتگو کے وقت کہیں آٹو سے کوئی ایسی بات نہ کہہ بیٹھنا۔“

جس سے وہ کچھ پتا پا جائے۔ ایک گھنٹہ بعد ہم کھانے کے لیے تیار ہو بیٹھنے لگے۔ تم خود کھانے آنا سمجھے؟

ہرمن نے دوبارہ تسلیم خم کیا۔ اور کمرے سے باہر نکلے۔ پدھا اپنے بچھونے کے پاس آیا۔ اور لیٹا ہوا اس ظالم حکم کی تعمیل کے ہر ہر پہاؤ کو فکر و تردد کے ساتھ سوچنے لگا۔

ہرمن۔ (دل میں) ”میں آٹو کو بچپن سے جانتا ہوں۔ ایسا نیکی بخت سلیم المزاج لڑکا غصہ نہ کر میرے مکان میں قتل کیا جائے۔ میں ہرگز یہ کام نہ کروں گا۔ لیکن اسکی بریت کی نسبت بھی میں کچھ تجویز کر نہیں سکتا کیونکہ ایسی صورت میں مجھے اپنی جان دینا پڑے گی۔ الہی! میں کس بلا میں گرفتار ہوا! خدا کرے ہم دونوں کے دونوں بچ جائیں۔ اگر میں اسکو اس امر سے آگاہ کر دوں تو بدگمانی پیدا ہوگی۔ وہ روز ہی بڑا منحوس اور عیبیت ڈھانے والا تھا۔ جسدن میں انجمن و دم میں شریک ہوا۔ افسوس یہ عدالت مذہبی پاسداری بھی نہیں کرتی۔ اور نہ اراکین میں انسانی ہمدردی کا کچھ اثر ہے۔ ہاے! میں اب کیا تدبیر کر دوں؟ اسکی قسمت میں آج ہی ناچار اور مجھے اپنے ہی ہاتھوں اس بے گناہ کو موت کے چکل میں پھنسانا ہو گا۔“ ہرمن کے ان خیالوں میں پورا ایک گھنٹہ گزر گیا۔ آخر کار اسکے دل نے مجبور کر دیا کہ عدالت کے حکم سے سربالی نہ کرے۔ اٹھکر باورچیخانے میں گیا۔ اور اُن دونوں ناخدا ترس ظالموں کو اُنکے خاص کمرے میں کھانا پہنچا دے اور آپ پھر اٹے پائون وہین واپس آکر اپنی برادرزادی سے کہا: ”آج میری طبیعت کچھ علیل سی معلوم ہوتی ہے۔ لہذا میں ابھی جا کر سو رہتا ہوں۔ جب ہمارا اہمان آٹو خواب گاہ میں جانے کا قصد کرے تو اسکو اُس تختہ بندی کی کوٹھری میں بیجا کے چھوڑ دو۔“ یہ کہہ کر سٹر ہرمن اپنے خاص سونے کے مقام پر چلا گیا۔ وہ لڑکی (ہرمن کی بھتیجی) چند ہی روز سے اپنے چچا کے ساتھ رہنے لگی تھی۔ جسکے سبب وہاں کی حقیقت سے محض ناواقف تھی۔ ہرمن کے حکم کو وہ ایک معمولی بات سمجھی۔ اسکو صرف اسقدر معلوم تھا کہ اُس کوٹھری میں کسی مسافر کو ٹھہرانے کی عادت نہیں۔

مگر وہ چند لوگ جو وہاں رکھے گئے اُنکے انجام سے وہ بالکل بیخبر تھی۔ رات کے دس بجے کا وقت ہو گا۔ آٹھ سو نے کا اہتمام کر ہی رہا تھا کہ دفعۃً اُسکو اپنے گھوڑے کا خیال آ گیا۔ وہ اٹھ کر صطبل کی طرف چلا۔ ابھی وہ چند قدم بھی نہ گیا تھا کہ ایک شخص جو بڑا لمبا چوڑا جامہ پہنے تھا۔ اور جسکی صورت سے سفر کی کسمندی ظاہر ہو رہی تھی سیراکا دروازہ کھلا پا کر اندر آ پہنچا۔ ہر من کی بھتیجی جلدی سے اُسکے سامنے گئی تاکہ اگر وہ قیام کا ارادہ رکھتا ہو تو اسباب مہیا کرے۔

مسافر۔ (دشت سے) ”میرے چند دشمن عنقریب یہاں میری تلاش کرتے ہوئے آئینگے۔ تم مجھے کہیں چھپا دو تو بڑا احسان ہے۔ لو۔ یہ اشرفی تمہیں دیتا ہوں۔ مجھے کوئی پوشیدہ جگہ پر لے چلو۔“

لڑکی۔ ”کیا راہ میں کسی نے آپ پر حملہ کیا؟“

مسافر۔ ”ہاں۔ مگر یہ وقت ایسے سوال و جواب میں رائیگان کرنے کا نہیں ہے۔ مجھے تھوڑی سی شراب دو اور کوئی مخفی کمرہ شب گزارنے کے لیے بتا دو۔ بس اور کچھ نہیں چاہتا۔ میں بہت تھکا ماندہ ہوں۔ اور پیاس بھی ستا رہی ہے۔“

لڑکی۔ ”اس مکان میں کوئی خالی کمرہ آج نہ ملے گا۔ ہاں کھانا کھانے کے کمرے میں آپ کے لیے جگہ ملے گی۔“

مسافر۔ ”تو بہ تم سمجھتی نہیں ہو! میرے لیے ایک علیحدہ کمرہ ضرور ہے۔ کسی اور مسافر کی جگہ مجھے بتلا دو۔ وہ کھانا کھانے کی روم میں سو رہے گا۔“

لڑکی۔ ”اگر میں ایسا کروں تو چچا مجھے نہایت برہم ہو جائینگے۔“

مسافر۔ ”کسی طرح ایک جد کو تھری آج رات کی رات مجھے دو۔ میں صبح تمہیں ایک اور اشرفی دونگا۔“

لڑکی لالچ میں آکر بھول گئی۔ اور چراغ ہاتھ میں اٹھائے مسافر کو اُس کو تھریں لے گئی۔

جو آٹو کے لیے مقرر کی گئی تھی۔ اسکو یقین تھا کہ معمولی اجرت سے دس گنی رقم ملنے پر آٹو کی جگہ کسی اور کو دیکر خود آٹو کو کسی دوسرے مقام پر سلانے سے میرا بچا کچھ خفا نہ ہوگا۔ نو آمد مسافر کی فیاضی بھی ظاہر ہو کہ ذرا سی بات کے لیے دو اثر فیان دیدین آٹو کی وضع سے پایا جاتا تھا کہ وہ نہایت سادہ مزاج نیکو خلق شخص ہے۔ اسی خیال بد لڑکی سمجھی کہ آٹو سے جس جگہ سونے کو کہا جائیگا بلا عذر مان لیگا۔ الغرض وہ مسافر کو اُس تختہ بندی کی کوٹھری میں لے گئی۔

مسافر۔ (دوان پہنچنے کے بعد) ”ایک شیشہ شراب اور تھوڑا سا گرم پانی مجھے مطلوب ہے“ یہ چیزیں فوراً مہیا کر دی گئیں۔ مسافر اندر سے دروازے کی کنڈی جڑھا کر تنہا کمرے میں گیا جب لڑکی اسکو کمرے میں چھوڑ کر اور ضرورت کی چیزیں فراہم کر کے پھر عام کمرے میں آئی تو اسوقت آٹو اُٹھ کر صطبل سے واپس گیا تھا۔

آٹو بہت اچھا ہوا کہ میں اپنے گھوڑے کو بچشم خود دیکھنے کے ارادے سے گیا تھا۔ تھوڑے سائیس نے کچھ بھی خبر نہ لی اسکا کام میں کر آیا ہوں۔ خیر۔ مجھے اب سونے کی جگہ دکھا دو تاکہ تھوڑی دیر آرام کروں!“۔

لڑکی یہ سن کر لجاجت کرنے لگی کہ معاف فرمائیے میں آپ کے سونے کے لیے الگ آرام کی جگہ دے نہیں سکتی کیونکہ سب کمرے مسافروں سے بھرے ہوئے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ وہ برابر معذرت کے الفاظ کہے جاتی تھی کہ آٹو نے قطع کلام کر کے کہا ”تم کہتی کیا ہو؟ میں کوئی آسائش پسند شخص نہیں ہوں کہ خواہ مخواہ اچھی ہی جگہ پر لیٹنے سے نیند آئے گی۔ صرف پڑھنے کے لیے تھوڑی سی جگہ ملگئی تو وہی بس ہے۔“ لڑکی بہت خوش ہو گئی۔ اور جلد اسی کمرے میں بچھونا ڈال دیا۔ آٹو خوشی کے ساتھ لیٹ رہا اور لڑکی صاف اپنے مقام پر چلی گئی تھوڑی دیر بعد سراج میں ناپا ہو گیا

”۳۷۵“

رات اور واقعات عجیب

اُس مسافر نے لڑکی کے باہر نکلتے ہی کوٹھری کا دروازہ بند کر کے اپنا لباس اتار دیا۔



اور شراب کا شیشہ کھول کر دو تین پیالے لٹڑھانے کے بعد گرم پانی لیکر اتری ہوئی پوشاک دھونے لگا۔ جس پر جا بجا خون کے دھبے تھے۔

مسافر (لباس دھوتے ہوئے۔ دل میں) بڑے ہی تعجب کی بات ہو کہ اُس شخص کی آواز کوئی نئی نہ تھی۔ مگر میں نے جس جاگہ پر حملہ کیا۔ وہاں کی ٹرک کے دونوں جانب گنجان درخت اس کثرت سے تھے کہ بالکل ہی اندھیرا ہو رہا تھا۔ جس کے سبب میں مطاق نہ پہچان سکا کہ کون ہے۔ اُس نے کس جرات و دلیری سے میرا مقابلہ کیا! اور آخر میں صرف یہی ایک فقرہ اُسکی زبان سے سنا گیا۔ اور مردود! تو میرا ماتھ کاٹنے ڈالتا رہا؟ لیکن یہ خون کے دھبے شاید تجھے پکڑا دیں گے۔ کتنا دھور ہا ہوں کبخت مٹنے کا نام نہیں لیتے۔ بوڑھی عورتیں اکثر کہا کرتی ہیں کہ داسن قاتل کا دھبہ ہرگز مٹائے سے نہیں مٹتا۔ شاید یہ دلغ بھی اُسی طرح کے ہوں (کچھ سوچ کر) ایسے مہل اعتقادات میرے دل میں کیوں آرہے ہیں؟ ہاں۔ ایک نشان مٹ گیا۔ اور دوسرا بھی قریب مٹنے کے ہے۔ مجھے کسی صورت گمان نہیں کیا جاسکتا۔ تاہم سویرے اٹھکے یہاں سے کسی طرف چل دینا چاہیے۔ قبل اُسکے کہ راہ میں مردے پر کسی کی نظر پڑے۔ میں بھی عجیب کم نصیب ہوں۔ مجھے روپیہ سے زیادہ گھوڑا پانے کی بڑی تمنا تھی۔ کیونکہ سفر کے لیے گھوڑا ضرور تھا۔ اُس مسافر سوار کے مارنے سے بھی میری غارت یہی تھی کہ گھوڑا حاصل کروں نہ کہ روپیوں کی تھیلی۔ کیونکہ اس اندھیرے میں یہ اندازہ کیونکر کیا جاسکتا تھا کہ وہ صاحبِ زرد ہے۔ مگر قسمت نے دوسری طرح فیصلہ کیا۔ اُس مسافر کو مار کر نیچے گرا نا ہی تھا کہ گھوڑا بھڑک کر کیطرت بھاگ نکلا۔ واہ رے مقدر!!

اب آئے دو ایک پیالے اور نوش کیے۔ اور برابر خون کے دھبے چھڑانے کی کوشش میں سرگرم تھا اور پھر دل سے یہ باتیں کیے جاتا تھا۔ ”مجھے اپنی خوش نصیبی پر نازان ہونا چاہیے کہ ایک کیسر برا زرد اور ایک لباس جو نہایت بیش قیمت معلوم ہوتا ہے گھوڑے کے خوش مجھے ملا۔ روپیہ دیکر اسی گانون میں ایک گھوڑا خرید لے سکتا ہوں۔ لیکن لوگوں کے



دلوں میں کھٹکا ہوگا۔ رات کی اُس گھڑی میں بدحواس میرا یہاں آنا۔ اور ایک پوشیدہ کمرے میں رہنے کی خواہش کرنا۔ اور پھر اس لڑکی پر میری پریشانی و پرانگی ثابت ہونا۔ غرض یہ سب باتیں ضرور بدگمانی پیدا کرنے والی ہیں ایسی حالت میں میرا اسی قرب و جوار میں رہ کر روپیہ صرف کرنا بیشک بڑا نتیجہ نکالے گا۔ علاوہ برین یہاں سے دوہی کوس کے فاصلے پر اس سفر کا مردہ پڑا ہے۔ غالباً صبح تک کسی نہ کسی کی نظر پڑے گا۔ سب سے بہتر بات یہ ہے کہ میں یہ روپیہ لیکر فرانس کو جاؤں اور وہاں اپنے آپ کو جرمنی کا امیر مشہور کروں۔ اُس وقت بہت سی فائدہ مند چیزیں مجھے شادی کی درخواست کرنیکی۔ وہاں سے کسی معتد شخص کو فوسٹ کے پاس بھیجا جاوے تاکہ اُن کا غذات کے مخفی رکھنے کے لیے ایک کافی رقم دے ورنہ میں اُنکے مضمون کو شہرت دوں گا جو فوسٹ کی بدنامی کا سبب ہیں۔ بہت اچھا ہوگا کہ میں نے ایڈاکے پاس سے وہ کاغذ چُرا لیے۔ اُہی۔ میرے پرہوتے تو دار السلطنت فرانس کی طرف اڑ جاتا۔ اب جرمنی میں مجھے امن حاصل ہونا محال ہے۔ اُٹلی سے دل برداشتہ ہو رہا ہوں۔ لارڈ آرسنوی کی اطاعت میں محنت تو خوب کرنا پڑتی تھی۔ مگر صلہ بہت ہی کم۔ خاندان بورجیا کی عادت ہے کہ اپنے ملازمین کو ہمیشہ خوشحال رکھتا ہے۔ اسی کا ش! میں قیصر کے دشمنوں میں نہ ہوتا لیکن اب تو خود قیصر آوارہ وطن ہو گیا ہے۔ ہاں اب لوہے کے تمام دھبے ٹٹکے۔ میں چند ساعت سولون اور جیم یہاں سے نکلی جاؤں۔“ یہ سوچ کر باقی ماندہ شراب پی گیا اور چراغ گل کر کے لیٹا۔ اور تکان کی وجہ سے ساتھ ہی نیند بھی آگئی۔ ایک گھنٹہ گزرا برابر دوپہر شب ہوئی کہ یکایک روبرو والی دیوار سے ایک گھڑی بہت آہستگی سے کھلی اور پادری انسلم اپنی طویل پوشاک میں تمام جسم کو چھپائے اور آدھا جسم گھڑی کے ذریعہ اندر کے غور کے ساتھ اسنے لگا تو مسافر کے خراٹوں کی آواز آئی۔ فیروز جو پیچھے کھڑا تھا اُس سے مخاطب ہو کر چپکے سے کہا: ”وہ مست سو رہا ہے۔“ فیروز کے ہاتھ میں ایک جھوٹی سی شمع تھی۔ مگر دوسرے ہاتھ سے آڑکے ہوئے تھا۔ تاکہ روشنی جو طرف نہ پڑے۔

قرور کیا آپ کو شمع کی ضرورت ہو؟۔“

پادری نے نہیں۔ وہ ایک چھوٹے بچھونے پر سو رہا ہے۔ ممکن نہیں کہ میری تلوار خطا کر جائے۔ تم ہمیں ٹھہرے رہو۔ میں جا کر تھوڑی دیر میں اسکا کام تمام کر آتا ہوں۔“ یہ کہہ کر وہ منگول ظالم کھڑکی سے کمرے میں اُتر آیا اور بہت ہی ہوشیاری سے تاکہ سونے والا بیدار ہو سکے۔ بچھونے کے قریب گیا۔ تلوار کھینچ لی۔ وہ چاندنی رات تھی۔ منہاب کی شعاعیں دھیمی طور پر کمرے کے باہر پڑ رہی تھیں۔ مگر انکا اثر بچھونے تک پہنچ نہ سکتا تھا۔ ورنہ پادری النسل بچان جاتا کہ یہ آٹو نہیں ہے۔ خیر۔ پادری نے بچھونے پر ہاتھ پھیر کے سونے والے کی حالت دریافت کی۔ اور بعد ازاں تلوار مضبوط پکڑ کے بہت زور سے چھاتی پروار کیا۔ بھجڑ ضرب کے پلنگ جنبش کرنے لگا۔ اور مقتول کا جسم زیرِ وزبر ہو گیا۔ ایک منٹ بعد پھر غموشی طاری ہو گئی۔ اور اس واردات کے گزرنے کے بعد سناٹا ہو گیا۔

پادری النسل کھڑکی سے باہر ہو کر اسکو ابھی طرح بند کرنے بھی نہ پایا تھا کہ سر کے سرے دروازے کی کنڈی زور سے کھٹکھٹائی گئی جسکی آواز سے تمام مکان گونج اُٹھا۔ سٹرین جب سے اپنی خوابگاہ میں گیا فکر و تردد ہی میں پڑا تھا۔ اور نیند نہ آئی تھی۔ یہ آواز۔ نکلے درپے سے سر نکالا۔ اور دریافت کیلے لگا کہ کون ہے۔

ایک شخص نے میرے آقا کو راہ میں چروہ لے مجروح کر دیا ہے۔“ ہرمن نے دیکھا کہ ایک شخص گھوڑے پر سوار ہے اور دوسرا اسکی گود میں جبری طرح پانون اور سر لٹکانے سے بچو پڑا ہے۔ اور سوار کی بات حجت ملک اپنی کے لیے سے ملتی جلتی ہے۔ پس جلدی سے لباس پہن کر نیچے اُترا اور چراغ ہاتھ میں لیے ہوئے دروازہ کھول دیا۔ سوار گھوڑے سے اتر پڑا۔ اور سٹرین کی مدد سے مجروح شخص کو سر کے اندر لے آیا۔ ہرمن نے لٹوک کو بلار گھوڑا حوالہ کر دیا اور آپ دونوں مہمانوں کے لیے عام کمرے میں آیا۔ کہا۔ اگر جراح کی ضرورت ہو تو ابھی بلوایا جائے۔ ہر حال کمرے میں بیٹھی ہوئی ایک کنبی

مجدوح کوٹاؤ تو سہی دیکھیں زخم کیسے ہیں؟۔ یہ لکڑی جراثیم لانے کے لیے دوڑا گیا جو دروازے پر رکھ آیا تھا۔ جب جراثیم لیکر اندر آیا تو وہاں ایک بچھونا دیکھا جو اسکی پھینچ کے ہاتھوں ڈالا گیا تھا وہ زیادہ تر تعجب اس امر کے مشاہدہ سے ہوا کہ اس بچھونے پر ایک شخص اسیدم ہوشیار ہو کر آنکھیں ملنے بیٹھا تھا۔

مسٹر ہرسن (گھبرا کر) آپ کون ہیں؟ اور یہاں کیونکر آئے؟۔  
 آٹو: آج شام میں جب میں آیا آپ دیکھ چکے ہیں۔ پھر یہ دریافت کیسی؟۔ مالک مہاشرا  
 آٹو کو وہاں بٹھا دیکھا اس درجہ پر اگندہ اور بدحواس ہو گیا کہ قریب تھا کہ اس کے ہاتھ سے شیش  
 چھوٹ کر نیچے گر پڑے۔

نوار و سوار: جناب خدا کے لیے آپ کی گفتگو موقوف کر کے میرے صاحب کی ایسے  
 بڑے وقت میں مدد کیجیے۔ دیکھیے اسانس چلتی ہے۔ اور آنکھیں بھی کھول رہے ہیں۔ ان  
 کچھ کچھ صحت کی علامتیں معلوم ہو رہی ہیں۔ جلد جا کر تھوڑی سی شراب لائیے۔  
 مجروح شخص: (جسکی پیشانی سے خون بہہ رہا تھا) "میں کہاں ہوں؟۔"

بھرا می: حضور! آپ ایک اسن کی جگہ پر ہیں مطمئن رہیے۔ (ہرسن سے) کیوں!  
 آپ اس پریشانی سے اس بچارے مسافر کو کیوں دیکھ رہے ہیں۔ جو ہمارے آنے سے بھی  
 بیدار ہوا ہے؟ میں کتنی دیر سے کہہ رہا ہوں کہ تھوڑی شراب لائے مگر آپ خبر نہ سہیں  
 ہوتے!۔" گو اسوقت مسٹر ہرسن انتہا سے زیادہ پر اگندہ ہوتا تھا لیکن اس نے مسافر کی  
 زبانی مجروح شخص کی نسبت "حضور" کا لفظ سنے دل میں بہت ہی خوش ہو گیا کہ یہ کوئی  
 بڑا ذی منزلت عالی رتبہ شخص ہے۔ آٹو کے بچ جانے کی خوشی اور اسیر طرہ ہوئی۔ اسی مسرت نے  
 اس کے دل سے یہ بھی بھلا دیا کہ پادری کی تجویز کے مخالف ہونے کے سبب عدالتِ دم کا  
 کوئی الزام بھہر آئیگا۔ الغرض ہرسن مجروح شخص کی راحت رسانی کے متعلق سامان  
 مہیا کرنے کے لیے ادھر ادھر دوڑنے لگا۔ ایسے میں آٹو بھی اپنے کونج سے اٹھا۔ اور کوٹے

پسنگہ مجروح کے قریب آکر کہا: میرا بچھونا حاضر ہے۔ آپ آرام فرمائیے۔ اور جو خدمت چاہیے ہو اس کے بلاتا آئیے۔ میں اسکی بجا آوری میں سر مو کو تا ہی نہ کر دینگا۔ آٹو اور دوسرا مسافر دونوں نے ملکر مجروح کو ایک اور کوچ پر لٹایا جو پہلے سے کچھ بڑی تھی مسٹر ہرمن بھی مریم۔ پی۔ شراب۔ سرکہ وغیرہ لیے ہوئے آیا۔ مجروح کے کپڑے اتار دیے گئے۔

مجروح: ”مکٹو! اب میں کہاں ہوں؟“

مکٹو: ”محضو! آپ بڑے ہی امن کی جگہ میں ہیں۔ گھبرائیے نہیں۔ تھوڑی سی شراب پیجیے تاکہ آپ کی سب ماندگی دور ہو جائے۔“

ناظرین پہچان گئے ہونگے کہ مجروح شخص قیصر بوریجا اور دوسرا مسافر اسکا وفا شعار مکٹو تھا اور دونوں فورے کے کہنے پر فرار کو جا رہے تھے۔ قیصر نے جام شراب منہ سے لگایا اور دو چار گھونٹ پیئے۔ جسکے ساتھ ہی اسکے چہرے سے بشارت ظاہر ہونے لگی۔

مکٹو: (جو نیزہ کو اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتا تھا) ”کیا آپ کو کچھ تسکین سی معلوم ہوتی ہے؟“

سیر: ”ہاں۔ تھوڑی تسکین تو ہے۔ مگر میرا سر“ — سر جو اونچا رکھا تھا۔ گرا دیا۔ آٹو ایک برتن میں پانی لیکر قیصر کے قریب آیا۔ اور سر اور پیشانی کے زخم کا لہو دھو کر صاف کیا تو ایک بڑا گہرا زخم نظر آیا۔

مکٹو: ”زخم کاری تو نہیں؟“

آٹو: ”جی نہیں۔ میں اسپرٹی باندھ دیتا ہوں۔“ آٹو نے نہایت درستی اور صفائی سے زخم پر پٹی باندھی۔ مالک سرا مسٹر ہرمن مجروح کا علاج بخوبی ہوتا ہوا دیکھ کر آپ ایک جرائع مانہ میں لیے باہر نکلا۔ کیونکہ وہ آٹو کے بیچ جانے کے سبب مضطرب و عین ہوا تھا

تعرض اپنی بھتیجی کے حجرے پر جا کر دروازے کو دھمکایا۔ لڑکی مسافروں کی آمد کی صدقے پہلے ہی سیدار ہو کر باہر نکلنے کے قصد سے کپڑے پہن رہی تھی۔

لڑکی: (دروازے کے پٹ سے سر نکال کر) ”میں خود ابھی باہر آنے والی تھی۔ کیا

مہاتون کے لیے کھانا تیار کرنے کی ضرورت ہے؟“  
 ہرمن: ”اجی کھانا گیا پوچھے میں۔ پہلے میری بات کا جواب تو دو تھے آٹو کے سونے  
 کے لیے عام کمرے میں کیوں جگہ بنا دی؟“  
 لڑکی: ”آپ اپنی خواہ گاہ میں جانے کے بعد ایک اور مسافر آیا۔“  
 ہرمن: ”گھبرا کر کیا! اور دوسرا مسافر؟“  
 لڑکی: ”جی ہاں۔ کوئی دوسرا شخص آیا۔ اور رات بھر کے لیے ایک جہاگہ خالی کر دینے پر  
 مجھے بھجور کر دیا!۔“

ہرمن: ”(پریشانی سے) تو کیا تم اس سخت بندی کی کوٹھری میں لیکیں؟“  
 لڑکی: ”ہاں میں نے اس کی خواہش کے بموجب اس کمرے میں بچھونا کر دیا۔ مگر براے خدا  
 آپ مجھے خفا نہ ہو جیسے۔ میں سمجھی کہ اس میں کوئی قباحت کی بات نہیں ہے۔“  
 ہرمن: ”غضب ہی کر دیا۔ تم میرے کہنے پر کیوں نہ چلین؟ کیا تم نہیں جانتی ہو کہ۔“  
 ہرمن نے اس قدر کہا تھا کہ پیچھے سے کسی کا ہاتھ اس کے کاندھے پر پڑا۔ پلٹ کر دیکھا تو  
 پادری انسلم ہی۔

ہرمن: ”(اپنی بھتیجی سے) تمہارے باہر آنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے میں رہوں۔“ کپکپ کر  
 اس کے حجرے کا دروازہ خود آپ بند کیا۔ اور پادری انسلم کے اشارے پر اس کمرے میں  
 گیا جہاں وہ اور فیروز مقیم تھے۔

پادری: ”تمہارے اور تمہاری برادرزادی کے درمیان جو گفتگو ہوئی۔ میں نے سب  
 سن لی ہے۔ اور اسی لیے میں تمہیں اس مقدمے میں بے گناہ سمجھتا ہوں۔ مگر۔ بہت  
 بڑی غلطی سرزد ہوئی۔“

ہرمن: ”کیا وہ کام ہو چکا ہے؟“  
 پادری: ”ہاں ہو چکا۔ اور اب کسی صورت واپس آنے سے رہا۔ لیکن افسوس ہے



کہ وہ شخص زندہ بچ گیا۔“

ہرمین نے ہائے کوئی بیگناہ مظلوم مار ڈالا گیا۔ بڑا ہی حسرت ناک سانحہ وقوع میں آیا۔“  
پادری نے بس یہ اپنا بیجا بچتا دامو قوت کر دیا۔ جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔ اب ہم کری کیا کتے  
ہیں؟۔ تم جانتے ہو یہ تمہارے نئے مہمان کون ہیں؟ جس شخص نے پہلے تم سے بات  
کی۔ میں اس کی آواز پہچانتا ہوں بلکہ اس سے اچھی طرح واقف بھی ہوں۔“  
ہرمین نے وہ شخص اس مجروح بیچارے کا ملازم ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ مجروح کوئی بڑا  
ذی مرتبت عالی نسب شخص ہے۔ کیونکہ اس کا خادم اس کو لارڈ اور ہائوس کے ممتاز خطاب  
سے یاد کرتا ہے۔“

پادری نے بے شک میرا گمان ٹھیک۔ کھلا۔ لیکن تعجب تو یہ ہے کہ انہیں اس قرب و  
جوار میں کیا کام تھا۔ جو یہاں آئے ہیں۔“  
ہرمین۔ (پادری کو اس معاملہ میں زیادہ متوجہ دیکھ کر) ”مجروح اپنے خادم کو ”مکٹو“ کہہ کر پکارتا ہے۔“  
پادری نے ہان؟ تو دوسرے کا بھی پتہ لے لیا۔ یہ بڑی خوشی کی بات ہے (مسکرا کر) اب میں  
انتقام لے سکتا ہوں اس شخص سے جس نے مجھے شرمندہ کیا۔ جسے روم کے ایک عالی شان  
امیر کے روبرو میری آبروریزی کی۔ اور جس کے سبب میری تمام دلی امیدیں یاس و حرمان  
سے تبدیل ہو گئیں۔

ہرمین نے وہ کون شخص ہے۔ جس نے آپ کو اس درجہ رنجیدہ کیا؟“  
پادری نے قیصر پور جیا۔ مرحوم سکندر ششم کا بیٹا۔ خیر۔ مجھے انتقام لینے کی ترکیبیں  
سجوبی معلوم ہیں۔“ یہ کہہ کر پادری نے فیروز کی جانب نگاہ کی۔ فیروز ہرمین اور پادری  
کے درمیان کھڑے ہوئے دل ہی دل میں شب کی غلطی پر تاسف کر رہا تھا۔ اور قیصر اور  
سکٹو کے دامن بکایک آپہونچنے سے سر تا پا حسرت کی صورت بن گیا تھا۔  
فیروز (سنبھل کر۔ پادری سے) ”جی ہاں۔ رسی اور کٹار کے طلب نامے کے روبرو شاہ گدا



ساوی ہیں۔“

پادریؒ اب ہم اُس کمرے میں جا کے دیکھیں تو سہی کہ جو مسافر غلطی سے مارا گیا۔ اُس کے پاس کچھ ایسے کاغذات وغیرہ ہیں جنکے ذریعہ اُسکا نام و نشان معلوم ہو سکے۔ لیکن رہن سے اتنا خیال رہے کہ سیر بوریچا یا اُسکا خادم میرے اور فرورز کے یہاں ہونے سے ہرگز آگاہ نہ ہونے پائے۔ ہرمن نے جواب میں سرعجز خم کیا۔

## باب ”۶۴“

### مقامِ قتل

پادری انسلم ایک چراغ ہاتھ میں لیے اُس کمرے کی طرف بڑھا۔ جہاں تھوڑی دیر پیشتر ایک مسافر کو قتل کر آیا تھا۔ فرورز اپنی معمولی بے پردائی کے ساتھ پادری کے پیچھے ہولیا۔ گدڑہ رہ کر ستر ہرمن کا دل دھڑک اٹھتا تھا اور چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔ انھوں نے تینوں شخص کے بعد دیگرے اُس کمرے میں پہنچے۔ اور مقتول کے بچھونے کے قریب گئے۔ جب چراغ کی روشنی مردے کے افسردہ چہرے پر پڑی تو انسلم اور فرورز انتہا سے تعجب سے بے محابا جلا اٹھے۔

پادری انسلمؒ یہ دیکھ کر ہلکا ہوا۔ ہاں! وہی مردود جس نے عین بدو پہنچانے کے وقت مجھے دوری اختیار کی۔ جبکہ میں علانیہ مجمعِ عام میں شرمندہ کیا گیا تھا جس اتفاق پر کہ وہی شخص اب میرے ہاتھوں مارا گیا۔ (ہرمن کی طرف مخاطب ہو کر) سنتے ہو؟ اُس غلطی پر پچھانے کے عوض خوش ہونا چاہیے۔ یہ عدالتِ دہم کا ایک کم حوصلہ رکن تھا۔ اچھا ہوا کہ آئندہ اُسکی جانب سے کچھ کھٹکا باقی نہ رہا۔ آؤ ہم اُسکے لباس کا جائزہ لیتے ہیں کہ پادری مقتول داسٹین کی پوشاک ٹٹولنے لگا۔ پہلے تو ایک تھیلی اشرفیوں سے بھری ہوئی ملی۔ تھیلی پر نقشِ حروف میں ”قیصر بوریچا“ لکھا تھا۔

پادری نے مان۔ اب پورا بھید معلوم ہوا۔ قیصر کو جو مجروح ہو کر یہاں آیا ہوا اسی واسطے  
نے لوٹنے کی نیت سے مارا ہوگا۔ دیکھو! اسکے لباس پر اب تک مٹے ہوئے خون کے دھبے  
باقی ہیں۔ یہ نالائق اسی سزا کا مستحق تھا جو اب دی گئی۔ تھوڑی دیر میں تم سکلٹوس سے میرے  
ان خیالات کا ثبوت حاصل کر لو! چند کاغذات بھی اسکے پاس ہیں دیکھیں انکے دیکھنے سے  
کیا پتا چلتا ہے! پادری نے کوٹ کی جیب سے کاغذوں کا ایک مٹھان نکالا۔ انہیں سے  
اکثر تو وہ خطوط تھے جو فوسٹ اور ایڈا کے درمیان آئے گئے تھے۔ ناظرین کو یاد ہو گا کہ  
ولسٹین نے ظنین کے بھیس میں رہنے کے عالم میں ایڈا سے شادی کی تھی۔ اور آئندہ ان  
ایڈا اور فوسٹ میں جو خط و کتابت ہوتی تھی۔ اس سے چند خطوط ولسٹین نے چور لیے تھے  
اور وہ وہی تھے جو اب پادری النسلم کے ہاتھ میں ہیں۔

پادری نے وہ افواہ صحیح ہے۔ بیشک فوسٹ اور ایڈا میں بدکاری کا تعلق تھا مگر ان تمام  
سے ایک کاغذ بہت ہی بکا آمد ہے۔ جسکے ذریعہ میں اس مغرور کونٹ فوسٹ کو اپنا طبع اور  
عاجز بنا سکتا ہوں پادری آہستہ سے اسکی عبارت پڑھنے لگا۔ ایڈا جس بچے سے حاملہ  
میں ہی اسکا باپ ہونے کا اقرار کرتا ہوں۔ اور میں ایڈا کو اسکی گذراوقات کے لیے اپنی  
خاص ملک سے ایک ہزار کروڑ دیتا ہوں۔ میرے بعد جو میری ملک و املاک کے وارث  
ہونگے انہیں چاہیے کہ اس میرے اقرار کو پورا کریں۔“ دستخط فوسٹ کونٹ آف آرونا۔“  
پادری النسلم۔ ہر شخص جو مجھے امانت دینے کے درپہ ہوا یا شرمندہ کیا بتدریج میرے  
دام میں آ رہا ہے۔ مان ایک اور خط میں جو فوسٹ نے ایڈا کو لکھا ہے اس بچے کے خاتمہ  
کا حال بھی مندرج ہے۔ میں سمجھتا ہوں ولسٹین نے یہ کاغذات اس سے پیشتر ہی حاصل  
کیے ہونگے جبکہ وہ جہلا سازی کی علت میں مانوڑ ہوا تھا۔ چاہے جو کچھ ہو۔ ان کاغذوں  
سے میرا بہت کام نکلیگا۔ سب کو لپیٹ حفاظت کے ساتھ جیب میں رکھ لیا اور کہتا ہے  
کیڑوں کی کوئی ضرورت نہیں۔ عادت کے بموجب اسکام کی پردہ پوشی ہو جانے دو!

ہر من اس حکم کی تعمیل پرستند ہوا۔ سب کیڑے ساسی پلنگ پر ڈال دیے جس پر وہ اسٹین کی لاش بھی تھی۔ اور جب سے کنجیوں کا گچھا نکالے ایک کنجی پلنگ کے پایہ میں جہاں قفل پڑا تھا لگا کر مڑوڑنے سے بڑی آواز کے ساتھ ایک تہ خانے کا دروازہ کھلا۔ اور ایک کل کو جنبش دینے سے وہاں کی کل چیزیں لینے پھوٹا چادر۔ لاش کیڑے وغیرہ دھماکے سے غار میں گر پڑیں۔ اور چند سکند کے اندر پانی تک پہنچنے کی آواز آئی۔ سٹر ہر من نے مکرر کنجی پھرائی تو پلنگ اور سطح زمین وغیرہ حسب عادت ہو گئی۔ نہ تو دروازہ ہی تھا نہ تہ خانہ۔ اُسیدم دوسرے کمرے سے ایک اور بچھونا لا کر پلنگ پر ڈال دیا۔ خون وغیرہ کی کوئی علامت مطلق باقی نہ رہی۔

ہر من کو خاطر جمعی نصیب ہوئی کہ اگر بھتیجی صبح کو اٹھ کر مہمان کی نسبت دریافت کرے تو کہہ با جا سکتا ہو کہ ”وہ سویرے اٹھ کر چلا گیا۔“ اس موقع پر ہم یہ بتا دینا ضروری سمجھے ہیں کہ اُس زمانے میں کچھ اُسی مہانسر امین نہیں بلکہ جبرسنی کی تمام سراؤن میں ایسے ہی تہ خانے ہوا کرتے تھے۔ علی الخصوص اُن سراؤن میں جنکے مالک عدالت و قلم کے شریک تھے خیر۔ جب اس کام سے فراغت ہوئی تو انسلم اور فیروز اپنے رہنے کے پراپوٹ کمرے میں چلے گئے اور تنہا ہر من عام کمرے میں آیا۔ وہاں سیر کر کوچ پر پڑا سو رہا ہو۔ اور مکٹو اپنے نئے غنچوارہ درست آٹے شرب کی واردات کا حال بیان کر رہا ہو۔

مکٹو دوسرے آقا مجھے تھوڑے فاصلے پر لگے بڑھے جا رہے تھے۔ دفعہ میرے گھوڑے نے ایک ایسی ٹھوکر کھائی کہ بالکل سنبھل نہ سکا گر پڑا۔ اور اُسی کے ساتھ میں بھی۔ اس انقلاب کے سبب چند ضروری چیزیں جو میرے پاس تھیں جھوٹ کر راہ میں گر گئیں چونکہ تاریکی تھی۔ اُنکے ٹٹول کراٹھانے میں بہت دیر لگی۔

اُسکے بعد میں پھر گھوڑے پر سوار ہوا۔ اور آگے بڑھ کر دیکھا تو حضور کا پتہ ہی نہیں۔ میں یوں ہی بڑھا چلا گیا۔ یہاں تک کہ ایک جگہ پہنچنے کے بعد دو طرف سے شرکین

اجلاتے ہوئے دکھائی دیں۔ چونکہ مجھے ان اضلاع کی راہوں سے پوری واقفیت نہیں تھی  
 ول میں تردد پیدا ہوا کہ کونسی راہ ممانسراے کبرگ کی طرف گئی ہو؟ کیونکہ میرے آقاؤں  
 فرودکش ہونے کی تجویز کر چکے تھے۔ آخر میں نے ان دونوں سے ایک راہ اختیار کی اور  
 برابر گھنٹہ بھر چلا گیا لیکن اُنکا کچھ سراغ نہ ملا۔ اُسی میں دور سے کچھ روشنی سی نظر آئی۔ قریب  
 جا کر دیکھا تو وہ ایک جھونپڑی پر غرض وہاں دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ میں نے جو  
 راہ اختیار کی وہ غلطی تھی۔ ناچار تاسف کیناں واپس ہوا اور پھر اُسی مقام پر پہونچ کر دوسری  
 طرف کی راہ لی۔ ابھی تھوڑا فاصلہ طے نہ کیا تھا کہ کسی کے کراہنے کی دردناک آواز کان میں آئی۔  
 وہیں ٹھہر کر غور سے سننے لگا تو واقعی کوئی شخص نہایت بدحواسی اور ناتوانی کے ساتھ کرا رہا  
 میں نزدیک گیا۔ اور دیکھا تو میرے آقا بیہوش و حواس زمین پر پڑے ہیں۔ اور اُنکا گھوڑا۔  
 عباس اور اشرفیوں سے بھری تھیلی سب گم ہو۔ ہزار شکر کہ اخراجات سفر کا روپیہ میرے پاس تھا۔  
 ورنہ وہ بھی تلف ہو جانا مجھے یقین ہو کہ جو دن نے اُنپر حملہ کیا ہو۔ الغرض اپنے صاحب کا یہ  
 حال دیکھ کر بے اختیار میری آنکھوں سے اشک ٹپک پڑے۔ معاً گھڑے سے اتر کے  
 انھیں اُسپر ڈالا اور یہاں تک لے آیا کہ ہر من نے یہ گفتگو بہت غور سے سنی جب مکمل ہونے  
 قصہ ختم کیا تو یہ اپنے دل میں سوچنے لگا۔ ”ہو نہ وہی شخص اس حرکت کا مرتکب ہوا ہو  
 میں ابھی تہ خانے میں بیٹھ کر آیا ہوں۔“ جب عام کرے میں یہ باتیں ہو رہی تھیں۔ ہر وقت  
 پادری انسلم اور فیروز اپنی جگہ بیٹھے کچھ اور ہی تجویزین سوچ رہے تھے۔

پادری یہ قیصر اُمّی سے خالی ہاتھ نہ نکلا ہو گا اپنے خزانے کا پتہ بتانے پر میں اسکو مجبور  
 کروں گا۔ قلعہ کوٹ مانفریڈ کے زندان میں مقید کر کے رہائی کی یہی شرط قرار دینا چاہیے کہ  
 ایک دولت بے اندازہ میرے حوالے کرے۔“

فیروز نے آپکو اس بارے میں کوٹ مانفریڈ کی تائید بھی پہونچ سکتی ہو۔ کیونکہ وہ حکمرانہ جو آپ  
 کوٹ کے نام لائے ہیں۔ اسکو بالکل ہی آپکا مطیع و فرمانبردار بنانے پر بخوبی کامیاب ہو سکتا ہو۔“

یادریؑ ان تمہیں کہتے ہو۔ میں کل سویرے یہاں سے نکلے کونٹ کے پاس جاتا ہوں  
تم ہمیں ٹھہرے رہو۔ اور دیکھو کہ آٹو کہاں جاتا ہے۔ رسی اور کٹار کے طلبہ ہمارے کے فریب  
اس ہمارے دشمن کا کام جلد تر تمام کر دینا چاہیے۔

فیروز بہت خوب! اس حکم کی تعمیل کے بعد میں آپ سے کہاں ملوں؟  
یادریؑ میں کونٹ مانفرڈ کے قلعہ میں رہوں گا۔ تم وہیں آؤ۔ اس گفتگو میں صبح ہو گیا  
یادریؑ المسلم وہاں سے رخصت ہوا۔ مگر فیروز آٹو کے لیے ٹھہر گیا۔ آفتاب ابھی کچھ بلند  
ہوا تھا کہ آٹو بھی چل نکلا۔ فیروز دریچے سے دیکھ رہا تھا۔ اس کے بڑھتے ہی آپ بھی عقب  
کے دروازے سے نکل کر جلد جلد اس راہ سے چلنے لگا۔ جو بیابان صنوبر کو نزدیک سے  
گئی تھی۔ فیروز چند سال پیشتر تک وہیں کا ساکن ہونے کے سبب ان راہوں سے  
اچھی طرح واقف تھا۔ غرض کہ وہ بیابان میں پہونچے اپنے آپ کو ایک ایسی جگہ میں  
جھپٹائے بیٹھا رہا جہاں سے راہ ٹر گئی تھی۔ اور درختوں اور بیلوں کے بیوقوف ہونے اور  
سایہ پڑنے سے بہت دور تک تنگ و تاریک ہو رہی تھی۔

تھوڑی دیر میں آٹو بھی آنا دکھائی دیا اور اس کے قریب سے گزرنے لگا۔ آٹو بیخبر تھا کہ  
میرا ایک دشمن جان ابھی یہاں جھپٹا بیٹھا ہے۔ خبر جب فیروز نے دیکھا کہ حریف زور پر گیا ہے  
پھرتی کے ساتھ آچک کر ایک وار کیا۔ مگر قبل اس کے کہ تلوار آٹو پر پڑے گھوڑا یا تو دفعتاً  
پتوں کے کھڑکھڑانے سے یا کسی اور وجہ سے بھڑک کر تے سے دوسرے کنارے پر  
ہو رہا۔ اور فیروز کی تلوار کی نوک زمین کے ایک کونے سے لگ کر نیچے ہو گئی۔ فیروز نے  
درخت کی ایک شاخ کا سہارا پکڑے آٹو پر وار کیا تھا۔ مگر وہ حملہ کے وقت اس کی پوری قوت  
کی منتحل نہ ہو کر ٹوٹ گئی جس کے سبب فیروز دھم سے زمین پر گرا۔ اور اس بیطوری سے کہ  
باوجود آٹو کی متواتر کوششوں کے گھوڑے کے پچھلے پائوں اس کی بیلوں پر پڑے۔  
آٹو گھوڑے سے اتر کر نزدیک گیا۔ اور فیروز کو بچان کر تعجب اور حیرت سے بیکر تصویر بن گیا۔



اُسے فیروز کو راہب خانہ آلیس کے سوا عدالت عالیہ ویانا میں داسٹین کی تحقیقات  
روز بھی دیکھا تھا۔ آٹو اپنی پستول نکال کر جھکا۔ اور اُس سے کہا: ”دیکھ! اگر تو مجھے جیل کا  
قصر دکھتا، تو پستول کے ذریعہ ابھی تیرا پانچویں حیات لبریز کر دوں گا۔“

فیروز۔ (ہستہ ہی کمزور آواز میں) ”تم مجھے کی طرح کا خوف نہ کرو۔ یہ میرا آخر وقت ہی  
اب میں اس قابل نہیں رہا کہ کیسے وہ پہنچانے کا خیال بھی کروں۔“  
آٹو۔ (رحمدلی سے) ”کیون! تم ناامید کیوں ہوئے جلتے ہو؟ میں تمہیں کسی گانون  
میں لیجا کر وہاں عمدہ اور مفید علاج کرانے میں ہرگز کوتاہی نہ کروں گا۔ شاید تم اچھے ہو کر  
چندے اور زندگی کرو اور اسے بیسباب گناہوں سے توبہ کر کے ہمیشہ کے لیے باز آ جاؤ۔“  
فیروز: ”آپ میرے لیے کوئی تکلیف نہ کیجیے۔ میری پسلیاں ٹوٹ کر کھینچے اور جگر دوبارہ میں  
قریب ہو کہ دم نکلا جائے۔ میں تو تمہاری جان لینے کی کوشش میں زخمی ہوا۔ عجیب بات  
ہو کہ تم مجھے رحم کرتے ہو!۔“

آٹو۔ (اُس جان بلب کا ہاتھ پکڑے ہوئے) ”میں نے تمہاری خطامعات کر دی۔ ایسے  
آخر وقت میں اُن خیالات سے باز آؤ اور مجھے مثل ایک دوست کے سمجھو۔ اور اس تکلیف  
و مصیبت کے وقت جو خدمت مجھے لینا چاہو بے تامل بیان کرو۔“  
فیروز: ”ہاں۔ ایک کام آپ کے متعلق کرتا ہوں یقین ہو کہ ضرور پورا کریں گے۔ میرے بھائی  
پر پہلو کے قریب ہاتھ لگا کر دیکھیے (آٹو دیکھ کر) آسمین کوئی چیز کوٹ اور اس کے استر کے  
درمیان رکھی سی ہوئی ہو۔ وہ ایک سرسبز خطا ہی خطا آپ ازراہ عنایت ڈیوک لیپولڈ  
کی بی بی میریا کے پاس پہنچا دیجیے۔“ ایک ایک لفظ کے ادا ہونے کے بعد اُس کا ضعف  
بڑھا جاتا تھا جتنے کہ باتیں اچھی طرح سمجھ میں آنے کے لیے آٹو کو اپنا کان اُسکے منہ کے  
قریب لیجانے کی ضرورت ہوتی۔

آٹو: ”بیشک میں یہ کام ضرور ادا کروں گا۔ تم مطمئن رہو۔ بلکہ کچھ اور خدمت ہو تو بتاؤ!۔“



فیروزؑ ایک اور بات کہی، جو تمہیں جتا دینا ضرور ہے۔ یعنی ”پادری انسلم سے بہت  
خبردار رہو۔ وہ تمہارا سخت دشمن ہے۔“

آٹوؑ کیا تم اسی کی تحریک و ترغیب سے میری جان لینے آئے تھے؟

فیروزؑ مان۔ اور اب وہ کونٹا نفریڈ کے قلعہ میں ہے۔ اُس سے بچے رہو۔ مگر خدا  
مجھے رحم کرے۔ میں اب مارتا ہوں۔“

اس کے بعد چند منٹ تک فیروز کے ہونٹ حرکت کرتے تھے۔ جس سے معلوم ہوتا تھا  
کہ وہ گفتگو کی کوشش کر رہا ہے آخر اس کی آنکھوں پر موت کا پردہ پڑ گیا۔ تمام بدن کانپنے لگا  
حلق میں کچھ غغراہنے کی آواز آئی۔ اور دم نکل گیا۔ تھوڑی دیر تک تو آٹو خاموش بیٹھا  
اس کی لاش کو دیکھ رہا تھا۔ بعد ازاں دوڑا تو ہو کر اس کی مغفرت کے لیے دعا کرنے لگا اور جیسا  
اپنی رہائی کا بھی شکر ادا کیا۔ جب اس کام سے فراغت ہوئی تو فیروز کے لباس کو چاک  
کر کے خط نکال لیا اور اپنی جیب میں حفاظت سے رکھا۔ لاش کو سڑک کے ایک جانب  
ہٹا کر ڈال دیا اور پتوں سے ڈھانپ دیا۔ تاکہ لوگوں کو روانہ کرنے تک درندے بھاڑ  
نہ کھا جائیں۔ اور آپ اپنے گھوڑے کے قریب آیا تو اُس تلوار پر نگاہ پڑی جو فیروز کے  
ہاتھ سے چھوٹ کے گری تھی۔ اس پر عدالت دم کے نشان بنے تھے۔ آٹو کو پیشتر بھی مذکور  
عدالت کا طلب نامہ پہنچا تھا۔ مگر اس نے خدا پر کامل بھروسہ کر کے اُس سے بے پروائی کی۔  
آٹو۔ (دل میں) ”مان میں سب حال سمجھ گیا۔ پادری انسلم اس سبب دشمنی رکھتا ہوگا  
کہ میں نے ظنن کو راہب خانہ آلیس سے رہا کرنے کے سوا حسب ضرورت پادری کو بھی  
کچھ ایذا پہنچائی ہے۔ علاوہ اُس کے راہب خانے کے تمامی پوشیدہ حالات پہلک میں بیان  
کر دیے۔ بلاشبہ وہ میری جان کے درپڑ ہوا ہے۔ اور عدالت دم کے نائب میری جی تیر  
میں پڑے پھرتے ہیں۔ لیکن خدا سے کریم کا جوارادہ ہی وہی ہوگا۔“ غرض آٹو نے وہ تلوار  
بھی لاش کے قریب پتوں میں چھپا دی۔ اور آپ گھوڑے پر سوار ہو جلد جلد قلعہ روزنٹل

## باب ”۶۵“

### آٹو اور لارڈ روزنٹل

روزنٹل اپنے قلعہ کی تفصیل پرنٹل رہا تھا کہ آٹو بھی قریب جا پہنچا۔ اور گھوڑے کو قلعہ کے کسی ملازم کے حوالے کر کے آپ لارڈ کی خدمت میں گیا۔ اور نہایت ادب سے سلام کیا۔ لارڈ روزنٹل ”آٹو! تم آئے ہو؟“

آٹو ”جی ہاں پیر و مرشد! بندہ ویانا سے آیا ہے۔ اور حضور کے نام وہ خطوط لے آیا ہوں جو لیڈی تریزانے دیے ہیں۔“

لارڈ روزنٹل ”تو میں تمہارے آنے سے بہت ہی خوش ہوا۔ بتاؤ! میری عزیزی بیٹی کی کیا خبر ہے؟“

آٹو ”حضور کا استفسار بلحاظ ظاہری حالات کہہ رہی تو میں کہتا ہوں کہ جسمانی صحت اچھی ہے۔ لارڈ روزنٹل ”یہ کیا؟ تمہارے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خوش حال نہیں کیا یہی بات ہے؟“

آٹو ”جب آپ اصرار فرما رہے ہیں تو میں مجبوراً عرض کرتا ہوں کہ آج کل لیڈی تریزا کی زندگی اس درجہ مسرت ناک نہیں ہے جیسے کسی زمانے میں تھی۔ مگر ان خطوط سے جو آپ کے ہاتھ میں ہیں۔“

لارڈ روزنٹل ”ہاں خطوط سے تو تمام پوسٹ کنندہ حالات معلوم ہونگے۔ میں نہیں اپنے خاص کرے میں جا کر دیکھتا ہوں۔ جب تک تم کچھ کھانا کھا لو۔ واروغہ کو تاکید کر دیجائیگی کہ تمہاری خدمت اچھی طرح بجالائے۔ کھانے سے فراغت کر کے تم سیدھے میرے ہی کمرے میں آؤ تاکہ ان خطوط کے مضامین کے متعلق گفتگو کیجائے۔“

آٹو سرعجز خم کیے ہوئے رخصت ہوا۔ اور لارڈ روزنٹل اپنے خاص کمرے کی طرف چلا۔ جب آٹو تفصیل پر سے اُس سمت جانے لگا۔ جہاں نیچے اترنے کا زینہ تھا۔ تو اُنکے راہ میں ایک ایسا مقام ملا جہاں ایک مینار بنا تھا اور تفصیل دوسری جانب مڑ گئی تھی۔ غرض آٹو وہاں تک پہنچا تھا کہ ایک لیڈی مقابل سے گزری۔ باوجود منہ پر نقاب پڑی ہونے کے صرف اُسکے قد و قامت ہی سے دلکش ادا اور رعب و داب کی علامت ظاہر تھی۔ آٹو نے تعظیماً سر سے ٹوپی اتاری۔ نازنین نے اُسکے جواب میں اپنا سر جھکایا۔ اور پوری توجہ سے اُسکو دیکھتی ہوئی جلد جلد آگے بڑھ گئی۔ آٹو کا قدم استقلال ڈگمگا گیا۔ منہ پر نگاہوں سے اُسکے پیارے قد کی دل فریب ادائوں کو دیکھنے لگا۔ اُسکو اتنا بھی ہوش نہ تھا کہ تعظیم کے لیے جو ٹوپی اتاری تھی پھر سر پر رکھ لیتا۔ یوں ہی ٹکٹکی باندھے بیخودی کے ساتھ کھڑا دیکھ رہا تھا۔ آخر لیڈی نے تھوڑی دور بڑھ کے پلٹ کر دیکھا۔ اُسوقت آٹو اپنی اس حرکت پر نہایت منفعل ہوا۔ اور اپنے آپ کو ملامت کرنے لگا۔ اور سنبھل کے قلعہ کے باورچی خانہ میں آیا۔ وہ قلعہ روزنٹل کے تمام حصوں سے بخوبی واقف تھا۔ کیونکہ جب اُسکی بہن ایڈا تریزا کی خدمت میں تھی تو وہ بھی اکثر وہاں جایا کرتا تھا۔

داروغہ نے نہایت اخلاق سے آٹو کو لیا۔ اور ایک پُر تکلف دسترخوان پر بٹھا کر کھانا کھلایا۔ آٹو جب سیر ہو کر کھا چکا تو وہاں سے نکلکے لارڈ روزنٹل کے خاص کمرے میں گیا۔ لارڈ روزنٹل۔ (آٹو کو اندر بلا کر) بیٹھو! تریزا کے خطوط میں نے دیکھے۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ اُنکے دیکھنے سے میرے دل کو خوشی ہوئی۔ یقین سمجھتا ہوں کہ تریزا اسودہ خوشحال نہیں ہے۔ گو خطوط میں صاف صاف طرح پر مرقوم نہیں۔ تاہم ہر ہر فقرے سے اُسکی دل افسردگی اور پریشانی و پرانگندگی کا ثبوت ملتا ہے۔ تم مجھے صاف صاف بتا دو۔ میں عاجزی کے ساتھ

۱۔ اہل مغرب کے مان برہنہ سر ہونا بڑی تعظیم خیال کی جاتی ہے۔ حالانکہ یہ رسم انجیل مقدس کے خلاف ہے۔ (انجیل۔ کتاب الخروج۔ باب ۳۰۔ آیت ۵)۔

میں نے پوچھا ہوں کہ لیڈی تریزا کی افسردہ دلی کا اصلی سبب کیا ہے؟“  
 آٹو: ”مختصر! مجھ ایسے غریب کو غالباً ان امور کے حالات پر اسے زنی کرنا ہرگز ٹھیک نہیں  
 لگے۔ چونکہ آپ بے تردد تمام مفصل حال بیان کرنے کے لیے حکم فرما رہے ہیں تو مجھے ضرور ہوا  
 کہ اسکی تعمیل کروں!“

لارڈ روزنٹل: ”میں نے حکومتانہ طور پر نہیں بلکہ ایک دوست کی حیثیت میں استفسار  
 کرتا ہوں۔ مہربانی کر کے سب ماجرا کہ سناؤ! میں اس خط کے چند حصوں کو تمہارے روبرو پڑھتا ہوں“  
 یہ لکھ لارڈ روزنٹل نے تریزا کے خط کو کھول کر میر پر رکھا۔ اور آٹو کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ وہ بھی  
 مجھے اپنی خاص لڑکی سے کہیں زیادہ ڈیوکل لپیولڈ اور میریا کے بیٹے پر محبت آتی ہے۔ اور  
 یہ امر ہمیشہ میرے رنج کا باعث رہا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ درحقیقت یہ بات قابل رنج ہے۔“  
 آٹو: ”لیڈی تریزا نے فدوی سے بھی کئی دفعہ نہایت درد کے ساتھ یہ کیفیت بیان کی اور میری  
 اس کی طالب ہوئی۔ لیکن اور بات ایسی ہے جو اس ماجرے کو بالکل ہی داستان حیرت  
 بنائے دیتی ہے۔ یعنی میریا لیڈی تریزا کی پیاری بیٹی ایڈیلیا کو اپنے بیٹے سے بھی زیادہ چاہتی  
 اور پیار کرتی ہے۔ اور اسی سے اسکی دلی محبت ہے۔“

لارڈ روزنٹل: ”یہ نہایت حیرت انگیز اور تعجب پیدا کرنے والی بات ہے کہ میرا دوری  
 فطرت کے خلاف ہو۔“

آٹو: ”جی ہاں۔ بندے نے بھی بجائے خود بہت کچھ غور کیا۔ مگر کوئی وجہ خیال میں نہ آئی۔“  
 لارڈ روزنٹل: ”افسوس! چاہیے تھا کہ میری محنت جگر تریزا خوش و خرم رہتی۔ مگر تمہیں تو  
 معلوم ہی ہے کہ میں لیڈی تریزا کی شادی فوسٹ سے کر دینے پر مطلق رضامند نہ تھا۔ بلکہ  
 وہ جلسہ سازی کی راہ سے تریزا کو لیکھا۔ اکثر اوقات مجھے یہی تعجب ہوا کرتا ہے کہ میں اس بات  
 پر راضی کیونکر ہوا؟ جو سراسر میری طبیعت کے خلاف تھی اور یہ سوچ کر بھی میں ہمیشہ حیرت  
 میں آجاتا ہوں کہ فوسٹ دفعہ دولت و شہرت کے بلند ترین درجے پر کیونکر پہنچا تریزا

خط کا ایک اور مضمون مجھے غمگین بناتا ہے۔ اور وہ یہ کہ فوسٹ اُس سے اب ویسی محبت نہیں رکھتا جیسی کہ ابتدا میں رکھتا تھا یا مرد کو اپنی پیاری بی بی کے ساتھ رکھنا چاہیے۔ ”جب وقت لارڈ روتل یہ کہہ رہا تھا۔ اُسکی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ گودہ بہت سخت دل تھا۔ لیکن ترزا کی محبت کے آگے وہ اپنے ذاتی استقلال کو بالکل نباہ نہ سکتا تھا۔

آٹو بیڈی ترزا سے دن اسی فکر میں رہتی ہیں کہ غالباً فوسٹ کو کوئی اندر دنی غم ستارنا ہے جسکے سبب وہ ہمیشہ بیتاب و پچین رہتا ہے۔“

لارڈ روتل نے واسطہ اعلم کیا اسرار ہے۔ وہ شاہی دربار میں نہایت مغرور و متعزز سمجھا جاتا ہے۔ بڑا بڑا لیولڈ اُسکا خالص دوست ہے۔ اور اُسکی دولت مند سی ممالک جرمنی میں ضرب المثل ہو گئی ہے۔ پھر کون اور اُسکا باعث رنج ہو گا؟ کیا اس سے کوئی خطا عظیم سرزد ہوئی ہے؟ یادہ کسی بھی اور فریب کے ذریعہ اس عالی مرتبہ کو پہونچا ہے؟ ترزا کے خط کی ایک اور بات قابلِ توجہ ہے۔ یعنی فوسٹ نہ ہی اسورنی جانب بالکل ہی ملتفت نہیں ہوتا۔“

آٹو تمام شہر دیا نا میں یہی کھل بل مچی ہے کہ فوسٹ نہ ہی تعلقات سے ہمیشہ الگ رہتا ہے۔ اسنے محل میں نہ تو کوئی پادری ہی نوکر ہے اور نہ کوئی ایسا شخص جو فرض نہ ہی کو یاد دلاتا رہے۔ اور نہ اُسکے محل میں کوئی گرجا ہے۔ اور نہ وہ کسی گرجا میں جاتا ہے۔

اگر وہ اس درجہ صاحبِ قدرت اور مغرور و ممتاز نہ ہوتا تو مجلسِ علماء ضرور موردِ تکفیر ٹھہراتی۔ اور اُسکو اپنی اس بے پروائی کی جوابدہی کرنی ہوتی۔ بلکہ اس بارے میں ہم کیوں بدگمان ہوں؟ کیا عجب کہ وہ پوشیدہ طور پر خدا کے کریم کی عبادت کرتا ہو۔ کیونکہ عبادت گزاری کے لیے کچھ گرجا ہی کی خصوصیت ضرور نہیں!۔“

لارڈ روتل نے اچھا فرض کیا کہ وہ اسید طرح عمل کرتا ہو گا۔ لیکن زمانے کے دستور اور دیگر امر کی دیکھا دیکھی اُسکو بھی ضرور تھا کہ ایک پادری اپنے محل میں رکھتا ہے۔ یہ مطلق العنانی اور عبادت گاہوں سے دوری اختیار کرنا کوئی عمدہ بات ہے؟۔“



آٹو۔ حضور بیشک فوسٹ ایک بجا اور نازیبا خیال کی پردہ کی کرتا ہو۔ اور اسمینشک نہیں کہ اُسکے قصور فہم کا سبب ہو۔ مگر ہم نہیں کہہ سکتے کہ وہ عمدہ کسی جبرے ارادے سے مذہب کی مخالفت کرتا ہو۔“

لارڈ روزنٹل۔ ”تم بڑے ہی صاف دل اور نیک طبیعت آدمی ہو۔ خیر۔ مجھے اپنی جاگرت کے بند و بست کا کام نہ ہوتا۔ اور اُس موذی کے حملہ کا کھٹکانہ لگا رہتا۔ جو ہمیشہ کے لیے میرا دشمن بنا ہوا ہو تو میں ضرور دیا جا کر اپنی پیاری بیٹی کا درد دکھ خود اُسی کی زبان سننا۔ اور تھوڑے دنوں کے لیے اُسکے میاں سے اجازت لیکر بیان لانا کہ چندے جی ہلانے اب مجھ کو فوسٹ کو لکھتا ہوں کہ چند روز کے لیے تریزا کو بیان روانہ کرے۔ تم اور کتنے دن اس شہر میں رہنے کا قصد رکھتے ہو؟“

آٹو۔ ”میں اور چندے یہاں رہو گا۔ نہایت ضروری کام یہ ہے کہ اپنی ماں کی قبر کی زیارت کر لوں۔ اُسکے بعد اپنے قدیم دوستوں سے ملے کا اشتیاق ہے۔ آئین سے کوئی بری بدو کا محتاج ہے تو تھے الامکان اُسکی تائید میں دریغ نہ کروں گا۔ مجھے اپنی زندگی بغیر کسی محتاجی کے گزارنے کے لیے خدا نے بہت کچھ دے رکھا ہے۔ بلکہ میں کسی حاجت مند کو دے بھی سکتا ہوں۔“

روزنٹل۔ ”جیتا تم اس شہر میں رہو۔ میرے ہی مہمان رہو۔ جب یہاں سے واپس ہو تو اپنی بیٹی کے اور فوسٹ کے نام خطوط لکھ دوں گا۔“

آٹو۔ میرا بچپن اسی سرزمین میں گزرنے کے سبب مجھے اس مقام سے بہت انس ہے۔ مگر ایک خاص وجہ یہاں زیادہ ٹھہرنے سے مانع ہے۔ تاہم آپ کی دعوت کو بڑی شکر گزاری کے ساتھ قبول کرتا ہوں۔“

لارڈ روزنٹل۔ ”تم جیتا جی چاہے بیشک یہیں رہ سکتے ہو۔ ماں یہ بات بھی متے کہنا ضرور ہے کہ ایک شاہزادہ اور شاہزادی بھی میری مہمان ہونے والی ہیں۔ روماکا



شاہی خاندان آجکل تباہ اور آوارہ وطن ہو گیا ہے۔ اُن لوگوں نے شہنشاہ جرمنی سے درخواست کی کہ ہمیں ویانا میں دشمنوں کے شر سے محفوظ رکھا جائے مگر جو بات چند چند شہنشاہ نے انہیں ویانا میں رکھنا مناسب نہ جانا۔ اور ویانا سے بہت دور رکھنے کی تجویز کی گئی۔ اسی سبب مجھے انکی مہانداری کی عزت حاصل ہوئی ہے۔ شہزادی تو آپجی مگر اُسکا بھائی عمقریب آئیوا لاہو۔“ جب لارڈ روزنتل نے یہ کہا تو فوراً آٹو کو اُس نقاب پوش لیڈی کی ملاقات اور شہزادے مجروح مسافر کا خیال آگیا۔ اُس مجروح کا خدمتگار یہ حضور کے لفظ سے جوا را کین خاندان شاہی کی نسبت استعمال کیا جاتا ہے اپنے آقا کو خطاب کرتا تھا۔ اصلی نام نہ خدمتگار کی زبان پر آیا نہ آٹو نے دریافت کرنے کا ارادہ کیا۔ لہذا وہ بالکل ناواقف تھا کہ مین نے سر امین جس مجروح کی خدمت کی۔ وہ قیصر بوجیا تھا۔ جسکی بد معاشی اور بد کرداری کا شہرہ تمام یورپ میں مشہور ہے۔ غرض کہ آٹو نے تھوڑے تال کے بعد لارڈ روزنتل سے کل ماجرا بیان کیا اور کہا کہ وہ مجروح شہزادہ سرے کبرگ مین تھا۔ اور غالباً ایک وہین ہوگا۔

لارڈ روزنتل دے تو کیا تم اسکے نام سے آگاہ نہیں ہو؟۔“  
 آٹو دے جی نہیں حضور! بلکہ دریافت کا قصد بھی دل مین نہ آیا۔“  
 لارڈ روزنتل دے بیشک وہ گناہ ہی ہوگا۔ لیکن عجب نہیں کہ اُسکا خدمتگار اسکو سوا کرے۔ کیونکہ وہ مجنون بڑے بڑے خطابوں سے اپنے آقا کو پکارنے کا عادی ہو گیا ہے شاہزادی بھی جو اسوقت میری مہمان ہے نہایت تباہ حالت مین یہاں آ پہنچی تاکہ لوگ پہچان نہ سکیں۔ اور مجھے چاہا کہ اُسکا اصلی نام کسی پر ظاہر نہ کروں۔ اب مناسب ہے کہ مین مہمانسراے کبرگ کو جانے اُس مجروح شاہزادے کو یہاں لے آؤں۔ یہ کہہ کر جھٹ سے لارڈ روزنتل کرسی پر سے اٹھا۔

آٹو دے ایک اور بات خدمت مین عرض کرتا ہے۔ یعنی یہاں سے قریب بیابان جنوبی

درمیان ایک لاش پڑی ہو۔ کوئی شخص میری جان لینے کے قصد سے اگر خود ہلاک ہوا۔ اسے مرنے دم چند کاغذات میرے حوالے کیے ہوں۔ اور اسی ضرورت کی بنا پر میں جلد ویاٹا کو جانا چاہتا ہوں۔ خیر۔ اسکو عادت کے بموجب دفن کرنے کے لیے مجھے آپ کے چند ملازمین کی مدد ضرور ہو۔“ لارڈ روزنٹل سرتاپا آٹو کو غور سے دیکھنے لگا۔

لارڈ روزنٹل عدالت و قلم کے اختیارات کی کوئی حد باقی نہ رہی۔ مگر میں بھی اس کے احکام سے ویسے بے پروائی کرتا رہا جیسی کہ تنے کی ہے۔ اچھا۔ اب اس لاش کو کسی صورت یہاں لانے کے لیے دو معتبر خدمتگاران کو ہمراہ لیکے تم خود جاؤ۔ میں اپنے پادری صاحب کو تاکید کیے جاتا ہوں کہ لاش قلعہ کے گورستان میں دفن کریں اب مجھے کبرگ کی طرف جانا ہے تم بفرغت تمام یہاں رہو۔ اور اسکو اپنا مکان سمجھو۔“ ۲ ٹوٹنے لارڈ روزنٹل کی اس لوازش و کرم پر شکریہ ادا کیا اور لارڈ چھ قوی تن جو انون کو ہمراہ لیے مہمانسراے کبرگ کو چلا۔

## باب ”۶۶“

پادری اسلم۔ اور کوئنٹ مانفریڈ

اب ہم پادری اسلم کا حال بیان کرنا چاہتے ہیں۔ ناظرین کو یاد ہو گا کہ پادری فیروز کو آٹو کے تعاقب کے لیے سرزمین چھوڑ کے آپ کوئنٹ مانفریڈ کے قلعہ کو گیا تھا۔ جس منزل مقصود کے قریب جا پہنچا۔ اسکو اس سرزمین سے نکلے مدت دراز گزر گئی تھی۔ اور اس کے حالات میں بہت کچھ تغیر و تبدل واقع ہوا تھا۔

پادری۔ (قلعہ کے بھاگ پر پہنچے۔ دل میں) ”جن دنون میں کوئنٹ مانفریڈ کی ملازمت میں تھا۔ اب وہ وقت ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کل ہی کا دن گذرا۔ حالانکہ ایک زمانہ دراز منقضی ہو چکا ہے۔ میں اسوقت بڑا ہی مصیبت مند شخص تھا۔ جو شاہی جلاو کے ماتھوں بیچ ٹھلا۔ زمانہ آنکھوں میں تیرہ و تار تھا۔ بیشک میری زندگی بحر و طلمات سے کم نہیں۔ ایسے ہے

وقت میں صرف ایک کونٹ مانفریڈ ہی تھا جسکی ذات سے مجھے بہت کچھ امید تھی۔ کیونکہ اسکی ماتحت میں فوج میں بڑی کرچکا تھا۔ میں اسکو بخوبی پہچانتا تھا۔ گوکہ وہ اسوقت کونٹ نہ تھا۔ اور نہ اُس عالیشان عمارت کا مالک تھا۔ مگر اُسکے ولیمین علوے مرتبت کی مناسبتی بان۔ مجھے وہ زمانہ بھی اچھی طرح یاد ہو چکا۔ میں اُسکے غریب حجرے میں جو بیان سے قریب ہو جا کر اسکی خدمت بجالاتا تھا۔ اُسکو مجھ سے ایک مدبّر شخص مطلوب تھا۔ اسی لیے اپنی خدمت میں لینا قبول کیا۔ اور مجھے انجمن وئم میں شریک کیا جو جب موقع ہوا تو میں نے کس آسانی اور سہولت سے اُسکو کونٹ بنا دیا۔ میری اس کارروائی پر انعام و اکرام سے الامال کرنے کے عوض اُسکا مجھے کوستانے لگا۔ وجہ یہ ہونی کہ وہ میرے بھید و ن سے واقف تھا۔ اور مجھے یہ خوف دلا کہ اُس سے خلاف کروں تو سب ادا وہ راز میرے آشکار نہ کر دے۔ بلاشبہ وہ بڑی مبارک ساعت تھی جبکہ میں اُسکے ظلم کی تاب نہ لا کر ہیوگو کو ساتھ لیکر بھاگ نکلا۔ وہی ہیوگو اب تک فیروز کے نام سے میرا رفیق ہے۔ میں پادری کا بھیس اختیار کر کے ہزار وقت و خرابی راہب خانہ آلیس کا سردار ہوا۔ ہیوگو نے ان سب تکالیف میں میرا ساتھ دیا۔ بعد ازاں مجھے خاندان بورجیا سے تعلق پیدا ہوا۔ اور انھیں کے ذریعہ بہت دولت حاصل ہوئی۔ اور اگر قیصر بورجیا اپنے اقرار پر قائم ہوتا تو آج میں بھی ایک اول درجے کا دولت مند اور صاحب مقدر ہوتا۔ پھر بھی جب میں پہلے اُس دروازے سے باہر ہوا۔ ایک حقیر اور کم حیثیت تھا۔ اور اب جبکہ پھر بیان آیا ہوں اپنی کوششوں کی بدولت عدالت وئم کا ایک رکن اعظم ہوں۔ اور میرے پاس ایک ایسا حکمنامہ ہے جو کونٹ مانفریڈ کو میرا عاجزا اور مطیع بنا دے گا۔“ انھیں خیالوں میں پادری اسم بڑھتے بڑھتے قطع کے اندرونی دروازے تک پہنچا۔

گارڈ کا سپاہی۔ (بندوق طیغی کر کے) ”کون اندر جا رہا ہے؟ کھڑے رہو! پادری“ ”میں کونٹ مانفریڈ سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔“

سپاہی۔ بدوق کا ندھے پر کھکر ”تشریف لیجائیے! پادری صاحب!“ اپنے  
مصروف سے کسی خدمتگار کے وہاں ہونے کا پادری کو بڑا خوف تھا کہ دیکھ کر پہچان جائے  
تو شکل گھڑے۔ اسی اندیشہ سے اپنے تمام جسم کو پادریا نہ طویل لباس میں اس درجہ  
چھپا لیا تھا کہ صرف دو آنکھیں دکھائی دیتی تھیں۔ تھوڑی دیر میں کونٹ مالفریڈ کے خاص  
میں جا پہنچا۔ وہ اسوقت چند ضروری کاغذات کے دیکھنے میں مصروف تھا۔ اسکی حالت میں  
گہ نسبت اس زمانے کے جیکہ پادری انسلم اسے چھوڑ گیا تھا بہت کچھ تغیر و تبدل آگیا تھا۔ مگر  
اسکی وضع قطع اور چہرے کی آب و تاب بدستور تھی۔ انیس سال کے طولانی عرصے کے گزرنے  
اسے اس کے بالوں میں سپیدی آگئی تھی۔ مگر اسکی وہ مردم آزاری۔ سنگدلی۔ بدکاری اور  
بے ایمانی سے بھری ہوئی نعلتین دور نہ ہوئی تھیں۔

کونٹ مالفریڈ۔ (پادری انسلم کو سرسری نگاہوں سے دیکھ کر) ”اس عزت افزائی کی وجہ  
تو کیا ہے؟ آپ کچھ دینی جلائی کے لیے میرے پاس تشریف لائے ہیں تو میں سمجھتا ہوں کہ آپکا  
جو آئنا بیکار ہے۔ کیونکہ میرے گھر میں پہلے سے ایک پادری مامور ہے۔ جو ایسے کاموں سے  
بے سنجوبی واقف اور باخبر ہے۔“

پادری انسلم۔ (منہ سے چادر ہٹا کر) ”کونٹ مالفریڈ! اس واہیات تقریر کو موتوں کرو  
کر لیا تم مجھے نہیں پہچانتے؟“

کونٹ مالفریڈ۔ (متعجب کرسی سے نیم خیز ہو کر) ”تم ہو۔ ارک کنٹس! جو کسی  
پازمانے میں میرے ملازم تھے۔“

پادری۔ (غور کے لہجے میں) ”ان جناب! میں وہی شخص ہوں۔ مگر اب میرا نام  
لہجہ اور ہے۔ کیا آپ نے پادری انسلم کا نام سنا ہے؟“

کونٹ مالفریڈ۔ ”بیشک۔ سنا کیون نہیں؟ مگر وہ عدالت و دم کا ایک رکن اعظم ہے۔ اور تم ایک  
نورے درجے کے نوکر۔ ان میں نے ایسے ذی جاہ افسر کا نام جو تم سے کم حیثیت ملازم کے

آگے لے دیا یہ قانون انجمن و دم کے خلاف ہے۔ لیکن مجھے کچھ خوف نہیں۔ اس لیے کہ تم میری خطاؤں کو کسی پر ظاہر کرنے کی جرأت نہیں کر سکتے ہو۔“

پادری انسلم: ”بھین مقدس عدالت کے دستور العمل سے بھی آگے نہیں ہے۔“

کونٹ مانفریڈ: ”عصبناک ہو کر“ یہ کیا فضول باتیں کر رہے ہو؟“

پادری جرأت کے ساتھ ”جناب من! آپ غصے کو بالائے طاق رکھ کر مجھے صاف صاف گفتگو کیجیے۔ کیونکہ میں بھی ارکان اعظم سے ایک ہوں۔“ یہ کہہ کر پادری نے سینے تک ہاتھ اٹھا کر کوئی نشان دکھایا۔ جو سوارا کین انجمن و دم کے کسی دوسرے کو معلوم نہیں ہو سکتا۔ اور جس سے انکار کرنے کی سزا موت تھی۔

کونٹ: ”نہایت ادب سے“ تشریف رکھیے! بیشک آپ ان جلیل القدر سرداروں میں ہیں۔ جنکا کام گردن فرازون اور سرکشوں کو نابود کرنا، ہے (یعنی اراکین عدالت و دم) تو کیا آپ پادری انسلم کے پاس سے آرہے ہیں؟ اگر ایسا ہو تو بلاشبہ آپ سے تعظیم و توقیر کے ساتھ پیش آنا مجھے بمنزلہ فرض کے ہے۔ ایسے ذی شان افسر کا نائب بھی قابلِ ادب ہے۔ بہر صورت ہمارے باہمی قدیم راہ و رسم کو چھوڑ کر اب آپ کے ساتھ برادرانہ سلوک کرنا چاہیے۔ پادری: ”نہیں۔ بلکہ مجھے اپنا بزرگ ماننا ہو گا۔“

کونٹ: ”(غصے سے)“ آخر وجہ؟ میں حیران ہوں کہ تم جو مجھے کئی سال بعد انجمن میں داخل ہوے۔ میرے بزرگ کیونکر ہو سکتے ہو؟ خیر۔ اب بتاؤ کہ تم کارنیلیا کے حاکم پادری انسلم کے پاس سے آئے ہو نہ؟“

پادری: ”میں خود پادری انسلم ہوں۔“ کونٹ مانفریڈ یہ سن کر اس قدر متعجب ہو گیا کہ اسکا تمام جسم تھر تھرا نے لگا۔

پادری: ”سنو! دستِ فیلیا کی کونسل تمہاری کارروائیوں سے سخت ناراض ہے۔ تمہاری کل خطائیں میں بیان کر سکتا ہوں۔ مگر اس وقت ضرورت نہیں سمجھتا۔ کیونکہ

تم خود بخوبی واقف ہو۔ علاوہ برین ایک سنگین خطا میرے سامنے وقوع پذیر ہوئی۔  
یعنی بید مٹرک ایک افسر کا نام زبان پر لائے جو عدالت کے قانون سے سخت خلاف ہے  
ایک اور تمھاری خطا نے اراکین کونسل کو نہایت ناراض کر دیا ہے۔ وہ یہ کہ جب دیوک لاپور  
تمھارا قیدی تھا۔ اور وہ چند شرطوں کے قبول کرنے پر جو اسکے چاٹھنشاہ جرمی کے قتل  
کے بارے میں تھیں رضا مند نہ ہوا تو تمھیں چاہیے تھا کہ اُسکے عاجز ہونے تک قید  
کر رکھتے۔ بخلاف اُسکے تمنے اُسکے قتل کا حکم دیدیا۔ گویا اُسکی موت سے ہماری مقدس  
عدالت کو کوئی خاص طرح کا فائدہ پہونچنے والا تھا۔ تمنے بڑی نادانی کی۔ اُسکی زیست  
سے ہمیں بہت کچھ فائدہ حاصل ہونے کی امید تھی۔ نہ کہ موت سے۔ اُسکو اگر اس عالی شان  
تخت پر بٹھانے کا لالچ دیا جاتا جس پر آجل اسکا چچا رولن بخش ہے تو ضرور وہ کسی  
وقت ہماری شرطوں کو قبول کر لیتا۔ مگر تم بے سمجھی سے قتل کا حکم دے بیٹے۔ اور  
تمھارے ملازمون نے اُسے چھوڑ دیا۔“

کونٹ مافسر ریڈ۔ (عاجزی کے لہجے میں) ”میں نے کونسل کو اُسی وقت مفصل  
حال کی اطلاع دے دی تھی۔“

یادری اسلم۔ (برہمی سے) ”کیا! تمھارا بیان قابل اعتبار تھا؟ کیا ایک آدمی کو  
وہ کیسا ہی مہیب لباس پہنے ہو چھ مسلح آدمیوں کی حراست سے ایک شخص کو چھڑایا  
اور وہ بھی برملا۔ کچھ عقل میں آئیوالی بات ہے؟“

کونٹ ”میرے سپاہی اس بات کی قسم کھاتے ہیں کہ اس مہیب شکل کے دیکھتے ہی  
انہر سکتے کا عالم طاری ہو گیا۔ میں نے ہر ہر کا جہاں اظہار لیا۔ سب کے سب متفق اللفظ  
ایک ہی بات کہنے کے سبب مجھے یقین ہو گیا کہ وہ قصہ واقعی ہے۔“

یادری ”وہ سب ملکا ایک بات گڑھ لین تو بیشک سب ایک ہی سی کسے جائینگے جنک  
تمھاری اور تمھارے تابعداروں کی یہ قوفی کی وجہ سے شہنشاہ جرمی کی نسبت جو پوشیدہ



تجویزین ہو رہی تھیں۔ اُنسے مجبوراً باز آنا پڑا۔ اور اس ناکامی۔ نہ حکومت واپس  
انجمن دم کو پہنچے سب تمہارے ہی طفیل ہیں۔“  
کونٹ ڈی لیکن ڈیوک لیپولڈ نے وہ حقیقت اُنسی سے بیان نہ کی۔ ورنہ بصورت دیگر یہ  
جرمنی اول مجھے سزا دینے پر آمادہ ہو جاتا۔“

یاد رہی۔ تمہیں اصل حال معلوم کب ہی؟ ڈیوک نے من و عن کہ تو دیا۔ مگر شہنشاہ نے  
اپنی حکمت عملی کی رو سے مناسب جاننا کہ افسران انجمن دم سے کچھ بُری طرح پیش آئے۔ اور کوئی  
ایسی حرکت بھی نہ کی جس سے معلوم ہو کہ وہ اس ماجرے سے آگاہ ہی۔ ان خفیہ رازوں سے  
آگاہ کرنے کے صلہ میں شہنشاہ نے اُسکی ایک غریب مفلس لڑکی سے شادی کر لینے کو منظور  
فرمایا۔ اور چند روز الگ رہنے کے بعد اُسکو مکرر دربار میں آنے کی اجازت ہوئی۔ اُس لڑکی  
کی نسبت شے کچھ کہنا ہی۔ مگر یہ بات کل پر موقوف رکھتا ہوں۔ سر دست تم سے اس قدر  
کدیتا ہوں کہ کونسل عدالت دم تمہیں اس بزرگ خدمت سے معزول کر کے صرف ایک  
ڈسٹرکٹ کے انتظام پر مامور کرتی ہی۔ اور اُسکا سبب یہ کہ کونسل کی نظروں میں بارہا تمہاری  
نالائقی ثابت ہو چکی ہی۔“ یہ کہہ پادری نے ایک کاغذ جیب سے نکال کر کونٹ مالفریڈ کے  
ہاتھ میں دیا وہ اُسکو نہایت ادب سے لیکر پوری توجہ سے پڑھنے لگا۔ اور جب پڑھ چکا تو  
غصے کو ضبط کر کے اُس نوشتہ کو آنکھوں سے لگایا اور بوسہ دیا۔ پادری اُنکو کونٹ مالفریڈ  
کو عدالت دم کے یہ رسوم بجالاتے ہوئے دیکھ کر دل میں بہت ہی خوش ہوا۔ اور تھوڑے  
وقفے کے بعد کہا۔ اب میں مقدس عدالت دم کی طرف سے حکم دیتا ہوں کہ اپنے سپاہیوں  
سے چند قوی تن لوگوں کو لیکر مہانسراے کبرگ کو روانہ کرو۔ وہاں دو شخص رولم کے شہنشاہ  
فرزکش ہیں۔ اُنمیں سے ایک کی پیشانی پر زخم ہی۔ تمہارے سپاہی وہاں پہنچتے ہی  
اُن دونوں کو گرفتار کر کے جلد یہاں لے آئیں۔  
کونٹ مالفریڈ آپ کے حکم کی تعمیل میں سر ہو کوتاہی نہ ہوگی۔ یہ کہہ کر کے

عمدیا جائے۔

## باب ”۶۷“

آٹو اور وہ نقاب پوش لٹی

لارڈ روزنٹل مہانسرا کے کمرگ پر پہنچا ہے۔ اور اسکو خبر ملی ہے کہ کونٹ مانفریڈ کے سپاہی ان دونوں مسافروں کو قید کر لے گئے۔ وہ نہایت غضبناک اور اسے ادھر ادھر دیکھ رہا ہے۔ مگر کوئی بات بن نہیں آتی۔

لارڈ روزنٹل۔ (مہانسرا کے خادم سے) ”وہ سپاہی کس جرم پر ان شخصوں کو قید کر کے لگے؟“  
خدمتگار ”یہ بات مجھے نہیں معلوم۔ شہزادہ اسقدر تندرست ہو گیا تھا کہ اپنے ملازم کے کاندھوں پر کھڑے اور ادھر ادھر ٹھاکر رہا تھا۔ اور ایک پالکی آپ کے قلعہ تک پہنچانے کے لیے تیار کرانی جا رہی تھی۔ ایسے میں کونٹ مانفریڈ کے سپاہی آئے۔ اور چپکے سے انھیں پکڑ لیا۔ شہزادے کے ملازم نے بہت کچھ سرٹکا۔ مگر ایک بھی نہ سنی۔“

لارڈ روزنٹل ”تھیں یہ یقین کیونکر ہوا کہ سپاہی قیدیوں کو کونٹ مانفریڈ کے قلعہ ہی میں لگے؟“  
خدمتگار ”حضور! وہ لوگ تو یہاں سے نکل کر اسی سمت راہی ہوئے۔“

لارڈ روزنٹل ”ہاں۔ کونٹ مانفریڈ کی بیباکانہ کارروائیوں کے دیکھتے تمہارا خیال کچھ غلط نہیں۔“ یہ کہہ کر ایک اشرفی مہانسرا کے خدمتگار کو دی۔ اور گھوڑی کی باگین اپنے قلعہ کی طرف موڑ دیں۔ راستہ بھر ہی سوچتا چلا آتا تھا کہ کس تدبیر سے ان قیدیوں کو چھڑاؤں؟ وہ نہیں چاہتا تھا کہ کونٹ مانفریڈ سے جنگ کی ٹھہرے۔ اس لیے کہ کونٹ ظاہری قوت میں برتری رکھنے کے سوا دشمن کو پامال کرنے کی تدبیریں بہت جانتا تھا۔ دوسری بات یہ کہ لارڈ روزنٹل کے نام شہنشاہ جرمنی کا حکم آیا تھا کہ ان آوارہ وطنوں کو اپنے قلعہ میں پناہ دے۔ قیصر اور اسکی بہن کو دشمنوں سے بچانے کا شہنشاہ نے ذمہ لے لیا تھا۔ وہ یقین کیے ہوئے تھا

کہ قیصر سا اولوالعزم شخص اگر تباہ و برباد بھی ہو جائے تو کسی نہ کسی وقت اپنی حکومت واپس لینے کی ضرورت کو شش کرے گا۔ اور کبھی نہ کبھی ملک اٹلی کا مالک ہو ہی جائیگا پس مناسب نہیں کہ ایسے وقت میں تائید پہنچانے سے باز آکر ہمیشہ کے لیے سلطنت سے نارضا مندی کا اثر اُسکے دل میں پیدا کرے جب قیصر پوپ جو لین کے تقرر کے بعد مایوس ہو کر جرمنی گیا تو شہنشاہ نے نہایت اخلاق سے ملاقات کی۔ اور اُسکے امن دینے پر رضامند ہوا۔ مگر شرط یہ رکھی گئی کہ قیصر و لوکریزا کے رہنے کی جگہ خود شہنشاہ مقرر کرے اور اُسپر یہ لوگ کچھ معترض نہ ہوں۔ غرض قلعہ روزنتل اُنکے رہنے کے لیے مقرر ہوا۔ کیونکہ ان بھائی بہن کے ایسے متفنی اور چھٹے ہوئے بد معاشوں کو خاص دیا نا میں رکھنا بالکل خلاف مصلحت سمجھا گیا۔ خیر۔ جب قیصر کو دمان جانے کی ہدایت ہوئی اُسے اپنی بہن لوکریزا کو لکھ بھیجا کہ جلد فرار سے قلعہ روزنتل میں آجائے۔ اسی سبب لوکریزا بھائی سے پہلے بیان پہنچ گئی تھی۔ اب ناظرین قیاس کر سکتے ہیں کہ لارڈ روزنتل اس رواد سے کقدر پریشان نہ ہوگا۔ اسے بار بار اس بات کے خیال کرنے سے حیرت ہوتی تھی کہ باوجود شہنشاہ وقت ان لوگوں کی حمایت میں ہونے کے کوئٹ مافریڈ نے کس درجہ دلیری کی جو انھیں قید کر امنگوا یا۔

لارڈ روزنتل اپنے قلعہ میں آ پہنچا۔ اور گھوڑے سے اترتے ہی ڈیونڈ اور اپنے پاوری کو لیے ایک پوشیدہ کمرے میں جا کے رب حال اُنکے روبرو بیان کیا۔ اور وہ اس امر کے متعلق تجاویز سوچنے لگے۔

آٹو جو چند لوگوں کو ہمراہ لیکے فیروز کی لاش اٹھالانے کی غرض سے گیا تھا۔ منزل مقصود پر پہنچ کر دیکھا تو لاش نثار د۔ جن پتوں سے مردے کا تمام جسم ڈھانپ آیا تھا وہ جو ظرفہ بکھرے پڑے ہیں۔ اور دمان بہت سے لوگوں کے پائوں کے نشان معلوم ہوتے ہیں آٹو نے زیادہ دیر دمان ٹھہرنے کی ضرورت نہ جانی۔ اور اپنے ساتھیوں کو لیے واپس ہوا۔ قلعہ کے قریب پہنچتے شام ہو گئی۔ آفتاب غروب ہونے والا تھا۔ آٹو قلعہ کی تفصیل پر

چڑھ گیا کہ تنہائی میں آج کے حالات پر غور کر دین۔ غروب ہوتے ہوئے آفتاب کی کرنیں  
بھاڑیوں پر پڑ کے ایک عجیب فنامن پیدا کر رہی تھیں۔

آٹو۔ (خود بخود۔ آواز بلند) اسد اسدیہ شام کا وقت بھی انسان کے دلمیں کیسے خیالات  
کاپیدا کرنے والا ہے۔ محنت و مشقت کرنیوالے اس وقت اپنے اپنے کام چھوڑ کر تھکے ماندے  
گھر کی طرف چلتے ہیں۔ اور دن بھر کے کچھڑے ہوئے زن و فرزند انھیں آتے ہوئے دیکھ کے  
خوشی سے بھول جاتے ہیں۔ رہن اور دغا باز لوگ اس اندھیری سے مسرور ہو جاتے ہیں۔  
کیونکہ یہ تاریکی انکی بدکرداریوں کے لیے پردے کا کام دیتی ہے۔ ایک دور افتادہ مصیبت مند  
تا خدا کی بی بی حسرت و اندوہ سے دریا کی طرف دیکھ رہی ہے۔ اور اپنے شوہر کی سلامتی کا خیال  
اس اندھیرے کے عالم میں اُسے آبدیدہ کیے دیتا ہے۔ وہ مجرم جسے دوسری صبح میں بچائی  
لئے والی ہو دشتِ ناک قید خانے کی کھڑکیوں سے نظر لگائے آفتاب عالمتاب کی شعاعوں  
کا انتظار کر رہا ہو۔ زندانِ خرابات ڈوبتے ہوئے سورج کو دیکھ کر کھلے جاتے ہیں اس لیے کہ  
انکی دل لگیان بہ نسبت دن کے شب میں اچھی طرح ہوا کرتی ہیں۔

اس وقت بڑی حسرت اور اُداسی اُس گھر پر چھائی ہوئی ہے۔ جہاں کوئی شخص بہتر  
پر پڑا حسرت بھری نگاہوں سے آفتاب کی اُن آخری شعاعوں کو دیکھ رہا ہے جنہیں چہرہ  
دیکھنے کی اُسکے دل میں امید نہیں۔ اور اُسکے عزیز و اقارب بچھونے کے گرد کھڑے ہوئے  
اپنے ہمیشہ کے لیے نصرت ہو جانے والے دوست کی حالت پر آنسو بہا رہے ہیں۔  
غرض آٹو بہت دیر تک اپنے آپ میں اسی قسم کی باتیں کھڑا ہو کر رہا تھا۔  
ایک آواز ۲۲ تم مصور تو ہو۔ لیکن اگر شاعر بھی ہوتے تو خوب بات تھی۔“ آٹو چونک پڑا۔  
کیونکہ وہ آواز نئی نہ تھی معاً پٹ کر دیکھا تو وہی بوڑھا نظر آیا جو دیانا میں ملا تھا۔ اور جسے  
تریزا کو زہر کا بدرقہ پلانے کی ہدایت کی تھی۔

آٹو ۲۲ نیچر کی صناعتی کے بے مثل نمونے میرے دل میں ایک جوش پیدا کر دیتے ہیں۔

سبب میں نہایت رغبت و شوق سے انھیں دیکھا کرتا ہوں۔  
 بوڑھا ”شاید وہی شوق تمھیں نیک کاموں کی طرف راغب کرتا ہو!“  
 آٹو ”میں اس بات پر کچھ فخر نہیں کر سکتا کہ مجھے کوئی نیکی عمل میں آتی ہو۔ مانا تھا کہ  
 کہ ان قدرتی و لفرمیوں کے دیکھنے سے میرے دل میں اس کے خالق کی رضا حاصل  
 کرنے اور اس کی اطاعت بجالانے کی تحریک پیدا ہوتی ہو۔“  
 بوڑھا ”بیشک تمھاری نیت بہت خالص اور پاک ہو۔ اسی سے یقین ہوتا ہو کہ تم  
 اپنے ارادوں پر ضرور کامیاب بھی ہو گے۔ ہماری باہمی ملاقات کو بہت دن گزر گئے  
 یاد ہو کہ میں پہلے پہل تم سے کہاں ملا تھا؟“  
 آٹو ”جی مان۔ میں اب تک بھولا نہیں ہوں۔ مگر اپنے گستاخی معاف دوبارہ آنکے وعدہ کو دفنانے کیا۔“  
 بوڑھا ”مان تمھیں اور ہزار شرفی دینا ہیں کیا عجب کہ تم سیوجہ سے میرے نہ آنے پر خفا ہو گئے ہو؟“  
 آٹو ”معاذ اللہ میرے دل میں ایسے خود غرضانہ خیالات بار ہی نہیں پاتے۔ ہٹا  
 کا اصلی سبب یہ تھا کہ میں وجمعی سے آپ کا شکریہ ادا کر دوں۔ کیونکہ آپ ہی وہ بزرگ ہیں جو  
 میرے افلاس سے دور ہونے اور فانیع الہیالی حاصل کرنے کا سبب ہوئے ہیں۔ وہ تصویر  
 بھی ہزار وقت اب مرتب ہو چکی۔ جسکو آپ نے دیکھ کر ذرہ نوازی کی راہ سے پسند فرمایا تھا۔“  
 بوڑھا ”شاید میرے بہت دنوں تک آنے سے وہ تصویر آپ نے کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت کر دی ہو؟“  
 آٹو ”معاف کیجیے! میری نسبت آپ کی یہ بدگمانیاں کسی قدر بجا اور بعید از انصاف معلوم  
 ہوتی ہیں۔ وہ تصویر میں امیر ظرین کے حوالے کر آیا ہوں۔ اور ٹھیک طور پر آپ کا پتہ بھی  
 بتا دیا ہو تا آپ کبھی وہاں جائیں تو اس کے حاصل کرنے میں کچھ رنجست نہ ہو۔ آپ اور روسیہ  
 جو مجھے دینا چاہتے ہیں۔ میں ہرگز نہ لوں گا۔ کیونکہ اب تک آپ کی جانب سے جو کچھ مجھے پہنچا  
 ہے۔ وہی بہت بلکہ میری محنت سے شو حصہ زیادہ ہے۔ آپ ہی کا تصدق ہے جو میں اس مرتبہ  
 کو پہنچاؤر نہ اپنے وہ نکتہ و افلاس کے دن اور فاقے سے گزرنے والی راتیں مجھے بخوبی



یاد ہوں۔ آپ کی فیاضی نے مجھے نہال کر دیا۔ اور ولد ہی کے سبب ہمت پیدا ہوئی۔ آخر دوسری تصویر مکمل کرنے کے بعد سفر کو نکلا۔ اور کارنیلیا کی سرحد سے گذر کر جبالِ آلیس کی سیر کی۔ اسی سفر میں امیرِ ظریفین کو بھی قید سے چھڑانے کا اتفاق ہوا۔ یہ سب آپ ہی کی فطرت کی بدولت ہی۔ مجھے آپ کا شکریہ بجالانے کے لیے الفاظ نہیں ملتے۔ غرض کہ اب میں بہت مفرسہ الحال ہوں۔ روپیہ کی کوئی ضرورت نہیں۔“

بوڑھاؔ میں تمہیں اپنا ممنون احسان دیکھ کر بہت ہی خوش ہوا۔ لیکن الفاظ کے ذریعہ صرف زبانی شکر یہ سلا کر نیچے عوضِ افعال سے اپنی ولیِ ممنونیت کا اظہار کرو تو میں نہایت مسرور ہو گا۔ آٹوؔ فرمائیے۔ آپ کی کون خدمت بجالاؤں؟ مجھے امید ہے کہ آپ کے سے نیک طینت و فاضل بزرگ مجھے کوئی ایسا کام نہ دیں گے۔ جس کی بجائے آوری نہایت مشکل اور دشوار ہو۔“

بوڑھاؔ مجھے بار بار اس اظہارِ احسان سے ستایا نہ کرو۔ تم سے ایک بات کہتا ہوں۔ تمہیں تو معلوم ہی ہو گا کہ اس قلعہ میں ایک شہزادی آئی ہوئی ہے۔ میرا دل اُس سے ایک خاص طرح کی رغبت رکھتا ہے۔ تم جانتے ہو کہ وہ کون ہے؟“

آٹوؔ مجھے اس قدر معلوم ہے کہ کوئی شہزادی نئی یہاں آئی ہے۔ مگر میں اُس کے نام و نشان سے واقف نہیں ہوں۔“

بوڑھاؔ خیر۔ تم اگر نہ جانتے ہو نہ سہی۔ دریافت کا بھی ارادہ نہ کرو۔ اسی صورت میں تم صاف دل سے اُس کی خدمت کر سکتے ہو؟۔ اس وقت لارڈ روزنٹل اُس شہزادی کو ایک غمناک خبر سنا رہا ہے۔ ایسے مشکل کے وقت میں اُس غمِ نصیب بچاری کو ایک سچے خیر خواہ اور دلی دوست کی ضرورت ہے۔ میں کہتا ہوں کہ تم اُس کے ویسے ہی دوست بن جاؤ جو کچھ خدمت تم سے لینا ہے وہ خود بیان کر لی۔ لیکن خبردار! میرے یہاں ملنے اور تمہیں اس بات پر غلام کرنے کا حال ہرگز ہرگز زبانِ تنک نہ لانا۔ اور شہزادی سے بھی نہ کہنا کہ میرے سکھانے سے تم اُس کے معاون و مددگار بنے ہو۔“



آٹو میں بجان دول آپ کے حکم کی تعمیل کر دینگا۔ مگر اس امر میں حیران ہوں کہ اسکو کیونکر معلوم ہو گا کہ میں اسکی خدمتگزاری کے لیے مستعد ہوں؟۔“

بوڑھا: تم موقع کا انتظار کرتے رہو۔ ابھی دو گھنٹے گزرنے نہ پائینگے کہ شہزادی اسی مقام پر آئیگی۔ تم ضرور یہیں ٹھہرے رہو۔ اُسوقت وہ خود آپ اپنا مطلب بیان کر گیگی۔“

آٹو بدقسمتی سے مجھے آپ کا نام تک معلوم نہیں کہ آپ کے حق میں دعائے خیر کرتا ہوں!۔“

بوڑھا: دعائے خیر۔ اور میرے لیے! یہ میں نہیں چاہتا۔ میرے کہنے کے بموجب عمل کرو تو چشم مارو شن۔ ورنہ مجھے تمھاری مدد بھی ضرور نہیں۔“

آٹو میں ہرگز کسی امر میں آپکا رنجیدہ ہونا گوارا نہیں کر سکتا۔ بہرہ چشم آپ کا حکم بجالانے کے لیے حاضر ہوں۔

بوڑھا جلدی سے کسی طرف نکلیا۔ آٹو کو یہ فرصت بھی نہ ملی کہ شہزادی کی خدمتگاری کے متعلق کچھ اور دریافت کرے تاہم وہ پوری مستعدی سے اُس کام کی انجام دہی کے لیے آمادہ ہو گیا۔ اس ملاقات سے چند لمحے بعد لو کر نیا بورجیا لارڈ روزنٹل کے کمرے سے نکلی۔ جہاں وہ بہت دیر تک کچھ گفتگو میں مشغول تھی۔ جب اپنی سکونت کے خاص کمرے میں آئی تو میز پر ایک خط رکھا ہوا پایا۔ کھول کر دیکھا تو وہ کسی ایسے شخص کا خط تھا جسے وہ بالکل پہچانتی تھی۔ خیر۔ جلد جلد اسکی عبارت پڑھنے لگی۔ مضمون یہ تھا :-

دو مہارے بھائی قیصر کی موجودہ حالت اور لارڈ روزنٹل کی بزدلی دیکھ کر تمھیں ایک ایسے آدمی سے مدد چاہنا ضرور ہے جو نہایت دلیر اور مستقل مزاج ہو۔ ایسا شخص اب اسی قلعہ کے اندر ہے۔ تم اس کے نام و نشان سے کچھ ناواقف نہیں ہو۔ آج اوائل شب میں قلعہ کی فصیل پر وہ اکیلا ٹھہرتا ہو گا۔ اُس سے بے جھجک گفتگو کرنے میں ہرگز تامل نہ کرو اور اثناء تقریر میں اپنے بھائی کی مصیبت ناک حالت کہ سناؤ۔ اسکی دلیری اور نیک نیتی سے یقین ہے کہ حتی الامکان تمھاری مدد میں در بے نہ کرے گا۔ مگر خبردار اسکو اپنے خاندانی نام سے

آگاہ نہ کرنا۔ ایسا کرو تو وہ پھر تمہاری صورت نہ دیکھیکا۔ کیونکہ وہ نہایت شریف اور پاک طینت شخص ہے۔ بدکاروں کا موید نہیں۔ وہ تمہاری نسبت صرف اس قدر جانتا ہے کہ تم کہیں کی شاہزادی ہو۔ اور تمہارے بھائی کو کبرگ میں دیکھا ہے۔ اُسکے نام سے بھی واقف نہیں بن اتنا البتہ معلوم ہے کہ وہ ایک شاہزادہ ہے۔ تم دیکھ چکنے کے بعد اس خط کو چاک کر کے پھینک دو دیکھو! آٹو کو ہرگز یہ نہ معلوم ہونے پائے کہ کسی نے تمہیں اُس سے مدد چاہنے کی ہدایت کی ہے۔“

لو کر نیرا۔ (خط پڑھ کر) یہ کون شخص ہے جس نے اس طرح پر لکھا ہے؟ مضمون سے تو ثابت ہوتا ہے کہ کاتب ہمارے خیر خواہوں سے ہے۔ جو جو ہدایتیں لکھی ہیں وہ بھی واقعی ہیں۔ بیشک آٹو کی دلیری اور مستقل مزاجی قابلِ صاف ہے۔ وہ اگر ایسا نہ ہوتا تو کیونکر خطِ نرین کو راہب خانہ آلیپس سے چھڑا لاتا؟ وہ بڑا ہی پاکباز ہے اور اسی سبب خاندانِ بوجیا کے نام سے متفرد ہوگا۔ اس خط کے راقم نے بھی یہی بتایا ہے۔ مگر آٹو کیا عورت کے کردار سے بچ بھی سکیگا؟ میرا حسن و جمال جو میرے کل ہتھیاروں سے زیادہ کارآمد ہے اُسکو گرویدہ بنانے پر کامیاب ہوگا؟ بیشک ہوگا۔ اور ضرور ہوگا۔“

لو کر نیرا آئیے کے قریب جا کے اپنے حسنِ عالمِ فریب کو غور سے دیکھنے لگی۔ اور دل ہی دل میں کہہ اُٹھی۔ ”ہاں آٹو میرا طرفدار بن جائے تو اُسکے ذریعہ عمدگی اور آسانی کے ساتھ قیصر کی رہائی ممکن ہے۔ عجیب بات ہے کہ اُس وقت سے جبکہ اُسکو یہاں دیکھا ہے میرے دل میں بھی یہی خیال سمارا تھا۔ جب پہلے پہل عدالت و یانا میں اُسکے دیکھنے کا اتفاق ہوا تو اُسکی پیاری صورت دلربا آنکھیں اور بوٹا سا قد دیکھ کر بیشکل اپنی دلی اُمنگوں کو ضبط کر سکی۔ اور آجکے دیکھنے سے اُسکے حسن میں کچھ ترقی ہی پائی گئی۔ وہ بھی ٹھنکی لگائے مجھی کو گھورنے لگا۔ حالانکہ نقاب پڑی ہونے کی وجہ سے وہ میرا چہرہ دیکھ نہ سکا۔ آٹو نیک چال چلن کو زیادہ پسند کرتا ہے۔ مگر آجکل کے زمانے میں نیکی کے ساتھ کوئی کام نہ کلنا دشوار ہے۔ چاہے وہ کیسا ہی کیوں نہ ہو میں اُسکو سیدھا بناؤنگی۔“ یہ کہنے لگو کر نیرا مسکرائے لگی۔

## باب دوم

مکارہ

آسمان کی دائمی تندملین رستیاں ہم نہایت آب و تاب سے چمک رہی ہیں۔ بار  
کا نام و نشان تک نہیں نظر آتا۔ چاندنی رات کی تمام دلفریبیاں موجود ہیں۔ شب کے دس بجے  
کا وقت ہے۔ لوکر نیرا منہ پر نقاب ڈالے اٹھلاتی ہوئی آئی۔ اور نہایت ناز و داس سے فصیل پر  
ٹہلنے لگی۔ آٹو اپنے اقرار کے بموجب قلعہ کی محسب فیصل پر اک دیوار سے آڑ لگائے کھڑا تھا  
ناظرین کو یاد رہے کہ جو عورت اب آٹو سے ملنے والی ہے کوئی نادان بھولی کم سن نہیں بلکہ وہ ایک  
پوری جوان عورت ہونے کے علاوہ حسن میں یکتا سے روزگار اور بدکاری اور فریب و عیاری  
میں پیش تھی اسکو اپنے مدعا براری کے لیے کوئی کام گو وہ کیسا ہی بُرا اور شرمناک کیوں نہ ہو  
کرنے سے حار نہ تھا۔ ہر بات میں کمال حاصل تھا اور ہر موقع کے مناسب اپنے آپ کو  
بنا بخوبی جانتی تھی۔ وقت ضرورت ان جادو بھری آنکھوں سے آنسو بہا کر اور کبھی اپنی حکومت  
و عظمت جتا کر کسی کو عاجز کرنے کے فن میں لا جواب تھی۔ حاصل کلام ایسی بے باک عورت  
اب آٹو کے دل کو سنو کرنے کی غرض سے بڑھ رہی ہے۔ لوکر نیرا نے اُس جانب کا رخ کیا  
جہاں آٹو کھڑا ہوا تھا۔ وہ دور سے اُسکو آتے ہوئے دیکھ کر اپنے دلی خیالات میں غرق  
ہو گیا۔ یہ کون سے ملک کی شاہزادی ہوگی؟ اور وہ کون شخص تھا جو اس ملاقات کا  
محک ہوا؟ شاہزادی مجھے کون خدوت لینا جاہتی ہوگی؟ اور کیوں یہ تمام امور اس طرح  
بہم رکھے گئے ہونگے؟ ”جب لوکر نیرا بالکل ہی قریب پہنچ گئی تو آٹو نے چونکہ اسکے عالی  
رتبے سے واقف تھا نہایت ادب کے ساتھ ٹوپی نکال کے سلام کیا۔  
لوکر نیرا۔ ”دُریب آکر“ آٹو! میں تمہارے اس اخلاق سے بہت ممنون ہوئی۔“  
آٹو۔ ”تو حضور میرے نام و نشان سے بھی آگاہ ہیں؟“

لو کر نیرا۔ کیا تمہیں یاد نہیں کہ چند گھنٹوں کے آگے ہم انہیں فیصلون پریل چکے ہیں۔ اگرچہ عورت ذات کے لیٹیسی باتیں نازیبا ہیں۔ تاہم میں اتنا کہ بغیر رہ نہیں سکتی کہ تمہارا دل فریب چہرہ ایسا نہیں ہے کہ ایک مرتبہ دیکھنے کے بعد کبھی اسکا خیال دور بھی ہو سکے۔ تم ٹوپی اپنے سر پر رکھو اور اگر کوئی دوسرا کام نہ ہو تو میرے ساتھ تھوڑی دیر تک اس خوشنما فرحت انگیز جاے پر ٹھٹھا گوارا کرو۔ یہ فقرے اس انداز سے کہے گئے تھے کہ کسی طرح بیباکی یا بے ججالی کا اظہار نہ ہو۔ آٹو لو کر نیرا کے ہمراہ ہوا اور دونوں خرا ان خا مان پریل قدمی کرنے لگے۔ لیکن اسکے منہ پر نقاب بدستور پڑی تھی۔

لو کر نیرا۔ (کچھ دیر بعد) ”دیکھو اس ستارے کی چمک کس قدر دل بھانے والی ہے۔ اور قلعہ کے مینار اس روشنی میں کس قدر بھلے دکھلا رہے ہیں۔ تمہارا وطن ملک جرمنی ایسی عمارات سے بھرا ہوا ہے۔ یہ ان با عظمت امراء سلطنت کے نشان ہیں جو ضرورت کے وقت اپنے ملک اور فرمانروا کے بچاؤ میں وہ وہ اولوالعزمیاں دکھا گئے ہیں کہ دنیا کا ٹم رہنے تک وہ خود نہیں تو انکے نام تو ضرور باقی رہیں گے۔ مگر افسوس! ایسے قلعے یکے بعد دیگرے معدوم ہوتے چلے جاتے ہیں۔“

آٹو۔ (جوش سے) ”کیا آپ یہ سمجھتی ہیں کہ انکے ساتھ اہل جرمنی کے دلون سے جرات و دلیری بھی خست ہو رہی ہے۔ اگر آپ کا یہ گمان ہو تو بالکل ٹھیک نہیں۔ اب تک بھی اس ملک میں ایسے اولوالعزم اور باہمت لوگ موجود ہیں جو درمیان دن اور سکیون کی مدد پر اپنی جان دینے کے لیے مستعد ہیں۔ اور کسی طالب امداد کی خدمتگزاری کو اپنے خاص کام پر مقدم سمجھتے ہیں۔“

لو کر نیرا۔ (رخسایت درویش لہجے میں) ”آہ! تمہارے اس قول کی راستی کا ثبوت مل جائے تو پھر کیا پوچھیے۔ مجھے معلوم ہے کہ تم اپنی ذاتی جو انفرادی اور قوی ہمتی کے بدولت ملک کے لیے باعث فخر ہو سکر میری دانست میں تمہاری یہ قول صرف ایک قیاسی امر جو حقیقتاً کوئی ایسا شخص یہاں نظر نہیں آتا۔ میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ ملک جرمنی کے مرد بہت بڑے شجاع اور

دلیر ہوا کرتے ہیں۔ اور علم و ہنر میں فرانسی و انگلینڈ کے ہم پلہ ہیں۔ لیکن اسکو کوئی کیا کہے کہ سچی دلیری و مردانگی ہی دنیا سے رخصت ہو رہی ہے۔ اگر آج کوئی ایسا مرد میدان زندہ ہو تا جو مظلوموں کی فریاد کے پونچنے میں اپنی جان پر کھیل جانا آسان سمجھتا تو کیا یہ بات ممکن تھی میرا حقیقی بھائی جو تمہارے ہی ملک میں اس لیے کی غرض سے آیا تھا اسی قرب و جوار کے اک سرکش ایسر کے پاس جو بے غیظا قید ہو کے جاتا ہوا اور میں مصیبتیں جھیلتی ہوئی اس نے پانے کی امید پر بیان آ کے اپنے بھائی کے قید ہونے کا حال سن کر کیوں غم الم میں مبتلا ہوتی؟ اسکا سبب یہی ہے کہ اب کوئی ایسا ادولوا العزم باقی نہ رہا جو ہم اسی سے فلک زدوں کا پرسان حال ہو۔“

آٹو۔ (تعجب سے) ”کیا درحقیقت آپ کی اور آپ کے بھائی کی اب یہی حالت ہے؟“  
لو کر نیرا۔ ”آہ! نہایت صبح حال میں نے بیان کیا ہے۔ کیا تھے یہ نہ سنا کہ ایک شہزادہ لارڈ روزنٹل کے ہاں بطور مہمان آنے والا ہے۔“

آٹو۔ ”ہاں حضور! آپ نے یاد دلایا تو مجھے یاد آیا۔ یقین ہے کہ میں آپ کے بھائی صاحب سے مہمانسرایے کبرگ میں مل چکا ہوں۔“

لو کر نیرا۔ ”تمہارا خیال درست ہے۔ وہ سرزمین اپنے اک وفادار خادم کے ذریعہ پہونچا۔ مگر وہاں آنے کے قبل رہنروں نے ٹوٹا اور اسکو مجرد بھی کر دیا۔ آخر وہیں کونٹ مالفریڈ گرفتار کر لیگیا ہے۔ خدا ہی کو علم ہے کہ اُس نے اُسکا کیا بگاڑا تھا۔“

آٹو۔ ”کیا کونٹ مالفریڈ اس ناجائز حرکت کا باعث ہوا؟ لارڈ روزنٹل سے مہمانسرایے کبرگ سے واپس آنے کے بعد جہاں وہ آپ کے برادر کو ڈھونڈنے کے لیے گئے تھے مجھے ملنے کا اتفاق ہوا۔ اسی سبب میں بالکل ناواقف رہا کہ شہزادہ قید کر لیا گیا ہے۔“

لو کر نیرا۔ ”ستم ہے کہ ادل تو میرے عزیز بھائی زندان بلا میں گرفتار ہیں۔ دوسرا یہ کہ آنکی رہائی کی تدبیر درست کچھ چو نہیں سکتی۔“



آٹو نے یہ کیا بات ہی کہی کہ لارڈ روزنٹل قلعہ بالفور پر چڑھائی کر کے اپنے معزز ہمسایان کو  
چھڑا لانے کے سوا اس مردود کو سزا نہ دینگے۔ جسے اہل جرمنی کی نیک نامی پر داغ لگا دیا ہے۔  
لو کر نیرا۔ نہیں۔ لارڈ روزنٹل مجھے بھی کہہ رہے تھے کہ میں اس موزی سے جھگڑنا نہیں  
چاہتا ہوں۔ صرف اک خط لکھ بیجا ہی کہ جلد شاہزادے کو ہمارے حوالے کر دو۔ مجھے یقین ہے  
کہ وہ خط کو بے پردائی سے پھینک دیا گا۔ لارڈ نے شہنشاہ جرمنی کو بھی اس منی کی اطلاع دیکے  
شاہی حکم طلب کیا۔ واللہ اعلم جواب کے انتظار میں کر جیسے گزارنا پڑتے ہیں۔ اور اس  
مدت میں قید کی سختیاں سہتے سہتے بسرے بھائی کا کیا حال ہوتا ہے۔ وہ بد معاش اس کے ساتھ  
جس قدر ظلم اور بے تویری کا برتاؤ نہ کریں کم ہی۔ پھر تمہیں بتاؤ کہ اہل جرمنی کے خون میں شجاعت  
و دلیری کا اثر باقی ہے؟ ایک ایسے اپنی شرارت کی وجہ سے ناحق ظلم کر بیٹھا۔ اور دوسرا اس سے  
باز پرس کرنے کے لیے ڈر رہا ہے۔

آٹو نے مجھے تعجب اس امر کا ہی کہ لارڈ روزنٹل نے ایسی ذلت اپنے سر لینا کیونکر گوارا کیا؟  
ای کاش مجھے کوئی اختیار حاصل ہوتا؟  
لو کر نیرا۔ (آٹو سے بغلیں ہو کر) ”تمہیں کچھ اختیار ہوتا تو میری مدد کرنے پر مستعد ہو جاتے؟  
کیون آٹو؟“

آٹو۔ جی ہاں۔ لیڈی صاحبہ! آپ کی تابعدار کے متعلق کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کرتا مگر  
افسوس کہ بالکل ہی بے دست و پا ہوں۔“

لو کر نیرا۔ ”تم اس کام کا بیڑا اٹھاؤ تو خدا تمہاری تابعدار کرے گا۔ او دم بھر میں تمام سامان مٹا ہو جائیگا  
تمہاری باتوں سے میرے دل میں ایک امید پیدا کر دی ہے میں تمہیں اپنا دلی دوست  
بلکہ برادر حقیقی سمجھتی ہوں تم سے نیک طبیعت و فیاض طبیعت شخص کو بادشاہوں پر ترجیح دینا  
کوئی نا انصافی نہیں ہے یقین رکھو یہاں آؤ میں تمہیں اپنے حقیقی بھائی کے برابر جانتی  
ہوں۔“ یہ سنا آٹو کے کانز سے پر سر رکھے ہوئے آنسو بہانے لگی سادہ دل آٹو کو اس کے



لوکر نیرا کیا معلوم تھا؟ اُسکے رونے کو واقعی سمجھکے دلہی کرنے لگا۔  
 ”اٹو۔“ براے خدا اپنی اس گریہ وزاری کو موت کیجیے۔ اور مجھے اک کترین خادم تصور  
 کر کے حکم فرمائیے! مجھے جس قدر سچی دکوشش ممکن ہو آجین ہرگز دریغ نہ کرونگا۔“  
 لوکر نیرا۔ ”افسوس! تمھاری اس بہت بندھانے والی گفتگو کے صلہ میں میں کیا دلیسکونگی؟“  
 یہ کہ تم کے نقاب اپنے چہرے سے اُلٹ دی۔ چاند کی روشن شعاعیں اُس پیاری راہدہ پر  
 دلربا صورت پر پڑ کر اُسکی دلہری کو اور چمکانے لگیں۔ سیاہ بالوں کی چمک دمک اور نورانی چہرہ  
 کی ادائیں قیامت بپا کر رہی تھیں۔

اٹو نے اپنے آپ کو اک ایسی ناز آفرین پری جمال یڈی کے مقابل کھڑا ہوا پایا جسکا حسن جالندھ  
 ہزاروں دیون کو اک ادنیٰ سے اشارے میں مسخر کر لینے پر بخوبی کامیاب ہو سکتا تھا۔ اور  
 وہ اُسکے اسدبہ قریب ہو گئی ہو کہ اُسکی چلتی ہوئی سانسین اٹو کے گالوں پر ہوا دے رہی ہیں  
 اٹو اسی خیال میں ہو کہ شاہزادی کا اس قدر نزدیک ہونا صرف اُس اعتماد کی وجہ سے ہو جو ایک  
 بہن کو اپنے حقیقی بھائی کی نسبت ہوا کرتا ہو! بیچہ ایک لمحہ بھر دلی انگوں نے یہ جوش دکھایا  
 کہ بے اختیار اُس سے لپٹ کے بوسہ لینا چاہا۔ لیکن پھر اُسکی نیکی اور خدا ترسی ضبط کی راہ  
 پر لے آئی۔ آخر وہ لوکر نیرا سے کچھ دور ہٹ کے کھڑا ہو گیا۔

”اٹو۔“ فرمائیے میں کس امر میں آپ کی تائید کروں۔ آپ مٹھن رہیے۔ میں ان لوگوں سے  
 نہیں ہوں جو کہتے تو بہت کچھ کہیں مگر کرتے کچھ بھی نہیں۔“  
 لوکر نیرا۔ ”ہم بھر کل طینگے۔ کل گیارہ بجے اس محل کے تصویر خانہ میں آؤ تو میں وہیں ملونگی  
 ضرور آؤ گے نہ؟“

”اٹو۔“ آپ کے فرمانے کی بات ہی این پیشتر ہی عرض کر چکا ہوں کہ آپ کا حکم میرے  
 سر آنکھوں پر ہی۔“

لوکر نیرا۔ ”تو پھر خدا حافظ! سگرا تباہ رہے کہ میں تجھیں بجائے اپنے بھائی کے سمجھتی ہوں۔“

یہ کہتے ہوئے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ آٹو نے دست بوسی کی۔ لوکرینا اپنا ہاتھ آٹو کے ہاتھ پر دبا کے منہ پر نقاب ڈالے وہاں سے چلی گئی۔  
لوکرینا۔ (ردل میں) ”آج تو وہ مجھ سے الگ تھلک ہی رہا۔ مگر کل ضرور میرے دام میں آ رہیگا۔ گو کہ وہ کیسا ہی تنگی اور پارسا کیوں نہ ہو۔“

## باب ۶۹

### آٹو کو فریب دیا جاتا، ۲

ہمارا نوجوان مصوڑا ٹو اپنے اس مجرے میں گیا۔ جو قلعہ روزنٹل میں اُسکے رہنے کے لیے مخصوص کیا گیا تھا۔ دن کی کارروائیوں کے سبب وہ بہت تھکا ہوا تھا۔ اور اسی تھکن کے مارے جلد بچھڑنے پر لیٹ تو گیا مگر غیظ نہ آئی۔ لوکرینا بوجیا کی ملاقات۔ اُسکے نام و نشان سے لاعلمی۔ اور ایسی جلیل القدر شاہزادی اس منت و بجاہت کے ساتھ اس غریب سے مدد چاہنے کا خیال اُسکو بہت دیر تک کروٹیں بٹواتا رہا۔ دلیں کسے لگا۔ ”میرے پاس کوئی لشکر نہیں کہ لڑ کر اُسکے بھائی کو مخلصی دون۔ اور نہ میں ایسا صاحب زر ہوں کہ قید خانے کے ملازمین کو رشوت دے کے اُسکی رہائی کا سلمان کروں۔ خدا و خدا! میں کون تدمیر عمل میں لاؤں؟“ لوکرینا کا اس قدر بے حجابانہ اداسی پیش آنا بھی اسے متحیر کر رہا تھا۔ لیکن چونکہ نیک آدمی کے دلیں ہمیشہ نیک خیالات ہی گزرتے ہیں۔ جو سمجھا کہ میری دلہی اور مطلب براری کے وعدہ کی امید اور اپنے بھائی کے قید ہونے کے غم نے اُسکو کسی قدر بے حجاب بنا دیا تھا۔ آٹو انہیں خیالات میں سو گیا۔ جب دوپہر شب گزری جن اُسکے مجرے میں در آیا۔ سینے پر ہاتھ باندھ ہوئے بچھڑنے کے قریب آ کے آہستہ سے کچھ پڑھنے لگا۔ اس منتر کے اثر سے آٹو کو ایک عجیب اور دلچسپ خواب نظر آیا اس طرح دکھائی دینے لگا کہ وہ اک پر خضاب باغ کی طولانی نہر میں کشتی پر سوار چلا جا رہا ہے مگر یہ نہیں معلوم کہ کب اور کیوں کروان جا پہنچے گا۔

ہوا کے ہر ہر جھونکے کے ساتھ خوشبو کی لپٹیں چلی آتی ہیں اور دماغ کو طبلہ بھرا بنا رہی ہیں۔ چاندنی رات ہے۔ نہر کے دونوں جانب خوشنالا لالہ زار اور سنبہ نو خاستہ کی بہاریں خوشبو پھیر رہی ہیں خوششالہائی میں مصروف ہیں۔ جون جون وہ آگے بڑھتا تھا درخت اور گنجان ہوتے جلتے تھے اور انہیں طرح طرح کے عمدہ خوشبودار پھول لگے تھے۔ بھٹوڑی دیر بعد وہ اک ایسی جگہ پر نہر میں پیرنے لگا جہاں دونوں جانب کے درختوں نے اپنی پھولوں سے بھری ہوئی شاخوں اور سیلون کے ذریعہ اک گنبد کی وضع بنا رکھی تھی۔ اس قدرتی گنبد میں چاند کی روشنی چھن چھن کر پڑ کے اک دلفریب سماں دکھاتی تھی۔ اور آگے بڑھتا تو اک روشنی نمودار ہوئی جو ایسی شفاف اور درخشندہ تھی کہ چاندنی بھی اس کے مقابلے میں گر دیتی۔ اس دم اسکالول کچھ ایسا سرور تھا کہ عمر بھر کبھی ایسی خوشی نصیب نہ ہوئی تھی۔ غرض وہ خرم و خندان چلا جا رہا تھا آخر اک نہایت ہی دلچسپ مقام پر پہنچا وہاں اک میز چنبا ہوا تھا۔ انواع و اقسام کے میوے منتخب شراب کی بوتلیں طرح طرح کے حلوے اور مہربے دھڑے تھے برتن صراحی پیالے وغیرہ سب کے سب طلائی تھے۔ آٹھونے اک پیالہ اٹھایا اور شراب سے لبریز کر کے منہ سے لگایا۔ اور بے اختیار اک نمکی کوچ پر بیٹھ گیا۔ اُسی دم غورتوں کے گانے کی سی آواز کان میں آئی۔ گو کہ رو بہ رو کوئی نہ تھا۔ اندازاً معلوم ہوتا تھا کہ گانیوالی عورتیں نہایت نازک اندام ہونگی۔ انکے اشعار کا مضمون یہ تھا:-

”اے مسافر! ہم تیرا خیر مقدم ادا کرتے ہیں۔ یہ پرستان ہے۔ اور اس جگہ کی تاثیر یہ ہے کہ بے اور فکر پاس پھٹکنے نہیں پاتے۔ یہاں کے میوے اور یہاں کی آب و ہوا ہمیشہ دل کو تروتازہ اور سرور رکھتی ہے۔ اور عجز عیش و عشرت کے یہاں کوئی دوسرا جگہ ہی نہیں۔“ آٹھواں خوشحالہائی سے مست و بخود ہو کے کوچ پر لیٹ گیا اسکا خواب یہ تھا کہ پہنچا تھا کہ من نے ایک اور شہر پڑھنا شروع کیا۔ آخر آٹھونے کو اسی خواب میں اس طرح معلوم ہوا کہ وہی شاہزادی جس سے قلعہ کی تفصیل پر ملاقات ہوئی تھی نزدیک آئی ہے۔ اور اُس کے ساتھ کو پکڑے ہوئے اس درجہ قریب

سر جھکائے کھڑی ہو کر اسکے لیے بال آٹو کے منہ پر پڑ رہے ہیں۔ اور اندازاً معلوم ہوتا ہے کہ وہ بوسہ لینے کے لیے نزدیک آرہی ہے۔ اتنا دیکھنا تھا کہ آٹو گھبراہٹ سے کلبلائے لگا۔ اور لا حول پڑہ کے اٹھ بیٹھا اور کمرے کے چاروں جانب نظر دوڑا کے خیال کر نیکلا کہ میں جو کچھ دیکھا ہے آیا وہ بیداری کے عالم میں نمایا خواب میں؟ جب اچھی طرح ہوشیار ہوا تو طلوع ہوتے ہوئے آفتاب کی کرنیں کھڑکیوں کے ذریعہ چھوڑنے تک آنے لگیں جبکہ دیکھنے سے یقین ہو گیا کہ وہ خواب ہی تھا لیکن پورے چہ گھنٹے اس خواب کے دیکھنے میں گزرے تھے

## باب

### آٹو کی لوکر نیرا سے دوسری ملاقات

آٹو۔ (ردل میں) ”ہاں۔ بیشک وہ خواب ہی تھا مگر اب تک اسکا اثر میرے دل سے دور نہیں ہوا۔ وہاں کی خوشبو ہنوز دماغ میں بسی ہوئی ہے۔ اور اس لیڈی کا بیباکانہ انداز اب تک آنکھوں میں پھر رہا ہے۔ خدا کا ہزار شکر کہ وہ خواب تھا تا یہ غیبی نے مجھے شیطان کے مکر و فریب سے بچا لیا۔ ورنہ دھوکا کھا ہی گیا ہوتا۔ یہ کمر دوزانو ہو بیٹھا اور درگاہ خدا میں کچھ التجا کی اور پھر اٹھ کر دوسرے امور سے فارغ ہونے کے بعد صبح وعدہ گیارہ بجے تصویر خانے میں گیا۔ وہاں مختلف تصویروں کے علاوہ ہر قسم کے جنگی اسلحے قرینے سے دھرے تھے۔ عمدہ زرہیں اس انداز سے رکھی گئی تھیں کہ دور سے دیکھنے والے کو جنگی پہلوانوں کا دھوکا ہوتا تھا۔ جب آٹو تصویر خانے میں پہنچا تو اسوقت خواب کا اثر اس کے دل سے دور ہو چکا تھا گو کہ جن نے اس کے خیالات کو منتشر کرنے میں بڑی کوشش کی تھی۔ مگر آٹو کا پاک بے لوث دل ایسی ہلن پٹن کو بے جا کہہ دیتا تھا کہ لوکر نیرا اقرار کرے کہ جو خواب آتی ہوئی دکھائی دی تو آٹو نہایت ادب کے ساتھ اس کے فریب سے دست بردار اور علیل القدر اپنے ظہور میں ایک تصویر بن کر رہا کرتے تھے میں ان کو آباد اور دیگر بادشاہوں کی تصویریں مجھ پر عین کئی ہوتی

آننے کا منتظر کھڑا رہا۔ اسنے نزدیک آتے ہی آتے نقاب کو چھڑے سے ہٹا دیا۔ آٹھ نے دیکھا کہ ایک آفتاب حسن چلا آ رہا ہے۔ کمال اعظم سے سلام کیا۔ نوکر بڑا مسکراتی ہوئی اس کے نریب ان کے کھڑی ہو گئی۔

نوکر بڑا۔ (آٹھ کی طرف ہاتھ بڑھا کر) ”تم ٹھیک وقت پر آئے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میرے حکم کی تعمیل میں سر کو تیار ہی نہ کر دے۔

آٹھ (نوکر بڑا کے ہاتھ پر ہوسہ دیکھ کر) ”کیا حضور نے کوئی ایسی تجویز سوچ رکھی ہے جس پر میرا عمل پیرا ہوں آپ کے حصول مطلب کے لیے مفید ہو؟ اور آپ کے بھائی قید سے نجات پائیں۔ حیران ہوں کہ میں تنہا کیونکر ایک مستحکم قلعہ کے استوار قید خانے سے ایک شاہزادہ کو چھوڑا لا سکوں گا؟“

نوکر بڑا۔ ”تجربہ سے ثابت ہوا ہے کہ قوت و جوانمردی کے بہ نسبت حکمت عملی ان مواقع پر نہایت کار آمد چیز ہے ایک ایسا دلیر شخص جسے راہب خانہ آلیس کی قید سے ایسے طرفین کو رہا کیا میرے بھائی کی غلطی کے لیے بھی کوئی تدبیر اپنے ذہن سے نکالنا کچھ مشکل امر نہیں ہے اور باغرض جبراً لا نا ممکن نہ تو صرف اس سے گفتگو کرنے کا موقع پانا ہی بس ہے؟“

آٹھ۔ صرف بات چیت کرنے سے اسکی رہائی کیونکر ہو سکتی ہے؟“  
نوکر بڑا۔ ”ہاں۔ فقط ہم کلام ہونے کا موقع حاصل ہو گیا تو کافی ہے۔ اثنائے گفتگو میں یہ رک جھوٹی سی پڑیا جو مرتب ایک انچ سے زیادہ نہ تھی۔ اور جو خوب مضبوط بندھی ہوئی تھی دکھا کر اس تک پہنچا دو تو بس سمجھ لینا کہ اسکی رہائی ہو گئی۔“

آٹھ۔ ”اگر ایسا ہوتا لیئے! میں کسی نہ کسی طرح یہ تعویذ آپ کے بھائی کے ہاتھ میں دے دوں گا۔ اور انہی کو کشش میں ناکام رہا تو دہن میں بھی مر رہوں گا۔“ نوکر بڑا نے تعویذ آٹھ کے حوالے کیا۔  
آٹھ (تعویذ لیکر) ”یہی صاحبہ! میرے اس سوال پر حقانہ ہو جائے۔ کیا اتنی جھوٹی سی چیز جو دیکھنے میں نہایت حقیر معلوم ہوتی ہے ایسا اہم کام کر سکیگی؟ یہ استفسار اس غرض سے ہے کہ تعویذ شاہزادے تک پہنچانے کے لیے جان پر کھیل جانا ہو گا۔ مبادیلا نہ ہو کہ آپ کا لگا



خلط نکلے۔ اور اس بے اصل شو سے اُسکی رہائی نہوسکے!

لو کر نیرا۔ (مسکراتی ہوئی) ”میں اس بارے میں تم سے کچھ زیادہ کہہ نہیں سکتی معاف کرو۔ یہ بات ہمارے خاندانی پوشیدہ امور سے تعلق رکھتی ہے کسی غیر شخص کو اس سے مطلع کرنا بالکل خلاف مصلحت ہے!“

آٹو۔ ”بس کیجیے حضور! زیادہ فرمانے کی ضرورت نہیں جب آپ کو اس معنی کا یقین ہے کہ یہی چیز اسکے بچات پلنے کے لیے کافی ہے تو مجھے ہی طمینان ہو گیا۔ میرا کام اسی قدر ہے کہ آپ کے بھائی تک پہنچا دوں۔ لیکن میں بھر کے دیتا ہوں کہ یا تو شاہزادے تک سائی کر کے تعویذ جو لے کر دوں گا۔ یا خود کوٹ مالفریڈ کے خنب کا شکار ہو جاؤں گا۔“

لو کر نیرا۔ ”اکمال ہر دت سے اہم نہیں جانتے ہو کہ نمکن لوگوں کی خدمتگزاری کا بیڑا اٹھایا ہے گو کہ اس وقت ہم آوارہ وطن ہیں مگر اک وقت ایسا بھی آئیگا کہ میں اور میرا بھائی تمہارے احسان کا عوض کر سکیں گے۔“

آٹو۔ ”مجھے کچھ انعام و اکرام پانے کی تمنا نہیں ہے۔ بلکہ اگر شاہزادے کو خلاصی دینے پر کامیاب ہوا تو یہی خوشی میرے لیے بس یہی کہ میں نے دو بچہ بڑے ہوئے بھائی بہن کو ملا لیا۔“

لو کر نیرا۔ ”تم نے جو اس جالکاہ محنت کو اپنے سر لیا قبول کیا اسکی اصلی وجہ معلوم نہوئی۔“

میرے بھائی کو کبھی دیکھا ناس سے کچھ دوستی کی راہ و رسم ہر طرف مجھے دیکھا میں بھی تمہیں اپنا دلی دوست بلکہ بھائی سمجھتی ہوں۔“

”شبہ تم واقف ہو گے کہ جب کوئی نوجوان لیڈی کسی شخص کو اک سنگین امر کی بجا آوری کے لیے کہتی ہے تو اس کے صلہ میں اپنا دل اس کے نذر کر دیتی ہے گو کہ وہ شخص سوسائٹی میں نہ ہو۔ ہم رتبہ نہو۔ اور یہی دوستی رفتہ رفتہ عشق کی صورت میں نمودار ہوتی ہے۔ جسکا نتیجہ مجھے بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔“

آٹو۔ ”اس گفتگو سے میرا دل گرم آہ!“ مجھے یہ گستاخی ہرگز نہ ہو سکیگی!“



لو کر نیا۔ تم سے نوجوان دلیر آدمی کو چاہیے کہ ہر ایک کام پر مستعد ہو جائے۔ میں اپنے  
دل کا حال کتنی ہون غور سے سنوا چند روزوں پیشتر میں نے تمہیں دیبا میں دیکھا تھا تم  
یہ نہ پوچھو کہ کب اور کیونکر دیکھا۔ میرا ہوت سے تمہاری پیاری صورت آنکھوں میں پھرا  
کرتی ہی۔ مہینے گزر گئے۔ وطن۔ اور مہتان وطن۔ اور دولت و شہرت غرض سب کو خیر باد  
لے کے آوارگی اختیار کی۔ مگر۔ آٹو ایتیری دلفریب تصویر کبھی آنکھوں سے جدا نہ ہوئی رہی  
آٹو پر انگنہ ہو گیا۔ اور کچھ کھنا چاہا تم گہراؤ نہیں۔ پوری باتیں تو سن لو! غرض کہ جب  
استد رتھاری باد میں بے چین رہا کرتی تھی تو تمہیں سمجھ سکتے ہو کہ پہلی دفعہ ہی تصویر مجھ سے  
ان فیصلوں پر کھڑی دیکھ کر مجھے کس قدر زحمت نہ ہوئی ہوگی وہ عموماً دو دو بڑھنے کے بعد  
لیٹ کے دیکھا تو تم بھی مجھے کو گھور رہے تھے۔ تمہاری اس حرکت نے میری دلی امیدوں  
کو زندہ کر دیا۔ اور میں اتنا سے زیادہ مسرور ہو گئی۔ تم چاہے یقین کرو یا نہ کرو میں  
تو حقیقت حال بیان کرتی ہوں کہ بڑے بڑے جلیل القدر شاہزادے اور خود سر  
بادشاہ اور نامور سپاہی مجھ پر شفقت و مہربانی ہوئے۔ مگر میں نے کسی کی پروا نہ کی۔ حیرت ہو کہ  
میرا دل تم پر کس طرح آیا۔ جو کچھ اپنا مافی الضمیر تمہارے روبرو بیان کر دیا ہو اس سے  
تم میری حقارت نہ کرنا۔ یقین ہو کہ تمہارے دل میں بھی میری جگہ ہوگی۔ ورنہ میرا دل  
کیون بیتا بیان کر رہا ہو؟ تو کر نیا نے جو اک شیطان صفت عورت تھی یہ کھکر آٹو کا  
ہاتھ پکڑ لیا۔ اور محبت بھری نظروں سے چند لمحے اس کی صورت دیکھ کے اس کے سینے پر اپنا سر  
رکھ دیا۔ بیچارہ آٹو نہایت نرمی و سہولت سے الگ ہو گیا اور اس کو اک جائے پر بٹھا کے  
آپ کھڑے کھڑے کہنے لگا۔

آٹو۔ ”میں نہیں جانتا کہ آپ کی اس تقریر کا جواب کن الفاظ میں دوں۔ اور نیز یہ کہ کس طرح  
آپ کو اس بے خیال سے باز رکھوں۔“  
لو کر نیا۔ (غمناک لہجہ میں) ”ہاں اکیا تم مجھے اس ارادے سے باز رکھنا چاہتے ہو؟“

آٹو۔ ”سیری بات سن لیجیے پہلی مرتبہ بہت دیر تک جو میں آپ کو دیکھتا رہ گیا۔ واقعی خطا ہوئی۔ مگر یہ کہنے میں خوشامد نہیں کہ آپ کا دل بابت ہی ایسا ہی کہ کوئی آدمی دیکھ کر جلد نگاہ پھیر لینے پر قادر ہو ہی نہیں سکتا۔ اور جب میں نے آپ کے بھائی کے رہا کرنے کا ذمہ لیا اس وقت بھی دل میں خود غرضی کا شائبہ نہ تھا۔ خدا جانتا ہی سیری نیت بالکل پاک تھی۔ اس کا عظیم کی بجا آوری کے اقدار سے سیری غرض ہی تھی کہ اگر مشکل کے وقت کسی بندہ خدا کے کام آؤں اور اس کی مدد کروں تو خدا کے کریم مجھ پر رحم کرے گا۔ سیری یہ مجال نہیں کہ آپ کے عشق کی امید کروں نہیں۔ ہرگز کہیں ایسا نازیبا خیال میرے دل میں نہ گزرا۔ آپ کا اندازہ سراسر غلطی سے ملو ہی۔“

لو کر نیا۔ ایسے بے مروتانہ فقر و غنا سے نم بچے مایوس کیے دیتے ہو؟ افسوس! میرا کلیجہ بیٹھا جاتا ہی۔ یہ کہتے ہوئے میں حجاب نہیں کر سکتی کہ میں تمہاری دلکش صورت کی دیوانی ہوں۔ اگر تم نے اسی طرح مجھے محروم ہی رکھنا چاہا تو میں نہ ہر کھا کے سو رہوں گی۔ سمجھے؟ آٹو۔ ”اکی! میں کیا کروں؟ اور کون تو کیا کہوں؟“ آٹو یہ سمجھ کر نہایت پریشان ہو گیا کہ لو کر نیا واقعی پھر مر رہی ہی۔ اسی تردد و فکر میں کھڑا تھا کہ وہ سکارہ اسکے ہاتھوں پر گر پڑی مگر جھکنے کے ساتھ ہی کوئی چیز اسکی بالائی جیب سے نکلنے نیچے گر پڑی۔ آٹو نے غور سے دیکھا تو وہ شیرزہ کے سر کی انگشتری ہی۔ معاً تعجب اور خوف سے بے اختیار اک چیخ مار کے چند قدم پیچھے ہٹ گیا۔ لو کر نیا نے جھٹ سے انگشتری اٹھالی اور کھڑے ہو کے کہا ”لو کر نیا۔“ ”کیوں آٹو! مجھے وہ سیری کیسے یاد آ رہی ہے؟“

آٹو۔ ”نفرت سے؟“ ”اب میں نے پچا نا کہ تم کون ہو تمہاری بدکاریاں آج کل تمام دنیا میں پشت از نام ہو گئی ہیں۔ لا حول و لا قوہ کیا میں لو کر نیا بوجہ اسے اسکے بھائی قہر کے چھڑلانے کا اقرار کر بیٹھا ہوں؟“

لو کر نیا۔ ”ہاں۔ تم نے جیسا وعدہ کیا۔ اور ضرور اٹھو بنا ہنا چاہیے کیونکہ نیک لوگوں کا

یہی دستور ہوا کرتا ہے۔“

لو کر نیا کو صاف معلوم ہو گیا کہ جو ان آٹو میرے نام سے اور میرے سائے سے بھاگتا ہے  
آخر غضبناک ہو گئی۔

آٹو وہ میں اپنے اقرار پر ثابت قدم ہوں۔ گو کہ اس کے سبب اک شیطان کو آدیون میں  
لا چھوڑنا ہی جب تمہارے نکتہ اثر خاندان پر تھا ہی آئی ہے۔ میں دیا نا ہی میں تھا اس وقت  
پوری پوری کیفیت یہی کیونکر لارڈ ارسنوں نے تمہارے بھائی کے محل میں گھس کے وہاں کے  
تمام عجائبات اور ذہر کرنے کے آدیکھے جو اس دم تک پوشیدہ تھے معلوم ہوئے۔  
امیر طرین کے بیان سے تمہارے مکان کا راز معلوم ہوا۔ اور یہ گشتری جو اتفاقاً نیچے  
گر پڑی تمہاری شناخت کا باعث ہوئی۔ اس کے استعمال کی کیفیت بھی اظہر من الشمس ہو چکی  
تمہاری ذرا داسی باتیں آجکل زبان زد خاص و عام ہو رہی ہیں۔“

لو کر نیا: ”جتنے جن جن کو موت کا مزہ چکھا یا وہ کچھ بے گناہ نہ تھے۔ خطا دیکھ کر انہیں  
سزا دی گئی۔“

آٹو: ”الہ ری ہٹ دھرمی! تم تو بے کیون نہیں کرتی ہو؟ میں سوچا ہوں آخوند کو کیا  
جواب دو گی؟“

لو کر نیا: ”خیر۔ تمہیں تو میرے لیے جواب دینا نہ ہو گا۔ چلو چھٹی ہوئی بیکار باتوں سے  
خامدہ ہی کیا ہے؟ میں اب جاتی ہوں دیکھو! تم میرے بھائی کے چہرے لانے کا افسار  
کر چکے ہو اس امر میں سی کرنا تم پر فرض ہے۔“

آٹو: ”میں حتی الامکان سعی و کوشش تو کروں گا۔ مگر یہ تعویذ اس کے پاس پہنچانے میں  
مجھے عسہ ہے۔ کیا عجب کہ اس میں کوئی ذہر رکھا ہو؟“ آٹو نے وہ تعویذ سی چیر لو کر نیا کی طرف  
بڑھائی۔

لو کر نیا: ”یہ کیا بات ہے! تم تو اسکو میرے بھائی کے ہاتھ پہنچانے کا اقرار کر چکے ہو؟“

آٹو "وین سوچتا ہوں تو اس اقرار سے باز آجاتا اس سے بتر ہو کر بیگناہ بندگان خدا کی جان لینے کا اسباب بننے کے بجائے جو اے کروں۔"  
لو کر نیا "پس معلوم ہو گیا۔ تم بڑے ہی جھوٹے ہو کر اپنے قول کا بھی پاس نہیں رکھتے۔  
یہ کھلے تعیناً آٹو کے ہاتھ سے لے لیا۔  
آٹو "وین تمہارے بجائے کے پھر والا نے وین جان تک دینے نہ کر دیا۔ کیونکہ وعدہ کر چکا ہوں  
مگر اس ترکیب سے کہ آئندہ کسی کو معلوم ہو تو مجھے سخت اٹھانا پڑے۔" آٹو وہاں سے  
چل دیا اور لو کر نیا غصہ سے دانت پیست رہ گئی۔

## باب ۱۷

### مان کی قبر - تبدیل نیت

جب آٹو تصویر خانے سے واپس ہوا تو سیدھا قلعہ کے دروازے کی طرف گیا۔ اور وہاں  
سے وہ راستہ لیا جو وٹن برگ کی جانب چلا گیا تھا۔ اسے ہی سبل کی راہ مل رہی تھی کہ راستے  
کے سیدھے بازو اک گورستان ملا۔ اطراف صنوبر اور دیگر قسم کے بہت سے درخت تھے  
گیٹ پر اک چھوٹا سا مکان تھا۔ جو دربان کی سکونت کی غرض سے بنایا گیا تھا۔ اسی  
مکان کے مقابل اک مختصر گر خوش وضع گرجا بنی ہوئی تھی۔ آٹو کے دروازے پر  
پہنچنے ہی دربان اپنے حجرے سے باہر نکل آیا اور پچھلک کھول دیا۔ نوجوان آٹو اندر  
پہنچنے کے سیدھا ایک کونے کی طرف بڑھنے لگا۔ آخراک قبر کے بازو پر جا کے دوڑا نو بیٹھ گیا۔  
آٹو۔ (آہستہ سے) "ای سیری مادر مہربان باتیری دعا سے مستفید ہونے کے لیے وین  
پھر وین آیا ہوں جہاں تیری لاش دفن کی گئی ہے۔ پہلے مرتبہ وین جب بیان آیا تھا تو  
اک نہایت مخلص غریب سبکس تھا۔ کسی طرح رشتہ کی امید ہی نہ تھی۔ ہر طرف مایوسی ہی  
مایوسی نظر آتی تھی۔ تاہم کبھی نیکی کی جانب سے روگردانی نہ کی۔ مان تجھے بھی پسند ہے۔"

بارگاہ الہی میں التجا کرنے کے لیے کہ گیا تھا۔ مین یقین سمجھتا ہوں کہ یہ تیری ہی دعا کی تاثیر ہے جو میں اب تک دوسو شیطانی اور بُرے افعال سے محفوظ ہوں۔“ یہ دعا کر کے آپ دربان کے حجرے میں گیا۔ اور کہا: ”میرے کرم فرما! جب میں اپنی ماں کی نعش یہاں دفن کی۔ اُس وقت اس قدر مقدور بھی نہ تھا کہ نشان کے لیے اک پتھر نصب کر داتا مگر اب خدا نے مجھ پر رحم کیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اب اس ارادے کو پورا کروں۔ یہ دو۔ دو روپیے دیکر اس سے جس طرح تمہیں مناسب معلوم ہو اک پتھر لگا دو۔ میں پادری صاحب سے بھی کہ رکھا ہے۔ وہ پتھر پر کندہ کرنے کی جبارت لکھ کے مختارے چائے کر دینگے۔“

یہ سب امور سجھا کے آٹو دہان سے رخصت ہوا شہر وٹن برگ میں آیا۔ اپنے لڑکپن کے دوستوں سے ملاقات کی۔ شام کے وقت بازار میں جلے چند چیزیں خریدیں۔ جنہیں ایک مضبوط ریشم کا ڈورہ چند چھوٹے چھوٹے سونے ایک دودا کا شیشہ جیہیں شائد کوئی قسم کا عرق تھا اور ایک پورا مشرقی وضع کا لباس تھا۔ سب لیکے اپنے قدیم دوست کے پاس گیا۔ اور آئیو اے سفر کا حال کہنا یا سہ شخص آسکو نہایت عزیز رکھنے کے سوا اُسکا محرم راز بھی تھا۔ لہذا اس خیال سے باز آنے کے لیے بہت کچھ نصیحت کی۔ لیکن آٹو نے ایک نہ مانی۔ اور بجا حجت کرتے لگا کہ مجھے ایسی نصیحت نہ کیجیے۔ میں نے دو شخصوں سے اس امر کی بجا آوری کا وعدہ کر دیا ہے۔ پہلا تو وہ بوڑھا جو میرا محسن تھا۔ اور دوسرے اک لہڈی جس کے حصول مطلب کے لیے بوڑھے ہی نے مجھے سفارش کی۔ دوست چکا ہو رہا تو آٹو نے تیاری شروع کی۔ اپنا لباس آٹا کے ریشمی ڈور جسم پر لپیٹ لیا۔ اور وہ عرق لیکے چہرہ گردن اتہ پانوں دھوئے۔ پھر دھوونے کے ان مقامات کے جلد کی پسیدی سیاہی سے تبدیل ہو گئی۔ اور وہ اک مشرقی ملک کے باشندے کا سا معلوم ہونے لگا۔ بعد ازاں مشرقی پوشاک پہنے وہ خریدے ہوئے سونے کی غرض سے اپنی پوشاک میں چھپا لیے۔ غرض اسکی ہیئت اور شکل اس درجہ بدل گئی کہ خود اسکا دوست



حیرت کرنے لگا آٹو کو یقین ہو گیا کہ پادری اسلم میرے بھیس بدلنے پر دھوکا کھا جائیگا اور مجھے بالکل سچا نہ سیکھا۔ غرا اپنے دوست سے مخاطب ہو کے کہنے لگا: ”مہربان! یہ روپیہ سے بھری ہوئی تھیلی اور یہ چوٹا سا بستہ راتھ میں دے کر تمہارے تحویل کر دیا ہوں اگر میں آج کے ساتویں دن واپس نہ آؤں تو سمجھ لینا کہ مر گیا۔ اس وقت یہ روپیہ تمہاری نذر رہی۔ لیکن اس شرط سے کہ تم دینا جا کر یہ بستہ ڈیوکی لپیوٹ کی بی بی میرا کے ہاتھ پہنچا دین۔“ دوست نے سچے دل سے اقرار کیا کہ ضرور تمہارے کہنے کے بموجب عمل کیا جائیگا۔ آٹو کو اسکی سچائی پر پورا اعتماد تھا۔ دو خط لکھے۔ ایک ایئر ٹرین کے نام اور دوسرا ٹکٹنی کی میٹی بینا کے نام تھا۔ گردونوں کو ایک ہی لفٹ نے مین لفٹوں کیا۔ اور دوست سے کہا: جس وقت میں آؤں۔ اور میرے نہ آنے سے تمہیں دینا جانے کی ضرورت پڑے۔ خط لارڈ ٹرین کو دے دینا۔ اس میں ایک چٹھی بند ہے جو ایک دو تیرہ لڑکی کو پوچھنے کی ہے۔ غالباً آج کل وہ اپنے باپ کے ساتھ اٹالی میں ہوگی۔ وہ چاہے کہیں رہے لارڈ ٹرین تلاش کر کے پہنچا ہی دیکھا۔ (بیان پیاری بینا کے تصویر میں آٹو کی آنکھیں پر ہم ہو گئیں)۔ ایک اور آخری کام تمہارے دہ چھوڑتا ہوں۔ تمہیں ضرور کرنا ہوگا۔ وہ یہ کہ لارڈ روزنل کے قلعہ میں باکے وہاں ایک نوادر و شاہزادی فروکش ہے۔ اس سے کہدینا کہ آؤ۔ تمہارے بھائی کی مخلصی کی کوششوں میں باوجود جان ہی سے جاتا رہا باقید شدید میں گرنا ہو گیا۔ بہر حال وہ اپنے اقرار سے نہ ملنا تھا نہ ملا۔“ آٹو کے دوست نے کمال حسرت سے یہ تقریر سننے کے اسکے عمل سے مد پر قسم کھائی۔ اور مکرر سمجھانے لگا کہ ”بھئی باخدا کے لیے اس خیال کو دل سے نکالو۔ اور دیکھو وہاں آتے آتے میں بتلا دوں۔“ مگر وہ انتہا تک غافل نہ تھا۔ آخر شب میں اپنے دوست سے گلے گلے اس محبت خیز سفر کے لیے نکلا۔ اور کوئی ٹکٹ انفریڈ کے قلعہ کی راہ لی۔



## باب دوم گوئی

دوسرے دن صبح کے سات بجے پادری اسلم اور کونٹ مافرڈ ایک پوشیدہ رومین بیٹھے کچھ باتیں کر رہے تھے۔

پادری: ”ہاں! تمہارے وفادار ملازم ہوگو سے اب جو کچھ باقی ہو گیا وہ یہی بخش دی۔ جو پرسوں کے دن میرا سے اٹھالائی گئی۔“

کونٹ مافرڈ: ”خوب یاد دلایا آپ نے! ہمیں اب تک اس مقدمے کے متعلق گفتگو کرنے کا اتفاق ہی نہ ہوا تھا۔ مجھے حیرت ہے کہ وہ کس بلا سے ناگہانی میں گرفتار ہوا تھا جس سے مر کے چھوٹنا نصیب ہوا؟“

پادری: ”آؤ نام ایک شخص ہی نو عمر بلائے بے درمان جسکو مقدس عدالت دم نے زمانہ سے اپنا مجرم ٹھہرا رکھا ہو۔ اور جیہوت کا فتویٰ بھی جاری ہو چکا ہے۔ غرض دی آؤ۔“

مافرڈ: ”بات کاٹ کر مینے بھی اسکا نام سنا ہے۔ وہ اسی قرب و جوار کا رہنے والا ہے۔ اور اگر سبب قیاس غلطی پر نہ تو اسکی بین لارڈ وزیر کی بیٹی تریزا کی خادمہ تھی۔“

پادری: ”ہاں ہاں۔ اسی موزی کے نام عدالت سے موت کا فتویٰ دیا جا چکا ہے۔ مگر وہ تب تک قابو میں نہ آیا۔ میں نے یہاں آئے ہوئے مہاسرے کبرگ بین جو دو تین دن قیام کیا۔ اسوقت آؤ بھی اتفاقاً وہاں آگیا تھا۔ میں ہوگو کو جو بہت دن تک فیروز کے نام سے مشہور تھا تاکہ کد کر آیا کہ ”آؤ قریب میں یہاں سے نکلیگا تو صحرے وٹن برگ بین چھارہ سکے کسی یکسی طرح اسکا کام تمام کر دے۔ مجھے یہاں آئے ہوئے بہت عرصہ گزر گیا ہے۔“ ان کے آنے سے دلچسپی پیش پیدا ہو گئی۔ جب قیصر بوجیا کو اسیر کر لانے کے لیے تمہارے سپاہی مہاسرے کو گئے۔ اسی دم میں بھی اک مختصر جماعت ہمراہ لیے ہوگو کی تلاش میں نکلا۔ آخر اسکو ڈھونڈ نکالا۔ مگر کس

حالت میں جبکہ اُسکی روح قاب سے پرواز کر چکی تھی۔ اور میری لاش تون میں چنکی پڑی تھی۔ میں دیکھتا ہوں تو اُسکے کنار پر لہو کی ایک بوند بھی نہیں۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ آٹھ بیج کے جھلگیا بلکہ وہ ایک نہ ایک دن عدالتِ موم کے ہاتھوں گرفتار ہوگا۔ کل شب میں بیٹے اپنے وفادار دوست (ہوگو) کی فحش جھل کے ایک کونے میں دفن کرتے ہوئے دیکھی میں نے قسم کھائی اور کہ آٹھ کو خاص اپنے ہی ہاتھ سے مار دوں گا۔ بشرطیکہ وہ کسی وقت میرے مقابل ہو جائے غیر قطع کلام کرو۔ میں تھلے پاس اسی غرض سے آیا ہوں کہ کل جس امر میں ہم گفتگو کرتے تھے اسکا انفصال ہو جائے۔ مانفریڈ۔ (پر جوش ادا ہے) پادری صاحب! میں آپکے اختیار میں ہوں۔ مگر ساتھ ہی آپ سے یہ بھی التماس کرتا ہوں کہ آپ اپنے اختیارات کا اعتدال کے ساتھ مجھے عملدرا کرین ہم دونوں کا باہمی جھگڑانا مناسب ہو کیونکہ آپ میرے بھیدوں سے واقف ہیں اور میں آپ کے اس حالی مرتبت لہڈی سے بیٹے جو کچھ ظالمانہ سلوک کیا وہ حقیقت آپ کسی کے ردِ روزبان پر لائے تو میں برطانیع عام میں کہ بیٹھو نکا کہ آپ جو اک پادری انسان کے نام سے مشہور ہیں۔ دراصل وہی ارک کنش ہیں جو کیوت شاہی حکم سے سولی لٹکانے گئے تھے۔“

پادری۔ (بدحواس ہو کر) ”بس! خدا کے لیے زبان بند کرو۔ ہم کو آپس میں متفق رہنا ہی ٹھیک ہے۔ مگر تم۔۔۔“ کوئٹ مانفریڈ کا ایک خدمتگار کمرے میں آیا۔

مانفریڈ۔ (مضطرب ہو کر) ”کیوں! تو بے طلب کیلے آیا۔؟“

خدمتگار۔ ”حضور! دروازے پر ایک عجیب وضع کا نوجوان شخص آیا ہے۔ وہ زیادہ تھکا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ اور چند اشارے ایسے کرتا ہے جنکو میں اور میرے ساتھی بالکل چان نہیں سکتے۔“

مانفریڈ۔ ”کیا وہ بات نہیں کر سکتا؟“

خدمتگار۔ ”جی نہیں حضور! میری دانست میں وہ ہماری زبان ہی نہیں جانتا ہے بلکہ اسکا مذہب بھی کچھ اور ہی ہوگا کیونکہ وضع اور لباس سے پایا جاتا ہے کہ وہ عیسائی مذہب نہیں کٹھن ہے۔“

مانفریڈ۔ ”اسکو کچھ غذا دے کے جلا دو۔“

خدمتگار“ اسکو کھانا دیا گیا۔ بڑی رغبت سے کھایا۔ مگر اندازاً معلوم ہوتا ہے کہ اُسکا ارادہ یہاں سے کہیں جانے پر نہیں ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ وہ کوئی غریب ہے جو اتفاق سے ادھر آ نکلا۔ اور یہاں کی ماہون سے بالکل ناواقف ہے۔“

پادری: ”میں اُس لڑکے کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ اُسکا سبب میں تھے آئندہ بیان کروں گا۔“  
 مالفریڈ: (خدمتگار سے) ”سننا ہے؟ پادری صاحب اُسکو دیکھنا چاہتے ہیں۔“ خدمتگار تسلیم سجالا کے کمرے سے باہر نکلا اور چند لمحے بعد آٹو کو ساتھ لیے اندر آیا۔ آٹو نے بے جھجک دونوں کے مقابل ہو کے مشرقی طور پر سلام کیا اور سر جھکائے دست بستہ ہو دب کھڑا ہو گیا۔ لارڈ وینٹن کی صحبت میں آٹو نے مشرقی عادات سیکھ لی تھیں۔ اور اسی طرح اسکی حرکات اور سکنات میں کسی کو امتیاز نہیں ہو سکتا تھا۔“

مالفریڈ: (آٹو سے) ”نزدیک آؤ۔“ آٹو نے اشارہ کیا کہ میں نہ بات ہی سمجھ سکتا ہوں نہ قوت گویائی حاصل ہے۔

مالفریڈ: ”اسکی جوانی پر مجھے ترس آتا ہے۔ یہ گونگا ہے۔ میں جانتا ہوں مشرقی لوگ گونگون کو اکثر اپنے گھروں کے محافظ بنار کھتے ہیں۔“

پادری: ”شائد تحریر کے ذریعہ وہ اپنا دلی حال بتا سکیگا۔“ یہ کہنے آٹو کو غور سے دیکھا اور دو دات قلم دکھا کے لکھنے کے لیے اشارہ کیا۔ مگر آٹو نے غناک صورت بنا کے سر ہلایا۔  
 مالفریڈ: ”میں سمجھتا ہوں یہ مادر زاد گونگا ہے۔“

پادری: ”نہیں۔ جو شخص گونگا پیدا ہوا اُسکا بہرا ہونا بھی لازمی بات ہے۔ غالباً یہ بچپن میں کسی صدمے یا بیماری سے گونگا ہو گیا ہے۔ بہر حال اب اُس سے کسی امر کی دریافت تو بے سود ہے۔ ہاں اک خاص امر میں وہ ہمارے بہت کام آئیگا۔“

مالفریڈ: ”وہ کیا؟“ پادری انسلم نے خدمتگار کو باہر جانے کے لیے کہا۔  
 پادری: (خدمتگار جا چکنے کے بعد) ”یقیناً یہ جیادور اُسکے ملازم مکلو کو جب راجدا

میں نے قید رکھنے سے سیرا یہ منشاء تھا کہ دونوں اک جا ملے ہوئے ہوں تو کچھ ترکیب  
رہائی کی سوچ لینے کا اندیشہ ہو سکتا ہی۔ تمہیں کہتے ہو کہ ایک عورت یہاں سے اس طرح  
چھوٹ نکلی کہ کسی کے فرشتہ خان کو بھی خبر نہ ہوئی۔ اور آج تک سب اس بارے میں  
حیران ہیں۔“

مانفریڈ۔ (غضبناک لہجے میں) ”ہاں۔ وہی عورت۔ جو اب کونٹ آف آرونا (فوسٹ)  
کی بی بی کہلاتی ہے۔“

پادری۔ ”کیونکہ یہ عقول رشوت ان امور کا باعث ہوا کرتی ہے۔ تم اپنے ملازمین کی نسبت  
ناپسندیدہ ہونے کا جو تعین نہیں کرتے ہو سراسر بیجا ہی۔ تمہیں نہیں معلوم کہ ڈیوک بسپولڈ کیونکر بھاگ  
باتھ سے بچ نکلا۔“

مانفریڈ۔ ”دوست آپ کا گمان بیشک بجا ہی۔ اور یہ دونوں واقعے قریب قریب  
ایک ہی وقت ظہور میں آئے۔“

پادری۔ ”ہاں تمہارے نوکر چاکر کچھ فرشتے تو ہیں نہیں کہ لالچ سے کان ڈھیلے نہ کریں۔ بہت  
میں تبصر ایسا شخص ہے کہ رشوت دینے اور اپنے چھوٹ نکلنے کی کوشش کے متعلق کوئی  
بات نہ اٹھا کر کیگا۔“

مانفریڈ۔ ”تو پھر آپ کون تدبیر کرنا چاہتے ہیں؟“

پادری۔ ”مشرقی گونگوئی فداوری اچھل مڑب المثل ہے۔“ یہ بات جب آٹو نے سُنی خوشی سے  
چھو لانا سلیا۔ پادری کی گفتگو سے ظاہر تھا کہ وہ آٹو کی تبدیل ہوتی سے دم کا کھا گیا اور  
خوش نصیبی سے اُسکو اسی خدمت پر مامور کرنے کی تجویز کبھانے لگی جسکے لیے وہ آفتیں  
اٹھاتا آیا تھا۔

مانفریڈ۔ ”آپ نے ٹیک کہا۔ یہ نوجوان تادارہ وطن مجلس اور غریب معلوم ہوتا ہے۔ میں آج  
سے اُسکو اپنا نوکر بنا لیتا ہوں۔ اچھی سوچی۔ واقعی ہمارے کل خدمتگار وطن میں اک گنگے کا

ہونا بھی لطف سے خالی نہیں۔“

پادری ”ہمارے ملک میں زیادہ گونگے ہو کر تے تو خوب بات تھی۔ کیونکہ تھارے اور سیرے ایسے لوگون کو اس قسم کے لوگ بہت کار آمد ہیں۔ اول تو یہ اپنی مقررہ خدمت کو نہایت وفاداری کے ساتھ انجام دیتے ہیں۔ دوسرے وہ یہاں کی بات کسی اور کے رد پر کہنے سے رہے۔ میری رائے یہ کہ یہ گونگا قیصر کی نگہداشت پر معین کیا جائے۔ کیونکہ مشرقی نکلے دور اندیشی جالاکئی اور فراست میں اپنا نظریہ نہیں رکھتے۔ ٹھہر دین اُسکو اپنی تجویز سے آگاہ کرتا ہوں۔“ پادری انسلم اپنی کرسی سے اٹھ کر آٹو کے اس قدر قریب گیا کہ وہ گھبرانے لگا کہ مبادا کہیں پہچان نہ جائے۔ پادری نے اُسے ہمانسٹر کے کمرگ کے علاوہ عدالت ویانا میں بھی وائسٹن کی دریافت کے دن دیکھا تھا۔ مگر اب اُسکا بھیس ہی ایسا تھا کہ پادری کو پہچانتا تو درکنار کچھ گمان کرنے کی بھی گنجائش نہ تھی۔ غرض انسلم نے اشاروں ہی اشاروں میں اس قدر بتا دیا کہ تجھے مانفرڈ اپنا ملازم بنانا چاہت ہے بشرطیکہ تو وفاداری کے ساتھ رہنے کا اقرار کرے۔“ آٹو مطلب پہچان گیا۔

پادری۔ (مانفرڈ سے) ”وہ نہایت تیز فہم اور ذہین معلوم ہوتا ہے۔“  
مانفرڈ ”جی ہاں۔ گونگے اشاروں کو بہت جلد پہچانتے ہیں۔ کیونکہ انھیں کوئی اور ذریعہ تو سمجھنے کا نہیں ہوتا میں سمجھتا ہوں یہ شخص ہماری خدمات کو اچھی طرح انجام دیگا۔ دیکھئے وہ اس قسم کے اشارے کر رہا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہماری عنایت کا شکریہ بجالا رہا ہے۔“

پادری ”میں اُسے قیصر کے پاس لے جاتا ہوں۔“ پادری نے آٹو کو ہمراہ آنے کے لیے اشارہ کیا۔ لیکن آٹو پہلے مانفرڈ کے پاس گیا اور نہایت ادب سے اُسکے ہاتھوں کو بوسہ دیا۔ گو کہ آٹو اُسکے ظالمانہ اور بدیون سے بھرے کاموں کے سبب اُس سے دلی نفرت رکھتا تھا۔ مگر مصلحت وقت اسی کی مقتضی تھی۔ مانفرڈ اس جعلی گونگے کی اس حرکت سے



نہایت مسرور ہوا۔ آٹو وہاں سے ٹھکرا پادری کے پیچھے ہو لیا۔ وہ اسکو ہمراہ آتا دیکھا  
 آگے بڑھا۔ اور کونٹ مانفریڈ کی نشست گاہ سے گذر کر ایک کھلی جاے پر پہنچا۔ جب  
 وہ بھی طر ہوئی تو ایک دروازہ رو برو ہوا اسکو کھول کے اندر گئے اور دونوں زینے کی  
 راہ سے اوپر چڑھنے لگے۔ اسکی آخری حد پر کپڑا پہرے پر کھڑا تھا۔ پادری نے جب  
 سے کبھی نکال کے ایک کمانی دروازہ کھولا جو اسپین کی وضع پر بنا تھا اس دروازے سے  
 اندر پہنچنے کے بعد تین اور دروازے کے بعد دیگرے ملتے گئے جو سب مقفل تھے اور  
 جنگلی گنجیان پادری لایا تھا۔ آخر میں اک روم ملی عبادت گاہ کے طور پر سجائی گئی تھی۔ جب یہ  
 دونوں وہاں پہنچے تو آٹو کی نگاہ ایک تصویر پر جا پڑی جو دیوار سے لٹک رہی تھی صاحب  
 کے حسن و جمال کے سوا آٹو کو اس بات سے زیادہ حیرت ہوئی کہ وہ ڈیوک یسولڈ کی بی بی  
 میریسا سے بہت مشابہت رکھتی تھی۔ خبر پادری کے اس وسیع روم کی دیوار میں لگی ہوئی اک کمان  
 کے دبائے سے اک کھڑکی کھلی۔ کھڑکی سے ہو کر بیس قدم کا راستہ گئے تھے کہ اک نو تعمیر  
 دروازہ دکھائی دیا جو خاص قیصر کی محافظت کی عرض سے تازہ بنایا گیا تھا۔ وہ دروازہ کھولنے  
 کے پیشتر پادری نے اپنی کمر سے تلوار کھول لی۔ اور بعد ازاں آٹو کو لیے ہوئے اندر داخل ہوا۔  
 وہاں پہنچ کر آٹو نے دیکھا تو اپنے آپ کو اک ایسے کمرے میں پایا جہاں بالکل روشنی  
 نہ تھی۔ صرف چھت میں چند وزن بنے تھے جن سے کچھ کچھ حصہ آسمان کا نظر آتا تھا۔ گدیہ  
 پتا چلتا دشوار تھا کہ کمرہ قلمہ کے کس جانب واقع ہے۔ وہاں میسر کرسی وغیرہ اور اسی قبیل کا  
 دیگر ضروری اسباب ٹھہرا تھا۔ اور کونے میں بڑی ہوئی اک میسر پر کوئی شخص سر رکھے بیٹھا تھا۔  
 آٹو نے قیاساً پہچانا کہ ہو نہ ہو قیصر بوجہ جیسا ہی ہے۔

اسکی عمر تیس سال سے منجاوڑ تھی۔ بال سیاہ اور چہرہ زرد تھا۔ پیشانی پر ایک زخم  
 تھا جو دلہن کی ضرب نے لگا یا تھا۔ آٹو اور اسلیم کے اس زندان میں پہنچنے ہی وہ شخص  
 کرسی سے اٹھ کر ان دونوں کو دیکھنے لگا۔



قیصر - (بادری سے) "تو جویاں آنے کے وقت تلوار ہمیشہ پاس رکھا کرتا، میرے لیے نہایت مفید ہے۔ در نہ میں سمجھے۔"

بادری - امانت سے "حضور! آپ کی ان دھمکیوں سے میں ڈرنے والا نہیں۔ اب آپ میرے قبضہ قدرت میں ہیں۔ رہا ہونا ہی مرکوز خاطر ہے تو میری خواہش پوری کیجئے۔  
میں شاہانہ سلوک کی راہ اک رقم خطیر مجھے عنایت فرمائیے۔"  
قیصر - (غضبناک ہو کر) "لارڈ روزنٹل مجھے چھڑا لیا گیا۔ تو چاہے اسکی دلیری سے انکار ہی کیسے جا۔"

بادری - آپ کیون ان بیودہ خیالات میں غرگذا رہے ہیں؟ لارڈ روزنٹل نے کوئٹہ مانفرفٹ کو خط لکھا کہ تمہیں قید سے رہا کر کے قلعہ روزنٹل میں بھیج دے۔ مگر انفریڈ نے اسکا اسطرح پر جواب دیا ہے کہ میں کیا جانوں؟ شہزادے کو قید کر رکھنا تو ایک طرف مجھے یہ بھی نہیں معلوم کہ وہ آجکل کہاں اور کس ملک میں ہے؟ اور اس سے لارڈ روزنٹل کو یقین ہو گیا ہے کہ آپ بیان نہیں ہیں۔ غرض اب ان باتوں کا وقت نہیں ہے۔ آپ اگر لاکھ اشرفی مجھے دینے کا اقرار کرتے ہیں تو ابھی چھوڑے دیتا ہوں۔ آپ جو کسی وقت ملک اٹلی کے فرمانروا تھے۔ کیا اس قدر روپیہ بھی دینے کا متعدد درہنیں رکھتے؟"

قیصر - میرے باوجود شکار مکانوں کو قید سے رہا کر دے۔ میں اسے شہنشاہ جرمنی کے پاس بھیج کر تیرا مطلوبہ روپیہ منگوا دوں گا۔"

بادری - (بے پردائی سے) "بجائی۔ میں اسے چھوڑ دوں تو مجب نہیں کہ روپیہ کے عوض فوج چڑھالائے۔ نہیں حضور میں ایسی فاش غلطی نہ کروں گا۔ مجھے یقین ہے کہ کہیں اپنے ایک بہت بڑا خزانہ چھپا رکھا ہے۔ میں مطلب بھی اسی سے رکھتا ہوں تبائیے وہ کہاں ہے؟"  
قیصر - (ریہم ہو کر) "جس وقت میں آوارہ موطن سے نکلا۔ میرے پاس اتنا روپیہ بھی نہ تھا کہ اخراجات سفر کے لیے کتنی ہو۔ تو یہ عجیب الٹی گفتگو بہار ہا ہی کہ میں خزانہ چھپا کر

رکھ آیا ہوں۔“

بادریؑ اچھا یون ہی سی۔ کیا مضائقہ سگسبت جلد آپ اپنے حواس جمع کر لینے کے بعد اس ہٹ دھرمی پر پھپھٹائینگے۔ خیر میں اس جوان گونگے کو آپ کے ساتھ رکھنے کے ارادے سے آیا ہوں۔“

قیصر۔ ”آٹو کی طرف نگاہ کر کے“ ”کیا یہ گو دکھا رہی؟“

بادری۔ ”جی ہاں مضور۔ اس نے مالک مشرقی میں فن جاسوسی سیکھا ہے۔ اب آپ کو مضائقہ کا کام دیگا۔“ یہ کہکر بادری انسلم واپس ہوا۔ آٹو اور قیصر اکیلے اُس وحشت انگیز کمرے میں رہ گئے۔ بادری راہ میں پڑنے والے تمام دروازے بند کرتا گیا جسے کہ آخر کا بڑا دروازہ بند کرنے کی آواز بھی ان دونوں نے سنی۔

## باب دوم

### آٹو اور قیصر پورجیا

قیصر۔ ”بادری انسلم کے باہر جانے کے بعد“ ”ادھمکھام اہ! آہ میں کس طرح تجھے سنا دوں۔ اور یہاں سے چھوٹ نکلنے کی ممکن صورت کروں؟ اتنی بین کب تک اس زندانِ بلاخیز میں آفتیں جھیلتا رہوں؟ اور اس تیرہ و تار بدتر از گورجگہ پر زندگی کی گھڑیاں گزار دوں؟“ یہ ظلم ایسا ہی کہ میں اس کے صدمے سے دیوانہ ہو جاؤنگا۔ اب ایک گونگا جاسوس میرا نگرانِ حال مقرر ہوا ہے۔ خداوند! یہ کیا ستم ہے؟“ یہ کہکر اپنا ہاتھ زور سے پیشانی پر مارا۔ ایک آواز۔ ”مضور!“ قیصر نے پلٹ کر دیکھا تو وہی گونگا ہے اسکو بات کرتا دیکھ کر خوف اور حیرت سے پیکر تصویر بن گیا۔

آٹو۔ ”آپ ڈریے نہیں میں آپ کو کچھ تکلیف پہنچانے کے لیے نہیں آیا ہوں۔ یہیں صرف آپ ہی کی بہبودی کی غرض سے اختیار کیا گیا ہے۔“

قیصر۔ رپست آداز میں ”اور عدل فوجوان! تم کون ہو۔ اور ادھر کیونکر آچکے؟“  
 آٹو۔ ”میرا نام آٹو ہی۔“

قیصر۔ (تعجب سے) ”کیا وہی آٹو! جس نے لارڈ ڈرنلین کو رامب خانہ آپس کی قید سے  
 ہمیشہ رہا تھا؟“

آٹو۔ وہاں بندہ پر دربار میں اسی طرح آپ کو بھی رہا کرنے کی غرض سے آیا ہوں۔ پادری اسلم  
 نے جو کہا کہ لارڈ ڈرنلین آپ کو چھڑانے کے متعلق کوئی تدبیر نہ کریگا سچ ہی۔ گو وہ بڑا ذی فہم  
 لارڈ ہی مگر ساتھ ہی کونٹ مافریڈ کے پوشیدہ اختیارات اور عدالت دم سے بہت ڈرتا ہی۔“  
 قیصر۔ ”ایک بار ڈرنلین شہنشاہ جرمنی کے حکم کے خلاف کریگا۔ اچھا پہلے اتنا تو بتاؤ کہ تم قلعہ  
 ڈرنلین میں کب گئے تھے؟“

آٹو۔ ”میں کل سچ دیں تھا۔ میرا یہ سفر آپ کی ہمیشہ صاحبہ کو کریرا کی تحریک سے ہی۔ جو  
 آجکل قلعہ ڈرنلین ہی میں رہتی ہیں۔“

قیصر۔ ”یون کس۔ کو کریرا وہاں بحیرت پہنچ گئی یہ روپ جو تھنے بدلا ہی اسی کی بتائی ہوئی  
 بخیر سے ہے؟“

آٹو۔ ”جی نہیں۔ میں حقیقت حال عرض کیے دیتا ہوں آپ کی خدمت میں پہنچانے کیلئے  
 آپ کی ہمیشہ نے ایک جھوٹا سا بستہ میرے حوالے کیا تھا۔ مگر وہ اب تک اس حکمت عملی  
 سے ناواقف ہیں۔ جس کے ذریعہ میں یہاں آ پہنچا۔“

قیصر۔ ”تھیں اس بستہ کے مجھ تک پہنچانے میں کون چیز مانع ہوئی؟“

آٹو۔ ”حضور! مجھے معلوم نہ تھا کہ اُس میں کون شے بند ہے۔ دوسرا یہ کہ میں نے جو یہ سفر اختیار  
 کیا کچھ آپ کی حالت پر ترس لیا کہ نہیں۔ کیونکہ میں آپ کی بدکرداریوں سے بخوبی واقف  
 ہوں۔ لیکن قبل اسکے کہ میں آپ کے اور آپ کی ہمیشہ کے نام سے واقف ہوں اُسے  
 اقرار کر دیا کہ ”آپ کے بھائی کے چھڑانے میں جان تک دریغ نہ کرونگا۔ اب آپ شاید

میرا مدعا سمجھ گئے ہونگے۔“

قیصرؒ: ”جب تینے صاف صاف اصلی حال بیان کر دیا تو مجھے بھی کوئی شبہ باقی نہیں رہا۔ مگر یہ تو بتاؤ میری رہائی کی کیا صورت کر دے گے؟“

آٹوؒ: ”میرے نزدیک چند نہایت سبک اور تیز سوہن ہیں اور ایک مضبوط ریشم کا ڈورا ہے۔“

قیصرؒ: ”ہاں۔ تو وہ اور ہمارے آمادہ و مستعد دل ہماری رہائی کے لیے کافی ہیں۔“ قیصر کا چہرہ خوشی سے تمتانے لگا۔

آٹوؒ: ”علاوہ برین پادری اسلم یا انفریڈ مجھے کسی طرح بدگمان نہیں ہیں۔ اور میں کچھ قیدی بھی نہیں ہوں۔ غالباً کم سے کم دن بھر میں مجھے ایک گھنٹے کی آزادی تو ملے گی۔ اس فرغت میں میں قلعہ کی تمام راہیں معلوم کر سکتا ہوں۔ اُس کے بعد آپ کی رہائی کی تدبیر نہایت آسانی سے ہو جائے گی۔“

قیصرؒ: ”بجا! اس قلعہ کا بیرونی حصہ اس قدر مستحکم ہے کہ یہاں سے نہ نکلنے کے بعد بھی قلعہ کے باہر ہونا اک محال امر ہے۔“

آٹوؒ: ”آپ ٹھیک فرماتے ہیں۔ میں نے آتے ہوئے دیکھا کہ قلعہ کے اندر اور باہر متعدد پرے ہیں۔“

قیصرؒ: ”میں تمہیں اُس محنت و جانفشانی کے صلہ میں کبھی نہ کبھی معقول انعام دوں گا۔“

آٹوؒ: ”ابنیں حضور! مجھے انعام حاصل کرنے کی تمنا نہیں۔ میں ہرگز قبول نہ کروں گا۔“

قیصرؒ: ”تم نجی عجب شخص ہو۔ خیر جانے دو۔ میں تمہیں اس امر سے بھی آگاہ کر دینا چاہتا ہوں کہ میرا ایک جان نثار رفیق بھی اسی قلعہ میں قید ہے۔ جسکا بہن چوڑا جانا مجھے سخت شاق گذر چکا۔“

آٹوؒ: ”جب آپ یہاں سے چھوٹ جائیں گے تو نہ پادری اسلم اور نہ مانفریڈ آپ کے رفیق کو بچا کر رکھنا مناسب سمجھیں گے۔“

قیصرؔ ہاں۔ بالفرض اگر وہ نہ چھوڑیں بھی تو میں مرد ہو چکا سکتا ہوں بخلاف آب کے کہ میں  
خود ناچار و مبتلا سے نصیبت ہوں تم جانتے ہو یہ شخص جسکے پھندے میں میں پھنسا ہوا ہوں  
ریادری اسلم کون ہے؟

آٹوؔ ”جی ہاں۔ میں واقف ہوں۔ وہ انجن دم کا ایک اعلیٰ افسر ہے!“  
قیصرؔ بس اسی قدر کہ وہ ایک اعلیٰ رتبہ افسر ہے؟ بھلا تنہ کبھی ارک کنس کا نام بھی سنا ہے؟  
آٹوؔ ”وہی شخص نہ؟ جو کسی جرم عظیم کے سبب زمانہ دراز کے پہلے ویانا کی فسیلون پر لٹکایا  
گیا تھا؟ ہاں میں نے اسکا قصہ سنا ہے۔ اور جس دن بد معاشی داسٹین کی دریافت ہوئی تھی۔  
اسی روز شہر دبانا میں شہرت اڑی تھی کہ ارک کنس صبح سالم پھر رہا ہے۔“  
قیصرؔ بے شک وہ صبح بات ہے۔ کیونکہ ریادری اسلم اسوقت وہیں تھا۔ اور اسکا اہلی نام  
ارک کنس ہے!“

یہ سنکر ٹو نہایت متحیر ہوا۔ قیصر نے ارک کنس کے اسپتال سے اٹھ بھاگنے۔ اور ریادری  
روشن اختیار کر کے صاحب خانہ آپس میں رہنے کی کیفیت بیان کی۔

آٹوؔ اس بدکار نظام کی نسبت مجھے جو اس قدر حال معلوم ہوا۔ بڑی عمدہ بات ہوئی۔ وہ میری  
جائداد دشمن ہو رہا ہے۔ اگر میں اس کے جید دن سے واقف رہوں تو وہ میرا شرمندہ رہیگا۔“  
قیصرؔ اور آٹو رہائی کے متعلق تدبیریں سوچنے لگے۔ کئی تجاویز مباحثے کے بعد بیکار ٹھہرے  
آخر میں درپے سے ہو کر کھل بھاگنے کی رائے ٹھیک معلوم ہوئی یعنی اسکی سلاخوں کو  
بہان تک رہیں کہ وہ ذرا سی حرکت میں ڈوٹ جائیں۔ اور اندھیری شب میں پوشیدہ  
طور پر چل چلیں۔ دونوں اسی خیال میں بیٹھے ہوئے تھے۔ دن کے تین بجے انفریڈ کے  
لازمین قیصر کے لیے کھانا لے آئے۔ قیصر کھانے میں مصروف ہوا۔ لازمین دروازے  
کی اوٹ میں کھڑے تھے۔ اور آٹو قیصر کی خدمت میں میز کے قریب کھڑا ہوا تھا جب وہ  
کھا چکا تو آٹو بھی اسی میز پر بیٹھ کے پس ماندہ کھا لیا۔ بعد ازاں دونوں خدمتگار خزانے

دروازوں کو نہایت ہوشیاری سے بند کرتے ہوئے چلے گئے۔ اسی طرح شب کا کھانا اٹھ نہجے آتا۔ ان خدمتگاروں نے جو خون لائے تھے آٹو کو اشاروں کے ذریعہ سمجھا دیا کہ اگر تو چاہے تو کچھ دیر کے لیے قید خانے سے باہر جاسکتا ہے آٹو کو یہ سنکر کمال مسرت تو ہوئی لیکن ظاہر کچھ رغبت و شوق کا اظہار نہ کیا۔ خدمتگارا اپنے ساتھ آسکو بھی باہر لے آئے آٹو باہر نکل کر دانائی کے ساتھ تلاش کرتا ہوا قید خانے کی دیوار کے نیچے اکھڑا ہوا اور ترکیبیں سوچنے لگا۔ بعد ازاں وہاں سے آگے بڑھ کر تمام قلعہ میں پھرا۔ اور سپاہیوں کے چہرے کی جگہ اور دیگر مقامات کو غور سے دیکھ کر قلعہ کا پورا نقشہ دل میں جما لیا۔ مگر دیکھنے والا یہ سمجھتا تھا کہ وہ صرف قلعہ دیکھنے کے لیے پھر رہا ہے گھبانوں سے جو لوگ اُسکے روبرو ہوتے تھے تعجب سے اُسی کو گھورنے لگتے تھے۔ ایسے کہ انہوں نے اس سے پیشتر کسی مشرقی آدمی کو اور وہاں کے لباس کو نہ دیکھا تھا۔ چونکہ آٹو کی داپسی کے لیے کوئی وقت مہین نہ کیا گیا تھا۔ لہذا وہ اطمینان و سہولت سے چوہر نہ پھرنے لگا۔ آسکو یہ بھی یقین تھا کہ میرا جیس سبکو دھوکا دے رہا ہے۔ خیر۔ شب کے دس بجے قید خانہ میں واپس گیا۔ تھوڑی دیر بعد خود پادری النسل وہاں آیا۔ اور آٹو کو مخاطب کر کے اشاروں میں کہا کہ شب کو قیدی کی بہت بڑی خبر داری کرنا اور آپ چلا گیا۔ اُسکے جانے کے بعد آٹو نے اپنا لباس اتار دیا۔ اور ریشم کی ڈوری جو کمر سے باندھ رکھی تھی کھول لی۔ قیصر خوشی سے بیٹھا اپنے نئے دوست کی کارروائیوں کو دیکھ رہا تھا۔ آخر خود بھی اُس کام میں شریک ہوا۔ غرض کہ دونوں نے ملکر ان آہنی سلاخوں کو ریتنا شروع کیا۔ پھتیا راستہ ریتز تھے کہ بہت جلد آدھے کے قریب کٹ گئیں اور آسکو ہوشیاری سے جمع کر کے ایک طرف پھینک دیا۔ تاکہ نیچے گرنے سے کسی کو خبر نہ ہو جائے۔ جب اتنا کام ہو چکا تو وہ نیچے آ کر اپنے بچپن پر سو گئے۔ آٹو کا بھپوندار دروازے کے قریب تھا اور قیصر کا بچپن سہولتی جگہ پر۔

سور سے پادری النسل قید خانے میں آیا۔ گوکہ آٹو پہلے ہی سے بیدار تھا مگر دروازے



کے کھلنے کی آواز سے بیدار ہونے کا بہانہ کیا۔ اور اٹھ کر نہایت ادب سے پادری کو سلام کیا۔  
 پادری۔ (قیصر سے) کیوں! آپ اس گونگے کی ہم جیسی کو پسند کرتے ہیں نہ۔؟  
 قیصر۔ (اٹھ کر غصہ سے دیکھتا ہوا) وہ میری مصاحبت کے لیے نہیں۔ بلکہ بطور جاسوس مقرر  
 کیا گیا ہے۔ ظالم شب کو بھی دروازے پر پوتا ہے، قیصر نے انھیں سے یہ فقرہ چیت کہا کہ پادری کو کچھ گمان نہ ہوئے  
 پادری۔ یہاں ابدہ اپنی خدمت و فاداری کے ساتھ بجالاتا ہے۔ وہ مشرقی ملک کا آدمی ہے۔ جہاں  
 کے لوگ عموماً نہایت وفا شعار ہوا کرتے ہیں، قیصر نے کچھ جواب نہ دیا۔ دو خدمتگار جو اس کا  
 کھانا پہنچانے کے کام پر مامور تھے۔ قید خانے میں آئے۔ پادری انہیں نے کنجیاں ان کے حوالہ  
 کیں تاکہ دن بھر حسب عادت کھانا وغیرہ پہنچانے کا اہتمام کیا جائے۔ ہم جزئی حالات بیان  
 کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ صرف اس قدر کہہ دیتے ہیں کہ آٹھ دیاں پہنچنے کے چار دن بعد  
 بھاگ نکلنے کا پر رابند و بست کر چکا۔ آسمان پر اس درجہ تیرہ و تار گٹھا جھائی ہوئی تھی کہ ایک  
 عظیم الشان طوفان کا اندیشہ کیا جانے لگا شب کے گیارہ بجے بادل کی گرج اور بجلی کی چمک شروع ہوئی  
 قیصر نے اب چمن بہان سے نکلنے کی تدبیر کرنا مناسب ہی نہیں سمجھا۔ اس قدر معصیتیں جھیلی ہیں کہ  
 ان کے مقابل یہ کچھ بھی نہیں۔“

آٹھ۔ دلیری اور بہت کدورت سے نہ دین تو کچھ مشکل امر نہیں۔“ آٹھ نے ریشم کی ڈوری ایک  
 مضبوط ڈنڈے سے باندھ دی۔ اور باقی حصہ اپنے جسم پر لپیٹ لیا۔  
 قیصر نے مجھے پہلے جانے دو۔“

آٹھ۔ جی نہیں۔ میں آپ سے بھی زیادہ بکسہ ہوں۔ لہذا میں پہلے اتر کر ڈوری کا سر مضبوط  
 پکڑے کھڑا ہوتا ہوں۔ آپ سہولت سے اتر آئیے۔ قیصر خاموش ہو گیا۔ آٹھ نے ڈوری کو نیچے  
 پھینک کر وہ دونوں ہاتھوں سے تھامے ہوئے اٹھنا شروع کیا۔ اس وقت وہ زمین سے  
 پچاس قدم اوپر تھا اور قیصر بڑی ہی فکر و تردد سے درپے رہتا ہوا تھا۔ تھوڑی دیر بعد  
 ڈوری کھینچی تو تنگ معلوم ہوئی۔ یقین ہوا کہ آٹھ نیچے پہنچ گیا۔ اور ڈوری پکڑے

کھڑا ہی پس اسی صورت وہ بھی اٹھنے لگا۔ اور وہی لمحہ میں آٹو کے بازو پکڑا ہو گیا۔ وہ  
 اتر کر بھی دم راست نہ کرنے پایا تھا کہ ایک بجلی اس زور سے چمکی کہ ہر ایک کو ناروشن ہو گیا۔  
 ایک پر کے دانے نے جو تھوڑے فاصلہ پر کھڑا تھا قیدر و آٹو کو دیکھ لیا۔ اور آگے  
 بڑھ کر تلوار گھنچ کر ان دونوں کو قدم نہ بڑھانے پر مجبور کر دیا۔ مگر قبل اسکے کہ وہ ان کے  
 چہرہ کو پہچان سکے بجلی کی روشنی غائب ہو گئی۔ اور چو طرف پھر وہی تاریکی سے سنناٹا  
 چھا گیا۔ قیدر نے اپنی مہولی جرات و دلیری سے پرے والے پر حملہ کر کے زمین پر گر دیا۔  
 اور آٹو کے کچھ چوڑے بھی آئی۔ لیکن باوجود اس حالت کے سپاہی بلند آواز سے جلانے لگا  
 دوڑو! دوڑو! یہاں کچھ لڑائی ہو رہی ہے۔ جلد آؤ۔ کوئی دشمن بھاگا چاہتا ہے۔ اس صبا  
 کے سنتے ہی چاروں طرف سے لوگ سٹ کے اسی طرف متوجہ ہو گئے۔ ہر جاشعلین روشن  
 ہو گئیں۔ اور سپاہی ادھر ادھر دوڑنے لگے۔ روشنی۔ آدینوں کی آواز۔ ہتھیاروں کی کھڑکھڑاہٹ  
 سب اسی طرف بڑھتی نظر آئی۔ جہاں آٹو اور قیدر اس سپاہی کو دبائے کھڑے تھے۔  
 آٹو۔ "قیدر سے" دیکھیے! اب ادھر ہی کالج کر رہے ہیں۔ اگر ہم بھاگ سکلے میں ذرا  
 بھی دیر کریں تو یہ قیدر کیسے جا سکتے؟ آٹو اور قیدر وہاں سے نکال کر اندھیرے ہی میں کسی دوسری  
 جانب پہلے گئے۔

## پایہ دوہرے

### معاملہ برعکس ہوا

قیدر آٹو کی رہنمائی پر تاریکی میں چلا جا رہا تھا۔ سپاہیوں کے پاؤں کی آہٹ تلواروں اور  
 زبردقوں کی آواز اور ہر طرف روشنی کی نمود سے انہیں یقین ہو گیا کہ اگر ہم اس تھوڑی سی  
 فرصت کو غنیمت جان کر کسی طرف چل ندریں تو ان کے ہاتھ بڑ جائینگے۔  
 آٹو۔ "راہستہ سے" حضور! جلدی کیجیے! ہمارے بچاؤ کی یہی ایک صورت ہے کہ تفصیل

پر سے اتر کر تیرے ہوئے خندق کے پار ہو جائیں۔“

قیصر۔ ”مجھے رستہ دکھاتے چلو۔ کیوں پھر گرفتار نہ ہو جاؤں۔ یقین جانو میں زندہ پھر اہل قندخانہ میں نہ جاؤں گا۔“

آٹو۔ ”گھبرا کر رہا ہے! دیکھئے فیصلوں پر بھی رشتی ہو گئی ہے۔ اب ہماری جان بچنا محال ہے۔“

آٹو قیصر کا ہاتھ پکڑے ہوئے ایک مقام سے فیصل پر چڑھنے لگا۔ وہ سپاہی جو ہاتھوں میں شعلیں لیے آرہے تھے وہاں سے بہت دور تھے۔ آٹو نہایت پھرتی کے ساتھ توبہ کی بیج سے یلٹتی ڈوری باندھ کر خندق میں اترتا۔ اور بعد ازاں قیصر بھی اسی ذریعے سے پانی ناک پہنچا۔ دونوں اس عمیق خندق میں پیرنے لگے۔ نگہبان قلعہ کا چائٹا مک کھٹنے کی آواز آئی اور سو بھردن کی آہٹ سنائی دی غضب تو یہ کہ چائٹا اس مقام سے قریب تھا جہاں یہ پیرتے ہوئے جارہے تھے غرض بہت سے سو بھردن کی دوسری جانب آکھڑے ہو گئے۔ آٹو اور قیصر خندق کا درمیانی عمیق حصہ طوکر چلے گئے کہ سپاہیوں کو دوسری طرف کھڑا دیکھ کر بدحواس ہو گئے۔

آٹو۔ ”اب ہمارا قلعہ کے چائٹا کے پاس چلے جانا قرین مصلحت ہے کیونکہ چائٹا کے اندر پیرے والے بہت ہونے سے سپاہی وہاں باہر کی جانب زیادہ نگہبانی ہونے کی ضرورت نہ سمجھینگے۔ اور ہم وہاں سے آسانی کے ساتھ نکل جا سکیں گے۔“

قیصر۔ ”ہاں بے شک یہ بات اچھی ہے۔ چلو میں چلو۔“ دونوں نہایت ہی آہستہ سے پیرنے لگے کہ مبادا پانی کٹنے کی آواز سن کر سپاہی ادھر متوجہ نہ ہوں۔ تھوڑے عرصہ میں چائٹا کے قریب پہنچ گئے۔ آٹو کا نگہبان صحیح غلط بینی وہاں فوجی لوگ بالکل نہ تھے۔ چائٹا بند تھا۔ اور پیرے والے اندرونی نگہبانی میں مصروف تھے۔

آٹو اور قیصر پانی سے نکلے دروازے پر کھڑے ہو گئے۔

آٹو ۲۰ اب خدا کے فضل سے ہم بچ گئے۔ یہ فقرہ ابھی تمام نہوا تھا کہ دفعۃً دروازہ کھلا۔ اور ایک شخص مشعل لیے ہوئے باہر نکلا۔ اور اس کے نکلنے ہی پھر دروازہ بند کر لیا گیا۔ وہ شخص پادری باس میں تھا اور مشعل کی روشنی اس کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔  
آٹو۔ (چپکے سے) دیکھیے پادری اسلم آگیا۔ پیچھے ہٹ جائیے۔ وہ ہمیں دیکھ لے تو غضب ہی ہو جائیگا۔

پادری اسلم ۲۰ وہ مردود ہنرگز بیان سے بھاگ نہ سکنگے! شاید وہ دعا باز لوگوں کا خدا ندان درجیا کا کوئی ممبر تھا۔ یہ کہتا ہوا اسلم جب ان دونوں کے قریب آیا تو آٹو نے بجلی کی طرح جھپٹ کر اپنا ہاتھ اس کے حلق پر رکھ دیا۔

آٹو۔ (پادری اسلم سے) بات نہ کر! اور نہ ابھی تیرا سر سے جدا کر دیا جائیگا۔ پادری کے ہاتھ سے مشعل جھوٹ کر نیچے گئی۔ اور وہ اپنی تمام قوت کو آٹو کے پنجے سے چھوٹنے کی کوشش میں صرف کرنے لگا۔ مگر بیکار ثابت ہوئی۔ وہ اپنی مدد کے لیے کسی کو پکارنے سے بھی عاجز ہو رہا تھا۔ قیصر نے مشعل پر پانون رکھے پادری کے ہاتھوں کو اسی کی پیٹھ پر باندھ دیا۔ اور آٹو نے ایک رومال کے منہ میں ٹھونسا۔ وہ دونوں لکڑی کی شکل کی طرف لے چلے۔ اور اتقدر تیز جا نکلے کہ غور سے ہی عرصہ میں بہت سی راہ طو کر گئے۔ جب کسی کے متعاقب ہونے کا خوف بانی نہ رہا تو قیدی کو اچھی طرح باندھنے کی غرض سے ایک جگہ ٹھہرے۔

آٹو۔ (پادری سے) میں تیرے منہ سے رومال تو نکال دیتا ہوں۔ کیونکہ دم گھٹنے کا اندیشہ ہی۔ مگر تجھ کو دھوپونچنے کے لیے چلانا نہ چاہیے۔ اگر کچھ آواز نکالے گا تو اسکی سزا بھی اسیدم مل جائیگی۔ یہ لکڑی کے منہ کے اندر سے رومال نکالا۔

پادری اسلم۔ (پست آواز میں) کیا یہ آٹو ہی؟

آٹو ۲۱۔ وہ دعا باز لوگوں کا من ہی تھا۔ دیکھو! انھار سے ہی ہتھیاروں یعنی جلعسا زری و زبردستی سے میں نے تمہیں زیر کیا ہے۔ بدکاری اور ظلم کا بدلہ کبھی نہ کبھی مل ہی جاتا ہے۔

دونوں نے پادری کو اسی کی کمر کی ڈوری کھول کر باندھ دیا۔ اور یہ دوسرا مرتبہ تھا جو آٹو نے پادری کو اسی کے کمزبند سے باندھا۔

پادری انسلم۔ (غضبناک ہو کر) ”آٹو! میں اب دوبارہ تمہارے قبضہ قدرت میں ہوں مگر ایک وقت ایسا بھی آئیگا کہ تم مجھے لطف و مہربانی کے طالب ہو گے!“

آٹو: ”بجا! تم ایسے مجرم کو چھوڑنا داخل گناہ سمجھتا ہوں!“

پادری۔ (ردائت پسیم) ”شاید قیصر نے میری حقیقت تم سے بیان کر دی ہو۔“

آٹو: ”بس اب چپکے ہو رہو! ورنہ اس لالچی سے جو میرے ہاتھ میں ہی ایسا مارو لگا کہ دم کل جائے میں چاہتا ہوں کہ تم پھر اسی سولی پر لٹکائے جاؤ جس سے ایک دفعہ چپکے نکلے تھے۔“

پادری انسلم یہ شکر نہایت درجہ غضبناک ہو گیا۔ بے اختیار گالیان اور بددعا دینا چاہی۔ لیکن قیصر نے اُسکو پکڑ کر اس بے رحمی سے دیا کہ اُسکا تمام جسم سنسنایا جکے بعد وہ خاموشی ہی کو مناسب سمجھا۔ حاصل کلام قیصر اور آٹو دونوں جانب پکڑے ہوئے اُسکو قلعہ روزنیل کی طرف کھینچے لیے جانے لگے۔

انسلم۔ (دھوڑا راستہ طو ہونے کے بعد) ”میں ایک تجویز بتلاتا ہوں۔ اگر مانو تو تمہارا ہی فائدہ ہے!“

آٹو: ”میں کوئی ایسی تجویز ہرگز پسند نہ کرینگے جس سے تمہاری رہائی ہو۔“

انسلم: ”میں اک مخفی راز سے تمہیں مطلع کرتا ہوں جسکے معلوم ہونے سے تمہیں بہت کچھ نفع ہوگا۔“

آٹو: ”میں اپنے ذاتی فائدے کی غرض سے ایسے مجرم کو بے سزا نہ چھوڑ دوں گا۔“

انسلم: ”دیکھو تم ٹیوک لیپولڈ کی بی بی میرا کی بدولت سرفراز ہو جاؤ گے بشرطیکہ میری بات سن لو۔“

آٹو۔ ”میں اس لیڈی کی خوشنودی کے متعلق سب کچھ کر دینگا۔ مگر کسی طرح یہ ممکن نہیں کہ محققین جھوڑوں۔“

انسلم۔ ”جو راز میں اب تم سے بیان کرنا چاہتا ہوں وہ اک بڑے سنگین امر سے تعلق رکھتا ہے۔ تم سے میرے وفادار ساتھی (آہ سرزد کھینچ کر) فیروز کو تو قتل کر دیا۔ اب اس ازا کے جاننے والے صرف دو شخص زندہ ہیں ایک تو ایسا ہی کہ اس بارے میں کچھ لکشی کرنا اسپر قیامت برپا کریگا۔ اور دوسرا شخص میں ہوں۔“

آٹو۔ ”تم محض جھوٹ بک رہے ہو۔ میں فیروز کو بوجہ قتل کیوں کرنے لگا؟ وہ پہلے تو مجھے حملہ آور ہوا۔ اور بعد ازاں کچھ اس طریقہ سے زمین پر گرا کہ میرے گھوڑے کے پچھلے پاؤں اس کی پسلیوں پر پڑے اسی صدمے سے وہ مر گیا۔ اور تم جو سمجھتے ہو کہ اس راز کے جاننے والے اب صرف دو ہی شخص باقی ہیں۔ یہ سراسر غلط ہے کیونکہ فیروز نے مرنے کے پیشتر اپنے گناہوں سے توبہ کیا۔ اور۔۔۔“

انسلم۔ درپیشان ہو کر تو کیا فیروز نے تم سے میرے اور کونٹا نفریڈ کے حالات بیان کر دیے؟

آٹو۔ (اپنے گمان کو صحیح پاکر) ”ہاں وہ سب بیان کر گیا۔ بلکہ چند ایسے کاغذات میرے حوالے کر کے مراہ جن سے تمام قصہ بخوبی معلوم ہوتا ہے اور جنہیں میں عنقریب میرا کے پاس پہنچانے والا ہوں۔“ یہ سن کر باوری انسلم پریشان ہو گیا اور رہائی کی امید اس سے تبدیل ہو گئی۔

قیصر۔ (انسلم کی پراگندگی سے خوش ہو کر) ”ابھی کیا ہی تیرے مارنے ہی پر کشتا نہ کیا جائیگا۔ بلکہ تیرا گوشت بھی طعمہ زراغ و زغن ہوگا۔“

آٹو۔ (قیصر سے) حضور گستاخی مانتا! ایک عاجز اور بے بس آدمی کو رنج دلانا زیبائین۔“



قیصر (تعجب سے) ”تم کیا کہتے ہو؟ کیا ایسے شخص کی نسبت بھی نازیبا ہی؟“  
 آٹو نے آپ مجھے یہ کہنے پر مجبور کیے دیتے ہیں کہ آپ بھی اس قسم کے جرائم سے بری نہیں  
 ہیں؟ قیصر نے غضبناک ہو کر کچھ کہنا چاہا۔ مگر ساتھ ہی آٹو کا احسان یاد آگیا جسکے سبب  
 طوعاً و کرہاً خاموش ہونا پڑا۔

پادری انسلم ”مین اک اور عظیم الشان راز سے بیان کرتا ہوں۔ اس شرط پر کہ تم مجھ کو  
 چھوڑ دو یعنی کدالت دم اور اسکی اکل ماہیت سے تمہیں آگاہ کر دیتا ہوں۔ اور ایسی تجویز  
 بھی بتلاتا ہوں جس سے ہمیشہ کے لیے اس انجن کو سلطنت جرمنی سے خارج کر دینا ممکن ہو۔  
 اگر وہ تجویز تم شہنشاہ جرمنی کو بتاؤ تو وہ ہمیشہ تمہارا ممنون احسان ہو رہے گا۔“  
 آٹو نے ”تم ایک اول درجے کے بد معاش ہو اگر تمہیں ایمانداری و انصاف سے کچھ بھی تعلق  
 ہوتا تو ہر گز اپنے یاروں سے یو فائی نہ کرتے۔ خیر۔ اب تمہیں کوئی چیز رہا نہیں کر سکتی۔ اگرچہ  
 اس ناہنجار انجن کے ملکیت سے نیست و نابود ہونے پر مجھے نہایت مسرت و شادمانی  
 حاصل ہوگی۔ لیکن یہ بات مجھے گوارا نہیں کہ تمہاری رہائی کے بدلے وہ مسرت حاصل  
 ہو۔ اب تو تمہارا قیدیوں میں شمار ہی۔ اور اسی حالت سے اس وقت تک رہنا ہوگا جب تک  
 کہ شہنشاہ جرمنی سے تمہاری نسبت کوئی حکم صادر نہ ہو۔ انسلم کے دل سے رہائی کی امید  
 بالکل جاتی رہی۔ وہ حسرت و اندوہ کے ساتھ سر جھکائے چپ چاپ چلا جا رہا تھا۔  
 منزل مقصود پر پہنچنے تک کوئی اور گفتگو نہ ہوئی۔

شب کے تین بجے آٹو اور قیصر اپنے قیدی کو ہمراہ لیے قلعہ روزنٹل میں پہنچے  
 آٹو نے اسی دم دو مستعد سپاہیوں کو بلا کے قیدی کو انکے حوالہ کیا۔ اور محفوظ جگہ میں  
 مقید کرنے کا حکم دے کر آپ قیصر کو لیے ہوئے قلعہ کے اُس کمرے میں آیا۔ جو خاص  
 اسی کے لیے مقرر کیا گیا تھا۔ لارڈ روزنٹل حسب عادت صبح کو اپنی خوابگاہ سے  
 برآمد ہوا۔ اور آٹو کی آمد کی خبر سن کر خوش ہو گیا۔ چند روز سے آٹو بے اطلاع کیسین چلے

جانے کے سبب وہ تردد ہو رہا تھا۔ اور جب یہ سنا کہ شہزادہ بھی اُسکے ہمراہ آیا ہے اور وہ شخص جو شاہزادے کے قید ہونے کا سبب ہوا تھا خود اسی قلعہ میں پابنہ خیر ہے۔ تو اُسکی خوشی دہ چاند ہو گئی۔ غرض آٹو نے سیر سے بیدار ہو کر اپنے معمولی کپڑے پہن لیے۔ اور لارڈ روزنٹل کی خدمت میں جا کے پادری اسلم کا مفصل حال کہنایا۔ دوسرے دن شہر ویانا کو جانے کی اجازت چاہی۔ اور قیدی کو بھی ہمراہ لیجانے کا طالب ہوا۔ لارڈ روزنٹل نے اپنی فوج سے چند سپاہ قیدی کی محافظت کی غرض سے ساتھ لیجانے کی اجازت دی اور ایک قیمتی انگشتی آٹو کو بطور انعام مرحمت فرمائی۔ اس اثنا میں قیصر اپنی بہن لوکریزا کے پاس گیا۔ وہ اُسکے دفعہ آجانے پر تعجب کرنے لگی۔ قیصر نے آٹو کی ذفا شعاری قید خانے کا حال اور وہاں سے رہائی پانے کی مفصل کیفیت بیان کی۔ لوکریزا کا دل آٹو کی طرف سے بھرا ہوا تھا وہ اُسکے نام سے بے جا اٹھتی تھی۔ مگر اب موقع پر اپنی رنجیدگی کو چھپا کر اُسکی تعریف کرنے لگی۔ اُس دن آٹو اپنی مان کی قبر پر جا کر پتھر وغیرہ حسب خواہش نصب دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ وہاں سے اُس دوست کے پاس گیا۔ جسکے گھر سے سنسکر کوئٹ مافرڈ کے قلعہ کا رخ کیا تھا۔ اُس سے وہ خطوط اور کیسے زر وغیرہ لینے قلعہ روزنٹل کو واپس آیا۔

## باب ”۵“

### امتحان

گذشتہ باب میں مذکورہ حالات کے وقوع سے چھ ہفتے گزر گئے۔ اور ہمارا آئین شہر ویانا کی طرف بدلتا ہے۔ صبح کا وقت ہے پادری اسلم ایک تنگ و تاریک قید خانے کے ماہموا بچھونے پر اُٹھ بیٹھا ہے۔ بہت سال پیشتر جب وہ گوارہ خانے کے جرم میں مانوڑ ہوا تھا تو جب بھی اُسی قید خانہ میں رکھا گیا تھا۔ پھر وہ میند سے بیدار ہوا یا تھمنا

دھو کر لباس پہن لیا۔ اور غصے کے ساتھ ٹھٹھلنے لگا۔ ایسے میں دروازہ کھلا۔ اور دروازے پر زندان قیدی کا ناشتہ لے آ پہنچا۔

یاد سی المسلم۔ (آہستہ سے) میرے پیارے دوست! میں نے رابب خانہ آپس کے ایک مقام پر جھکسو امیر کے کوئی نہیں جانتا بہت سی دولت دفن کر رکھی ہے۔ اگر تم میرے ساتھ وہاں تک چلو تو برابر نصف بانٹ دیتا ہوں۔ اس شرط پر جو سراسر تمہارے لیے مفید ہے مجھے رہا نہ کرو گے؟“ داروغہ نے سر ہلایا۔ پادری پھر بولا: ”خیر میں تمہیں پوری دے دیتا ہوں۔“

داروغہ: ”کیا مجھے ایسا حق سمجھتے ہو جو تمہاری بات پر اعتماد کروں؟“

المسلم: ”نہیں نہیں میں قسم کھاتا ہوں کہ بہت سامان دفن کر رکھا ہے۔“

داروغہ: ”دوست! اگر میں تمہارے ساتھ لالچ کے مارے آجاؤں تو راستہ ہی میں میرا کام تمام نہ کر دو گے؟ ایسی بیہودہ باتوں کو بالائے طاق رکھو۔ اور ناشتہ کر کے میرے ہمراہ چلے چلو۔ باہر چند ذی رتبہ حضرات تم سے گفتگو کرنے کے لیے منتظر کھڑے ہو جائیں گے۔“

المسلم: ”مجھے اب غذا کی کوئی ضرورت نہیں سیتا رہوں جہاں چاہو لے چلو!۔“

داروغہ پادری کے آگے پہلے سے انکار کرنے لگا اور کہا: ”میں الکر کنس کے ایسے بے ایمان شخص کے آگے ہرگز نہ چلوں گا۔ تم آگے چلو میں پیچھے رہتا ہوں۔“ غرض دونوں قید خانہ سے نکلے۔

داروغہ: ”سیدھی راہ چلو ہا تم ان مقامات سے کچھ ناواقف نہیں ہو۔ کیونکہ اپنی عمر کا ایک بڑا حصہ یہاں گزار چکے ہو۔ اس زمانہ میں میں قید خانہ کا ملازم نہ تھا۔ ورنہ اس وقت بھی آپ کی (کنایتاً) خدمتگزاری کا فخر حاصل کرتا۔“ انہیں باتوں میں داروغہ کلان کے خاص کمرے میں پہنچے۔ جہاں چند لوگ جمع تھے۔ یہ ڈلوک لیپولڈ اور اسکی بی بی میریہ فوسٹ اور تریزا۔ امیر خرمین اور اسکی بی بی ایرین اور آٹو تھے جب پادری المسلم اس

جماعت کے قریب آیا تو آٹو کو وہاں بیٹھا ہوا دیکھ کر آگ ہو گیا۔ اور کڑوے تھوڑے سے دیکھنے لگا۔

ڈیوگ لیسولڈ: (پادری انسلم سے) ”الک کنس! مجھے تنہا چند سوالات کرنا ہیں۔ بہتر ہے کہ اٹکا پورا پورا جواب دو تمہاری بدکرداریاں اس حد کو پہنچی ہیں کہ اب اسکی باز پرس نہ کرنا۔ اور اس مظلوم کی جو تمہاری ظالمانہ کارروائیوں سے قیم و اسیر ہوئی ہو دلہی نہ کرنا میری عظیم ہی۔“ میرا کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوئے۔

انسلم: ”اگر میں آپ کے سوالات کا صحیح صحیح جواب دوں تو مجھے کیا دیجے گا؟“ لیسولڈ: ”میں کچھ شرط تو نہیں کر سکتا مگر اتنا یقین رکھو کہ وہ سزا جو تمہیں عدالت عالیہ نے قریب تریلگی۔ وہ اس وقت کے چال چلن سے بہت متعلق ہوگی!“

انسلم: ”مفصل حال کہہ سنا نے میں مجھے کچھ عذر نہیں۔ مگر امیدوار ہوں کہ میری جان بخشی ہو جائے!“

لیسولڈ: ”ہاں! اگر تمہارا اظہار ان بیانات کے مطابق ہو جو ہم سن چکے ہیں۔ تو میں بیشک تمہیں سولی دینے کے عوض جس دواہم کے لیے شہنشاہ جرمنی کے حضور میں سفارش کروں گا۔“ انسلم: (جسکے دل میں اک امید سی پیدا ہو گئی) ”بہت خوب! اب آپ جو چاہیے پوچھیے میں ٹھیک ٹھیک کے دیتا ہوں۔“

لیسولڈ: (دلی جوش سے) الک کنس! پیشتر اس سے کہ تم سے کچھ سوال کیا جائے میں یہ کتنا ضروری سمجھتا ہوں کہ چند پوشیدہ حالات اتفاق سے میں معلوم ہو گئے ہیں۔ خلیفہ خدا ان بے گناہوں کی فریاد کو سن رہا تھا۔ جو تمہارے ہاتھوں میں ہوئے۔ ۱۹۹۳ء میں لیڈی تریزا اپنے والد بزرگوار کے سایہ عاطفت سے چھڑائی جا کر قلعہ کوئٹہ مالٹریڈ میں قید کی گئی۔ خبر جو کمرہ اسکے رہنے کے لیے مقرر ہوا تھا اسکے قریب چند اور کمرے تھے۔ ان میں سے ایک میں وہ تصویریں لگی تھیں جو کوئٹہ گسمنڈ اور اسکی بی بی

لیڈی الڈگار ڈاؤسے بہت مشابہ تھیں۔ کیا یہ بات صحیح ہے؟“  
 انسلم: ”جی ہاں۔ بندہ پروردگار نے تصویریں لے لی تھیں۔“  
 لیوڈ: ”دہن پر لیڈی تریزا کو ایک نوشتہ بھی ملا۔ تنے کبھی لیڈی الڈگار ڈاؤسے کی تصویر  
 دیکھی ہے؟“

انسلم: ”میں بارہا اُس کا خط دیکھ چکا ہوں۔ اور اب یقیناً پہچان بھی سکوں گا۔“  
 لیوڈ: ”نوشتہ انسلم کی طرف بڑھا کر“ قریب آکر اس دردناک تحریر کو دیکھو۔“  
 انسلم: ”دیکھو“ بے شک یہ اُسی لیڈی کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں  
 میری اُنکھوں سے پھر آنسو جاری ہو گئے۔

لیوڈ: ”اس تحریر کے دیکھنے سے لیڈی تریزا کو اتنی بات معلوم ہوئی کہ یہ لیڈی الڈگار ڈاؤسے کا  
 حال ہے۔ مگر اُس سے میری اُنکھوں پر دلالت کے متعلق کچھ حال معلوم ہوا۔ تریزا نے  
 یہ نوشتہ اپنے والد ماجد کی خدمت میں پیش کیا۔ انھوں نے بیٹی کو نصیحت کی کہ ”یا  
 تو اسکو بچا کر رکھنیکیو۔ یا اسکا ذکر کسی فرد بشر کے ردِ بردہ نہ کرو۔“ انھیں خوف تھا کہ کہیں  
 اس نوشتہ کے بہانے مانفرٹز آمادہ شرم نہ ہو جائے۔ خدا کا ہمارا شکر کہ لیڈی تریزا نے  
 اس کا غد کو اٹھا رکھا۔ میں ایک ادب بات سے بیان کرتا ہوں جس کا غیب سے ظہور  
 ہوا۔ چند روز قبل مسٹر آلو قلو کوئٹہ مانفرٹز کے قریب دھوار میں سفر کر رہے تھے۔ اُن کے  
 سفر میں ایک ظالم نے اُن پر حملہ کیا جو اُنکی جان لینے کی کوشش میں خود طعنہ اجل ہوا  
 لیکن قبض روح کے قبل اُس نے مسٹر آلو سے التماس کیا کہ چند اوراق جو اُسکی پوشاک  
 کے ساتھ پیسے ہوئے تھے کھول کر دیکھیں میرا کوہو بچا دیے جائیں۔ اُن کا غدون میں  
 صرف ایک چٹھی تھی جس کا مضمون یہ تھا:-

”لیڈی صاحبہ! جب آپ یہ خط پڑھیں گی۔ اُس کا تب دینا سے رخصت ہو گیا ہو  
 زندگی میں اس راز کو افشا کر کے وہ اپنی جان کو مرضِ خطر میں ڈالنا نہیں چاہتا تھا۔“



مگر اسوقت آپ کو معلوم ہونا مناسب ہے۔ جبکہ موت اسکی آنکھیں بند کر چکی۔ لیڈی صاحبہ! آپ جو سمجھتی ہیں کہ آپ کے ماں باپ غریب و بھقان ہیں۔ غلط ہے۔ آپ کے والدین کوئنٹ سگسنڈ اور کوئنٹس الڈگارڈا ہیں کوئنٹ کو الکر کنس نے جواب پاوری السلم کے نام سے مشہور ہے بے خطا بے گناہ قتل کیا۔ اور آپکی والدہ کو زیر دیا گیا۔ یہاں کام آپ کے چچا کوئنٹ مالفریڈ کے حکم سے عمل میں آئے۔ آپ اسوقت شیرخوار بچہ تھیں۔ مالفریڈ نے مجھے حکم دیا کہ آپ کو کہیں لپکا کر ہلاک کر دوں لیکن مجھے ایک معصوم کے خون سے ہاتھ بھونا پسند نہ آیا۔ لہذا آپ کو اپنے چند غریب دوستوں کے حوالہ کیا۔ وہ وہی ہیں جنھوں نے چند روز آپ کو پرورش کیا۔ اور جنھیں آپ اپنے والدین سمجھا کہیں۔ آخر کار وہ دفعہ بخار سے مر گئے اور مجھے آپ کی نسبت کچھ حال معلوم ہوا حال انکلاکس امر کے دریافت کرنے کی مجھے بڑی تمنّا تھی۔ اب چند ہی روز پیشتر باوری السلم نے بیان کیا کہ آپ زندہ ہیں۔ اور ڈیوک لیپولڈ سے بیاہ کر لیا ہے۔ مگر اسکی مجھے خبر نہیں کہ باوری السلم کو یہ حالات کیونکر معلوم ہوئے۔ الغرض عمر بھر میں مجھے جسقدر گناہ صادر ہوئے ان سب میں یہی ایک ہے جسکی یاد ہمیشہ مجھے بے چین کرتی رہی۔ میں نے سچی بات کہی ہے۔ امید رکھتا ہوں کہ آپ مجھے معاف فرمائیں گی۔ اور میری نجات کے لیے دعا کریں گی۔ نقطہ دستخط ”ہیوگو“ ۱۶۔ جون ۱۸۹۴ء“

جو جس میر یا اس مضمون کو سنکر آبدیدہ ہو گئی۔ اگرچہ وہ پہلے بھی اس تحریر کو دیکھ چکی تھی لیکن اسوقت اپنے والدین کا یہ پروردہ حال سنکر اس سے ضبط نہ ہو سکا۔ ترنیز اکمال محبت سے اسکو تسلی دیے جاتی تھی۔

لیپولڈ۔ (باوری السلم سے) ”اس خط کا مضمون تم نے غور سے سنا ہوگا۔ صبح ہے نہ؟“

ہیڈی۔ ”جی ہاں ہر لفظ اس خط کا راستہ ہے۔“

لیپولڈ۔ حاضرین سے مخاطب ہو کر ”آپ سب گواہ رہیں کہ یہ شخص میری بی بی میرا کے



والدین کوٹ اور کونٹس ہونے کا اقرار کرتا ہی۔ اور نیز یہ کہ وہ بالفریڈ کے حکم سے بیگناہ مارے گئے (قیدی سے) الگ کنس! دیکھا خدا نے کس طرح اس راز کو افشا کیا؟ دنیا میں بہت سے بد اعمال لوگ ہیں۔ مگر یہ بدکاری جو تم سے وقوع میں آئی ایسی ہے کہ بہت کم اشتیاق اس طرح اپنے نامہ اعمال کو سیاہ کرنے پر آمادہ ہو سکیں گے۔ اب میں تم سے اسی قدر کہتا ہوں کہ اُن مظلوم بے گناہوں کے قتل کی مفصل کیفیت لکھ دو اسکے بعد شہنشاہ جرمنی بالفریڈ سے انتقام لینے کا بندوبست کر نیلیے۔

قیدی ”کل صبح تک میں کل احوال قلب بند کر کے حاضر خدمت کر سکتا ہوں۔“ لیپولڈ ”ہاں۔ اک اور قصہ کی نسبت سے کچھ پوچھنا ہی (ظفرین کی طرف اشارہ کر کے) تم اس امیر کو تو جانتے ہی ہو گے۔ انھیں مدت دراز تک راہب خانہ آپس میں قید کر رکھنے سے تمھاری کیا غرض تھی؟

قیدی ”پوپ سکندر ششم کے تحت نشین ہونے کے قبل ایک دن ایسٹرن شہر ونس کے ایک مکان میں اتفاقاً داخل ہوا جہاں قیصر بوجیا اور اسکی بہن لوکیزا بوجیا کے چہل پوشیدہ امور جو خفیہ طور پر انجام پاتے تھے اُسکو علانیہ نظر آ گئے۔ اگر اُن باتوں کی شہرت ہوتی تو خاندان بوجیا کے حق میں برا نتیجہ پیدا کرتی تھی۔ اُن دنوں وہ دونوں بھائی بہن اُن کارروائیوں میں سرگرم تھے جنکی وجہ سے سکندر ششم کو روما کا تخت نصیب ہوا۔ مخالفوں کا کام تمام کرنے کی غرض سے اُس جوبلی میں کئی قسم کے زہر تیار کیے جاتے تھے۔ چونکہ اُس زمانہ میں اُنکا ملازم تھا لہذا ظفرین کی حفاظت و نگہ رانی میرے ذمے چھوڑی گئی۔“

لیپولڈ ”تمھارے بیان سے ایسٹرن میں اور اُنکے دوستوں کا گمان بہت ٹھیک نکلا۔ (ظفرین سے) جو قاصد بالفریڈ کے قید کرنے کا حکم لارڈ روزنفل کے پاس لے جایگا اسی کے ہاتھ یہ حکم بھی روانہ کیا جائیگا لہذا ان بوجیا کو حد و جرمنی سے نکال دین۔ مجھے اس

بارے میں شہنشاہ جرنی کا ارادہ معلوم ہو گیا ہے۔  
 آٹو میری دانت میں لارڈ ورتل مشکل سے کونٹ انفریڈ پر غالب آ سکیں گے کیونکہ  
 مانفریڈ ایکس اول درجے کا بیباک شخص ہے۔ آخر دم تک رٹنے سے ہاتھ نہ اٹھائے گا۔  
 قیدی۔ (یعنی پادری انسلم) میں اسکو پکڑنے کی ایک آسان ترکیب بتائے  
 دیتا ہوں۔ میری اس حالت میں اس کے امور کی پردہ پوشی ممکن نہیں ایسی سبب بے رمات  
 و ہمدردی اسکی گرفتاری کا بندوبست کرتا ہوں۔“

لیپولڈ: ”بتاؤ کیس طرح؟ پادری بغیر کچھ جواب دیے میرے قریب گیا جہاں لکھنے کا  
 سامان مہیا تھا۔ ایک کاغذ پر یہ مضمون لکھا ہے۔“

”ہرمین!“  
 دو سبھتھے قسم پر سی اور کٹاری کی تو کونٹ مانفریڈ کو کسی طرح مہالترے کمرگ تک  
 آنے کی ترغیب دے کر اسکو حامل قرطاس کے حوالے کر دے۔ خرد ادا عدول حکمی ہونے  
 پائے۔  
 دستخط دو انسلم

انسلم۔ (کاغذ ڈوک لیپولڈ کے ہاتھ میں دیکر) ”حضور! یہ حکم کافی ہے یہ جسکے نام لکھا گیا ہے  
 وہ مہالترے کمرگ کا مالک ہے وہ ہرگز خلاف حکم نہ کرے گا۔ کیونکہ افسر عدالت دم کا حکم کسی  
 حالت میں عدول ہو نہیں سکتا۔“

آٹو: ”ہرمین مالک مہالترے کو میں بخوبی جانتا ہوں مگر آج تک معلوم نہ تھا کہ وہ انجمن دم کا  
 ایک رکن ہے۔“

انسلم: ”کیا تم خیال کرتے ہو کہ وہ لوگوں میں فخر کرتا پھرے؟ ہرگز نہیں۔ خیر مجھے اپنا قصہ  
 لکھنے کے لیے جو حکم ہوا ہے وہ بہت طویل ہونے سے کہنے میں زیادہ عرصہ ہوگا۔ ایسے  
 جلد شروع کرنا چاہتا ہوں۔“

ڈوک لیپولڈ نے قیدی کو لیجانے کے لیے داروغہ جیل کو اشارہ کیا اسنے فوراً  
 تعیل کی۔ دوسرے دن صبح کو وہی اشخاص پھر اسی جافراہم ہوئے۔ انسلم نے اپنے

تمام حالات قلمبند کر کے ڈیوک پھولڈ کے آگے پیش کیے وہ ناہنجار دفتر جرائم مرقومۃ الذیل  
باب میں مندرج ہے۔

## باب ”۷۶“

### پادری النسلیم کا قصہ

” چھبیس سال کا طولانی زمانہ گذرا کہ میری نسبت عدالت عالیہ دیانا سے سولی  
دیے جانے کا حکم صادر ہوا۔ میرے اس جرم کی تفصیل جو گوارے خانے کی محافظت  
کے متعلق سرزد ہوا تھا بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ اور یہ بھی شائد غیر ضروری ہوگا  
کہ سولی دیے جانے کا مشرح قصہ کہ سناؤں۔ بہر حال پانچ آدمی اس صبح کو لٹکائے  
گئے۔ دو مرد تین عورتیں۔ مگر بھالسی کا صدمہ سب کے لیے باعث مرگ نہ ٹھہرا۔ چند  
ساعت بعد مجھے اس طرح معلوم ہونے لگا کہ گویا ایک وحشت انگیز خواب سے بیدار ہوا ہوں  
آنکھوں میں روشنی اور رنگوں میں جنبش پیدا ہونے لگی۔ اور بتدریج ہوش و حواس درست  
ہوتے گئے۔ جیسے کسی مصنوعی تیلے میں جادو کی تاثیر سے جان آتی جاتی ہو۔ مگر سر  
پر ہر عضو میں جقد رکوفت اور اضمحلال تھا اسکا بیان ہی نہیں کر سکتا۔ مجھے ایسے الفاظ  
نہیں یاد ہیں جنکے ذریعہ اس تکلیف کا حال ظاہر کر دینا ممکن بھی ہو ناک خیالات  
سمانے لگے۔ میں نے بمشکل سر ہلایا۔ سیدھے جانب پنج پر کیسی لاش پڑی دیکھی  
وحشت سے مجھ پھیر کر بائیں طرف نگاہ کی تو وہاں بھی اسی طرح ایک اور لاش پڑی تھی  
اور جب میں نے اپنی حالت پر غور کیا تو معلوم ہوا کہ میں خود بھی وہی  
ہوں جس طرح کی ان دو مردوں کے لیے مقرر کی گئی ہے۔ اور یہ کہ میں اگلے بیٹھنے والی  
طاقت آئی۔ اسوقت سر حکم کھارہا تھا۔ اور آنکھوں میں آنسو کی چھالی ہوئی تھی۔ اور  
سانے والی ہر چیز مجھے بترتی ہوئی نظر آتی تھی۔ تاہم حیرت انگیز دہان پڑی ہوئی پہچانی

گئیں۔ مین آنکھیں بند کیے پھر لیٹ رہا۔ غصے تک میرا دماغ اس قابل نہ رہا کہ اپنی اصلی حالت کا ٹھیک اندازہ کر سکوں اسی طرح ایک باڈیٹر گھنٹہ گزر گیا۔ اُس کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ مین اُس کمرے میں ہوں جہاں ڈاکٹر مردون کو چیرا کرتے ہیں۔ ایک ساعت اور گزری جس میں مجھے اس قدر طاقت آئی کہ اٹھ کھڑا ہوں۔ طاقت کے ساتھ ہی جرات و دلیری بھی آنے لگی۔ مین نے وہاں سے نکلنے کی تدبیر سوچنا شروع کی۔ چھوٹے درجوں میں مضبوط لوہے کی سلاخیں لگی تھیں۔ مگر دروازہ چندان مستحکم نہ تھا۔ اور غور کرنے سے پایا گیا کہ وہ بے پروائی سے بند کیا گیا ہے۔ غرض تھوڑی سی حرکت سے وہ کھل گیا مین وہاں سے باہر نکلا تو ایک دوسرے کمرے میں داخل ہوا۔ وہاں دیوار سے ایک کوٹ لٹکا ہوا نظر آیا۔ اور قریب جا کر دیکھنے سے معلوم ہوا کہ وہ کسی ٹاکٹر کا لباس ہے۔ اب غروب آفتاب کا وقت قریب آ پہنچا۔

دفعۃً مجھے جب یہ بات یاد آگئی کہ مردون کو بعد غروب چیرنے ہیں تو نہایت ہی بدگھا دپریشان ہو گیا۔ اور کسی طرح جلد نکل بھاگنا چاہا۔ اُس وقت میری نگاہ ایک میز پر پڑی جس پر مردون کو چیرنے کے تمام آلات موجود تھے۔ خبر۔ مین ڈاکٹر کا کوٹ پہن کے آفتان و خیزان پیچھے اسے دروازے سے باہر نکلا۔ خوش نصیبی سے وہاں کوئی پرے والا نہ تھا۔ شہر نیاہ دیا نا کے باہر ہونے کے بعد دل میں اس درجہ خوشی پیدا ہوئی کہ مین جیسے مین پھولا نہ سمایا سگر تھوڑی ہی دیر میں بھوک پیاس کا غلبہ ہوا جس کے سبب مین بالکل ہی بیتاب ہو گیا۔ غضب تو یہ کہ اُس وقت میرے پاس ایک جیب بھی نہ تھا۔ آخر مین نے یہ ارادہ کر لیا کہ کوٹ فروخت کر کے اُن پیسوں سے غذا مول لوں۔ اور انھیں کپڑوں پر اکتفا کر دوں جو قید خانہ میں مجھے ملے تھے۔ اسی بخیر میں مین ایک درخت کے نیچے بیٹھ گیا۔ اب مین دیا نا سے دو کوس کے فاصلہ پر تھا۔ اور میرے قریب ایک چھوٹا سا گائون بھی تھا۔ رات تو اسی درخت کے سایہ میں

کالی سویرے اٹھ کر بیچنے کی نیت سے کوٹ آتا تو اُسکی جیب پر ہاتھ پڑا۔ جیب میں چند اشرفیاں تھیں۔ اس غیبی امداد سے میں بہت ہی خوش ہوا۔ جھٹ سے کوٹ پہن کر گاؤں میں جا پہونچا۔ اور وہاں کچھ کھانا لیکر کھایا سگر دل میں اس امر کی تشویش تھی کہ میں آئندہ کس طریق سے اپنی زندگی بسر کروں۔ آخر کار مجھے مالفریڈ کا خیال آیا۔ اسوقت تک اُسکا باپ زندہ تھا۔ مالفریڈ کسی زمانہ میں اُسی فوج کا ایک افسر تھا جسکا میں بھی ایک ادنیٰ سپاہی تھا۔ ایک دن مالفریڈ نے مجھے قریب بلا کر ایک پیالہ شراب سے بھرا ہوا دیا۔ میں نے نہایت شکریہ کے ساتھ اُسکا عطیہ قبول کیا۔ اور ایک رئیس زادہ کے اس درجہ خلق و مروت سے پیش آنے کے سبب سے میں کچھ متوجہ ہو گیا۔ مالفریڈ بولا۔ تم ہرگز یہ خیال نہ کرو کہ میں تم سے اعلیٰ درجہ رکھتا ہوں۔ میرے باپ کی تمام ملک اور عمدہ میرے بڑے بھائی کا حصہ ہے۔ مجھے ہر حال میں اُسکا دست نگر اور محتاج رہنا ہو گا۔ افسوس! کاش میں پہلے پیدا ہوا ہوتا! مالفریڈ کی اس پروردہ تقریر نے میرے دل کو موثر بنا دیا۔ اور میں اُسکے دلی خیالات کو پا گیا۔

اسی قدر باتیں ہوئی تھیں۔ پھر کبھی اس بارے میں گفت و شنید کا اتعلق نہ ہوا۔ نہ اُس نے کچھ کہا۔ اور نہ میں نے زبان کھولی۔ خیر۔ وہ فوج جیب میں دو لون تھے مالفریڈ ہی ہونے کے سبب خارج دفتر کر دی گئی۔ مالفریڈ اپنے باپ کے پاس چلا گیا۔ اور میری تبدیلی شاہی فوج میں ہو گئی۔ پھر اسوقت سے مالفریڈ کی کچھ نیک و بد خبر معلوم نہ ہوئی۔ لیکن جب میں اس حالت کو پہونچا تو اُسکا خیال آ گیا۔ اور میں نے اُسے قلعہ لنس ڈارٹ کا سفر اختیار کیا گو کہ منزل مقصود بہت دور و دامن ہونے کے سبب بہت سی تکالیف اٹھانا پڑیں مگر میں بہت نہ مار کر بہت جلد قلعہ مذکور میں پہونچ گیا۔ جو مالفریڈ کے باپ کا مسکن تھا۔ وہاں پہونچ کر دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ قلعہ میں مالفریڈ کا باپ اور اُسکا بڑا بھائی رہتے ہیں۔ مالفریڈ کو ان دو لون سے صفائی ہونے کے سبب



پانچ چھ کوس فاصلہ پر جدا سکونت پذیر ہے۔ ناچار میں وہاں سے ٹھکڑو معوضہ ہٹا کر  
 مانفریڈ کے گھر پر گیا۔ وہ مجھے دیکھتے ہی گھبرا اٹھا کیونکہ پورے حالات سے واقف  
 تھا۔ تیز چنچتی آواز میں پوچھا "تھارا نام الگ کنس ہے نہ؟" میں نے سنا تھا کہ تھیں سولی دی گئی  
 مجھے اپنا پورا قصہ بیان کرنا پڑا۔ جسکو سکرودہ کمال متحیر ہو گیا۔

مانفریڈ "تم مجھے کس بات کے طالب ہو؟"

میں نے کہا۔ "آپ کا ملازم بننا چاہتا ہوں۔"

مانفریڈ "میرے پاس کوئی ایسا کام نہیں جس پر تھیں مامور کروں میں خود غریب ہوں۔  
 آبا جان سے نا اتفاقی ہونے کے سبب سے ایک قلیل رقم مجھے دینے ہیں۔ جو  
 ادوات بسر کے لیے شکل سے کفایت کرتی ہے۔"

میں نے جواب دیا۔ "آپ کے غریب ہونے ہی کے سبب سے ضرور ہو اگر تو لگری حاصل  
 کرنے کے متعلق سعی کریں۔ اگر آپ قوی ہمت ہو کر کچھ کارروائی شروع کیجیے تو میں عمدہ  
 طور پر اس میں تائید کروں گا۔" آخر اُس نے مجھے نوکر رکھ لیا۔ چونکہ قدیم نام میرے لیے باعث  
 مصیبت تھا۔ اس سبب سے اپنا نام زبٹر مقرر کیا۔ میرے داخل ہونے کے پہلے ہیوگو  
 نام ایک شخص اس کا ملازم تھا۔ گراؤ نے بھی اپنا قدیم نام بدل کر فیروز رکھ لیا۔ یہ شخص مانفریڈ کا  
 دلی خیر خواہ اور اول درجے کا سعادہن تو تھا۔ گراؤ اس کی اسے عمدہ اور تدبیر صائب نہ تھی۔  
 میں اور مانفریڈ اپنا محرم راز بنانے کی غرض سے اس کو تعلیم دینے لگے۔ آخر وہ بھی سنبھل گیا  
 ہمارا اصلی مدعا یہی تھا کہ مانفریڈ کے بڑے بھائی سگسمنڈ کو گسپرچ نذر اہل کر کے اس کو  
 باپ کا قائم مقام بنائیں۔ مانفریڈ کو اپنے بھائی کے قتل میں سرموتا مل نہ تھا۔ لیکن  
 باپ کے عین حیات ایسی بڑی جرات کرنے سے ڈرتا تھا۔ اس کا باپ اس کے بڑے  
 چال چلن اور بدبختی سے استعد و واقف تھا کہ اگر اس کا بڑا بیٹا کسی ناگہانی صدمے  
 سے مر جاتا بھی تو اس کا باعث مانفریڈ ہی کو ٹھہرتا۔ کیونکہ اسی کو سگسمنڈ کی موت سے فائدہ



پہونچنے والا تھا۔ اسی تردد و شش و پنج میں زمانہ گزر گیا۔ اور کوئی کام نہ ہوا۔ مالفریڈ  
 کو رنج و بزرگی حاصل کرنے کی تمنا بھی تھی۔ اور ساتھ ہی خوف بھی تھا کہ سیاحا میرے  
 فریب کا حال آشکار ہو جائے۔ اسی طرح دو سال گزرے آخر سگسمنڈ نے بہت کچھ  
 کہ سکر اور بجا جت کر کے باپ کو مالفریڈ کے ساتھ پدرانہ مراسم بحال کرنے پر راضی کر لیا۔  
 جسکے بعد باپ کے حسب احکم المفریڈ قلعہ نس ڈارٹ میں رہنے لگا۔ بین اور ہیوگو بھی وہیں جم گئے  
 گوکہ بڑے نے کونٹ مالفریڈ کا قلعہ میں رہنا گوارا کیا مگر اسکے بتاؤ سے صاف ظاہر تھا کہ  
 صرف بڑے بیٹے کی خاطر سے وہ مجبور ہو گیا۔ ورنہ کبھی پاس پھٹکنے نہ جاتا۔  
 کے ساتھ اُس محبت و اخلاص سے پیش نہیں آتا تھا۔ جس طرح باپ کو بیٹے کے ساتھ ہونی پاتا  
 برخلاف اُسکے سگسمنڈ کو اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتا تھا۔ فی الحقیقت سگسمنڈ بھی  
 اسی قدر سچا اور لائق بیٹا تھا جس قدر مالفریڈ نا لائق اور بدکار تھا۔ غرض باپ کی سردہری  
 اور اسکی نظروں میں بھائی کی وقعت و محبت دیکھ دیکھ کر مالفریڈ تاب نہ لاسکا۔ اور پورے  
 طور پر عازم ہو گیا کہ کسی طرح آپ بزرگی حاصل کرے۔ اور سب سے پہلے یہ تجویز سوچی  
 کہ باپ اور بھائی دونوں کا کام ایک ساتھ تمام کر دے آخر ایک ایسا زہر طیار کیا  
 جسکا اثر بدیہ طور میں آئے۔ اور شب کو کھانا کھاتے ہوئے اُسکو بڑے کونٹ اور سگسمنڈ  
 کی شراب کے گلاسوں میں ملا دیا۔ جب پینے کی نوبت آئی تو بڑے نے دو ایک قطرے  
 چک کر پیالہ منہ سے جدا کیا۔ اور شراب کی بد مزگی بیان کی۔ سگسمنڈ نے بھی چکھا تو باپ کا  
 قول درست پایا۔ مالفریڈ کے چہرے پر ہوا یثان اڑنے لگیں۔ اس درجہ بدحواس ہو گیا  
 کہ منہ سے بات نکالنا مشکل ہو گئی۔ لیکن ماسبھلکا کہا کہ شراب کے ذائقہ کی نسبت آپ دونوں  
 کا اندازہ غلط ہے۔ میری شراب تو معمولی مزہ رکھتی ہے۔ اگر وہ چپکا ہو رہا تو شک کی گنجائش  
 نہ تھی۔ اسکی اسوقت کی حالت اور باتوں میں گھبراہٹ اور دوسری حرکات سے بڑے  
 کے دل میں شک پیدا ہوا کہ کچھ دال بن کالا کالا ضرور ہے۔ اسی دم باورچی خانہ کے داروغہ

بگو اگر دونوں شراب سے بھرے ہوئے پیالے دیے۔ اور صبح تک حفاظت کے  
 ساتھ رکھنے کی تاکید کر دی۔ شب بھر مانفریڈ کی عجیب حالت رہی۔ داروغہ کے پاس جا کر  
 خوشامد و معذرت کرنے لگا کہ اس شراب کو پھینک کر تازہ شراب بھر دو۔ مگر اُس نے ایک  
 نہ مانی۔ اور صبح کو پوری پوری کیفیت بڑھے کوٹھ سے بیان کر دی بڑھے کا لگان  
 ٹھیک نکلا۔ پھر بھی وٹن برگ سے ایک ڈاکٹر بلوایا گیا۔ اُس کا امتحان سے معلوم ہوا  
 کہ شراب نہ ہر لی ہوئی ہے، مانفریڈ کے حق میں یہ بات بالکل ہی بڑی ہوئی۔ باپ نے ہمیشہ کیلئے  
 اُسے عاق کر دیا۔ اور فوراً قلعہ سے نکلی جانے کا حکم دیا۔ مین اور ہوگو اپنے بے وقت  
 صاحب کے ہمراہ ہوئے۔ مانفریڈ کے قلعہ سے باہر نکلنے وقت سگسمنڈ باپ سے  
 جھپکرائے کہ رو برد آیا۔ اور کہا میں میرے عزیز بھائی امین نے دل سے تمہاری خطا  
 معاف کر دی۔ خدا سے التجا کرتا ہوں کہ وہ تمہیں نیک ہدایت عطا فرمائے۔ یہ لورڈ ایک  
 بھیلی اشرافیوں سے بھری ہوئی دیکر آوارہ وطنی میں تمہارے کام آئیگی۔ تم چاہے کہیں  
 رہو۔ مگر وقتاً فوقتاً کیفیت سے اطلاع دے جاؤ۔ میں تمہیں کبھی تنگدست نہ ہونے  
 دوں گا۔ یہ کہہ کر سگسمنڈ جلد جلد واپس ہو گیا۔ مانفریڈ اور مین اور ہوگو قلعہ سے باہر نکلے۔  
 مانفریڈ نے ہم دونوں سے مخاطب ہو کر کہا: میرے وفا شعار ملازم! میں سمجھتا ہوں کہ  
 آج جان کی زندگی تک میری کوئی تدبیر کارگر نہ ہوگی۔ ہاں بعد اُنکے البتہ کامیابی کی امید  
 ہو سکتی ہے۔ اب میرا ارادہ ہے کہ سیدھا دینا جا کر شاہی فوج میں داخل ہو جاؤں۔ اس سے  
 یہ فائدہ مسترب ہو گا کہ میرا بھائی مجھے گا کہ میں گناہوں سے تائب ہو کر دنیا میں ناموری  
 اور بزرگی پیدا کرنے کی کوشش میں سرگرم ہوں۔ تم دونوں اسی قرب و جوار میں رہو  
 اور جو جو حالات گذرتے رہیں بے کم و کاست مجھے اطلاع دیا کرو۔ مانفریڈ نے  
 دینا ناکی راہ لی۔ مین اور ہوگو وٹن برگ میں رہنے لگے۔ کبھی کبھی مین سگسمنڈ سے ملتا  
 تھا۔ اور ملاقات میں ہی کہتا تھا کہ مین مانفریڈ کے پاس رہتا ہوں۔ اور اب مین سے

چلا آتا ہوں۔ سگسمنڈ ہر ملاقات میں مجھے ایک پھیلی اشرفیوں کی دیتا تھا۔ اور ہم  
 اور ہیوگو اُسی سے گزارا کرتے تھے۔ مالفریڈ کو گئے ہوئے دو سال گزرے  
 تھے کہ سگسمنڈ نے لیڈی الڈگار ڈاؤس سے شادی کی۔ اُس شادی سے ایک سال  
 بعد بڈھا کونٹ انتقال کر گیا۔ اور لارڈ سگسمنڈ لنس ڈرافٹ کی وسیع جاگیرات و قلعہ کا  
 مالک و مختار ہوا۔ مالفریڈ کو اس امر کی اطلاع دینے کے لیے ہیوگو ویانا گیا۔ وہ سنکر  
 پوشیدہ طور پر اُس کے ساتھ آ گیا۔ مجھے یہ بتادینا ضرور ہے کہ مالفریڈ ویانا میں رہنے  
 کے عالم میں انجمن دُم کا ایک رکن مقرر ہوا۔ اور بہت جلد اعلیٰ عہدہ بھی پا گیا۔ غرض کہ  
 جب ڈن برگ من آیا تو مجھے اور ہیوگو کو اُس انجمن میں شریک کر دیا۔ انجمن کی کونسل  
 نے مالفریڈ کو ضلع ڈن برگ کی انفری عطائی۔ ہیوگو اور میں شہر میں رہے مالفریڈ  
 اپنے بھائی کے پاس قلعہ میں گیا۔ سگسمنڈ کی بی بی الڈگار ڈاؤس اُسی وقت وضع حمل  
 ہوا تھا وہ زچہ خانہ میں تھی۔ سگسمنڈ نے بھائی کو نہایت خلق و محبت کے ساتھ لیا  
 اُس کے رہنے کے لیے قلعہ ہی میں جگہ مقرر کر دی رفتہ رفتہ اُس نے مالفریڈ کو کچھ جائداد  
 بھی دی تاکہ اُسکی آمدنی سے وہ اپنی گزاراوقات کر سکے۔ چند روز گزرے بی بی  
 کا مزاج علیل ہونے کے سبب سگسمنڈ کمین باہر آتا جاتا نہ تھا۔ جب اُسے  
 پوری صحت حاصل ہوئی تو یہ اپنے معمولی سیر و شکار میں مشغول ہوا۔ میں اور  
 ہیوگو مالفریڈ سے ملا کرتے تھے۔ اور وہ ہمیں تدبیریں بتاتا تھا۔ اُسکا حکم یہی  
 تھا کہ ہم دونوں کوئی قابو پا کر سگسمنڈ کو قتل کر دیں۔ حاصل کلام ایک روز میں مالفریڈ  
 کے اشارے کے بموجب شہر سے دو چار کوس فاصلہ پر ایک جھاڑی میں چھپا ہوا بیٹھا  
 تھا۔ دور سے ایک سوار دکھائی دیا جب وہ قریب آیا تو میں نے پہچانا کہ سگسمنڈ ہی۔  
 اُسکا گھوڑا کسی صدمہ کی وجہ سے لنگڑا ہو گیا تھا۔ جسکے سبب وہ اپنے ہمراہیوں سے  
 دور پڑ گیا۔ میں جس جگہ دبکا ہوا چب چاپ بیٹھا تھا اُسکے قریب ایک ٹیکری تھی سگسمنڈ

اسپر چڑھنے کے ہو گئے لگا لگا کر اس آواز سے بھی کوئی بہن آیا تو وہ بالواسطہ ہو کر  
 اتر اور سیرے قریب سے گزرنا شروع کیا میں نے دفعۃً شیر کی طرح جھاڑی سے بھٹک کر  
 اسپر حملہ کیا۔ اور شیر اُس کے سینے میں بھونک دی۔ سگسمنڈ آہ سرد کھینچ کر زمین پر گر ا۔  
 مانفریڈ کا نام اُسکی زبان پر آیا۔ اور مجھے خوف اور نفرت کی نگاہوں سے دیکھنے لگا۔  
 وہ مجھے بخوبی پہچانتا تھا۔ اُسے مرتے دم افین ہو گیا کہ مانفریڈ ہی کی تحریک سے میں نے  
 اُسکی جان لی ہی۔

غرض تھوڑی دیر میں اُسکا دم بھل گیا میں رشی اور کٹار مردے کے بازو پر کھڑک  
 نوراد بان سے بھاگ آیا۔ سگسمنڈ کے ہمراہی واپس آتے ہوئے اپنے آقا کی لاش کو  
 راہ میں پڑی دیکھ کر روتے پڑے قلعہ ٹارف میں لے آئے۔ میت گھر میں آنے کے بعد سگسمنڈ  
 کی پیاری بیوی کا غم و الم سے جو حال ہوا اُسکے بیان کرنے کی مجھ میں طاقت نہیں  
 مینے سنا کہ وہ بہت دیر تک بیہوش رہی۔ اور جب ہوش آیا تو مجنوں کی سی باتیں کرنے لگی  
 خیر۔ اُسکو ایک حجرے میں بند کر کے ونفریڈ نام ایک بڑھیا اُسکے ساتھ رکھی گئی۔

یہ بوڑھیا چند سال سے قلعہ ٹارف میں خادمہ کی خدمت پر مامور تھی۔ وہ  
 مانفریڈ کی رازدار بھی تھی۔ لارڈ سگسمنڈ کے انتقال سے چند روز بعد میں اور ہیوگو  
 قلعہ ہی میں آکر رہنے لگے۔ لیڈی الدگارڈا کا کوئی سرپرست و ہمدرد باقی نہ رہا۔ مانفریڈ  
 نے اُسکی لڑکی کی پرورش اپنے ذمے لی۔ اور آپ قلعہ کا مالک بن بیٹھا۔ بھائی کے  
 خیر خواہ نوکر دن کو مزدور کر کے سب خدمتیں انجمنِ موم کے لوگوں کو دین۔ ایک  
 رات لیڈی الدگارڈا سے بچی کو جدا کر کے صرف اُسی کو قید خانہ میں لیجانے کا حکم دیا  
 اور ادھر ہیوگو کو اشارہ کر دیا کہ بچی کو مار ڈالے۔ مگر اُسنے اس ظالمانہ حکم کی تعمیل  
 نہ کی۔ بلکہ چننا اپنے قریب دارون کے حوالے کیا جو وہیں کہیں قریب میں رہتے تھے  
 یہ بات ہیوگو نے مجھ سے اسوقت کہی جب ہم دونوں مانفریڈ کی ملازمت سے

دست بردار ہو چکے تھے۔ لیڈی الڈگار ڈاں ایسی جگہ مقید کی گئی جہاں سے اُسکو باہر کے حالات کچھ معلوم نہیں ہو سکتے تھے۔ مانفریڈ نے مشہور کیا کہ سگسمنڈ کی بی بی الڈگار ڈاں شوہر کے غم میں لڑکی کو مار کے خود بھی ہلاک ہو گئی۔ ایک دن قلعہ نس ڈارف سے تین جنازے نکالے گئے۔ ایک مین ٹولارڈ سگسمنڈ کی لاش تھی۔ اور دوسرے اور تیسرے جنازے مین کچھ تھرا اور کپڑے اس انداز سے ڈالے گئے تھے کہ جس سے آدمی کا وزن برابر معلوم ہوتا تھا۔

الغرض جب مانفریڈ کو سب طرف سے تشفی حاصل ہوئی تو کونٹ کا خطاب اختیار کر لیا۔ کیونکہ اُسکے سوا خاندان میں کوئی اور وارث نہ تھا۔

لیڈی الڈگار ڈاں نہایت درجہ میں تھی۔ اُسکے حسن و جمال اور ناز و اداکو دیکھ کر مانفریڈ کو اپنا دل قابو میں رکھنا دشوار ہوتا تھا۔ اسکے خیالات ہمیشہ بدی سے بھرے ہوئے تھے۔ اور اسی سبب سے باپ نے بھی مردود کر رکھا تھا۔ جب لیڈی پورے طور پر اُسکے قبضہ قدرت میں ہو گئی مانفریڈ نے اپنا جال پھیلانا چاہا۔ لیکن اُس ماہ جین۔ سے اس قدر شرمندگی تھی کہ روبرو جانا اور آنکھیں چار کرنا بھی اُس سے نہ ہو سکتا تھا۔ تجویز و تردیدی میں چند ہفتے گزر گئے۔ ان ایام میں ہوگو کو جو اس جفا کشیدہ مظلوم لیڈی کی فطرت کے لیے مقرر کیا گیا تھا اُسکی حالت زار پر ترس آ گیا۔ الڈگار ڈاں اک دن رور کو اُس کے کہنے لگی کہ اگر میں اور چند سی طرح قید میں رہوں تو یقین ہے کہ جنون ہو جائے گا۔ میں تم سے بجا ت کر رہی ہوں خدا کے لیے مجھے کھینے کا اسباب ہی لا دو تاکہ اس شغل میں کچھ عرصہ گزار دوں۔ ہوگو نے مجھے مخفی طور سے کاغذ قلم وغیرہ لادیا اور ساتھ ہی تاکید بھی کر دی کہ۔ مانفریڈ کو ہرگز اطلاع نہ دینے پائے کہ یہ چیزیں میں نے فراہم کر دی ہیں۔ کیونکہ ہوگو مانفریڈ کے غضب سے بہت ڈرتا تھا۔ اور لیڈی سے یہ بات بھی کہی کہ میں جس وقت آپ کے لیے کھانا لے آتا ہوں مانفریڈ دروازے کے



پاس آکھڑا ہوتا ہی تاہماری باہمی گفتگو سے۔ "ہیوگو سے مانفریڈ نے کہہ دیا تھا کہ لڑکی  
 کے قتل کا حال الڈگارڈا سے ہرگز بیان نہ کر وبلکہ اسکو امید دلاؤ کہ اگر تم اپنے  
 دل کو تسکین دو گی۔ اور موجودہ حالت پر صبر کر کے خوش و خرم رہو گی تو لڑکی کے  
 واپس ملنے کی امید ہے۔ بعض مرتبہ مانفریڈ مجھے بھی بھیجا کرتا تھا کہ دروازے کے  
 پاس کھڑا ہو کر ہیوگو اور الڈگارڈا کی تقریر سنو۔ اسیلے کہ کبھی کبھی مانفریڈ اپنے وفادار  
 خدمتگار دن سے بھی بدگمان ہو جاتا تھا۔ غرض دو مہینے تک مانفریڈ اس  
 ستم رسیدہ لیڈی کو منہ دکھانے کی جرأت نہ کر سکا۔ آخر ایک دن جی مضبوط کر کے  
 قید خانے میں گیا۔ مجھے یہ نین معلوم کہ ان دونوں میں کس طرح گفتگو ہوئی۔  
 ہاں اتنا البتہ معلوم ہوا کہ تھوڑی سی دیر میں مانفریڈ جین جبین غضبناک حالت میں  
 وہاں سے واپس آیا۔ اور اپنے غصہ و غضب کو مجھ پر اور دیگر ملازمین پر نکالنے لگا  
 دو تین دن کے وقفہ کے بعد پھر وہ الڈگارڈا کے پاس گیا۔ اور واپس آ کے مجھے  
 کہا: "اُسکا دل میری جانب سے کبھی صاف ہوتا نظر نہیں آتا وہ برابر مجھ پر ملامت  
 کیے جاتی ہے۔ اور مجھے میل جول رکھنا موجب عار سمجھتی ہے۔ میں سوچنے اور غور  
 کرنے کے لیے تین دن کی ہمت دے آیا ہوں۔ اس عرصہ میں اگر وہ مان جائے  
 تو چشم مار وشن دل ماشاد۔ وگرنہ اُسکو موت کا مزا چکھنا ضرور ہے" تیسرا دن آیا۔  
 ہیوگو دفعۃً بیمار ہونے کے سبب میں لیڈی الڈگارڈا کا محاسن مقرر کیا گیا۔  
 قریب شام مانفریڈ زندان میں پہنچا۔ اور پورا ایک گھنٹہ بھر اُس لیڈی سے گفتگو  
 کرتا رہا۔ جب واپس آیا تو اُس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا تھا۔ اور سرتاپا کانپ رہا تھا۔ مجھے  
 بلا کے کہا۔ "ہج اسکا قصہ تمام کیے دیتا ہوں" رات کی وقت میرے پاس ایک کالے رنگ کا  
 کوئی سفوف دیا کہ اُسکی غذا میں ملا دوں میں نے اُس علم کی تعمیل کی میں دوسرے دن صبح کو حسب عادت  
 قید خانہ میں گیا تو اُسکو مردہ پایا میں نے اور مانفریڈ نے ملکر اُسکو اُسی قید خانہ کے



ایک کونے میں دفن کر دیا۔ اور کمرے کے کواڑ بند کر کے واپس چلے آئے۔ مالفریڈ کا بیان ہی کہ اس وقت سے قیصر کے قید کرنے تک پھر کبھی اُس کمرے کے کھولنے کا اتفاق نہوا جب حال میں مالفریڈ اور میں قیصر کی قید کا اہتمام کرنے کی غرض سے اُس کمرے میں گئے دروازہ بسبب کنگلی کے گرا جاتا تھا لیڈی الڈگار ڈاکی آخری غذا کا پس ماندہ سوکھ کر میز پر جم گیا تھا۔ چھری کا نیٹے پیچھے وغیرہ زنگ سے سیام ہو گئے تھے۔ اور ہر چیز پر کراہیوں کے بیشمار جالے تھے۔ حاصل کلام جب مالفریڈ ہر طرف سے پورے طور پر مطمئن ہو گیا تو عدالت و م کا سردار مقرر ہوا اس حکومت نے اُس کے رہنے کو اور ترقی دی۔ وہ بڑا ظالم اور بد معاش ہو نکلا۔ جسے کہ مجھے اور ہوگو بھی تصدیق و تکلیف دینے لگا۔ ہم تنگ آ کر اُسکی نوکری سے دست بردار ہو گئے۔ اور لیڈی الڈگار ڈاکی کے مرنے کے چند دن بعد قلعہ کوٹ مالفریڈ سے نکل گئے یہ ماجرا جسکو میں نے ابھی بیان کیا گذر کر اکیس سال کا زمانہ ہوا۔ اس وقت سے اب تک زمانہ کی نیرنگیوں کی بدولت مجھے کئی مصیبتیں اٹھانا پڑیں جنکی تفصیل بیان کر کے میں آپ کے قیمتی وقت کو رایگان کرنا نہیں چاہتا۔ اب صرف ایک بات کہنا باقی ہے۔ یعنی میں کیونکر واقف ہوا کہ ڈچس میرا لیڈی الڈگار ڈاکی صاحبزادی ہیں۔

اس سال کے اوائل میں میں روم میں تھا۔ وہاں اتفاقاً شرین نام ایک شخص سے ملاقات ہوئی۔ اور شرین دغا باز و ایسٹن کا جسے ظن میں کا بھیس بدل کر عرصے تک دیا نامین امیری کی تھی بڑا دوست تھا۔ اثنائے گفتگو میں شرین نے کئی باتیں ڈچس ہیرا کی نسبت مجھ سے لہجہ ہنسکو میرا کا حال و ایسٹن سے معلوم ہوا تھا جسکی بی بی ایڈا میں اور میرا میں حقیقی بہنوں کے سے روابط تھے۔ شرین نے بیان کیا کہ: ڈچس ہیرا کسی غریب کی لوطی تھی۔ اُسکو لارڈ ورنٹل کی بی بی نے اُسکی کم عمری میں یتیم داسیر

اہو جانے پر ترس کما کے اپنی پردوش میں لپا۔ اور وہیں (قلعہ رزز نٹل میں) وہ عالم شباب تک پہنچی، شرمین کے اس فقرے سے میں بہت متعجب ہو گیا کہ جس میر یا کے والدین ہوگو کے قرابت دار تھے۔ ہوگو نے مجھے پیشتر ہی کہہ دیا تھا کہ لیڈی الڈگار کی پیاری بیٹی کو مانفریڈ کے حکم کے بموجب قتل کر دینے کے عوض اپنے ایک قرابت دار کے حوالے کر آیا ہوں۔ اور میں یہ بھی جانتا تھا کہ وہ لوگ یعنی ہوگو کے اقربا اپنی کوئی خاص اولاد نہ رکھتے تھے۔ اس سے مجھے یقین ہو گیا کہ وہ بچہ جسکی پردوش قلعہ رزز نٹل میں ہوئی لیڈی الڈگار ڈاکی بیٹی کے سوا کوئی اور نہ تھا۔ تاہم میں مزید اطمینان کے لیے اسی کی تلاش میں رہا۔ اسکی عمر جب دریافت کی تو معلوم ہوا کہ اس لڑکی کی عمر بھی اگر زندہ رہتی تو اسی قدر ہوتی۔ اس تحقیقات سے مجھے مالی فائدہ کی امید بندھی۔ ایسے میں چند مہینے آگے بھیس بد لکر دیا نا پہنچا۔ پہنچنے کے دوسرے یا تیسرے دن جس پر کو اپنے شوہر کا ہاتھ کپڑے ہونے محل سے نکلے دیکھا صرف ایک ہی نظر کافی تھی لیڈی الڈگار ڈاکی بیٹی میر یا میں سرسولقاوت نہ پایا۔

## باب

### فوسٹ اور پادری اسلم

رات کا وقت ہی۔ پادری اسلم قید خانے میں دلگیر و پریشان بیٹھا ہی۔ چھت سے نکلی ہوئی قندیل کی دہی روشنی اس مختصر بلاخیز مقام کے چاروں جانب پڑ رہی ہے۔ باوجود پریشانی کے پادری کی صورت سے کبھی کبھی مسرت کے آثار نمایاں ہو جاتے ہیں۔ وہ دل ہی دل میں کہہ رہا ہے۔ میں لے مانفریڈ سے تو انتقام لے لیا مجھے اسنے جس قدر رنج دیا ہے اب خود اس سے زیادہ بھگتے گا۔ ہاں فوسٹ یہاں اب تک کیوں نہ آیا ہوگا؟ کہیں قید خانہ کے داروغہ نے میرا پیام ہی اس تک نہ پہنچایا ہو!۔

کسی کی آہٹ سنائی دی۔ قیدی اور متوجہ ہوا اور مارہ کھلا۔ اور فوسٹ اندر آیا۔  
فوسٹ۔ (السلام سے) ”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ مجھے اس قدر اصرار سے بیان لانے  
میں متھارا دیا کیا ہے؟“

السلام۔ ”مضور! میں ایک ضروری امر آپ سے عرض کرنا چاہتا ہوں۔ (ادھر ادھر  
دیکھ کر کہیں داروغہ زندان نہ سن لے۔) (نزدیک جا کر) میں اس قید سے رہا ہونا چاہتا  
ہوں۔ اور میری رہائی آپ کی قدرت میں ہے۔“

فوسٹ۔ (چند قدم پیچھے ہٹ کر) ”لاحول ولا قوۃ۔ آخر اس بیودہ گفتگو سے مطلب؟“  
السلام۔ اپنے مجھے لاڑو آرسنوا در اُس کے ہمراہیوں کے رد و بدنام دبے عزت کیا۔  
اور کس لیے؟ صرف اس مرد و شخص قیصر اور حیا کو بچانے کی غرض سے۔ اگر میں  
چاہوں تو اسی دم آپ سے پورے طور پر انتقام لے سکتا ہوں لیکن پھر خیال  
آتا ہے کہ حقہ رسولت و نرمی سے کام نکلتا ہے۔ اس قدر درشتی و سختی سے نہیں نکلتا بلکہ  
میں التماس کرتا ہوں کہ آپ مجھے اس قید الم سے رہا کر دیجئے۔ یہ امر آپ کے لیے  
کوئی دشوار کام نہیں ہے۔ کیونکہ آپ آج کل دربار شاہی میں ممتاز سمجھے جاتے ہیں۔ اور  
وقت کی نگاہوں سے دیکھے جا رہے ہیں۔“

فوسٹ۔ (غضبناک ہو کر) ”تو ایک ناسعقول بات کا مجھے طالب ہے تجھو ایسے  
خونی ظالم بے ایمان شخص کی تائید کرنا مجھے ہرگز گوارا نہ ہو گا۔“  
السلام۔ ”میں اگر خونی ہونے کے سبب مرد و مٹھرایا گیا ہوں تو آپ کا دامن کب ان  
جرمون سے پاک ہے؟ کیا آپ نے اپنی معشوقہ ایڈا کو اس بچے کے مار ڈالنے کا اشارہ  
نہ کیا جو آپ ہی کے لطف سے پیدا ہوا تھا؟“

فوسٹ۔ ”ایسے وہی بنا ہی تھے بیان کر کے مجھے اپنا ہمدرد بنانا چاہتا ہے۔“  
السلام۔ ”یہ وہی بات بائیں نہیں ہیں! وہ کاغذ حسین آپ نے اُس بچے کے باپ

ہونے کا اقرار کیا ہی۔ اور نیز وہ خطوط جنہیں اس بچے کے قتل کی تجویزین آپ اور ایڈامین  
ہومین سب میرے پاس موجود ہیں۔ آپکا دل اندر سے گواہی دے رہا ہو گا کہ یہ جو کچھ  
کتا ہی حرفِ بجرن صحیح ہی ہے، ہاں ہٹ دھرمی سے یا حکومت و عظمت کے غرے میں نہ لائے  
تو یہ اور بات ہے۔ مگر اتنا یقین رکھیے کہ میں مخالفت پر آؤں تو دوسری باتوں میں اس قدر  
انقلاب پیدا کر دوں گا کہ آپ امانت کی بندی سے گر کر اسی قید میں پڑ جائیں گے۔  
فوسٹ حقارت سے ہنسنے لگا۔

السلیم۔ د فوسٹ کی ہنسی کی غایت نہ سمجھ کر آپ کو ابھی یقین نہیں آیا؟ دیکھیے یہ کاغذات  
مجھے ایڈا کے شوہر دالسیٹن کی معرفت ملے ہیں۔ (السلیم نے جیب سے کاغذ دن کا  
ایک بستہ نکال کر دکھایا)

فوسٹ یہ شاید تو یہ سمجھتا ہو کہ ان کاغذ دن کے افشائے راز کے خوف سے میں تیرا  
دستِ طبع ہو رہا ہوں گا۔ اگر واقعی تیرا ہی گمان ہو تو سر اسر غلط ہی۔ کیونکہ میں ان نوشتوں کو  
آسانی کے ساتھ تیرے ہاتھ سے چھین سکتا ہوں۔

السلیم۔ معاف کیجیے۔ میں کوئی بہ نہیں ہوں کہ ان دہکیوں سے ڈر کر ان کاغذات کو  
آپ کے حوالے کر دوں۔ مجھے معلوم ہے کہ آپ کو چند پوشیدہ اختیارات ضرور حاصل  
ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو کیونکر آپ لاڈ آرسنو کے روبرو مجھے پھانسی دی جانے  
اور میرے اسپتال سے اٹھ بھاگنے کا مفصل حال بیان کرتے؟ حالانکہ اس وقت  
ان واقعات کو گذرے ستائیس برس کا زمانہ گزر چکا تھا۔ خیر اب میں چاہتا ہوں کہ  
آپ کے اس جھوٹے دعوے کا ثبوت حاصل کروں۔

فوسٹ۔ ”مجھے کسی ایسی قدرت کا ادعا نہیں جو میرے حوصلہ سے زیادہ ہو۔“  
فوسٹ نے ابھی یہ فقرہ تمام نہ کیا تھا کہ اُن کاغذ دن میں جنہیں السلیم اپنے ہاتھ میں  
رکھے ہوئے تھا آگ سلگ اُٹھی اور سب کاغذ دیکھتے ہی دیکھتے راکھ کا تودہ بن گئے۔

السلّم۔ رحیران ہو کر یہ کیا شعبدہ بازی ہی ہو کہ تنہا ایک عجیب ترکیب سے ان نوشتوں کو  
جلادیا۔ مگر یاد رہے کہ صرف میری زبان اس خبر کے مشہر کرنے کے لیے کافی ہی کہ فوسٹ  
جو دیا نامین بہت بڑا معزز اور دولتمند سمجھا جاتا ہے۔ کسی وقت ایڈاپر فریفتہ تھا۔ اور اس نے  
اپنے بچے کو خود اپنے ہی ہاتھوں قتل کیا ہے۔“

تریزا کے کالوں تک کسی طرح اس آواز کو پہنچاؤ لگا۔ تا وہ بھی اپنے خاوند کے مکر و  
نریب سے آگاہ ہو جائے۔ دیکھو! ابھی کچھ نہیں بگڑا۔ ذرا سی کوشش کر کے مجھے چھڑاؤ  
تو تم ایک بہت بڑی رسوائی سے محفوظ رہو گے۔“

فوسٹ۔ جو کچھ تیرے جی میں آتا ہے بلا تامل کر گذر! میں ہرگز پسند نہ کروں گا کہ تجھ سے کچھ  
رعایت کا برتاؤ کیا جائے۔“

السلّم۔ ”آخر تم ہی پچھتاؤ گے۔ میری تجویز کے خلاف عمل پیرا ہونا بے شک تمہیں کوئی  
وبازار امین رسوا کرے گا۔“

فوسٹ۔ ”اذا ما معقول! کیوں مجھے غصہ دلانے جاتا ہے؟ میں اگر چاہوں تو اسیم  
ہمیشہ کے لیے تیری زبان بند کر سکتا ہوں!“

السلّم۔ ”اؤ نہ! تمہاری شعبدہ بازی میری آواز کو دہانہ سیلگی۔ (گھبرا کر) دیکھو! کسی  
کی آہٹ سنائی دیتی ہے۔ کیا عجب کہ قید خانے کا داروغہ آتا ہو۔ خیر جلدی سن لو۔  
میری رہائی کی اجازت حاصل کر دو گے کہ نہیں؟“

فوسٹ۔ ”نہیں۔ ہرگز نہیں۔“

السلّم۔ ”تو میں بھی تمہیں کسی رعایت کا مستحق نہ سمجھوں گا۔ اور یہ بات دیا نامین مشہور  
ہو جائیگی کہ کونٹ آف آرونا (فوسٹ) اپنے شیرخوار بچے کا قاتل۔“

السلّم یہ کہہ ہی رہا تھا کہ دفعہ بے ہوش ہو کر پیچھے گر پڑا۔ اسکی حالت کا یہ فوری تغیر  
فوسٹ کی ایک پُر غضب نگاہ کے سبب تھی۔ خیر۔ دروازہ کھلا۔ اور داروغہ اندر آیا۔

فوسٹ - (داروغہ سے) ”بترہی کہ تم کسی ٹکاٹر کو بلا کر اس شخص کا علاج کراؤ۔ میں سمجھتا ہوں کہ اسکو کوئی داغی مرض ضرور ہے۔ کیونکہ بائین کرنے ہی کرتے دھم سے زمین پر گر پڑا اور بے ہوش ہو گیا۔“

داروغہ - (اسلم کے چہرے کو غور سے دیکھ کر) ”حضور! وہ چل بسا۔ اگر کفن دنیا سے رخصت ہوا۔ شکر ہو کہ اس ہودی سے دنیا پاک ہوئی۔“ فوسٹ نے کچھ جواب نہ دیا۔ اور سہولت کے ساتھ قید خانہ سے نکل کر چلا گیا۔

## باب ”۷۸“

### قلعہ مانفرد میں آٹو کی مکرر آمد

ہم اس باب میں چند متفرق واقعات بیان کرنا چاہتے ہیں۔ جسکے بعد فوسٹ کی تاریخ سے چند سال کے حالات تفصیلاً کہنے کی ضرورت نہوگی۔

ڈچز میریا کے والدین کا اصلی حال معلوم ہونے کے سبب اس کے مرد اور کل دوستوں کو مرست بھی ہوئی اور ریخ بھی خوشی اوجہ سے کہ آجک دھوکے میں اس کے مان باپ کو عزیز ہتھان جو سمجھا کرتے تھے۔ وہ دراصل امرائے جرمنی سے نکلے۔ اور ریخ کا سبب یہ تھا کہ اس کے پیدا ہونے کے محوڑے ہی دنوں بعد مان اور باپ دونوں یکے بعد دیگرے نہایت بیرحمی سے مار ڈالے گئے۔ اس دن سے خود شہنشاہ جرمنی و دیگر ممبران خاندان شاہی ڈچز میریا کے ساتھ کمال محبت و اخلاص سے پیش آنے لگے۔ اگرچہ ما تقریباً بہت بڑا عالم اور ناقابل رحم تھا۔ لیکن میریا اپنے چچا کے عفو تصور کے لیے بار بار شوہر سے بجاہت کرتی تھی۔ اور کہتی تھی ”کہ وہ میرے والدین کا قاتل ہے۔ جسکے سبب سے میں اسے اپنے خیر خواہوں میں شمار نہیں کر سکتی۔ لیکن آخر میرے باپ کا حقیقی بھائی اور میرا چچا تو ہے؟“



ٹوٹو کو لپیٹ لیا۔ یہ متھاری نیک نیتی اور رحمی کی مین دل سے قدم کرتا ہوں۔ مگر اسکی خطائیں درگزر کرنے کے قابل نہیں ہیں۔ اسکو بون ہی چھوڑ دینا گویا انصاف کا خون کرنا ہی۔ ہاں متھارے کہنے سے اتنا البتہ ممکن ہے کہ وہ پھانسی پانے کے عوض مدت العمر قید میں رکھا جائے اور وہیں عبادت گزاری میں مشغول ہو کر اور گریہ و زاری کر کے اپنی رو سیاہی کو مٹانے اور تمام گناہوں سے تائب ہو۔

پندرہ چیز سیر یا خاموش ہو گئی۔ آٹھ نے چند سپاہی ہمراہ لیے اور قلعہ کوٹہ انفریڈ کی راہ لی۔ وہ اس خیال سے جلد جلد منزلیں طے کرنے لگا کہ کہیں ماٹفریڈ کو اسلام کی گرفتاری کا حال معلوم نہ ہو جائے۔ اگر معلوم ہو گیا تو وہ قلعہ میں محفوظ ہو کر آخر دم تک اپنے بچنے کی کوشش کرتا رہے گا۔ لیکن اس زمانہ میں نہ تو اجازت تھی۔ نہ انتظام ڈاک کسی قاعدے کی پابندی کے ساتھ جاری تھا۔ ٹلگرام رلیوے اور ٹلفون وغیرہ کے نام بھی کسی کو معلوم تھے ایک شہر یا ملک کی کیفیت دوسری جگہ صرف مسافروں کے ذریعہ معلوم ہوا کرتی تھی۔ جو بزر تجارت اور دیگر ضروریات کے لیے ادھر ادھر آتے جاتے رہتے تھے۔

انفرض جب آٹھ اور آس کے بارہ سپاہی مہانسرا کے کبرگ میں پہنچے ہیں۔ اسوقت تک یادری اسلام کے حالات سے وہاں کسی کو واقفیت نہ تھی۔ مالک مہانسرا آٹھ کو پہچان کر تعجب ہو گیا کیونکہ وہ ایک چھوٹی سی فوج کے سردار کی حیثیت میں تھا۔ اور جب اُسے یادری اسلام کا حکمنامہ دکھلایا تو اسکا تعجب ترقی کر گیا۔

سیرمن۔ دھکنا مے کو بوسہ دے کر ”مٹھے آؤ“ مجھے اس حکم کی تعمیل میں تو کچھ عہد نہیں لیکن اتنا بتا دو کہ اس کا رد والی کی علت غائی کیا ہے۔“

آٹھ ”تم مجھے کوئی سوال نہ کرو۔ اسی میں متھاری غیر ہے کہ جو کچھ اس میں لکھا ہے اسکی تعمیل کر دو۔“ یہ کلمہ آٹھ نے ایک اور دستاویز دکھائی جس میں خاص شہنشاہ حسنی کی ہریت تھی۔ اور اس میں یہ لکھا تھا۔

کونٹ مالفریڈ کی گرفتاری کے متعلق ہم مسٹر آٹو کو پورے اختیارات دے کر بھیجے  
ہیں۔ اس خدمت کی بجا آوری کے لیے مسٹر آٹو کو اختیار حاصل ہو گا کہ وہ جن جن برکاری  
مفسرون اور عہدہ داروں سے مدد لینے کی ضرورت ہوگی۔ نایند و مدد لین۔ امر او جا گیوارا  
سلطنت کو بھی حکم دیا جاتا ہے کہ وہ آٹو کی حسب ضرورت فوج اور دیگر امور سے اعانت  
کریں، ہر من اس شہنشاہی فرمان کو دیکھ کر اور بھی گھبرا گیا۔ اور کہا ۲۲۔ مجھے اس بارے  
میں پادری انسلمی کا حکم کافی تھا، وہ آٹو سے اس مقدمہ خاص میں چند سوالات کر کے  
پوری تشفی حاصل کرنا چاہتا تھا مگر آٹو نے ایک حرف بھی نہ کہا۔ کیونکہ جب سے آٹو کو  
سلاوم ہو گیا کہ ہر من بھی عدالت دم کا ایک ممبر ہی تو وہ اس سے نہایت متنفر ہو گیا۔  
اور یہی وجہ تھی کہ اگلی محبت و دوستی کو بالائے طاق رکھ کر کمال سختی سے پیش آنے لگا۔  
مالفریڈ کو لاسنے کی غرض سے ہر من خود دوڑا گیا۔ ہم یہ کہنے کی ضرورت نہیں دیکھتے  
کہ ہر من کس چلے بہانے سے مالفریڈ کو ہمارا تک لے آیا۔ اس قدر تباہ و بنا کافی ہی کہ تھوڑی  
دیر کی غیر موجودگی کے بعد ہر من اپنے مقام پر واپس آیا اور اس کے ساتھ کونٹ مالفریڈ بھی  
تھا۔ اس کا دروازے میں قدم رکھنا ہی تھا کہ آٹو آگے بڑھ کر مقابل ہوا اور کہا ۲۲۔  
تمہیں اس وقت سے میری حراست میں رہنا ہو گا۔ بادشاہ وقت کے نام سے میں تمہیں  
قید کرتا ہوں۔“

مالفریڈ۔ رتوار کے قبضے پر ہاتھ رکھ کر ”یہ کیا گستاخی ہے؟ آخر اس کے کیا معنی؟“  
آٹو۔ دروازہ کھول کر سپاہیوں کو دکھایا، ”رتوار میرے حوالے کیجیے۔ اب کوئی چیز  
آپ کو بچانہ سیکلی ہے؟“ مالفریڈ نے توار دیدی۔ اور صورت غضبناک بنائی آٹو سے  
پوچھنے لگا ”میں کس خطا کی بنا پر مجرم ٹھہرایا گیا ہوں؟“

آٹو۔ ”جلدی نہ کیجیے۔ پوشیدہ طور پر آپ کی گرفتاری کا سبب بیان کیا جائیگا“  
اس گفتگو کے بعد دونوں اوپر کے درجے پر گئے۔ جب ایک کمرے میں پہنچے تو

آٹو نے پر جوش لہجے میں کہا: "مانفریڈ! تم اپنے حقیقی بھائی سگسمنڈ اور اسکی پیاری بی بی  
 والدہ کا رٹو کے قاتل ثابت ہونے کے سبب آج تمہیں گرفتار کرتا ہوں۔ خدا نے تمہاری بدکرداریوں  
 کا پردہ فاش کیا۔ تم اب تک ظلم اور فریب کی راہ سے لنس ڈارف کی جاگیر و قلعہ کے  
 مالک و مختار بنے رہے۔ ورنہ دراصل اسکی مالک ڈچیز میرا ہین۔ خدا کے کام انھیں  
 لوگوں نے یہ راز آشکارا کر دیا جو ان بد اعمالیوں میں تمہارے شریک تھے لیکن ہو گئے۔  
 اور انسلم۔ انھیں دونوں نے تمہارے پوست کندہ حالات بیان کئے۔"  
 یہ سنکر مانفریڈ سرتاپا کاپنے لگا۔ اور بدحواسی میں کچھ کہا: "یو الکر کنس۔ پادری انسلم!  
 وہ تو اسی شب کو یہاں سے بھگلیا جبکہ فیصلہ روبرو گیا اور اسکا محافظ گولنگا دونوں قید  
 سے چھوٹ کے بھاگے تھے۔ اور۔ اس سے آگے زبان نے یاری نہ دی وہ چپکا ہورہا  
 آٹو۔ زبان وہ مصنوعی گولنگا میں ہی تھا۔ جب پادری انسلم قیدیوں کا حال سنکر غصہ  
 و پریشان قلعہ کے باہر نکلا تو میں نے ہی اسکو گرفتار کیا۔ قید کے عالم میں اُس نے اپنی  
 پوری سرگزشت بیان کر دی۔ اب وہ زندہ بھی نہیں رہے۔ دیا نا کے قید خانہ میں مرجھا  
 مانفریڈ کے چہرے پر خوف و دہشت سے موایان اُڑنے لگیں۔ ایسا قوی تن۔  
 دلیر بے باک شخص آن واحد میں نسبت ہمت اور خوف زدہ ہو گیا۔ آٹو نے دو  
 سپاہیوں کو بلوا کر مانفریڈ کی خبرداری کے لیے چھوڑا۔ اور آپ چھٹپا ہی ہمراہ لیے قلعہ  
 لنس ڈارف کی طرف چلا۔ اور قلعہ کے پھاٹک پر پہونچکے پہرے والوں سے کہا۔  
 تمہارے آقا کوٹ مانفریڈ اب تک دغا بازی سے اس قلعہ اور جاگیرات کے مالک  
 بن بیٹھے تھے۔ لہذا اب میں نے انھیں حسب احکم شہنشاہ جرمنی قید کر لیا ہے۔ اور  
 اس قلعہ میں ڈچیز میرا کے نام سے تصرف کرنے کے لیے آیا ہوں۔ جولا رڈ سگسمنڈ  
 اور لیڈی والدہ کا رٹو کی حقیقی بی بی اور اس قلعہ وغیرہ کی اصلی مالک ہے۔"  
 آٹو نے چند دستاویزات بھی بتائیں جن سے پہرے والوں کی پوری تشفی ہو گئی۔

اور وہ مزاحم ہونے سے باز آگئے آٹو قلعہ کے اندر پہنچا۔ اور ڈیم و نفریڈ بڑھیا کے قید کا حکم دیا۔ اُسکے بعد وہاں کے چند خدمتگاروں اور اپنے سپاہیوں کو ساتھ لے کر قلعہ نشتر کے گورستان کے سمت راسی ہوا۔ گورستان میں ایک تہ خانہ کے تھاجکے اندر بہت سے محراب بنے تھے۔ عادت تھی کہ ہر مردہ لوہے کے جنازے سمیت ایک محراب میں رکھ دیا جاتا تھا۔ آٹو نے مشعلیں روشن کرائیں۔ اور تہ خانہ کا دروازہ کھولے اندر گئے لگا۔ وہاں ڈیڑھ سو سے زائد جنازے رکھے ہوئے تھے۔ اور ہر جنازے پر پردہ تھپکا دھرے تھے جنہیں مرحوم اپنی حیات استعمال کرتا تھا۔ خبر۔ آٹو کی محرابوں سے گزر کر تہ خانہ کے آخری حصہ پر پہنچا۔ وہاں گسمنڈ کا جنازہ اُسکے بھائی کے ساتھ رکھا ہوا تھا۔ اُسی کے برابر ایک اور جنازہ تھا۔ آٹو نے اُسکے کھولنے کا حکم دیا۔ جب وہ کھولا گیا تو بجائے نعش کے تھجھار درگھانس بھوس بہا تھا مگر ڈھکن پر یہ الفاظ کندہ تھے: "یڈی الڈگار ڈا اور اسکی شیر خوار لڑکی" آٹو نے جنازے کو تھجھروں سے خالی کر کے باہر لانے کے لیے کہا۔ جب اس کام سے فراغت ہوئی تو ایک کمرے کے قریب جا کے اُسکا دروازہ کھولا۔ جو یڈی الڈگار ڈا اور قیصر کا قید خانہ تھا۔ جب اس کمرے کے ایک کونے کی تھوڑی زمین آٹو کے حسب حکم کھودی گئی تو پہلے سر کی اور بعد ازاں آدمی کے پورے جسم کی ہڈیاں نکل آئیں۔

آٹو نے یہ ہڈیاں الڈگار ڈا کی ہیں۔" خود مانفریڈ کے چند خدمتگار جو ہمراہ تھے آٹو کی ان کارروائیوں پر حیرت کرنے لگے۔ اور اس جور و ظلم سے مطلع ہونے کے بعد انہیں مانفریڈ کی صورت سے نفرت ہو گئی۔

آٹو: "مہارے صاحب نے اپنے حقیقی بھائی اور اسکی بی بی کو خاص اپنے ہی ہاتھوں ہلا کر دیا۔ اور صرف اسی لیے کہ بعد اُنکے اس قلعہ اور جاگیر پر بے کھٹکے آپ حکمرانی کرے۔" مانفریڈ کے ملازم حیرت زدہ سکتے کے عالم میں کھڑے تھے۔ آٹو نے اُن ہڈیوں کو ریشمی

کپڑے میں لپیٹ کر اس صندوق میں رکھا جوا بھی تہ خانہ سے نکالا گیا تھا۔ اور جنازے کو قلعہ کی گرجا میں رکھ دیا۔ جب یہ کام ختم ہو چکا تو ایک خط لکھا۔ اور ایک تیز رو سوار کی معرفت لارڈ روزنٹل کی خدمت میں روانہ کیا۔ اور خود قلعہ لنس ڈارف ہی میں ٹھہرا۔ اُسیدن شام کے وقت لارڈ روزنٹل اپنے رتبہ کے مطابق کچھ فوج اور اپنے پادری کو ساتھ لیے قلعہ لنس ڈارف میں آیا۔ جو زمانہ دراز سے اُسکے ایک دشمن جان کا گھر تھا۔ مانفرڈ کے حالات سنکر روزنٹل کو چند ان تعجب ہوا۔ کیونکہ وہ پہلے ہی سے اُسکے وارث ہونے میں شک رکھتا تھا۔ اور اُسکی نسبت سیکڑوں قسم کی افواہیں سن چکا تھا۔ لیکن میرا کی کیفیت سنکر لارڈزانتہا سے زیادہ متعجب و حیران ہو گیا وہی میرا جو اُسکے ہاں ایک لونڈی کی حیثیت میں عرصے تک پرورش پاتی رہی۔ حاصل کلام لیڈی الڈگار ڈاک کی ہڈیاں اسی شب قلعہ کے گورستان میں دفن کر دی گئیں۔ اور جنازے پر اُسکا تمام ہجران کندہ کیا گیا لیڈی تریزا نے اپنے باپ کے نام جو خطوط دیے تھے۔ وہ آٹو نے پونچا دیے۔ اُس سے پیشتر کے خطوط جو آٹو ہی لایا تھا۔ اُسکے مضمون سے لارڈ روزنٹل کے دل کو بڑا صدمہ پونچا تھا۔ اسلئے کہ تریزا نے اُس میں شوہر کی عدم انفات و پراگندگی کا حال لکھا تھا۔ مگر ان خطوں میں کچھ ایسی کیفیتیں تھیں کہ جبکہ دیکھنے سے لارڈ کو کمال مسرت ہوئی۔ آٹو ایک اور خط روزنٹل کے نام کا ہمراہ لایا تھا۔ جو خاص شہنشاہ جرمنی کا تھا۔

لارڈ روزنٹل۔ (خط پڑھنے کے بعد) ”آپ سے تو اس خط کا مضمون پوشیدہ نہوگا۔ آٹو۔“ جی ہاں۔ اگر میرا قیاس غلطی پر نہ ہو تو وہ قصیر بوزیر جیادرا سکی ہن کے بارے میں ہے ایک دوسری بات مجھے یاد آئی۔ جب قصیر میری کوششوں کی بدولت قید سے جھوٹ نکلا تو اُسکا خدمتگار۔

لارڈ روزنٹل نے ہاں۔ آپ مسکاتو کو پوچھتے ہیں نہ؟ اُسکو تو کونٹا مانفرڈ نے اسی دن چھوڑ دیا۔ جس دن آپ مجھ سے رخصت ہو کر دیانا کی طرف گئے۔ غرض شہنشاہ



لے اس خط میں یہ حکم بھیجا کہ میں میرا اور اسکی بہن کو ایک قلیل عرصہ میں حدود جرمی سے باہر نکالنے کی کوشش کروں۔ اس شاہی فرمان سے میں بہت ہی خوش ہوا کیونکہ ان لوگوں کی صحبت سے میں بےزار ہو رہا تھا۔ جب سے کہ قیصر میرا ہمان ہوا مجھے آئے دن یہی فکر لگی رہی کہ کہیں میرے کھانے یا پانی میں اپنا مشہور و معروف زہر نہ ملا دے! تو کریڑا میرے نوکر دن سے ایک دوسرے کے دل میں نفاق پیدا کرنے کی کوشش کر رہی تھی اور انکا ملازم مکلو کیپٹن ڈیوڈ سے ہمیشہ جھگڑا مچتا رہا۔ انھیں وجوہات کے سبب وہ جیقدر جلد یہاں سے نکلیں میری عین مسرت ہوگی۔ لارڈ ورنٹل نے کمال محبت کے ساتھ آٹو سے مصافحہ کر کے اپنے قلعہ کا راستہ لیا ساٹونے اپنے ہمراہی سپاہیوں کے افسر کو بلوا کر قلعہ لنس ڈارف اور اسکی وسیع جاگیر کا انتظام اُسکے سپرد کیا۔ اور تا وقتیکہ کوئی دوسرا شخص مستقل طور پر ڈیوڈ کیپٹن کے پاس سے نہ آئے اُسی کو وہاں کا حکمران بنا دیا۔ جب تمام امور ضروری انجام پا گئے تو آٹو اُس کمرے میں گیا۔ جہاں لارڈ وگسمنڈ اور اسکی بی بی کی تصویریں تھیں۔ یہ نایاب شہر ڈچر میرا کی تذکر کرنے کے لیے وہاں سے نکالیا۔ بعد ازاں اپنے آٹھ سپاہیوں سے چھ کو قلعہ کے بند و بست و محافظت کے لیے چھوڑا۔ اور دو کو ہمراہ رکھا۔ اور ٹیم ولفریڈ کو قیدی بنائے مہالسلر کے کبرک کو بے چلا ٹیم ولفریڈ نہایت منہموم اور پریشان تھی۔ وہ صرف اس سببے مانوڑ کی گئی کہ مالفریڈ کے ظالمانہ حکام کی تعمیل کے لیے ہمیشہ مستعد رہتی تھی۔ ورنہ اب اُسکا کوئی خاص جرم ظاہر نہ ہوا تھا۔ جب آٹو مہالسلر کے دروازے کے قریب پہنچا ایک سپاہی جو مالفریڈ کی نگرانی کی غرض سے وہاں ٹھہرایا گیا تھا دوڑتا ہوا آیا۔ اور کہا حضور! مالفریڈ نے ابھی خود کشی کر لی۔

آٹو۔ دمتیر ہو کر "کیا کہا؟ ہوش میں ہو کہ نہیں؟

سپاہی۔ "ہاں جناب! آپ خود چلکر دیکھ نہ لیجیے" "نفس پڑی ہوئی ہے۔"



کر میں ایک کٹا چھپا کھی مٹی بس منٹ قبل اسی کے ذریعہ اپنا قصہ آپ تمام کر لیا۔ آٹھ جلدی سے اس مقام پر گیا۔ جہاں کوٹ و نفریڈ کو چھوڑ آیا تھا۔ دیکھا تو نے حقیقت وہ پر عظمت صاحبِ حیرت کوٹ بے جان پڑا ہوا ہے!!۔

## باب ۷۹۔

### چند واقعات

آٹھ اپنے چھ سپاہیوں اور ڈیم و نفریڈ کے ماہ۔ نوبر ۱۸۹۹ء میں دیا ناہو پنا۔ قیدی کو داروغہ زندان کے حوالے کر کے آپ سیدھا ڈیوک لیپولڈ کے محل کی طرف گیا۔ ڈیوک اور ڈچوز میریائے کے آنے سے نہایت مسرور ہوئے۔ جب آٹھ نئے سفر کا کل اجرا بیان کرنے لگا تو میریائی مان کی لاش کا یہ رقت انگیز حال شکر بے اختیار رونے لگی۔ کچھ دیر بعد آٹھ نے وہ تصویریں ندرلین۔ میریائے خوشی سے لیا۔ اور اسکی شکر گزار ہوئی۔ اب ہم تھوڑے چیدہ و ضروری حالات کا ذکر کرنے کے بعد جاتے ہیں کہ چند سال کا قصہ بغیر بیان کیے نظر انداز کر دیں۔ اور فوسٹ کی آخر زندگی کے حالات جو نہایت عجیب و غریب اور قابلِ شنید ہیں بیان کریں۔

قیدی ڈیم و نفریڈ کی نسبت عدالت عالیہ سے حکم ہوا کہ وہ مدت العمر قیدی بلا میں جھیلی رہے۔ آٹھ کے نیک چال چلن۔ اور اسکی ان کوششوں کے سبب جو دوسروں سے ہونہیں سکتی تھیں۔ یعنی ڈچوز میریائے کے والدین کی تحقیق اور اسکا ثبوت۔ امیرِ ظہین کو قید شدید سے رہائی دلوانا۔ اور کئی دیگر کارروائیوں سے ڈیوک لیپولڈ اور شہنشاہِ جرمنی اس پر اس درجہ ہریان ہو گئے کہ سالانہ ایک کافی رقم بطور مشن کے مقرر کرنا چاہی۔ مگر آٹھ نے قبول نہ کیا۔ اور کمالِ عجز اور شکر کے اظہار کے ساتھ کہا کہ۔ مجھے اس شای نوازش کے قبول کرنے پر مجبور نہ کیجیے۔ کیونکہ مجھے محنت سے کمائی ہوئی روٹی ان عمدہ نعمتوں

کسین زیادہ مزا دیتی ہے جو بغیر ہاتھ پاؤں ہلائے اور محنت مشقت کے ملتی ہیں، اس بے پردہ لائی اور استغنا ظاہر کرنے کا سبب یہی تھا کہ اُسکو مصوری کے فن میں پوری دستگاہ حاصل تھی۔ اور اُسی کے بدولت اپنی زندگی فارغ البالی سے بسر کرنے کا اُسکو کامل یقین تھا۔ کیونکہ تمام امراء بے سلطنت اور شاہی دربار کے کل ممبر اُسکی مصوری اور کمال کی دل سے قدر کرتے تھے۔ پھر کیونکہ ممکن تھا کہ تصویر دن کی تجارت شروع کرنے کے بعد اُسکو کامیابی ہو؟

لیکن اُسے فوراً کارخانہ جاری نہیں کیا۔ چند مہینے دینا سے غیر حاضر رہا۔ جب واپس آیا تو وہ تنہا تھا۔ مینا دہقان مانگی کی بیٹی جو اُلی کے کسی قریب میں آلوٹے ملی تھی۔ اب اُسکی زوجیت میں آگئی تھی۔ اور وہی اُسکے ساتھ تھی۔ چند روز میں آٹو نے دینا ہی میں مصوری و نقاشی کی ایک دکان کھولی۔ تھوڑی ہی مدت میں اسقدر ترقی حاصل ہوئی کہ وہ دو ہفتہ دن میں شمار کیا جانے لگا۔ آٹو اور اُسکی پیاری بی بی بینا اگر ڈلوک لیسولڈ کے مہمان ہوا کرتے تھے۔ اگرچہ فوسٹ اور آٹو میں صفائی نہ تھی۔ لیکن تریزا ان دونوں میان بی بی کے ساتھ انتہا درجے کی محبت رکھتی تھی۔

اول شہ عین لارڈ روزنٹل کا انتقال ہو گیا۔ کچھ عرصے سے وہ وطن کو خیر باد کہہ کر اپنی عزیز بیٹی کے مکان کے قریب رہنے لگا۔ ناگہان کسی مرض شدید میں مبتلا ہو کر پیاری بیٹی کی گود میں دم توڑ دیا۔ اسی سال ایک اور ماجرے کا وقوع ہوا جو قابل ذکر ہے۔ یعنی تیسرے پورچیا جو کئی ملکوں میں سیر و سفر کرتا پھر رہا تھا۔ آخر سلطنت اسپین میں قید کر لیا گیا۔ شہر سبول کا قلعہ اُسکی قید کے لیے جو نیم ہوار وہاں کا گورنر اُسکے ساتھ کمال سختی سے پیش آنے لگا۔ حتیٰ کہ وہ تنگ آکر اور ان مظالم کی تاب نہ لا کر کسی طرح وہاں سے نکل بھاگنے کی کوشش کرنے لگا۔ ایک دن قید خانہ کے کسی خدمتگار سے کہا کہ میں اپنے گزشتہ بیٹھارے اور اپنے ملک و مال کا وارث اسی کو چھوڑا۔

گناہوں سے تائب ہونا چاہتا ہوں۔ تم کسی پادری کو بلالو تو میں اُس کے روبرو درگاہِ خدا میں توبہ کروں۔ جب پادری اُس کے پاس بھیجا گیا تو ظالم نے اس پر چارے کو گلا گھونٹ کر مار ڈالا۔ اور اُسکی پوشاک آپ ہنکر اور منہ پر برقعہ ڈال کر دھانسے بے روک ٹوک۔ بائز کل گیا۔ مگر چونکہ اُسکا رقیق مٹکٹو اُس سے اتفاقاً جدا ہو گیا تھا۔ اور اُسکی عدم موجودگی کے سبب قیصر کی سمیت دجرات آدمی رہ گئی تھی۔ لہذا مضطر و پریشان اس بے طبری سے نکلا کہ بعض لوگوں کو اُسکی حرکات سے شہمہ ہوا۔ اور وہ پھر گرفتار کر لیا گیا۔ پورے دو سال نہایت سختی و صعوبت سے گزرے تب سر دی شخص تھا جس سے ملنے کی شاہان بورپ تمار کھتے تھے۔ لیکن اُسی پر ایک وقت ایسا بھی ہوا کہ ایک بے کس دے بس قیدی کی طرح زندان میں پڑا مصیبتیں جھیلنے لگا۔ غرض بڑی محنت و جانکاہی کے بعد مٹکٹو کو اس قدر تباہ لگا کہ سیر آقا یہاں قید ہی تو بھر رہا کی تدبیریں سوچنے لگا۔ تب کو بھی معلوم ہو گیا کہ مٹکٹو میری جستجو میں یہاں تک آچکا ہے۔ اور بالکل سراغ ملنے کے سبب مجھے جھڑا لیجانے کی کوشش میں سرگرم ہے۔ آخر کار قید خانے کے پرے والوں کی معرفت جو مٹکٹو کے فریب میں آگئے تھے ایک شب سیر زندان سے نکل کر مٹکٹو کے ساتھ آلا۔ اُس نے تیز رو گھوڑے موقع پر لگا رکھے تھے۔ دونوں سوار ہوئے اور بہت جلد شہر نادل میں پہنچ گئے۔ وہاں کا حاکم البرٹ سبر کے ساتھ نہایت خلق و مروّت سے پیش آیا۔ اتفاقاً ریاست نادل کے ایک نائب نے ازراہ شرارت اپنے آقا کے ملک پر چڑھائی کی۔ قیصر تو البرٹ کے احسان کا ممنون ہو رہا تھا۔ خود ایک فوج لیکے اپنے مربی کے دشمن کا کام تمام کرنے کی غرض سے نکلا۔ مگر پہلی ہی لڑائی میں مارا گیا۔ گو اُس لڑائی کا ذکر اور قیصر کے مرنے کا حال کسی تاریخ میں پایا نہیں جاتا۔ لیکن ہمیں معلوم ہے کہ قیصر اُسی موقع پر دنیا سے ایک محانون کے متصل ملاک ہوا۔ اُسکا وفادار خادم مٹکٹو اپنے آقا کی جگہ پر فوج کا

حکمران ہوا۔ اور اسکے قتل کا پورا انتقام لیا۔ قیصر کا اس طرح پر خاتمہ ہو گیا۔ لو کر بڑا  
بورجیا نے ٹریوک آف فرار سے شادی کر لی۔ اور اسی ملک میں رہنے لگی۔ ہم اس بدعاش  
عورت کا کچھ ذکر آئندہ بھی کریں گے۔ غرض یہ حالات جو ہم اس باب میں بیان کر آئے ہیں  
اور اس کے درمیان وقوع میں آئے۔ چونکہ پندرہ برس اس طرح گزر گئے اور فوسٹا اور  
جن میں جو معاہدہ ہوا تھا اسکو انیس سال کا عرصہ ہوا تو اب اسکے خاتمہ کے لیے صرف  
باغ سال باقی رہ گئے ہیں۔

## باب "۸۰"

### عاشق و معشوق

ادھر ۱۸۷۶ء۔ محل آرونا دسکن فوسٹم کے بچے ہوئے عالی شان کمرے میں ایک  
نوجوان لڑکا اور دوسری ایک ماہ حبیب لڑکی بیٹھے ہوئے ہیں۔ لڑکے کا قد دراز اور خوشنما  
ہونے کے علاوہ ہر قسم کے عیب سے پاک ہے بل کھائی ہوئی زلفین بڑی بڑی نکھیں  
پتلے اور سب سے بھگدانت سب لکڑ نوجوان میں ایک دلکش اور پیدا کر رہے ہیں  
چہرہ گول ہے۔ اور سبزہ خط کو اب تک اپنا رنگ جمانے کا موقع نہیں ملا ہے۔ تاہم مردانہ  
دھنگ اسکی ہر ایک ادا سے ظاہر ہو رہے ہیں۔ وہ حسین پری جمال عورت جو ہوت  
نوجوان کے بلو میں بیٹھی ہوئی ہے ایک عالم فریب اور جہان سوز حسن رکھتی ہے۔

سرگون ہو سرونوزون اسکا قاست دیکھ کر  
جال وہ ہی کانپ اٹھے جسکو قیامت دیکھ کر

کیسوے پریشان اس کے روشن چہرہ پر کچھ کردہ لطف دکھا رہے ہیں جو اسے درجہ کی حسن  
عورتوں میں بھی بہت کم پایا جاتا ہے۔ جزائر جنوبی میں ارٹانام ایک عمدہ چل ہوتا ہے جسکی  
پیداوار اکثر گرم مقامات میں ہوا کرتی ہے۔ جب اسکو چیرا جاسے تو اندر اس کے دانے

اس طرح جڑ سے ہوئے دکھائی دیتے ہیں جیسے یا قوت کی لڑیاں۔ اسی صورت جب وہ مسکراتی ہو تو اُسکے دانت ہیرے کی لڑیوں سے زیادہ دلفریب معلوم ہوتے ہیں چہرے کی نزاکت و لطافت کچھ ایسی ہو کہ جو انتہا سے زیادہ حسین گل اندام کنواری لڑکیوں میں ہوا کرتی ہے۔ بایں ہمہ اُسکا دل عشق و عاشقی اور ناز و نیاز کے کچھیرن سے بالکل ناواقف ہے۔ اُسکا بھولا اور سادہ دل مطلق نہیں جانتا کہ انداز و ادا اور کرشمہ و ناز کسکو کہتے ہیں اور نیز یہ کہ میری حرکات دیکھنے والوں کے دل پر کیا اثر کر رہی ہیں۔

غرض یہ دونوں گلزار شباب کے تروتازہ پھول ایک ہی پن کے تھے یعنی اٹھارہ سال پر دو چار مہینے زیادہ۔ دونوں ایک ہی ساعت پیدا ہوئے تھے۔ گو اُنکے والدین جدا تھے اور تاہم انہیں کوئی قرابت کا رشتہ نہ تھا۔ لیکن عنقریب ان دونوں میں ایک قوی تعلق پیدا ہونے والا تھا۔ وہ ایک دوسرے کے طالب و مطلوب تھے اور اس سبب بہت جلد الکابیاہ ہونا قرار پا گیا تھا۔ اُسوقت تک اُنکی محبت نہایت پاک اور انسانی خواہشوں سے بری تھی جو اکثر عاشق و معشوق میں ہوتی ہے۔ وہ بالکل نہ جانتے تھے کہ معشوق کی جفاکاری اور عاشق کی گریہ دھاری کیا چیز ہے۔ اُنکے باہمی برتاؤ میں نہایت سادہ پن تھا۔ طفولیت سے لیکر اب تک ان میں کبھی جدائی کی نوبت نہیں آئی تھی وہ اُسوقت سے آپس میں ایک دوسرے کے ہمدرد اور شفقت تھے جبکہ اُنھیں بات کہہ کر نی نہیں آتی تھی۔ جوں جوں اُنکی عمر بڑھتی گئی اُنکی باہمی محبت بھی ترقی ہوئی گئی۔ اگرچہ اُنکے والدین جدا تھے۔ مگر اُنکی تعلیم و تربیت ایک ہی مقام پر ہوئی۔ کم سنی کے عالم میں اُنھیں خیال پیدا ہوا کہ ہمیں عمر بھر ایک دوسرے سے جدا ہونے کی کوئی صورت نکالنا چاہیے۔ رفتہ رفتہ جب دونوں نے ہوش سنبھالا تو اُنھیں سوا اُسکے اور کوئی تجویز مفید نہ معلوم ہوئی کہ باہم مہار عقد ہو جائے۔ والدین کے انداز سے بھی ثابت ہوتا تھا کہ وہ ان اسیران محبت کی تجویز کے مخالف نہیں ہیں لیکن ایک شخص تھا جسکی



اجلوت اس کار خیر میں لازمی اور ضروری تھی۔ جب کبھی اُس کے روبرو اس امر کا تذکرہ ہوا وہ برابر طامال جاتا تھا۔ گو کہ اُس کا یہ نشانہ تھا کہ ان معصوموں کے خلاف کر کے اُن کے خرمن دل پر بجلی گرائے یا ان میں جدائی ڈالو ادے۔ مگر ظاہر معلوم ہوتا تھا کہ کوئی پوشیدہ اور ناقابلِ اظہار سبب اُس کو حامی بھرنے سے منع کر رہا تھا۔ چھپانے کی کون بات ہے؟ اب ہم صاف صاف بتائے دیتے ہیں کہ وہ نوجوان لڑکا مکملن تھا جو دراصل فوسٹ کا اور بٹا ہرڈ لوک لیو لڈ کا بیٹا سمجھا جاتا تھا۔ اور وہ حسین و درخشندہ لڑکی اڈیلا ڈیلوک کی حقیقی بیٹی تھی۔ اور گھوڑے خانے کی تبدیلی کی وجہ سے فوسٹ کی بیٹی کہلاتی تھی۔ وہ شخص جو انکی شادی کے متعلق کچھ دہیسی ظاہر نہیں کرتا تھا بلکہ چشم پوشی اور بے التفاتی کرتا تھا۔ وہ خود فوسٹ ہی تھا۔ غالباً اُس کے لیت و لعل کی یہ وجہ ہوگی کہ اگر انکی کتختائی پر رضا مند ہو جائے تو وقت نکاح گرجا میں جانا ہوگا اگر ضرورت کے نظر کرتے مجبوراً چلا گیا تو شیطان سے کیے ہوئے معاہدہ کا خلاف ہوتا ہے۔ اسی سبب وہ شش و پنج کر رہا تھا۔

غرض کہ جب یہ عاشق و معشوق محلِ آردن کے کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اس وقت انکی دلی امیدوں کی یہ صورت تھی جو بیان ہوئی۔ خیر آفتاب ڈوبنے والا تھا۔ مکملن اپنی محبوبہ کا ہاتھ پکڑے ہوئے دالان میں لے آیا۔

مکملن: پیاری اڈیلا! دیکھتی ہو؟ آفتاب کی آخری شعاعیں ان درختوں کی پتیوں پر کستقدِ لطف دکھا رہی ہیں؟ یقیناً وہ وقت یاد ہو جبکہ ہم بچپن میں ان نضاد سے لطف اٹھانے کے لیے اُن (دکھلا کر) پہاڑیوں پر چڑھ جاتے تھے؟ دیکھو! یہ تپتے کس آب و تاب اور دلیری سے چمک رہے ہیں۔ مگر ایسے بعض تو خزان کے بے رحم ہاتوں سے صدمہ اٹھا کر مرجھا جاتے ہیں۔ اور گر بڑھتے ہیں۔ لیکن وہ تپتے جوان تمام آفات میں سینہ سپر رہتے ہیں۔ آخر موسمِ بہار کی نیا فیضیوں کی بدولت اسے نو



لہلہا اٹھتے ہیں۔ انسان کی دلچسپ امیدیں اور دلی انگلیں بھی اسی طرح خاک میں  
لمباتی ہیں۔ مگر افسوس کہ اُنکے اُبھرنے کی بھر کوئی صورت نہیں ہوتی!۔  
اڈویلا: کیوں؟ یہ کیا ہے جو آج تمھاری گفتگو سے اُداس پن اور افسردگی پائی  
جاتی ہے؟۔

ماکسملن: ہاں۔ یہ وقت کچھ ایسا ہی ہے۔ جب تاریکی چاروں طرف اپنا قبضہ کرنے لگتی ہے تو  
افسردہ دلون میں ایک وحشت سی پیدا ہو جاتی ہے۔

اڈویلا: وحشت؟ آخر وجہ؟ جب شب تاریک آتی ہے تو یقین کر لیا جاتا ہے اور لازمی بات  
ہے کہ صبح صادق بھی بہت جلد آئے گی۔ ایسا ہی جب آدمی کا دل رنج و فکر سے پریشان  
ہو جائے تو خداے کریم اپنے فضل و کرم سے اُسکے رنج کو خوشی سے تبدیل کر دیتا ہے۔  
دفعۃً کمرے میں دروازہ کھلا۔ اور چند خدمتگار ہاتھوں میں شمعیں کافوری لیے اندر  
آئے۔ اور اُنکے پیچھے ہی فوسٹ اور لیڈی تریزا ڈیوکل لپیوڈ اور ڈچس میرا بھی آ پہنچے۔

## باب ۸

### دل دادون کی طرفداری

پندرہ برس کا طولانی عرصہ کونٹ آف آر ونا (فوسٹ) کے چہرے پر کچھ تغیر نہ پیدا  
کر سکا۔ اُسکے چہرے کی آب و تاب رنگ روپ اور اُسکی دلفریبی اب تک ایسی ہی  
تھی۔ جیسے اوائل عمر میں پائی جاتی تھی۔ بال اب تک سیاہ تھے۔ آنکھوں کی تجلی میں  
کوئی فرق نہ آیا تھا۔ مگر کسی غائر نظر سے دیکھنے والے کو معلوم ہو جاتا تھا کہ اُسکو کوئی  
اندرونی غم بے چین کر رہا ہے۔ گو وہ اپنی زندگی ہمیشہ عیش و عشرت میں گذارتا تھا لیکن  
شیطان سے کیے ہوئے معاہدے کا خیال اُسکو ہمیشہ پریشان رکھتا تھا۔ وہ  
ابھی جوان تھا۔ دراک و خرد میں کوئی کمی نہ آئی تھی۔ تاہم اُسکو یقین تھا کہ میں بہت جلد

ایک عظیم الشان بلا من گھر جاؤ لگا۔ جہاں سے قیامت تک نکلتا دشوار ہی۔  
 روم کی تاریخ میں لکھا ہے کہ وہاں کا کوئی بادشاہ جب ایک دن غیر کسی نیک کام کے لئے  
 دیتا تھا تو بصد حسرت دیاس پکار اٹھتا کہ وہ افسوس! میں نے اپنی عمر عزیز سے ایک مہنت  
 را لگان کر دیا ہے۔ فوسٹ کا بھی یہی حال تھا۔ شیطانی تعلق کا خیال دل سے نکال دینے  
 کی عرض سے وہ آئے دن ایک نئے طریقے پر زندگی بسر کرتا تھا۔ تاہم ہر ایک ساعت  
 ہر ایک دن ہر ایک ہفتہ ہر ایک مہینا جو گزرا جاتا تھا وہ گویا اسپر ایک قیامت برپا کر کے  
 جاتا تھا۔ جس طرح کسی انتہا درجے کے بحیرہ کو دریا بہہ عزیز ہوتا ہے۔ اسی طرح فوسٹ کو  
 ایک ایک لمحہ نہایت قیمتی معلوم ہوتا تھا۔ وہ اپنے باطنی اختیارات کے سبب ہمیشہ  
 عیش و عشرت اور بدکاری میں مشغول رہا کرتا تھا۔ اور اپنی جاہلی بی بی ترینا سے بھی غافل  
 نہ تھا صرف زبان سے ایک لفظ لکھ کر اُسکو دینا کے دوسرے حصہ میں چلے جانے کی  
 قدرت حاصل تھی۔ اور اسی ذریعے وہ بہت دور جا کر اپنی دلچسپیاں حاصل کر کے جسد  
 واپس بھی آ جاتا تھا۔ اگرچہ ترینا کو شوہر کے چال چلن کی نسبت کوئی بدگمانی نہ تھی تاہم  
 اُسکو ایسی خوشحالی نہ نصیب تھی جیسے ایک فارغ البال عورت کو ہونا چاہیے۔  
 وہ جانتی تھی کہ فوسٹ باوجود دنیا بھر کی نعمات حاصل ہونے کے ہمیشہ متفکر اور  
 پریشان رہتا ہے۔ اور نیز یہ کہ وہ نہ تو کبھی خدا کی عبادت ہی کرتا ہے۔ نہ عبادت گاہ کا نام  
 زبان پر لاتا ہے۔ اور جب کبھی اُس سے اس بے پردائی کا سبب دریافت کیا جائے تو  
 اُسکے ہرے سے وحشت اور ہراکندگی ظاہر ہونے لگتی ہے۔ اور کوئی جواب تشفی بخش  
 نہیں ملتا۔ اُسکی دلی محبت بار بار مجبور کرتی تھی کہ اپنے خاوند سے اس غم دالم کا سبب  
 دریافت کرے۔ مگر چونکہ فوسٹ اس قسم کے سوالات سے ہمیشہ سزاوار بلکہ کبھی برہم  
 ہو جاتا تھا۔ لہذا مدت سے اُس نے پوچھنا ہی ترک کر دیا۔ تاہم وہ ہمیشہ اسی سوچ اور  
 فکر میں رہتی تھی۔ اور فوسٹ اور دوسرے دوستوں سے اپنا رنج و ملال پوچھتا

رکھنے کی کوشش کرتی تھی۔

غرض یہ فکر تریزا پر فوسٹ کی بنسبت زیادہ اثر کر رہی تھی۔ وہ دن بدن کا ہیدہ اور لاغر ہونے لگی۔ فوسٹ کے انتہائی بچ و غم کی نظر کرتے چاہیے تھا کہ وہ سوکھ کے کانٹا ہو جاتا۔ اوچھوڑے کی آب و تاب میں کمی واقع ہوتی۔ مگر نہیں۔ اُسکے غصہ، احتیارات اُسکے عالم شباب کو بھی بچا رکھنے پر کامیاب ہوئے گولیڈی تریزا اب تک حسن و جمال کے اعتبار سے قریب قریب اسی حالت میں تھی جیسے بندرہ سال پیشتر دکھائی دیتی تھی۔ لیکن اُسکا چہرہ زرد پڑ گیا تھا۔ اور اُسکے فوٹے عمر کے متقاضی ہوئے سے نہیں بلکہ انکار کے سبب مضحمل ہوتے جاتے تھے۔ ڈیوک لیوولڈ بھی ان گزشتہ بندرہ برسوں میں کچھ ضعیف نہیں ہو گیا۔ اور میریا بھی ایسی ہی حسین تھی۔ مگر جب ہم نے اُس سے آخری ملاقات کی ہے اسوقت وہ نوجوان لڑکی تھی۔ اور اب ایک حسین اور شباب کے انتہاے درجہ پر پہنچی ہوئی عورت بن گئی ہو۔

ناظرین کو یاد رہے کہ تریزا اور میریا کو اپنے بچوں سے ایسی ہی محبت تھی جیسے پیشتر بیان ہوئی۔ یعنی اگسٹن پر لیڈی تریزا کو اپنی بیٹی۔ سب بھی زیادہ محبت تھی۔ اور میریا اڈیلا پر جان دیتی تھی۔ ان دونوں عورتوں نے اس امر کے متعلق کئی دفعہ گفتگو بھی کی۔ مگر جون جون بچوں کی عمر بڑھتی گئی وہ وہ ماؤن کی محبت بھی منقلب ہو کر ترقی کرنے لگی۔ دونوں بچوں کی باہمی کتھالی کی تجویز تریزا اور میریا کو خوش کر رہی تھی۔ الغرض یہ چند حالات بیان کرنے کے بعد ہم اپنا قصہ شروع کرتے ہیں۔

اُس بارٹی کے لوگ جسے ہم ابھی محل آروما میں چھوڑ آئے ہیں یعنی ڈیوک لیوولڈ ڈچز میریا۔ فوسٹ اور تریزا۔ اگسٹن اور اڈیلا سب کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ میز پر طرح طرح کے کھانے اور میوے اور شرابیں چنی گئیں۔ اُسکے بعد تمام خدمتکار باہر نکل گئے۔ کیونکہ جب میز پر یہ دونوں خاندان جمع ہوتے تو بہت کچھ بے مکلفی رہا کرتی تھی

اسی وجہ سے خدمتگاروں کو دہان رہنے کی اجازت نہ تھی۔

ڈیوک لیپولڈ (دوسرے کمرے میں چھڑی ہوئی گفتگو بھر اشارہ کر کے) ”میرے دوست کوئٹ صاحب! یقین جانیے کہ ہمارے بچوں کی باہمی خوشنودی اور اُنکے فائزہ ہونا ہونے کے متعلق آپ بے ضرورت تاخیر کو جائز رکھتے ہیں۔ شاید آپ کے خیال میں یہ بات ہو کہ وہ ابھی شادی ہونے کے سن کو نہیں پہنچے۔ یا انہیں اتنا شعور نہیں کہ اپنے موجودہ حالات پر غور کریں۔ اگر آپ کا خیال اس طرح کا ہی تو معاف فرمائیے کہ میں اُسکے خلاف میں ہوں۔“

کاسلمن اور ایڈیلا آپس میں ایک دوسرے کو دیکھنے لگے اور اسی دم اُنکے چہروں سے کچھ حجاب بھی پایا گیا۔

ڈیوک لیپولڈ (مسکرا کر) ”دیکھو! اُنکے حرکات کے معائنہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک دوسرے ہی کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔“

ڈچسز میریا۔ (فوسٹ سے) ”بچپن کے زمانہ سے اب تک کبھی انہیں جدائی کی نوبت نہیں آئی۔ بلکہ اُنکی باہمی محبت اور ربط و ضبط میں برابر ترقی ہی ہوتی گئی۔ لہذا میں آپ کی خدمت میں التماس کرتی ہوں کہ اُنکی مدعا براری میں آپ خلل انداز نہ ہو جائے۔“ یہ کہہ کر میریا اُن دونوں بھوسے کم سنوں کی طرف دیکھنے لگی۔ لیکن زیادہ دیر سکی نگاہ اڈیلا کے چہرے پر رہی۔

لیڈی تریزا۔ (فوسٹ سے) ”تم اس بارہ خاص میں نفی نہیں کر سکتے۔ انصافاً دیکھا جائے تو بے شک ڈیوک صاحب کا احسان اور ذرہ لوازی ہے کہ ہماری لڑکی سے اپنے لڑکے کا بیاہ کرنا چاہتے ہیں۔ جو ہمارے لیے باعث فخر و عزت ہے۔ علاوہ بریں اس نسبت کے سبب ہمارے اور ڈیوک کے خاندان میں اور زیادہ محبت کا استحکام ہوگا۔ لہذا میں عاجزانہ طور پر کہتی ہوں کہ تمہیں یہ بات بلا غصہ مان لینا چاہیے۔“

ڈیوک لیڈولڈ وہ دیکھوں تو سہی کہ آپ کیونکر ہم سب کی درخواست کو رد کرتے ہیں۔ اگرچہ آپ بحیثیت پدراپنی لڑکی کے مختار ہیں۔ تاہم اب آپ کی ایک نہ چلبلی۔ ہر ساری رائے قابل قبول نہیں۔ نہ سہی۔ آپ ان توجواؤں ہی کی صورتوں کو دیکھیے کہ وہ کس قدر ایک دوسرے سے محبت و الفت رکھتے ہیں۔ اور ضرورت معلوم ہو تو انھیں کو اجازت دیجیے کہ وہ خود اپنی زبان سے اپنا منشا دلی ظاہر کریں۔ اسی غرض سے میں نے تجویز کی کہ آج یہاں ہم سب جمع ہوں۔ اور یہی سبب تھا کہ میں نے سادگی سے آپ کے روبرو یہ تذکرہ چھیڑ دیا۔

ماکسٹن اور اوڈیل دونوں فوسٹ کے قدموں پر گر پڑے۔ فورٹ انتہا سے زیادہ پریشان ہو گیا اور اسکی حالت آنا نانا بدلتے لگی۔ انکار کر جا سکتے تو ڈیوک کی خفگی کا موجب۔ اور کوئی عذر معقول تبا کر رضا مندی کے لیے مہلت طلب کرنا بھی غیر ممکن۔ عجب کشمکش میں پڑا تھا۔ آخر جب دونوں طالب و مطلوب اپنے حصول مدد کے لیے اس کے بانوں پر گر پڑے تو اسکو بجز اسکے اور کوئی بات بن نہ آئی کہ سسر درست کچھ نہ کچھ انکی دلدہی دشنفی کر دے۔

فوسٹ۔ (بدحواسی کے ساتھ) ”کل دوپہر تک میں اس بارے میں تجویز کر کے جواب دیتا ہوں۔ ڈیوک صاحب کے اخلاق و مردت سے عجب نہیں کہ اس ذرا سے وقفے کو گوارا کر لیں۔“ یہ کہہ کر اپنی دلی بے چینیوں کو ضبط نہ کر سکا۔ اور مضطربانہ اداسے اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

تریزا۔ ”اے! میں معلوم کہ میرے شوہر کو دفعہ کیا ہو گیا جو اس قدر پریشان ہو گئے؟ مجھے بھی انھیں کے ہمراہ جانا چاہیے۔ کہیں خدا نخواستہ بیمار نہ ہو گئے ہوں!“ یسڈی تریزا بھی فوسٹ کے پیچھے دوڑی۔



## باب ”۸۲“

### فوسٹ اور تریزا

فوسٹ پر اگندگی کے ساتھ اُس کمرے سے نکلا جہاں ڈیلوک وغیرہ بیٹھے ہوئے تھے۔ قندیلوں کی تیز روشنی اُسکی دماغی پریشانیوں کو دو بالا کر رہی تھی۔ اور اسی سبب وہ اندھیری جگہ میں تنہا بیٹھنے کا آرزو مند ہو کر نکلا۔ فوسٹ بے حواس محل کے دوسرے حصے کی طرف جا رہا تھا۔ اور اُسکو بالکل خبر نہ تھی کہ تریزا سایہ کی طرح پیچھے لگی چلی آتی ہے۔ آخر کار وہ ایک تاریک کمرے میں پہنچ کر بے اختیار کوچ پر بیٹھ گیا۔ فوسٹ ”افسوس! میں کس درجہ مردود اور بد بخت ہوں۔ مجھے آج تک اُس ظالم عہد سے اتنا رنج نہ پہنچا جتنا کہ آج ہے۔“

تریزا جو اُسکے پیچھے گئی تھی فوسٹ کی زبانی یہ فقرے سن کر چونک پڑی۔ اور جابا کہ اُس درودالم کا سبب دریافت کرے۔ مگر اُسپر ایک خوف طاری ہو گیا۔ اور ساتھ ہی یہ بات بھی ذہن میں گذری کہ اس دخل دہی سے فوسٹ کا مزاج برسم ہو جائیگا وہ وہیں دوزانو بیٹھ کر خلوص قلب سے درگاہِ خدا میں التجا کرنے لگی۔ کمرے میں نرم قالین کا فرش بچھا تھا۔ اسی درجہ سے تریزا کے بالوں کی آہٹ تک فوسٹ کو معلوم نہوئی۔ اور وہ اُسکی موجودگی سے محض بے خبر تھا۔ سو اُسکے فوسٹ کو اُسوقت یہ ہوش کہاں تھا کہ خیف آہٹ پر خیال رجوع کر سکے۔

تریزا پوچھنے سے ڈرتی بھی تھی۔ اور اصلی وجہ معلوم کرنے کے لیے بیتاب بھی آخر اسی تردد و فکر میں اُسی جگہ بیٹھ گئی۔

فوسٹ۔ (باز بلند ہونٹ جا بزم) ”ہے! میں بہت بڑا بخت نامزدنی ہوں۔ ایک ناقہ کش مفلس غریب شخص مجھے ہزار درجہ اچھا ہے۔ میرا کوئی ایسا خالص دوست



بھی ہنن جس سے دل کھو لکرائی داستان غم بیان کردن - آہ! مجھے اب کیا کرنا چاہیے  
 اُس ظالم عہد کو تو ابھی ہنن سکتا - کیا میرے نصیب میں ہی ہر آن معصوموں کی لٹکائی  
 کا گناہ بھی اپنے سر لوں؟ افسوس! خرابی تو یہی ہے کہ میں اس امر پر رضا مند بھی ہنن سکتا  
 کیونکہ وقت نکاح رجا میں جانا ہو گا اور کیا تو اسی دم جان سے ہاتھ دھونا گویا فیصلہ  
 شدہ امر ہے - کیا اچھا ہوتا اگر گذشتہ زمانہ پھر واپس آ سکتا! اے ترنیزا! تیرے  
 پانے کے لیے میں کیسی سخت بلا میں گرفتار ہوا! غضب ہو کہ تو اس سے بے خبر ہے -  
 ناگمان فوسٹ کے کان میں کسی کی نازک شیریں آواز یہ کہتے ہوئے آئی - میرے عزیز  
 شوہر! - اور ساتھ ہی اُسکے منہ پر کسی نے اپنا منہ رکھا - اور اُنسو بھی بہنے لگے -

فوسٹ - (ہیبت سے کانپ کر) ”ترنیزا! تم ہو؟“

ترنیزا - (ردی ہوئی) ”ہاں - میں سب کچھ سُن چکی - اور مجھے معلوم ہو گیا کہ کسی گنہگار  
 نے تمہارے دل کو نہایت پریشان اور غمگین بنا رکھا ہے -“

فوسٹ - اچھے ہٹ کر ”سب کچھ سُن لیا؟ اچھا تباؤ تو سی کہ تم نے کیا سنا؟  
 کیونکہ میری زبان سے نکلے ہوئے الفاظ خود مجھی کو یاد نہیں - اس وقت میں بہت  
 برا گندہ ہوں - جلد تباؤ کہ تم نے کیا کیا باتیں سُنیں؟“

ترنیزا - (دحشت سے) ”خدا دندا! یہ کیا ماجرا ہے؟ میں نے یہی سنا کہ تم آجکل ایک  
 بڑی آفت میں پھنسے ہوئے ہو - اور بچوں کی شادی کے لیے اسوجہ سے حکم نہیں دیتے  
 کہ اُس میں تم شریک ہو نہیں سکتے - اور نہ مجھے یہ معلوم ہے کہ میرے باغی کے متعلق تمہیں  
 کن کن مضبوطیوں کا سامنا ہوا؟“

فوسٹ - ”یس اسی قدر؟ میں نے اسکا سبب تو نہیں بیان کیا؟“  
 ترنیزا - ”نہیں تم سو اِن باتوں کے کوئی اور فقرہ زبان پر نہیں لائے - مگر آہ! تمہارے  
 الفاظ کس قدر جھوٹ اور بالوسی کا پہلو لیے ہوئے تھے - خدا کے لیے جلد بیان کر دو کہ

ہو تمھاری ٹمگنی اور بے چینی کا سبب کیا ہو؟ وہ کون بلا تمھارے سر پر آیا لی؟ جس کے سبب تم اس قدر بدحواس ہو۔ دیکھو اگر پورا قصہ کہکڑ میری تشفی نہ کر دے تو اسی فکر میں میں مر جاؤں گی۔“ تریزا فوسٹ سے لپٹ گئی۔ اور ناز قطار رونے لگی۔ اس کی اس ہمدردی نے فوسٹ کے دل میں ایک اثر پیدا کیا۔ مگر وہ ظالم راز ہی ایسا تھا کہ کسی سے بیان کر سکے۔

فوسٹ۔ (مناست سے) تریزا! یہ باجرا میں ہرگز تم سے بیان کر نہیں سکتا۔ مجھے معاف رکھو۔ اور پھر کبھی اس کا ذکر نہ چھیڑو۔“

تریزا۔ ہاے! تم بیان کرنے سے پہلو بچا کر دل ہی دل میں غم کرنا چاہتے ہو۔ کیا میں تمھاری ساز دار بننے کے قابل نہیں ہوں۔ یا میں تمھاری ہمدرد اور شریکِ رنج و راحت نہیں ہوں؟ یقین جانو کہ بیاہ ہونے سے پہلے تمھارے ساتھ مجھے جس قدر محبت یا دوسرے الفاظ میں عشق تھا اب تک اس میں کمی نہیں آئی۔“

فوسٹ۔ (در دناک لہجے میں) ”تریزا! تم مجھے دیوانہ بنائے دیتی ہو۔“ یہ کہہ کر وہاں سے بھی نکل بھاگنے کی کوشش کرنے لگا۔

تریزا۔ (لپٹ کر) ”ہنیں اس حالت میں میں کیسے طرح تکو جدا ہونے دوں گی۔ مدتوں سے میں جانتی ہوں کہ کوئی باطنی غم در پردہ تمھاری جان پر ستم کر رہا ہے۔ اور تمھاری پر اگندگی مجھے ہمیشہ آٹھ آٹھ آنسو رولاتی ہے۔ تاہم میں نے کبھی اپنے رنج و الم کا اظہار نہیں کیا لیکر چونکہ آج خود آپ ہی کی زبان سے سن چکی ہوں۔ اور وہ الفاظ ایسے تھے کہ جن کے خیال کرنے سے میرا کلیجہ اٹھتا جاتا ہے۔ ایسے جب تک پورا پورا حال نہ کہو گے میں ہرگز بیان سے کہیں جانے نہ دوں گی۔“

فوسٹ۔ ”جقدر سخت سے سخت آفت تمھارے خیال میں آسکے۔ اس سے ہرگز زیادہ مصیبت مجھ پر آنے والی ہے۔“

تریزا۔ "آہ! تم اس درجہ نالان و گریان اور حزن و زار رہو۔ اور میں اس مشکل میں تھاری شریک نہ ہوں؟"

فوسٹ۔ "خیر جانے دو۔ اب مجھے آزاد کرو۔ میں بالکل بیان ٹھہر نہیں سکتا۔" فوسٹ نے تریزا سے جھوٹ کر بھاگنے کی کوشش کی۔ مگر وہ بزدل لگے سے لپٹ گئی اور اسکو اسکے ارادے پر کھینچا ہونے نہ دیا۔

تریزا۔ اس حال میں تم سے دور ہو جاؤں؟ افسوس! مجھے مطمئن کرنے کی تم کوئی صورت ہی نہیں نکالتے۔ کیا میں تمہاری بی بی نہیں ہوں؟ کیا تمہیں امید نہیں کہ میں تمہارے لیے خدا سے دعا کرونگی؟

فوسٹ۔ "عجیب الٹی اور بے سمجھی کی باتیں کر رہی ہو! تم میرے لیے دعا کر سکو گی؟" فوسٹ ٹھٹھول سے ہنسنے لگا۔

تریزا۔ "یہ کیا ہے جو تم میرے خوف کو اور ترقی دلارہے ہو؟ تمہاری ہنسی دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ تمہیں دعا پڑا اور اسکی تاثیر کچھ بھی عقیدہ نہیں۔ یہ حقارت و بے بردہائی اچھی نہیں۔ انسان لاکھ گناہ کرے۔ خدا سے امید ہے کہ وہ بخشدیگا۔ کیا عجیب کہ کسی نہ کسی وقت وہ اسکی دعا کو سن لے۔"

فوسٹ۔ "جھڑک کر!" تریزا! بس اب ان باتوں کو موقوف کرو۔ میں تمہاری ہمدردی اور غمخواری کا شکر گزار ہوں۔ لیکن یہ امید نہ رکھنا کہ وہ راز تم سے بیان کر دے گا۔ یہ بات میرے امکان سے خارج ہے۔"

فوسٹ تریزا کے ہاتھوں کو جھٹکا دے کر الگ ہو گیا۔ وہ روتی ہوئی صغیر پر گری اور بے ہوش ہو گئی۔ فوسٹ وہاں سے نکل کر باغ کی طرف دوڑا۔ تاکہ ٹھنڈی ہوا سے دماغ کو تازہ کرے۔ خیر۔ تھوڑی دیر بعد جب کچھ ڈھبھی حاصل ہوئی تو سوچنے لگا کہ "آئندہ کس طرز پر زندگی بسر کروں؟" شیطان سے تو کوئی تجویز پہنچنے سے رہا۔

اُسکا دل کسی بچے اور خالص دوست کو تلاش کر رہا تھا۔ ناگمان اُسکو آٹو کا خیال آیا۔ فوسٹ جانتا تھا کہ آٹو اڈل درجے کا عقل۔ راست باز۔ نیک طبیعت شخص ہے۔ اسی بنا پر وہ یقین کرتا تھا کہ سوا آٹو کے کوئی دوسرا شخص ایسا نہیں ہے جو موجودہ مصیبت کا شریک ہو سکے۔ وہ بے تردد آٹو کے پاس چلا گیا۔ ان دونوں میں بولچال ہوئی ہم نیچے بیان کرتے ہیں۔ جس سے ناظرین کو انسان کی برائی اور نیکی کا ایک نمونہ معلوم ہو جائیگا۔

## باب ”۸۳“ فوسٹ اور آٹو

اب ہم ناظرین کو شہر دینا کے ایک حصے میں لے جاتے ہیں۔ جو نسبت دوسرے مقامات کے زیادہ تر مصفا اور کم آباد ہے۔ وہاں شہر کے دیگر حصوں کی طرح کچھ عالیشان مکانات بھی نہ تھے اس محلے کے ایک ادسط درجہ کے گھر میں ایک نفیس کمرہ ہے۔ جہیں زیادہ تر تکلف اور شاندار ساز و سامان تو نہیں۔ لیکن جتنی ضرورت ہے وہ اس خوش اسلوبی سے فرینے کے ساتھ رکھا ہوا ہے کہ دیکھنے والے کو مالک کی لیاقت خانہ داری کا نشان ملتا ہے۔ ایک جانب دیوار سے لی ایک تصویر لٹک رہی ہے۔ اور وہ ایسی ہے کہ صرف تصویر ہی دیکھ کر صاحب تصویر کی امارت و سرداری بخوبی منکشف ہوتی تھی۔ اُسی کے مقابل دوسرے جانب ایک عورت کی تصویر تھی۔ جو مشرقی فیشن کا لباس پہنے اور گود میں ایک شیرخوار بچے کو لیے بیٹھی تھی۔ تصویر کے نیچے ”سہلا“ لکھا ہوا تھا جسے معلوم ہوا کہ تصویر اسی سال کی گھنٹی ہوئی ہے۔

یہ امیر خرمین اور اسکی پیاری بی بی انراں اور انکے خورد سال اکلوتے بچے کی تصویریں تھیں۔ دوسری طرف ٹیوٹک لیپولڈ اور میرا کی تصویریں۔ اور تیسری جانب

آٹو اور اسکی بی بی مینا۔ جو تھی جانب ماکسٹن اور اڈیل کی تصویریں تھیں۔ اُس کمرے میں آٹو اپنے لڑکوں کو علم کے ابتدائی ابواب بیٹھا بتا رہا تھا۔ اُن دونوں لڑکوں میں ایک بارہ اور دوسرا تیرہ برس کے سن کا تھا۔ پندرہ برس کا زمانہ آٹو کے چہرے پر بھی کچھ تغیر نہ پیدا کر سکا۔ جبرائیل کے کہ اب اسکے بشر سے صبر و قناعت کے آثار ظاہر ہو رہے تھے۔ اُس پر خدا کی رحمت تھی وہ خوشحالی سے اپنی زندگی بسر کرتا تھا۔ کیونکہ اُسکو نہایت نیک نہاد بی بی ملی تھی۔ اور نیک عورت کا ملنا اور صلاح اور رشید اولاد کا ہونا رحمت الہی کی دلیل ہے۔ غرض جب غروب آفتاب سے ایک گھنٹا گزر گیا۔ وہ خوشحال باپ اور اُسکے بچے اپنے کام سے فارغ ہو کر دوسرے کمرے میں گئے۔ جہاں مینا شب کے کھانے کا اہتمام کر رہی تھی۔ اور اپنے خاندان درجیوں کو آتے دیکھ کر خوشی سے سکڑانے لگی۔ کھانے کی میز پر ایک سفید ریش والا مشنر بھی بیٹھا تھا۔ یہ بالنی مینا کا باپ تھا جو آٹو کے اصرار اور منت کے سبب یہیں رہنے لگا کیونکہ بڑھے کو اس ضیفی میں اپنی پیاری بیٹی کی جدائی نہایت شاق تھی۔ القصہ وہ سب کے سب خوشی و خرمی سے دسترخوان پر کھانے میں مشغول ہوئے۔ دفعتاً ایک خادم اندر آیا اہلکسا کہ یہ کونٹ آف آردنا د فوسٹم آٹو سے کچھ مخفی بات کرنے کے خواہاں ہیں۔ آٹو فوراً اٹھ کر اُس کمرے میں آیا جسکا نام ابھی ہم ذکر کر رہے تھے۔ فوسٹم کے آنے سے وہ کمال متعجب ہو گیا تھا۔ وہ سمجھ موئے تھا کہ فوسٹم ایک بدعاش اور نامعقول شخص ہے۔ جو میری بہن کی عزت ریزی کا باعث ہوا تھا۔ مجھے پھر اُس سے ملنے یا بات کرنے کی ضرورت نہوگی۔ خیر جب آٹو کمرے کے دروازے پر آیا تو فوسٹم کو بے چینی کے ساتھ اڑھ آدھ ٹپکتا ہوا پایا۔

فوسٹم۔ (سلام کر کے) ”مستر آٹو! میرے اس دفعتاً آنے کے سبب سے آپ کسی قدر متحیر ہو رہے ہوں گے۔ اب میں آپ سے التماس کرتا ہوں کہ گذشتہ واقعات کو بھول جائیے۔



اور جس طرح مشکل کے وقت دیگر لوگوں کو آپ مثل ایک سچے دوست کے کام آئے۔  
 اسی طرح اس کا طرہ وقت میری بھی مدد کیجیے۔“  
 آٹو میری ناچیز تدبیر اور تائید سے جو کچھ ہو سکے میں کسی فرد بشر کے لیے دریغ نہ کر دے گا اور  
 میرا دشمن جان بھی میرے گھر پر آکر مجھ سے مدد کا طالب ہو گا تو میں بسر و چشم اسکی ہمدردی  
 کے لیے تیار ہو جاؤں گا۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ ہر انسان کو دوسرے کے ساتھ اسی طرح  
 کا سلوک کرنا چاہیے۔“

فوسٹ: ”آپ کے اوصاف حمیدہ سے بیشک ایسی ہی امید ہے۔ میری نظروں میں سوا  
 آپ کے کوئی اور شخص ایسا نہ معلوم ہو جو بندگان خدا کی یہودی کے لیے اپنے آرام و راحت  
 کو ترک کر دے بلکہ جان کی بھی پروا نہ کرے۔ اسی سبب میں یہاں تک آیا ہوں۔ یقین ہے کہ  
 میں جو کچھ آپ سے کہوں اس سے دوسروں کے کان آشنانہ ہو سکیں گے۔“  
 آٹو: کیا مجال آپ بے مائل فرمائیے۔ ممکن نہیں کہ وہ بات کسی اور کو معلوم ہو سکے۔“  
 فوسٹ: تھوڑی دیر نال کر کے ”آپ جانتے ہو گئے کہ ماسکین اور اڈیلا آپس میں بلکہ دوسرے  
 سے انتہا درجے کی محبت رکھتے ہیں۔“ آٹو نے جواب دینے کے عوض ان دونوں تصویروں  
 کو دکھا دیا۔ جو اس کمرے کی ایک دیوار پر آویزاں تھیں۔ اور جنہیں فوسٹ نے اب تک نہ دیکھا تھا  
 فوسٹ: ”تعجب سے ان تصویروں کو دیکھ کر“ یہ بالکل اصلی معلوم ہوتی ہیں۔ ہاں سوقت  
 میں انہیں دونوں کی بہتری کے خیال میں ہوں۔ اور اسی امر کے متعلق آپ سے کچھ  
 کہنا چاہتا ہوں۔“

آٹو: ”کیوں حضور! کیا ان دونوں کے ملاپ کے لیے کوئی چیز ملے گی۔؟“  
 فوسٹ: ”جی ہاں۔ ایک بات ایسی ہے جو انکی باہمی شادی کو منع کر رہی ہے۔ اور وہ مما  
 میرے ہی جانب سے ہے۔“

آٹو: ”یہ کیوں لیوولڈ کے فرزند سے آپ اپنی دختر کے بیاہ دینے میں کیوں تردد فرماتے



ہین؟ میں بالکل سمجھ نہیں سکا۔“

فوسٹ۔ ”میں اس مبارک تجویز کا مخالف نہیں ہوں۔ مگر میری تقدیر۔ ہاے میری

شومنی طالع ان فوج کالون کی دلی مراد بر لانے میں خلل اندازہ ہوتی ہے۔“

آٹو۔ ”حضور! آپ کے الفاظ میری تو مطلق سمجھ میں نہیں آتے۔ واللہ اعلم کیا معنی؟ آپ

آجکل نہایت دوئمہ صاحب اقتدار سمجھے جاتے ہیں۔ پھر کون بات ہے جسے اس درجہ

آپ کو مایوس اور پریشان کر رکھا ہے؟“

فوسٹ۔ آپ نہیں جانتے۔ میں باوجود اس قدرت اور تو نگری کے اپنا آپ مختار

نہیں ہوں۔ مجھے غم قریب ایک ایسی بلا آئی والی ہے۔ جو مجھے کوہنیں بلکہ میرے تمام متعلقین کو

تہ و بالا کر دیگی۔“

آٹو۔ ”یہ عجیب حیرت خیز معلومہ ہے۔ جسے شکریہ دل میں طرح طرح کے گمان پیدا ہوئے

ہیں۔ بہر حال نہ سمجھ سکتے کہ اب آپ کو کس بات سے بے دخل ہے؟ تاکہ میں حتی الامکان

کوشش کر کے اُس کے دفعہ کی صورت نکالوں۔“

فوسٹ۔ ”یہی ہوتا تو پھر کیا تھا؟ ہاے! غضب تو یہ ہے کہ مجھے کسی کی اطاعت پہنچ ہی

نہیں سکتی۔ اور جب اُن دونوں طالب و مطلوب کے نازک دنوں کو صدمہ پہنچنے نہ خیال

آتا ہے تو میں دیوانہ ہو جاتا ہوں۔ آج وہ میرے قدموں پر گر پڑے۔ اور ڈیوگ ٹیچر۔ اور

تریزانے اُنکے لیے سفارشیں کیں۔ مگر میں بغیر کچھ جواب دیے کل پر موقوف رکھ آیا ہوں۔

آٹو۔ ”تو کل آپ کیا جواب دینگے؟ آپ تو میں دیکھتا ہوں کہ اس نیک کام کے مخالف

نہیں ہیں۔ یقیناً جانئے وہ دن بہت ہی مبارک ہوگا جبکہ گرجا میں آپ اپنی لڑکی کا

ہاسٹل کے ہاتھ میں دینگے۔“

فوسٹ۔ ”ہاں وہی ایک ظالم مخالفت ہے جسکو کوئی انسان دور نہیں کر سکتا۔ اور جسکو یاد

یاد کرنے سے میرا کلیجہ لرزے لگتا ہے۔ آپ نے جو کہا کہ گرجا میں اپنی بیٹی کا ہاتھ ہاسٹل کے

ہاتھ میں دوں۔ یہ تو دستور ہے جس پر ہر شخص عمل کرتا ہے۔ لیکن افسوس! میں اگر جا کے اندر جاتا تو ایک طرف کسی عبادت گاہ کی چوکھٹ پر قدم رکھنے کی بھی جرأت کر نہیں سکتا۔ فوسٹ ایک آہ سرد بھر کے خاموش ہو رہا۔ اور آٹو حیرت اور خوف سے پیکر تصویر بن گیا۔

فوسٹ۔ (آٹو کے قریب آکر) ”میں ایک لعنی ہوں۔ یہ نہ پوچھیے کہ کیونکر؟ اور اس بارے میں بغیر دور و دراز خیالات کرنے کے اس قدر سمجھ لیجیے کہ توبہ و استغفار، عبادت و تقویٰ میری رہائی کے لئے کچھ مدد نہیں کر سکتے۔ اگر دنیا بھر کے کل باوری متفق ہو کر میرے حق میں دعا کریں بھی تو ممکن نہیں کہ نجات ہو سکے۔ پس سب طرف عالم یاس ہے۔ آٹو! حضور! آپ مجھے پریشان کیے دیتے ہیں۔ کسی بندہ خدا سے یہ ممکن نہیں کہ وہ اپنے آپ کو خدا کی رحمت سے الگ کرے۔ آپ کی طرز گفتگو سے اس قدر ہمتا جلتا ہے کہ آپ سے کوئی گناہ عظیم صادر ہو لے مگر یہ نہیں معلوم کہ وہ کون گناہ ہے اور آپ کو اُس کے ارتکاب کی کیا ضرورت پیش آئی؟“

فوسٹ۔ ”مناسب ہے کہ آپ اُسکی ماہیت جاننے کی کوشش کے عوض اپنا کام کریں کہ ماسٹرن اور اٹو بلا کی شادی ہو جائے۔ اور مجھے گر جا میں جانے کی ضرورت نہ ہو۔ آہ! میں وہاں نہ جانے کے لئے کون جیلہ کر دوں؟ جس سے ڈیوک ڈیجر اور میری بی بی تریزا کے دل پر رنج نہ آئے۔ اگر عمداً نہ جاؤں تو میری بدکرداری اور نہ مالا تھی پورے طور پر ثابت ہو جائیگی۔“

آٹو۔ ”میں حیران ہوں کہ اس مقدسے میں کیا کروں؟ اور کون تدبیر اسکے لیے مفید ہوگی؟“

فوسٹ۔ ”کیا آپ اتنا نہیں کر سکتے کہ میں بیکر کسی مددگار کے وہاں جا کر سب بچاؤں اور میرے قائم مقام بیکر یہ کام ادا کریں؟ کچھ نہ کچھ تو بڑے عجیبے میسرے یہاں آنے اور

آپ کی خدمت میں عرض کرنے سے یہی مقصود ہے کہ آپ کا اعتماد اور عزت و توقیر ان لوگوں کی نظروں میں بہت زیادہ ہے جو اس شادی سے تعلق رکھتے ہیں۔ غالباً وہ آپ کی ہر بات کو سچ سمجھیں گے۔ اور بے تردد یقین کر لیں گے۔“

آٹو۔ سب کچھ سہی مگر میں جھوٹ ہرگز نہ بولوں گا۔ اُن دونوں معصوموں کے حصول مطلب کے لیے میں خوشی کے ساتھ سعی و کوشش کروں گا۔ لیکن جھوٹ کہنے یا کسی قسم کا مکر و فریب کرنے کی تجھ سے امید نہ رکھیے۔“

فوسٹ۔ (دو حشت ہے) ”جسکو ہم درست سمجھتے تھے وہ قاتل نکلا۔ آپ سے مجھے جس قدر امید تھی۔ غارت ہو گئی۔ اور آخر بالوس واپس جانا پڑا۔“

آٹو۔ جناب عالی! آپ کوئی ایسی تدبیر بتائیے جس کا عمل راستی کے ساتھ ہو سکے۔ اور جس سے آپ کو بھی فائدہ پہنچے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ اگر اُس کام میں مجھے تصدیقات و تکالیف کا بھی سامنا ہو تو خوشی سے گوارا کروں گا۔ ہاں یہ البتہ مجھ سے نہو سیکے گا کہ جھوٹ اور دغا سے کام لوں۔ کیونکہ میں اپنی نیکنامی میں بٹہ لگانا نہیں چاہتا۔“

فوسٹ۔ ”آپ لمبی جوڑی خوش طبع بیان کرتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ میرے لیے کچھ نہ کر سکیں گے تاہم میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اور چاہتا ہوں کہ ہماری باہمی گفتگو کا ایک لفظ بھی کسی دوسرے شخص کے کان میں نہ پڑے بلکہ جسکو ان باتوں کے کہنے کی ضرورت بھی نہیں۔ میں آپ کی نیک چلنی اور راست بازی کا حال بخوبی جانتا اور اس پر بخیر و سار کھتا ہوں۔“

آٹو۔ ”تو سچ فرمائیے ان شرط کی پابندی کے ساتھ آپ کا کام اس طرح بحال آون کہ آپ بھی یاد کریں، فوسٹ نے اس بات کا کچھ جواب نہیں دیا۔ اور آٹو سے رخصت ہو کر چلا گیا۔“

## باب ”۸۴“

### افشاے ساز مخفی

اس ملاقات نے آٹو کے دل میں ایک دردناک اثر پیدا کیا۔ وہ تمام باتیں از سر نو یاد آگئیں جو فوسٹ کی نسبت سن چکا تھا۔ اسکا دٹن برگ کے قید خانہ سے چھوٹ نکلتا۔ تریزا کو قلعہ مانفریڈ سے آسانی کے ساتھ چھڑا لانا۔ قلعہ روزنٹیل کی فصیاون پر مانفریڈ کی لڑائی میں ایک بیک بنو دار ہو کر استدر جرات و دلیری سے دشمن کو ہٹانا اور سب سے زیادہ حیرت انگیز معاملہ اسکا دفعۃً مغسی سے دو تندی کے اعلیٰ درجے پر پہنچ جانا۔ اور باد جو داس دولت و فردت کے اسکا ہمیشہ نگین درپاگندہ رہنا۔ بریشاں خواب دیکھ کر نیند سے چونک اٹھنا۔ کسی عبادت گاہ میں نہ جانا۔ اور اقرار کرنا کہ میں لعنتی ہوں گر جاکی چو کھٹ پر بھی قدم نہیں دھسکتا وغیرہ۔ ان سب خیالات سے آٹو پریشان ہو گیا۔ اور اُسکے بدن پر رنگٹے کھڑے ہو گئے۔

آٹو۔ ”دوہین“ افسوس! فوسٹ کسی شیطان کے پھندے میں تو نہیں پھنس گیا؟

بیجاری تریزا اور اُسکی پیاری بیٹی پر خدا رحم کرے اور خدا کرے یہاں خیال غلط ہوا۔ آٹو انہیں خیالوں میں محو ہو رہا تھا کہ ناگهان گلی میں اُسی جڑے کی کھر کی کے نیچے جبین وہ ٹھل رہا تھا اور شخصوں کے لڑنے کی آواز آئی۔ اسیدم ایک بیچ کی آواز بھی آئی۔ آٹو نے خیال کیا کہ کوئی ستم رسیدہ مرد کے لیے چلا رہا ہے۔ بے تردد گلی کی طرف دوڑا۔ رات نہایت تاریک تھی۔ اور اب وہ آواز بھی موقوف ہو گئی تھی۔ آٹو تلوار کھینچ آگے بڑھا۔ اُسکے پاؤں سے کوئی چیز لگی جھک کر دیکھا تو ایک آدمی بے ہوش زمین پر پڑا ہے۔ آٹو اُسکو کندھے پر ڈال کر اپنے گھر لایا اور دیکھا تو اس میں ذرا سی جان باقی تھی۔ فوراً خدنگاروں کو بلوایا۔ اور روشنی قریب منگوئی۔ جب اچھی طرح اسکی صورت نظر آئی تو آٹو انتہا سے

زیادہ متعجب ہو گیا۔

وہ ڈاکٹر ڈارنبرگ خاص طبیب ڈیوک لیپولڈ کا تھا۔ سینے پر گہرا زخم لگنے کے سبب سے خون نکل رہا تھا۔ آٹو نے اپنے ایک خدمتگار کو ڈاکٹر کے بلانے کے لیے روانہ کیا۔ اور آپ دوسرے خدمتگاروں کی مدد سے مجروح کو ایک اور کمرے میں لیگیا۔ اور اسکا لباس اُتار کے چھونے پر لٹا دیا۔ اس اثنا میں آٹو کا معمولی ڈاکٹر بھی حسبِ طلب موجود ہوا۔ اور بیمار کی حالت دیکھ کر اپنے چہرے کو متفکر بنا لیا۔ ڈاکٹر دن کی عادت ہی کو سخت بیمار کے دیکھنے کے بعد چند ایسی حرکات کرتے ہیں جنکے سبب سے دیگر لوگوں کو معلوم ہو جاتا ہے کہ بیمار کا حال خطرناک ہے۔

آٹو۔ (متروک ہو کر) ”کیا زخم کاری لگا ہی ہے؟“

ڈاکٹر۔ ”زخم کچھ زیادہ تو نہیں۔ لیکن ڈارنبرگ صاحب ضعیف القوی ہونے کی وجہ سے انکی صحت کی نسبت شہم واقع ہوتا ہے۔ مگر میں مایوس نہ ہونا چاہیے،“ ڈاکٹر زخم کو دھو کر نہایت عمدگی سے پٹی باندھنے لگا۔ مجروح کو راحت سے معلوم ہوئی۔ جھٹ سے آنکھیں کھول دیں۔ اُسکے بعد دو بلائی گئی۔ جب حمام کا ہون سے فراغت حاصل ہوئی تو ڈاکٹر دو گھنٹے بعد واپس آنے کے وعدہ سے چلا گیا۔ آٹو بیمار کے قریب بیٹھ گیا۔ اُسکی عورت بیٹا بھی تیمارداری میں شریک ہوئی۔ ڈاکٹر وعدے کے مطابق آدھی رات کو آیا۔ اُسوقت بیمار فافل سو رہا تھا۔ ڈاکٹر تبض وغیرہ دیکھ کر واپس گیا۔ آٹو نے جبراً اپنی بی بی کو سو رہنے کے لیے کہا۔ وہ اٹھ کر چلی گئی۔ اور تنہا آٹو بیمار کے پاس رہ گیا۔ بیمار برابر سو رہا تھا مگر آٹو نے آنکھ بند نہیں کی جب کبھی نیند کا غلبہ ہوا تو اٹھ کر اُسی کمرے میں تھوڑی دیر ٹھٹھا تھا۔ تاکہ سستی دور ہو جائے۔ شب بھر اُسنے اسی طرح گزار دی۔ تو کی ملاقات اور گفتگو کا تصور بھی اُسکے دماغ کو منتشر کر دیتا تھا۔ آخرات گذر گئی۔ صبح صادق کی نورانی جھلکیاں کمرے میں آنے لگیں۔ آٹو بیمار کے بازو کرسی پر بیٹھا ہوا تھا



ایک آواز ”مین کمان ہوں؟ اور کیوں مجھے اس درجہ ضعف ہے؟ کیا خواب دیکھ رہا

ہوں؟“

آٹو ”گھبرائیے نہیں۔ جناب! آپ کو زخم لگا ہی اور اسکا اچھا ہونا آپ ہی کی کوشش پر منحصر ہے۔“

ہمارے ”یہ تو سٹر آٹو کی سی آواز معلوم ہوتی ہے۔ کیا میرا قیاس صحیح ہے؟“

آٹو ”بے شک صحیح ہے۔ مین یقین دلاتا ہوں کہ آپ اس وقت اپنے خیر خواہوں کے نزدیک ہیں۔ نہ کہ دشمنوں کے پنجے میں۔ اور مین یہ چاہتا ہوں کہ آپ بالکل مطمئن اور خاطر جمع رہیں۔“

ڈاکٹر ڈوارنبرگ ”سٹر آٹو! مین خدا کا شکر بجالاتا ہوں کہ ایسی مصیبت کے وقت آپ کے سے نیک مرد کے ساتھ مین ہوں۔ اب مین جی مسرت کے ساتھ اپنے دل کا حال آپ سے بیان کر دینگا۔“

آٹو ”دہ کون بات ہے جو آپ اس وقت فرمانا چاہتے ہیں۔ غالباً آپ سے تو عمر بھر کوئی بھاری گناہ یا کوئی جڑی خطا صادر نہ ہوئی ہوگی۔ کیونکہ آپ نیک نیتی اور خدا ترسی میں ہمیشہ سے مشہور رہے ہیں۔“

ڈوارنبرگ ”آپ ظاہر یہ نہ جلیے! ظاہری نیک افعال انسان کی پوشیدہ سیاہ کاریوں کو بتا نہیں سکتے دنیا میں ایک ایسی چیز بھی ہے جسکے جمع کرنے یا حاصل کرنے کے لیے آدمی وقت ضرورت خدا سے دوری اور شیطان کی قربت بھی گوارا کر لیتا ہے۔ اس ظالم شے کی کشش کے بدولت انسان کی دیانت داری اور نیک چلنی خاک میں مل جاتی ہے۔ وہ چیز کیا ہے؟ ”روپیہ“ روپیہ کی قربت سے بہت کم لوگ ہیں جو اپنا دامن بے لوث رکھتے ہیں! اسی شیطان کے لیے مین نے اپنا دین و ایمان کھو کر اور خدا ترسی کو خاک میں ملا کر دونوں جہان میں رو جیا ہ بن گیا۔“



آٹو۔ ”جی تو آپ کو اب ایک پادری کی ضرورت ہے جسکے روبرو اپنی خطا کا اقرار کر کے توبہ کر دیں۔“ یہ کہہ کر آٹو دروازے کی طرف بڑھا۔

ڈارنبرگ۔ دلچاست ہے ”نہیں۔ وہ بات صرف آپ ہی سے کہنے کی ہے۔ کیونکہ سوا آپ کے میری نظر دانستہ کوئی ایسا شخص نہیں جو میری حسب خاطر عمل پر اپہو سکے۔ میں آپ سے اپنے دل کا راز تو بیان کیے دیتا ہوں مگر ساتھ ہی یہ التماس ہے کہ خب تک میں زندہ رہوں وہ راز کسی سے نہ کہئے۔ ہاں جب میں مر جاؤں۔“

آٹو۔ اس بات سے آپ بیٹھ کر بیٹھے لیکن مجھے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سر دست یہ تقریر بوقت رکھی جائے۔ تھوڑی دیر بعد جب آپ کا مزاج راہ پر آجائے تو طبیعت سے گفتگو کر سکتے ہیں۔

ڈارنبرگ۔ ”میں کیونکر ٹھہر سکتا ہوں۔ اس قدر بھی امید نہیں کہ اور ایک ساعت زندہ رہوں گا۔ بد معاش چور جو مجھ پر حملہ آور ہوا اسکی تلوار نے میرا کامی تمام کر دیا۔ شب گزشتہ میں ایک بیمار کے گھر جا رہا تھا۔ اتفاقاً اُس موزی سے مقابلہ ہو گیا۔ خیر نصیب کی بات تھی۔ لیکن اب معلوم ہوتا ہے کہ میری موت کی گھڑی بہت جلد آنے والی ہے۔“

آٹو۔ ”آپ کے زخم جس ڈاکٹر نے ٹپی باندھی اُسکا قول ہے کہ زخم کچھ زیادہ نہیں لیندا آپ در اسی آسائش اور دلچسپی سے شفا حاصل کر لیں۔“

ڈارنبرگ۔ ”دیکھا جائیگا مگر نے احوال میری باتیں تو سن لیجئے۔ آپ قریب آ جائیں اور ہمہ تن گوش بن کر جو کچھ کہوں بغور سنتے جائیں۔“ آٹو اپنا کان بیمار کے منہ کے قریب لگایا۔ اور متوجہ ہو کر سننے لگا۔

ڈارنبرگ۔ ”(پست آواز سے)“ آپ کو معلوم ہے ہو گا کہ اٹھارہ سال پیشتر ڈپوک لیولڈ کے محل میں ایک ہی ساعت دو عالی خاندان بیکون کو وضع حمل ہوا۔“

آٹو۔ ہاں مجھے بخوبی یاد ہے۔ اور اگر میری یاد غلطی پر نہیں تو آپ ڈچر میرا کے زچہ خانے

کے منظم مقرر کیے گئے تھے۔

ڈارنبرگ: ”واہ آپ کو یہ بھی معلوم ہے؟ خیر۔ اُس دن دو بچے پیدا ہوئے۔“

آٹو: ”جی ہاں۔ ایک سٹن میریاسے۔ اور اڈولف تریاسے۔“

ڈارنبرگ: ”نہیں نہیں حقیقت حال اس کے برعکس ہے۔ اڈولف میریاسے کی بیٹی۔ اور ایک سٹن لیڈی تریاسے کا بیٹا ہے۔“

آٹو: ”متعجب ہو کر“ یا آئی۔ کیا محرابی؟ جلد پورا قصہ بیان کیجیے!“

ڈارنبرگ: ”سینے اگوارے خانے میں ایک بہت بڑا فتور واقع ہوا۔“

آٹو: ”ہاں میں سمجھ گیا۔ یہ نہایت سنگین مقدمہ ہے۔ جو آپ بیان کر رہے ہیں میرا بدن کانپ رہا ہے۔“

ڈارنبرگ: ”اس میں شک نہیں۔ وہ مقدمہ ہی ایسا ہے۔ میں اُس کو قبر میں لیجانا نہیں چاہتا اسی سبب عالم نزع میں اس آفت و فذاب کے ساتھ آپ سے بیان کر رہا ہوں۔“

آٹو: ”واقعہ ملکہ“ دیکھیے! مہر مادی بھی کس درجہ سچی ہوتی ہے۔ حالانکہ اس تبدیلی سے نہ لیڈی تریاسے واقف ہے۔ نہ ڈچونیر یا۔ لیکن تریاسے کو ایک سٹن سے اور میریاسے کو اڈولف کے ساتھ بہت ہی محبت ہے۔ اس کا سبب وہی قدرتی شفقت ہے جو ہیرمان کو اپنے بچے سے ہوا کرتی ہے۔ اچھا۔ اب اس کا ثبوت کیونکر ہو سکے؟“

ڈارنبرگ: ”جسکی آواز اب نہایت پست ہو گئی تھی“ لیڈی تریاسے کے زچہ خانے کا منظم ڈاکٹر لٹزن دا یہ ہرگز نہ ہونہ زندہ ہیں۔ آپ کو اس مقدمہ میں شبہ ہو تو ان لوگوں سے پوچھ کر تشفی کر لیجیے!“

آٹو: ”اب مرن ایک بات پوچھنی باقی ہے۔ یعنی اس کام کا بانی کون ہوا۔ اور کسکی تجویز اور اغوا سے یہ کارروائی عمل میں آئی؟“

ڈارنبرگ: ”فورسٹ کونٹ آف آردنا کی ترغیب سے۔ یہ کام۔ ہوا۔ لیکن۔“

جب تک میں زندہ ہوں۔ اس راز کو مخفی رہنے دیجیے۔“  
 آٹو۔ دہراگندگی سے اُٹھ کر ”افسوس! ڈارنبرگ کا یہ آخری وقت ہے۔ کسی کو بادی کی تلاش میں بھیجا ضرور ہے۔“ آٹو بدحواس اُس کمرے سے نکلا۔ ایک خدمتکار کو ڈاکٹر کے پاس اور دوسرے کو بادی کے لیے روانہ کیا اور آپ بیمار کے پاس لوٹ آیا دیکھا تو ڈاکٹر ڈارنبرگ کی روح نفیس غصری سے پرداز کر چکی ہے۔

## باب ”۸۵“

### کوہ کالن برگ

اسیدم جبکہ ڈارنبرگ اور آٹو میں گفتگو ہو رہی تھی کوہ کالن برگ کی چوٹی پر دو شخص کھڑے تھے۔ کالنبرگ وہی پہاڑ ہے جس پر سے دصدیون کے بعد پولنڈ کی فوج نے اتر کر ویانا کو سپاہ عثمانیہ کے محاصرے سے بچایا تھا۔ غرض چوٹی پر ٹھہرے دو شخص اگرچہ آدمی ہی کی شکل میں تھے۔ مگر سمین ایک ہی انسان تھا۔ وہ فوسٹ اور بن تھے۔ شیطان۔ (فوسٹ کی صورت دیکھتا ہوا) ”میں تمہارے مطلب کو سمجھ چکا دوبارہ بیان کرو۔ مجھے یہ نہوسیکھا کہ تمہاری خواہشات کی جستجو میں رہوں۔ میرا کام اسی قدر ہے کہ تمہارے حکمون کی فوراً تعمیل کروں۔“

فوسٹ۔ (جوشناہت پریشان خاطر تھا) ”اچھا تو میں ہی کہے دیتا ہوں۔ اب میری خواہش یہی ہے کہ تو کوئی ایسا کام کر جس کے سبب ویانا کے لوگ اپنے معمولی کاروبار کو بھول جائیں بلکہ ایسا ہونا چاہیے کہ خاص خاص امور بھی ملتے کر دیے جائیں۔“  
 شیطان۔ ”تم آج مجھے بہت بڑا کام کرنے کا حکم دیتے ہو۔ دیکھو! اچھی طرح غور اور فکر کر لو! کہیں ایسا نہ ہو کہ تعمیل حکم کے بعد اُسکی خرابیوں کا الزام میرے سر دھرنے پر تیار ہو جاوے۔“

فوسٹ ”یہ من ہر طرح غور و تامل کر چکا۔ تو بے تردد میرا حکم بجالا۔ جا ہے اسکا منہ  
کیسا ہی کیوں نہ ہو۔“

شیطان ”یہ کوئی بڑی بات نہیں۔ ایک ہی لفظ لکھ کر تعمیل ارشاد کر سکتا ہوں۔ مگر  
کوہ براکن پر طوفان بپا کرنے کے سبب سے ملک جرمنی کا جس قدر وسیع اور سرسبز حصہ دین  
وہ برباد ہو گیا۔ وہ تو ضرور آپ کو یاد ہو گا۔“

فوسٹ۔ (غضبناک ہو کر) ”مجھے سب کچھ یاد ہی۔ تو اس درجہ تاخیر کیوں کر رہا ہے؟  
کیا اچھا ہوتا اگر میں خود بغیر تیری اعانت کے کچھ کر سکتا!! ادریان۔ تو جو کچھ کرے گا  
اسکا آخر دوی چار دن پر محدود نہونے دے۔ پورے چھ ماہ تک ساکنان شہر اپنے  
معمولی اشتغال کو بھول کر نہایت پریشان و بدحواس رہیں۔“

شیطان ”بہت خوب“ یہ لکھ کر مشرق کی طرف منہ پھیرا۔ ادریان ہاتھ بڑھا کر  
کنے لگا۔“

”اے موت کے سیاہ ابرا! تو اپنے دلچسپ وطن جاپان کو چھوڑ۔ ادریورپ میں  
ہو نچکر اپنے کاہلے نمایان کاٹونہ دکھلا۔ مان کل یورپ میں کوئی شہر تیرے صدمہ  
سے محفوظ نہ رہنے پائے۔“

شیطان مندرجہ بالا فقرے کے جاتا تھا۔ اور فورٹ مشرق کی طرف ٹٹلکی لگائے  
کھڑا تھا۔ دفعہ ایک دھواں مشرق سے نمود ہو کر بتدریج بڑھنے لگا۔ اور دیکھتے  
ہی دیکھتے کوہ دیابان شہر و قصبہ بلکہ زمین سے آسمان تک بھر گیا۔ جس مقام  
پر فوسٹ ادرجن کھڑے ہوئے تھے وہ بھی اُڑھوین سے خالی نہ تھا۔ آسمین کچھ  
ایسی بدبو اور مٹھو میں جانے سے اس قدر بے چینی ہوتی تھی کہ فوسٹ بھی کھبر کر حشت زدہ  
چوہ طرہ دیکھنے لگا۔ شہر پر اس طرح کی تاریکی چھا گئی جیسے سورج گہن کے وقت ہوا  
کرتی ہو شیطان کے منتر سے آناٹا ناجو نتیجہ مترتب ہونے لگا اُس سے فوسٹ

گھبرا اٹھا۔ اور بے اختیار جن سے پوچھنے لگا ”یہ کیا بلا ہے؟“

شیطان۔ یہ بلا آپ ہی کے حکم سے تولائی گئی!“

فوسٹ ”بجاء اور وہ دھوان جو شہر دیا نا کو گھیرے ہوئے ہے اس سے کیا مراد ہے؟“

شیطان ”میں آپ کا حکم بجالایا مرض طاعون دیا نا میں شروع ہو گیا۔“

فوسٹ ”ہاے ہاے! ایسا غضب نہ کر اس بلا کو معاً اسی وقت پھیر دے!“

شیطان ”یہ بات میرے امکان کی نہیں۔ چاہیے تھا کہ تم پہلے ہی کہہ دیتے۔ میں تو

بہت دیر تک اس امر کی بجا آوری میں تکرار کرتا رہا۔“ یہ کہہ کر شیطان دست بستہ

بھاڑ پر سے اترنے لگا۔

فوسٹ۔ (پشیمانی پر ہاتھ مار کر) ہاے افسوس! میں بھی کس قدر رو سیادہ ہر کردار

ہو رہا ہوں۔“

غرض فوسٹ بھی شیطان کے پیچھے پیچھے اتر کر اس آفت زدہ شہر میں داخل ہوا۔

## باب ”۸۶“

### طاعون

شیطان کے منتر نے نہایت ہی خراب اثر پیدا کیا جب فوسٹ شہر میں آیا تو دیکھا کہ لوگ

گلی کوچوں میں بدحواس دوڑ رہے ہیں۔ چہرہ پر وحشت اور مایوسی برستی تھی۔ وہ

کسی جگہ ٹھہرتے ہی نہ تھے۔ ڈاکٹروں کے گھروں پر خلایق کا ہجوم تھا۔ بجاہت سے

عاجزی سے لوگ اٹھیں بھاڑے تھے۔ کوئی تومان یا پ کے بیمار ہو جانے پر فسوس

کر رہا تھا۔ کوئی عزیز اولاد کے لیے اور کوئی اپنی پیاری بی بی کے لیے غرض ہر ایک

کچھ نہ کچھ آفت میں مبتلا ہونے سے حیران پریشان تھا۔ اس سے ایک صدی پیشتر

وہی مرض یورپ بھر میں تہلکہ ڈال گیا تھا۔ جسکے سبب برابر نصف آبادی کم ہو گئی تھی



لوگوں کے دلوں سے اب تک وہ وحشت و درہنوی تھی۔ اس بیماری کا نام کالی موت رکھا گیا کئی پیرلوں تک اس بلا سے بد کی مصیبتیں اور صعوبات مثل کہانوں کے بیان کی جاتی تھیں۔ آخر جب یہ مرض دوبارہ نمودار ہوا تو ساکنان شہر کو اس درجہ پریشانی ہوئی جس کا بیان کرنا ممکن نہیں۔ ان اس پریشانی و پرانگندگی سے یہ نتیجہ المیہ نکلا کہ معمولی کاروبار تک سخت موقوف ہو گئے شادی بیاہ ہونا درکنار تجارتی دکانیں بھی بند کھلتی تھیں۔ جب کوئی شدید مرض یا بلا شہر پر آئے تو باشندوں پر اس کا ایسا اثر ہوتا کہ گویا سب کے سب ایک ہی خاندان کے ممبر ہیں۔ دینا مین بھی اس وقت اسی طرح کی ہمدردی کی جاتی تھی۔ جو لوگ اس بلا سے بچے ہوئے تھے وہ دوسروں کی حالت زار پر آٹھ آٹھ آنسو رو رہے تھے غیر فوسٹ جب پہاڑ سے اتر آیا تو ہشت شہر کا یہ حال تھا جو بیان ہوا۔ حسین گل اندام عورتین جو فرط غم و حسن سے اپنا روئے زیبا بغیر نقاب کے کسی کو دکھانا پسند نہ کرتی تھیں۔ اب وہ بدحواس کھڑکیوں سے سر باہر نکالے ڈاکٹر کی راہ تک رہی تھیں۔ کہ جلد آکر اپنے عزیز بچے کا یا پیارے شوہر کا یا غمخوار والدین کا علاج کرے۔

اس مرض کی علامات بھی نہایت عجیب تھیں۔ پہلے سبیل جسم پر ایک آلمہ نکلتا تھا اسکے ساتھ ہی تمام بدن کی یہ حالت ہو جاتی تھی کہ دیکھنے سے وحشت پیدا ہو۔ خوشرو ماہ طلعت نوجوانوں کے چہرے جو اس سے پہلے آفتاب کی طرح چمک رہے تھے بیماری کے نمود ہوتے ہی بے رونق اور سیاہ جاتے تھے۔ زبان کالی ہو کر پھول جاتی تھی۔ اور زبان کی بالیدگی کی وجہ سے مریض گفتگو کرنے سے بھی عاجز ہو جاتا تھا۔ صرف جیس و حرکت بستر مرگ پر پڑا حسرت و اندوہ سے عریز و اقارب کو دیکھنے لگتا تھا۔ بڑا غصہ تو یہ تھا کہ یہ بیماری متعدی تھی۔ لہذا بہت جلد شہر کے ہر ایک گلی کو چھوٹی پھیل گئی۔ آخر کار بیان تک نوبت پہنچی کہ والدین بچوں کو۔ اور بچے والدین کو



عورتیں اپنے شوہر دن کو اور شوہر اپنی پیاری بیویوں کو چھوڑ چھوڑ کر بھاگنے لگے۔  
مرض فقط انسانوں ہی کے لیے باعث مرگ نہ تھا بلکہ حیوانات اور نباتات کو بھی  
اسی قدر صدمہ پہنچ رہا تھا بقدر کہ انسانوں کو غرض جب وہ بیماری شروع  
ہوئی تین ہی گھنٹہ کے اندر مریض کا کام تمام ہو جاتا تھا۔

اُس زمانہ کے لوگ اکثر نہایت ہی ضعیف والا عقائد رکھ لوگ اور جاہلانہ خیالات  
والے تھے۔ اسی سبب شہر میں وہی تباہی خبریں مشہور ہونے لگیں۔ وحشت و ہلاکت  
نے صحیح سالم لوگوں کی عقل و ہوش پر پانی پھیر دیا تھا۔ القصد سیکڑوں بے سرو پا بالوں  
کے ساتھ یہ خبر بھی مشہور ہو گئی کہ بیمار کی آنکھ میں آنکھ ملانے سے بھلا جینکا آدھی بھی بلا میں گرنا  
ہو جاتا ہے۔ پھر کیا تھا۔ بیمار داری تو ایک طرف کوئی مریض کے پاس تک نہ ٹھکتا تھا۔  
خویش و اقارب علانیہ بیمار کو ترپتا چھوڑ کے بکھجاتے تھے۔ مگر یہ بھاگ بکھانا بھی اچھا  
بچانہ سکتا تھا کیونکہ بیماری اُنکے لباس میں اور نیز ہوا میں بسی ہوئی تھی۔

## باب ۷۸

### سچا دوست

طاعون کے سبب ویانا میں جو لختل چلی اُسکا حال تو ادھر بیان ہو ہی تمام شہر  
میں صرف ایک ہی شخص ایسا تھا جسے اُس ہلاکی کچھ فکر نہ تھی۔ یعنی فوسٹ کو نہ  
آف آر دنا۔

فوسٹ پہاڑ سے اتر کر جن جن گلیوں سے ہو کے گزرنے لگا ہر طرف فریاد و فغان  
کی آوازیں بند پائیں۔ کچھ چھٹم ہوئے بد معاش لوگ جو محنت سے روٹی کماتا  
جھانٹتے تھے اور اور دن کی داد و دہش پر گزارا کرتے تھے۔ اور جو ہر شہر کی گلی کو چون  
رہے تھے وہ دکھائی دیتے تھے۔ اور جن سے آج تک یورپ کی تہذیب کو تہ لگا ہوا

غرض ایسے لوگ لاوارث لاشون کے دفن کرنے کے لیے سرکار سے مقرر کیے گئے۔ اس تھوڑے ہی عرصہ میں مرنے والے گاڑیوں پر لاد کے جانے لگے۔ فوسٹ ہین جانتا تھا کہ یہ لاشیں کسکی ہیں اور یہ سب کس بیماری سے مرے ہیں۔ وہ کسی ضروری کام کے سبب آٹو کے گھر چلا گیا تھا۔ اسکا دل اندر سے دھڑک رہا تھا۔ شہر پر جو بلا سے مر نازل ہوئی اُسکی وجہ سے وہ خود اپنے آپ سے نفرت کرنے لگا۔ اُس عالم سہراگی میں اپنے درست واقارب کا بھی خیال نہ رہا۔ ورنہ وہ ضرور اُنھیں محفوظ رکھنے کا کچھ نہ کچھ انتظام کر جاتا۔ خیر۔ وہ کئی مقامات طر کرتا ہوا اُس گلی میں پہنچا جہاں آٹو رہتا تھا۔ فوسٹ آٹو سے ملاقات کرنے کی کوئی دلی خواہش نہ رکھتا تھا مگر اُسکی بدکرداریوں نے اُسکو بیان تک حیزین داندو گہین بنادیا تھا کہ آٹو ایسے نیک طبعیت شخص کی صحبت میں دد گھڑی بیٹھ کر غم غلط کرنے کی متنا پیدا ہوئی۔ حاصل کلام وہ آٹو کے گھر میں داخل ہوا۔ اسی گھر میں جہاں دد گھنٹے قبل ڈاکٹر ڈارنبرگ کی جان لگتی تھی پیشتر اُسکے جس کمرے میں باہمی ملاقات ہوئی تھی آٹو کا ملازم فوسٹ کو اُسی کمرے میں لے گیا۔ اور تھوڑی دیر میں آٹو بھی آمو جو دہوا۔

آٹو۔ (انسردگی سے) ”دین آپ سے ملنے کا بہت آرزو مند تھا۔ اور حیران ہوں کہ آپ کیونکر میرے مافی الضمیر کو جان گئے جو خود ہی تشریف لائے!“  
فوسٹ۔ ”آپ مجھے ملنا چاہتے تھے؟ کیون؟ آخر کچھ وجہ تو معلوم ہو؟“  
آٹو۔ (کرسی فوسٹ کے قریب کھینچ کر) ”جناب! ایسے کہ چند لمحہ مشیر مجھ پر ایک عجیب گرازنکشف ہوا۔ وہ بھید دو خاندانوں سے تعلق رکھتا ہے۔ ڈاکٹر ڈارنبرگ ابھی حالت نزع میں پوری حقیقت مجھ سے بیان کر رہا تھا۔“

فوسٹ۔ (بیقرار ہو کر) ”ہاے! ڈارنبرگ مر گیا اور تمہیں گہوارے خانے کا مارا تباہ دیا؟“  
آٹو کو غضب کی نگاہوں سے دیکھ کر گریا درہے کہ اگر میں جاہلون تو

مرغ ایک ہی نظر میں تمہیں اسی دم عدم کو بھیج سکتا ہوں۔ تمکو چاہیے کہ میرا راز کسی پر ظاہر نہ کرو۔“

آٹو: ”آپ کی یہ فضول دھمکیاں مجھے متحیر کیے دیتی ہیں۔ میں خالص خدا پر بھروسہ رکھتا ہوں۔ اور یہ بتانے میں بھی کچھ عذر نہیں کہ یہ راز کسی سے بیان کر کے آپ کی عزت ریزی کرنا میرا مرکزِ خاطر نہیں ہے آپ کی باتوں سے ظاہر ہوتا ہے آپ کو کچھ پوشیدہ اختیارات حاصل ہیں۔“

فوسٹ: ”ہاں۔ بے شک مجھے بہت بڑی قدرت حاصل ہے جسکے حاصل کرنے کے لیے میں نے اپنی روح کا عمر بھرا پاک بن کر رہنا گوارا کر لیا ہے۔“

آٹو: ”کیا یہ سچ ہے؟ ہاں اگر سچ ہو تو آپ سا بد بخت آدمی دنیا میں نہوگا۔ ہاں آپ کی بے انتہا دولت و ثروت اور ناقابلِ قیاس اختیارات اور بعض مقاموں پر بہت ہی عجیب و غریب حرکات دیکھ دیکھ کر مجھے یقین ہو رہا ہے کہ۔“

فوسٹ: ”ہاں۔ بلاشبہ تمہارا قیاس صحیح ہے۔ پھر تباہ کیا اب بھی تم مجھے خوف نہیں کرتے؟“

آٹو: ”یہ نہ کہیے بھلا میں آپ سے کیوں ڈرنے لگا؟ سو اسے خداوندِ عظیم کے کسی اور کا خوف میرے دل میں آ رہی نہیں سکتا افسوس آپ نے بہت ہی بُرا کام کیا۔ لیکن میں آپ پر ملامت نہ کر دوں گا۔ کیونکہ میں دیکھتا ہوں آپ انتہا سے زیادہ شوش و پرکندہ فاعل ہیں۔ اتنا البتہ عرض کرنا ہوں کہ آپ پریشان ہو جیے۔ خدا کی رحمت عام ہے۔ میں آپ کے لیے ضرور دعا کر دوں گا۔ بلکہ آپ ہی کے ساتھ عبادت الہی میں شریک ہوں گا۔“

فوسٹ: ”خاموش! اگر میری زبان سے لفظ ”عبادت“ نکلا تو اسی دم شیطان سے عمد شکنی ہو جائیگی اور میں بھی اسکے قابو میں ہو جاؤں گا۔“

آٹو: ”دمضرب ہو کر“ افسوس! تو پھر کیا کیا جائے؟ میں آپ کو اس حال میں تنہا

تو نہیں چھوڑ سکتا اگرچہ دنیا بھر آپ سے نفرت کرنے لگے لیکن میں ضرور آپ کا ساتھ دوں گا اور تائید و اعانت میں کبھی دریغ نہ کروں گا۔ آپ کے عزیز و اقارب کو اس خبر بد کی سماعت سے جس قدر رنج و ہنہوڑا ہوا ہے۔ آپ ہی کچھ سوچئے کہ اس بارے میں کیا تجویز کیجائے۔ جس طرح ڈچر میرا آپ کے بیٹے کو اپنا بچہ سمجھتی ہے اسی طرح میرا کی بیٹی کو آپ کی عزیز بی بی ترنیز خاص اپنی بیٹی جانتی ہے۔ یہ سب کچھ سہی مگر اُن کے دلون کی محبت اسی بچے کے ساتھ وابستہ ہے جو درحقیقت اُنکا ہے۔ حالانکہ وہ اس امر سے بالکل واقف نہیں آہ! یہ راز اور کتنے دن تک اُن لوگوں سے پوشیدہ رکھئے گا! عجب پیچدار معاملہ ہے۔ میں کوئی ایسی کارروائی بھی عمل میں لانا نہیں چاہتا جس میں آپ کی بدنامی متصور ہو۔“

فوسٹ شکر ہے کہ تم میری ہمدردی پر آمادہ ہو اور مجھ سے نیک سلوک کرنا چاہتے ہو۔ میں ایک بد معاش اور بہت بڑے گناہ کا مرتکب ہونے کے علاوہ تمہارے ساتھ بھی بہت کچھ بدی کر چکا ہوں۔ مجھے اس وقت ہمدردی و محبت کی زیادہ ضرورت ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ تم سے زیادہ کوئی غمگین مخلوق نہ ملے گا۔ لہذا چاہتا ہوں کہ اپنی سرگزشت بے کم و کاست تم سے بیان کر دوں۔ ہاں۔ اب تم میری داستان سننے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ یقین ہے کہ جب سنو گے تو دریاے فکر میں ڈوب جاؤ گے!“

یہ کہہ کر فوسٹ بدن سے پسینا پونچھنے لگا۔ آٹو نے ایک گلاس شراب سے بھر کے دیا تاکہ اُسکو کچھ تفریح حاصل ہو۔

فوسٹ۔ (دلی جوش سے) ”آٹو! اب سنو۔ مگر دیکھو میری داستان غم سننے کے بعد کہیں مجھ سے نفرت کرنے لگتا! اصل یہ ہے کہ ترنیزا کے عشق نے مجھے کہیں کانچا اسکے باپ نے غضبناک ہو کر مجھے قید کر دیا۔ اور انجام میں میری نسبت بھالسی کا حکم صادر ہوا۔ انھیں دنوں اتفاقاً ایک جادو کا عمل میرے ہاتھ لگ گیا۔ اسکے پڑھنے

ایک جن انسان کی شکل میں میرے رو برو آکھڑا ہوا غرض اُسی نے مجھے قید سے رہا کیا۔ جسکے عوض مجھے اپنی روح اُسکے ہاتھ بیچنا پڑی۔ چوبیس سال بعد وہ مجھ پر قابض و متصرف ہو جائیگا۔ یہی سبب تھا جو دیکھتے ہی دیکھتے میں اعلیٰ درجہ قوت پر پہنچ گیا کیونکہ تمھارے بدن کے رونگٹے کیوں کھڑے ہو گئے؟“

آٹو بیجی ہاں۔ آپ کی مصیبت کا خیال کر کے میں نہایت متوحش ہوا جانا ہوں۔ اور سوچ رہا ہوں کہ افسوس! آپ کس دہائی مصیبت میں پڑ گئے!۔

فوسٹ ۲۲ جن جن شرط کے ساتھ میں نے شیطان سے عہد کیا، اُن سے پہلی شرط یہ ہے کہ میں کسی عبادت گاہ میں نہ جاؤں۔ اور نہ کچھ دعا و التجا کروں۔ اگر اُسکے خلاف ہوا تو اُسی دم شیطان مجھ پر حاوی ہو جائیگا۔ اس صورت میں میں نے یہ ارادہ کر لیا کہ تریزا کو بغیر بیاہ کے اپنے قبضہ میں لاؤں۔ لیکن جب میں اس امر میں غور کرنے لگا تو میری رائے مجھے کو پسند نہ آئی۔ اسلئے کہ تریزا سے مجھے خالص محبت تھی۔ اور اُسکی رسوائی و بدنامی مجھے کسی حال میں گوارا نہ ہو سکتی تھی۔ گو میں نے اسکے لیے اپنی ساری عمر کی شادمانی و مسرت کو خاک میں ملا دیا ہے۔ خیر۔ جب میں نے اُسکو وینا کے رواج کے مطابق عبادت گاہ میں جا کر بیاہ کر لانا چاہا اور شیطان سے اجازت طلب کی۔ تو وہ اس شرط پر راضی ہوا کہ میں اپنا پہلا بیٹا اُسکے حوالے کر دوں!۔ آٹو۔ متعجب ہو کر ”حضور! یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ نوجوان ماسکملن کو ایسی سخت بلا میں گرفتار کیا جائے!“

فوسٹ ۲۳ تم کوئی تعجب نہ کرو۔ یہ واقعی حال ہے۔ دوسرا امر یہ کہ دنیا بھر میں جو کارروائی ہوتی ہے شیطان اُس سے مطلع ہو جاتا ہے۔ مگر چونکہ میں نے اہل مال اُسکا مالک ہوں۔ مجھے اختیار ہے کہ بعض مقدمات اُس سے مخفی رکھ سکوں۔ اسی سبب سے میرے گھر لڑکا ہوتا ہے میں نے اُسکی تبدیلی ایک اور لڑکی سے



کردی۔ اور زے نصیب کسب کام میری حسب خواہش عمل میں آئے۔“

آٹو۔ ایسا ہو تو گہوارے خانے کی کیفیت کو بالکل پوشیدہ رکھنا ضروری۔ اگر  
اکسملن اسکی خاص اور اصلی مان کے حوالے کر دیا جائے اور اڈیلا اپنے صحیح والدین  
کی گود میں دیدی جائے تو اسملن اکسملن کو تمام عمر کے لیے خرابی ہی۔ اس پیارے  
حسین بچے کو شیطان کے سپرد کرنا ہو گا۔ افسوس!“

فوسٹ۔ بہت ٹھیک بات تھے کہی۔ اب یقین معلوم ہو گیا ہو گا کہ ان دونوں  
کسین ماہ یاروں کی شادی کی بابت میری عدم رضامندی کا سبب کیا ہے۔ یہی کہ میں  
اس بیاہ میں شریک ہو نہیں سکتا لیکن اب وہ میرا تردد کسی قدر کم ہو گیا ہے۔ کیونکہ  
میں تو جانتے ہو کہ شہر میں کالی بلا نمودار ہوئی ہے۔ اب اہل شہر کو اتنی مہلت کمان کہ شادی  
بیاہ سوچھے؟“

آٹو۔ ہاں۔ بلاے بد شہر پر نازل تو ہوئی ہے۔ مگر خدا سے امید ہے کہ بہت جلد کم بھی  
ہو جائیگی اگر وہ دفع ہو گئی۔ اور یہ دونوں نوہمال فضل انہی سے بچے رہتے تو  
آپ انکی کتھالی کے بارے میں کیا تجویز کریں گے؟“  
فوسٹ۔ مجھ سے بتلائے مصیبت کو چند لمحہ کا وقفہ بھی غنیمت ہے۔ یہ بلا دور ہو گئی  
بھی تو لوگوں کو خاطر جمع ہو کر اپنے کاروبار میں مشغول ہونے کے لیے ایک عرصہ دلاؤ  
چاہیے۔ اسوقت تک کچھ نہ کچھ تجویز ہو رہی ہے۔

آٹو۔ نہیں۔ اسوقت تجویز سوچنے کے لیے فرصت ملنا دشوار ہو گی۔ اور ہاں یہ  
کس طرح یقین کیا جاسکتا ہے کہ شیطان نے دھوکا نہ دیا اور آپ کس دلیل سے  
کہتے ہیں کہ وہ گہوارہ جانے کی تبدیلی سے واقف نہیں ہے؟“

فوسٹ۔ ہاں یہی خیال تو مجھے بھی سنا رہا ہے۔ تاہم میری دانش میں شیطان  
نے مجھے اس قدر عاجز نہیں کر دیا ہے۔ جب قدر وہ واقف ہونے کے عالم میں کرتا ہے۔“



آٹو ” چاہئے کچھ ہو اب اس امر کا افساد لازم ہے۔ خیال تو کیجیے۔ روح کی سلامتی تمام باتوں پر مقدم ہے۔ اپنے پیارے بیٹے کی زندگی میں ہمیشہ کے لیے داغ لگا دینا اول درجے کی مردم آزاری ہے۔ اگر آپ اجازت دیتے ہیں تو میں اکسمن کو اس ظالم راز سے آگاہ کر کے نصیحت کرتا ہوں کہ دنیا سے دست بردار ہو کر رات دن صرف خدا کی عبادت سے کام رکھئے۔“

فوسٹ۔ ”تا سف سے“ یہ بے سود اور بیکار تجویز ہے۔ اکسمن پارسائی کا جامہ پہن لے اور عبادت گزاری میں بے مثل ہو جائے بھی تو ممکن نہیں کہ اُس کے حق میں مفید ثابت ہو سکے۔ جب دقت آئیگا شیطان اُسکو گر جا کے گوشے سے کھینچنے میں بھی دریغ نہ کریگا۔ اور اگر کہیں گہوارہ خانہ کا حال اسپر کھل گیا تو پھر قیامت ہی ہو جائیگی دنیا میں کوئی ذریعہ اُسکے بچاؤ کا نہیں۔ سو اے ایک کے۔ لیکن کسی کو کیا بڑی ہمت کہ اُن آفات کو اپنے آپ پر گوارا کرے۔ اور مجھ ستم رسیدہ کے لیے ایسے دور و دراز کے سفر کا عازم ہو۔“

آٹو ” اس کام کے لیے میں حاضر ہوں۔ میں نے تو کل ہی کی ملاقات میں عرض کر دیا تھا کہ کسی ایسے طریق سے جو بغیر نزیب و دعا کے ہو میں آپ کی خدمت گزاری کے لیے موجود ہوں۔ خیر اب مفصل حال کہ سنائیے۔“

فوسٹ۔ ”رکمال مسرت کے ساتھ“ اس بار سے میں تم میری بددکر سکونگے؟ اگر ایسا ہوا تو ایک پہاڑ مجھ سے ٹل جائیگا۔ اور اپنی عمر کے چند روز جو بانی ہیں خوشی سے بسر کر دے گا۔“

آٹو ” آپ مجھ پر اعتماد کر کے حقیقت حال بیان کیجیے۔“

فوسٹ۔ ”راطمینان سے“ ”اچھا تو سنو! کوہ ارا رات کی چوٹی پر وہ کشتی رکھی ہوئی ہے۔ جسکے سبب سے حضرت نوح اور اُنکے ہمراہیوں کو طوفان عظیم سے امن ملا تھا۔“

گو طوفانِ نوح کو اب کئی ہزار برس کا عرصہ گزر چکا۔ مگر وہ کشتی ہنوز وہاں موجود ہے۔ زمانہ دراز منقضي ہونے سے اسکی حالت اور رنگ میں تبدل واقع ہوا ہے۔ اور برف بھی اُس پر جم گئی ہے۔ آج تک کوئی آدمی اس کشتی کو دیکھ نہ سکا۔ بلکہ اُس قرب و جوار میں کسی انسان کا پاؤں نہیں پڑا ہے۔ جہاں وہ کشتی رکھی ہے اُسکے چاروں طرف بڑے بڑے بلند پہاڑ اور سیکڑوں مہیب غار ہیں۔ تمام قطعہ برف سے بھرا ہوا ہے۔ اگر کوئی ایسا شخص جو نہایت متقی اور پاک باطن ہو ان آفات کو برداشت کرتے ہوئے پہاڑ کی چوٹی تک پہنچ کر ایک ٹکڑا اُس مقدس کشتی کا توڑ لائے۔ اور وہ ٹکڑا اُس بچے کے گلے میں بچائے تو یز کے باندھا جائے۔ جسکے والدین نے تولد سے پیشتر ہی اُسکو شیطان کے حوالہ کر دیا ہو تو وہ بچہ شیطان کے دام سے ہمیشہ نجات پاسکتا ہے۔“

آٹو تو کیا وہی شہر آپ کو بھی پچا نہ سیلگی؟“

نوسٹ۔ (بالوسانہ اسے) ”آہ! یہ ممکن نہیں۔ کیونکہ میں خود اپنی رضا و رغبت سے اس بلا میں پڑا۔ کوئی مقدس چیز اور کوئی تدبیر مجھے اس آفت سے محفوظ نہیں رکھ سکتی مگر مجھے سچی مسرت حاصل ہونے کے لیے میرے بچے کی رہائی ہی کافی ہے۔ آٹو! تم اس جانکاہ مصیبت کو میرے لیے گوارا کر دے گے؟“

آٹو نے ضرور لبسِ چشم۔ گو مجھے اپنی عزیز بی بی اور پیارے بچوں سے جدا ہونا شاق معلوم ہوتا ہے تاہم کسی کو ابدی نعمت سے بجا کر نندگانِ خدا کے مقابل سُرخ رو کرنا ان تمام باتوں سے کمین بہتر ہے۔ آپ مطمئن رہیے۔ میں آج ہی اپنے اہل و عیال کو ہمراہ لیکر مشرق کو جانا ہوں۔ کسی محفوظ مقام پر انھیں چھوڑ کر میں تنہا کوہِ اسرار کا سفر اختیار کر دوں گا۔ اور خدا نے چاہا تو حقے الارکان سعی کر کے اپنی کوششوں پر کامیاب ہوں گا۔“ آٹو کی اس محبت و ہمدردی کو دیکھ کر نوسٹ اپنے دلی جو شش کو

ردک نہ سکا۔ بے اختیار اسکی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔ آخر زول سے آٹو کا شکریہ ادا کر کے رخصت ہوا۔

## باب ۵۸

### انجمن فلا جلیٹس

پورے چھ مہینے تک مرگ سیاہ یعنی طاعون یورپ میں ہنگامے بپا کر رہا تھا قحط طلی دبا۔ اور کئی اور قسم کی بلائیں بچسپ اور آباد شہروں کو دیران بنانے لگیں۔ علاوہ اسکے طوفان۔ زمین کا زلزلہ۔ بے موسم بارش اور تیز فتنہ ہوائیں حال تباہ کر رہی تھیں۔ غلہ اور کھیتوں کو بڑا ضرر پہونچا۔ عمدہ اور خوش قطع باغ جنہیں پھولوں کی خوشبو مہاک رہی تھی اب تاراج و برباد ہو گئے تھے۔ ہوائیں عفو ت پیدا ہو گئی تھی۔ زلزلوں کے صدے سے زمین میں جوشگاف پڑ گئے تھے۔ اُسے بھی بدبو کھل رہی تھی۔

قسطنطنیہ کا عظیم الشان شہر بھی دیران ہو گیا۔ مسجدین جو نمازون کے وقت متقی مسلمانوں سے بھری رہا کرتی تھیں۔ اب خالی پڑی تھیں۔ اذان کی آواز بھلے سنتے ہی سیکڑوں مسلمان دوڑے چلے آتے تھے اب بالکل سنائی نہ دیتی تھی۔ اس بلا کا آنا ہی تھا کہ گویا تمام شہر خداپرستوں سے خالی ہو گیا۔ کیونکہ گھر سے باہر نکلنے کی قسم تھی۔ سرسبز جزیرہ مالٹا بھی بالکل ہی اُجرٹ گیا۔ زمین کے زلزلوں نے اسکے تمام حصوں میں انقلاب پیدا کر دیا تھا۔ سمندر کا جوش و خروش جہازوں کی تباہی غرض ہر طرح اس جزیرے کو بڑا ہی نقصان اٹھانا پڑا۔ رہ جگہ جو کسی وقت غیرت گلزار ارم تھی دیکھتے ہی دیکھتے ویران ہو گئی۔ اُٹلی کو بھی اس بلا سے کچھ کم صدمہ نہیں پہونچا۔ زمین کے پُر فضا قطعے۔ خوشناباغ آنا نا پامال ہو کر جنگل بن گئے۔

یونان بلکہ تمام ممالک یورپ کو بہت ہی نقصان پہونچا۔ ملک جرمنی پر تو گویا قیامت نازل ہوئی۔ سیکڑوں گاؤں زمین کے شگافوں میں غارت ہو گئے۔ ساکنان شہر اس درجہ گھبرائے تھے کہ سرکار سے تختہ مات کا اعلان منع کرا دیا گیا۔ اور مردوں کے دفن کے وقت گرجا میں گھنٹیوں کا بجنا موقوف کر دیا گیا۔ تاکہ لوگ پریشان نہ ہوں۔ غرض کل یورپ میں اس بلا سے پچیس ہزار آدمی مر گئے۔ مگر مہکو تو صرف شہر دیانا کا حال بیان کرنا منظور ہے۔ دیانا کے معزز تعلیم یافتہ لوگ بھی ہوش و حواس کھو کر عوام کی طرح دم و سواس میں گرفتار تھے۔ اور اُنکے جاہلانہ خیالات کا یہ نتیجہ ہوا کہ شہر میں ایک انجمن قائم ہوئی۔ بچے بوڑھے با درمی وغیرہ سب اُس میں شریک تھے۔ ہر رکن انجمن کے پاس ایک کوڑا ہوتا تھا جس سے وہ اپنے جسم کو استقدر مار لیا کرتا تھا کہ خون نکل آتا تھا۔ رفتہ رفتہ یہاں تک نوبت پہونچی کہ دوسروں کو بھی کوڑے مارنے لگے۔ اور یہ بات مشہور کر دی گئی کہ جب تک اس طرح کی باہمی زد و کوب نہ تو یہ قبول نہیں ہو سکتی۔ یہ لوگ صلیب ہاتھوں میں لیے ہوئے رات کے وقت شہر میں بھاگتے تھے۔ اور جہاں کہیں کھلا میدان نظر آیا بٹھکر دعائیں کرتے اور ایک دوسرے کو مار لیا کرتے تھے۔ نہ یہی پابندی کرنے کے سبب سے انھیں کوئی رک بھی نہیں سکتا تھا۔ غرض وہی چار دنوں میں یہ حال ہو گیا کہ لوگ اُنکی ظلمت زد و کوب سے لرزنے لگے۔ اسرار دیگر دولت مند انھیں نذرین دیتے تھے کہ اسی سے نرم ہو کر ہمارا پیچھا چھوڑ دینا اور مارنے کا ارادہ نہ کریں۔ ہر شب کو اُس جماعت کا رڈنی ہمراہ لیے ہوئے بھلنا اور گرجاؤں کے روبرو بیٹھ کر کوڑے مار لینا۔ اور اُنکی گریہ و زاری کی صداؤں سے شب کی اُداسی دہ چند ہو جاتی تھی۔ جیون جیون باے سیاہ اور دباڑھتی گئی خلق کی بد اعتقاد بان بھی ترقی پاتی گیٹن۔ ایک دن صدر انجمن نے یہ مشہور کیا کہ وہ مجھے خاص حضرت مسیح کے پاس سے ایک خط آیا ہے، ایسی بے سرو پا بات کو لوگوں نے

بلا تامل یقین کر لیا۔ ایک وقت مقرر کر کے کسی ممبر نے وہ خط پڑھا۔ اچھے اچھے عقیل ذی فہم اشخاص اسکو واقعی حضرت مسیح کا خط تصور کر کے مودب دوزانو بیٹھ کر سننے لگے۔ بعض عقل کے اندھوں اور تقویٰ کا دم مارنے والوں نے آنسو بھی بہائے۔ اور بعض خوف خدا سے رونے لگے۔ خط کا مضمون یہ تھا کہ دو حقیر مسیح علیہ السلام اہل زمانہ کے گناہوں کو دیکھ دیکھ کر پہلے تو بہت غصہ ہوئے اور آخر حضرت مریم اور چند فرشتگان مقرب کی سفارش سے اُن لوگوں کے لیے عفو قصور چاہینگے جو جو نیتیں دن تک برابر شہر میں گشت کر کے اپنے جسم پر کوڑے مار لے۔ اس منکرانہ شہرت سے اتنی بات حاصل ہوئی کہ صد ہا لوگ دو دروازے سے آکر انجمن میں شریک ہو گئے۔ اور سب ملکر رفتہ رفتہ شہر میں لوٹ مار کرنے لگے۔ راہب خانون میں گھسار بے اعتدالیان شروع کر دیں۔ شہر میں ہر طرف انجمن کا بول بالا تھا۔ مگر انکی تمام بد معاشی اور مردم آزاری میں سب سے بڑھکر یہ ظلم تھا کہ یہودیوں کے ساتھ بہت بڑا سلوک کرنے لگے۔

جس وقت مرض طاعون شہر میں منگامہ بپا کر رہا تھا۔ اور ڈاکٹر لوگ اس سوچ میں تھے کہ اسکے پیدا ہونے کا ٹھیک سبب دریافت کر کے جلد کوئی تدارک کریں۔ اس وقت عام لوگ غریب مظلوم یہودیوں کو مجرم ٹھہرانے لگے کہ انھیں کے گناہوں کے سبب خدا نے برہم ہو کر یہ بلا نازل کی ہے۔ اور انجمن کے میر مجلس کی جانب سے اس معنی کا اعلان ہوا کہ یہودیوں نے تمام تالابوں اور ندیوں اور کوئٹہ میں زہر ملا دیا ہے۔ تاکہ عیسائی لوگ پانی پی کر ٹھنڈے ہو جائیں۔ اُن لوگوں کی زبان سے جو بات نکلتی تھی اسکو اہل شہر حیحی آسمانی کے برابر سمجھتے تھے۔ پس یہ بے اصل بات بھی باور کر لی گئی۔ اور بیچارے بیگناہ یہودیوں کا جو طرفہ قتل عام شروع ہوا۔ ہر گلی کوچہ میں قوم یہود کی عورتوں مردوں اور



بچوں کی لاشوں کے انبار لگ گئے۔ افسوس! ہسنے اکثر اس مظلوم قوم کی تباہیوں اور مصیبتوں پر اشک بہائے ہیں۔ لیکن اس وقت جو عیسائیوں نے اُن پر ظلم کیا مایہ نچ کے صفوں میں دیکھ کر، عین بڑی رقت ہوتی ہے۔ غرض کہ شہر میں اور اطراف کے واسطے قریبوں میں بلکہ تمام یورپ میں یہ خبر عام ہو گئی کہ یہودیوں نے بانی کو ذبح کر دیا ہے۔ اور ہر جگہ میں جن کو اُنھیں قتل کیا جاتا تھا۔ ہم صرف دیانا کا حال بیان کرینگے۔ اُن کے گھروں کو آگ لگا دی جاتی تھی۔ جب بے گناہ عورتیں اور معصوم بچے گھر اکراہر نکلتے گئے تھے تو تھکاردن سے اُنکا کام تمام کر دیا جاتا تھا۔ نہ اُنکے تڑپے رونے پٹنے پر کسی کی توجہ تھی نہ کوئی اُنکی فریاد کو سنتا تھا۔ اس جو رذالہ کی موقوفی کا سرکار سے حکم تو جاری ہوا۔ لیکن فوجی لوگ اور کل عہدہ دار مذہبی جوش میں اس درجہ غیور ہو رہے تھے کہ علانیہ گورنمنٹ کے حکم کے خلاف کرنے لگے۔ اُن دنوں شہر کے اندر یا باہر کسی قسم کے انتظام کا ہونا غیر ممکن تھا۔ کیونکہ سب لوگ جان سے ہاتھ دھوئے بیٹھے تھے۔ اور برطانوی حکومتی کر رہے تھے۔

## باب ۸۹

### کوہ ارات

ادوا خرمہ فروری ۱۸۵۳ء ہے۔ دیانامین تاعون کو شروع ہوئے تین مہینے گزرے ہیں شام کا وقت ہے۔ در سوار پھرتی کے ساتھ اُن چکر لین پر جڑھ رہے ہیں جو کوہ ارات کی راہ میں واقع ہیں۔ ان سواروں میں ایک تو آٹھویں اور دوسرا مسکاراہر۔ جسکو آٹھویں نے شام کے ملک سے اپنی ہمراہی کے لیے ساتھ رکھ لیا تھا۔ غرض کہ دونوں مسافر تیزی سے مذکورہ بالا پہاڑ کی بلند ترین چوٹی کی طرف



بڑھ رہے ہیں۔ وہ چوٹی جو سطح زمین سے دس ہزار قدم بلند ہے۔ اور جسکی آخری حد تک پہنچنا اُس قرب و جوار کے باشندوں میں محال اور غیر ممکن سمجھا جاتا ہے۔  
 آٹو کا ہمراہی پہاڑی راستوں سے بخوبی واقف تھا۔ جسوقت کا ہم ذکر کر رہے ہیں آفتاب قریب ڈوبنے کے تھا۔ اُسکی زرد کرنیں پہاڑیوں پر پڑ رہی تھیں آٹو اور اُسکاساتھی ”مراد“ خاموشی سے راہ طو کر رہے تھے۔ مراد کو جرمنی زبان میں ابھی ہمارت حاصل تھی۔

آٹو۔ (بہت دیر کی خاموشی کے بعد) ”تم ابھی کیا کہہ رہے تھے؟ کوہ ارارات پر چڑھنا ممکن ہی نہیں؟“

مراد۔ ”ہاں بے شک غیر ممکن۔ کیونکہ اُسکے چاروں جانب ایسے صیب غار ہیں جنہیں خیال کرنے ہی سے سر چکرانے لگتا ہے۔ اگر بھولے سے کسی غار میں پانون پڑ گیا تو پھر اُسکا پتہ نہیں۔ ذرا سوچے تو سہی آجک کوئی بندہ خدا اُس چوٹی پر پہنچا ہے؟ نہیں۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ آدمی اُس ٹھنڈا کا متمسل ہو سکیگا؟ نہیں۔ بلاشبہ وہاں تک پہنچنے کی امید کرنا جنون سے کم نہیں ہے۔“  
 آٹو۔ ”اچھا۔ میں یہ پوچھتا ہوں کہ کوئی فرد بشر وہاں گیا ہی نہیں تو یہ حالات کیونکر معلوم ہوئے جو تم بیان کرتے ہو؟“

مراد۔ ”مختلف اوقات میں چند لوگ وہاں تک پہنچنے کے ارادے سے سکھراں مقامات پر پھٹ گئے جنکا میں نے ابھی ذکر کیا۔ ایسے کہ وہ جگہ ہی ایسی وحشت انگیز اور مہیت ناک ہے۔ اُسکی آخری چوٹی تک پہنچنا ممکنات سے ہوتا تو اب تک بہت لوگ جا کر واپس آتے۔“ آٹو یہ گفتگو سن کر نہایت درجہ مایوس ہو گیا۔ اور مراد کی دلہی کر کے پوچھنے لگا کہ ”کچھ وہاں کا مفصل حال تو کہہ سناؤ۔“

مراد: "بزرگوں کے اقوال کے سوا مقدس کتابوں میں لکھا ہوا ہر کہ قلمدار رات پر وہ کشتی بڑی ہوئی ہو جسکے سبب سے نوح علیہ السلام طوفان سے بچے تھے بہت لوگوں نے اُسکی زیارت کے شوق میں آگے پیچھے سفر اختیار کیا۔ لیکن نتیجہ میں اکثر دن کا تو بچا ہی نہ ملا۔ بعض جو ناکام واپس آئے اُنکی زبانی وہاں کے حالات معلوم ہوئے۔ دیگر مصائب و آفات کے سوا بڑے خوف کی بات یہ ہے کہ وہاں جانا دشیا طین کا بسرا ہے۔ وہ جانے والوں کو بہت بڑی ایذا میں دیتے ہیں۔ علاوہ برص مہیب غار راہ میں ایسے حائل ہیں کہ رستہ پانا دشوار ہے۔ اور جاڑا اس قیامت کا کہ ہر کسی کو راستہ کی تلاش کرنا تو درکنار ہوش بجا رکھنا مشکل ہوتا ہے۔ اس زور شور کی چلتی ہے کہ بڑی بڑی چٹانیں ہل جاتی ہیں۔ آدمی تو کس شمار و قطار میں ہے۔ اگر بغرض محال ان مصیبتوں کو برداشت بھی کر لیا جائے تو شیا طین کی ایذا رسائی کا کیا علاج؟ جو لوگ تھوڑی دور جا کر اپنا سامنہ لیکر واپس آئے اُنکے بھی دماغوں میں غلغلہ آگیا تھا!"

آگے "مختار سے بیان سے وحشت پیدا ہوتی ہے۔ لیکن میرے قیاس میں یہ امر ممکن ہے کہ وہ لوگ اُس راہ کی آفات بیان کرنے میں مبالغہ کر گئے ہوں۔ اسلئے کہ سننے والے اُنکی بہت ہمتی اور بزدلی پر متعجب نہ کریں!"

مراد نے مین مین نہیں سمجھ سکتا کہ آپ کا قیاس ٹھیک ہے۔ ایک دفعہ شام کے کسی بادشاہ نے اشتہار دیا تھا کہ جو شخص وہاں پہنچکر اس کشتی کا ایک تختہ لا دیکھا۔ اُسکو بہت بڑی دولت انعام میں ملیگی۔ "شوق زیارت مینن سہی۔ دولت کے لالچ سے ضرور کوئی نہ کوئی جا ہی پہنچتا۔ مگر جو بات محالات سے ہے اُسکے حصول کے لیے کوشش کرنا گویا جان سے ہاتھ دھونا ہے۔ اسپر بھی ہٹ دھرمی کی راہ سے جنھوں نے سعی کی اکثر تو وہیں مر کھ پ گئے۔ اور جو واپس آئے وہ یا تو

دیوانے ہو گئے یا اُنکے کسی عضو میں فرق آگیا!۔“

آٹو ”ہمیں معلوم ہو کہ نوح علیہ السلام سے اپنے خاندان کے پہاڑ سے نیچے اتر گئے اور نیز اُنھیں اُترنے کے لیے کسی مجوزے وغیرہ کی ضرورت نہ پڑی تو ظاہر ہو کہ جوٹی سے زمین تک کوئی سیدھی راہ ضرور ہو!۔“

مراد ”بجا ہے۔ آپ زمانہ کے انقلاب اور تغیرات پر بالکل خیال نہیں کرتے۔ اس غضب کی برف باری سے اور زلزلوں کے سبب نئے نئے شکاف پڑ جانے سے اور بجلیوں کی وجہ سے بڑے بڑے پتھر گر کر راہ میں حائل ہو جانے سے یہ ممکن ہو کہ راستے کی حیثیت اُسی نوح علیہ السلام کے زمانہ کی سی ہو؟۔“

آٹو ”ہاں تم کہتے تو ٹھیک ہو۔“ آٹو کمال ناامید ہو گیا۔ اسکا یہ بھی خیال تھا کہ میں اپنے مقصد میں کامیاب ہوا بھی تو اطراف و جوانب کے دستقان مجھے زندہ نہ چھوڑینگے۔ لہذا وہ مراد سے بھی اپنے اہل مطلب کو ظاہر نہ کرتا تھا۔ اگرچہ مراد نہایت وفادار اور معتد شخص تھا لیکن ساتھ ہی عام دستقانون کی طرح سادگی اور صاف دلی بھی اُس میں بہت تھی۔ آٹو کو خوف تھا کہ مبادا اپنی سادگی کی وجہ سے کسی کے روبرو میرا مطلب بیان کر دے تو بھروسہ مشکل بٹھے۔ اُنھیں تصورات میں آٹو خاموش چلا جا رہا تھا۔ مراد کے بیان سے اُسکی بہتین لپٹ ہو گئی تھیں۔ اور اُسکو اپنے زن و فرزند کا بھی خیال آگیا تھا جنھیں وہ سزا میں چھوڑ آیا تھا۔ اُس نے اس سفر کا حال اپنی بی بی سے بیان کر دیا۔ وہ نیک دل شریف عورت نہیں جانتی تھی کہ اُسکو روکے۔ لیکن وقت رخصت بے اختیار رونے لگی تھی۔ ان باتوں کی یاد نے آٹو کو متباب کر دیا۔ وہ مطلق نہ جانتا تھا کہ میں اس سفر سے واپس پھر دکھا با دہین تمام ہو کے رہی ڈونگا۔ آخر وہ خدا پر بھروسہ کر کے دعا مانگنے لگا کہ ”اکی مجھے اب بھی وہی جرات اور وہی قوت عطا فرما۔ جو جبال آپس کی عقدہ کشائی میں دم توڑ

کھڑا تھا بیڑ کی ڈالیوں تک ہاتھ بڑھانے کے لیے چند قدم کا فاصلہ تھا۔ اور اگر  
کوشش کر کے بیڑ پر چڑھ بھی گئے تو زمین کی ناہمواری سے دوسرے کنارے تک  
پہنچنا دشوار تھا۔ آٹو زیادہ دیر تک تردد میں نہ رہا بلکہ توشہ ان کو پیٹھ سے باندھ  
جرات کے ساتھ بیڑ پر اچکا اور شاخوں کے سہارے بہت جلد اوپر چڑھ گیا  
اور اُس بلندی سے نیچے کی طرف نگاہ کی تو سر جھکانے لگا۔ آخر کار سنبھل کر بڑے  
زور سے اُچک کے دوسرے کنارے پر ہو رہا۔ یہاں پہنچ کر وہ سوچنے لگا کہ  
واپسی کے وقت کیونکر پار اُتر سکو لگا۔ اس جانب سے درخت پر کودنا تو بالکل  
ہی۔ بہت دیر اپنی موجودہ حالت پر افسوس کے ساتھ غور کرتا رہا۔ پھر آپ ہی  
آپ مستقل اور قوی ہمت ہو گیا اور دل سے کہا کہ جب ادب ہو پنج جاؤ لگا تو وہاں  
سے آنے کی بہت راہیں مل جائیں گی۔ حاصل کلام وہ مقابل کے ٹیکرے پر چڑھ  
لگا۔ پتھروں سے اکثر اُسکے ہاتھ پھسل پھسل جاتے تھے۔ اور بدن پر کئی  
جوڑیں بھی لگ گئی تھیں۔ سانپ اور دیگر قسم کے زہریلے حشرات الارض مختلف  
مورانی شکلوں میں اُسکے روبرو ہوتے۔ لیکن اُسکی ادلو الغزی نے اُسکو  
بہت ہمت ہونے نہ دیا۔ غرض اسی طرح آفتن اُٹھاتا کوہ امارات کی چوٹی کے  
قریب تک جا پہنچا۔ مگر افسوس کہ وہاں بھی ایک غار پہلے غار کی طرح میسب اور  
راہ میں حائل نظر آیا۔ تو متفکر ہو کر وہاں بیٹھا اور توشہ ان سے کھانا نکال کر  
کھانے لگا۔ کھاتے ہوئے ہر چار طرف برابر دیکھتا جاتا تھا کہ اس سے پار ہونے  
کی کوئی راہ نکل آئے۔ لیکن جہاں تک نظر کام کرتی تھی۔ غار ہی غار نظر  
آتا تھا۔ اور اُسکے دوسرے کنارے سے ملی ہوئی پہاڑ کی چوٹی گویا آسمان  
سے باتیں کر رہی تھی اور اوپر بغیر جی ہوئی برف کے کوئی پتھر مطلق نہ دکھائی دیتا  
تھا۔ اب وہ غار سے بچکر آگے بڑھا بھی تو اُس برف پر سے گزرنا قیامت تھی۔

چونکہ آٹو کو خدا کی طرف سے ملی ہوئی ہمت قوی پشت بنا رہی تھی۔ لہذا وہ ان پیچیدگیوں کو بالکل خاطر میں نہ لاکر غار کے کنارے سے بٹنے لگا۔ چند قدم ہی آگے بڑھا تھا کہ روبرو پتھر کی ایک بڑی چٹان بڑی ہوئی نظر آئی۔ جس پر اٹلی کی زبان میں کچھ مضمون کندہ تھا۔

”لارنزا فلاڈورڈی، ۱۔ جولائی ۱۹۳۸ء میں اس مقام تک پہنچا۔ وہ راستہ جو کوہ ارا رات کی پوری بلندی تک گیا، اس چٹان کے نیچے سے۔ اگر کوئی بندہ خدا کوہ ارا رات کو جانا چاہے اور یہی راہ اُسکو بھی ملے تو اس بات کا ضرور خیال رکھے کہ لارنزا فلاڈورڈی پھر واپس نہیں بھرا۔“

آٹو۔ (مضمون بڑھکر) ”افسوس! ہزار افسوس! ایسا مطلب حاصل ہونا کس قدر دشواری میں ہو گیا ہے! لارنزا فلاڈورڈی غالباً بیان سے آگے بڑھنے کے قبل یہ مضمون لکھ گیا ہے۔ اگر وہ کامیابی کے ساتھ واپس آتا تو ضرور اس نوشتے کو مٹا دیتا۔ ہاں! اس پتھر کے یہاں ہونے سے صاف ظاہر ہے کہ وہ لوٹ کر نہیں آیا آٹو مابوس اور نا امید وہیں ٹھہر گیا۔ کچھ دیر بعد وہ اپنے آپ پر طاعت کرنے لگا کہ اتنی دور ہمت سے آکر اب بسپا ہونا بڑے شرم کی بات ہے۔ بعد ازاں نوشتے کے اس فقرے پر غور کرنے لگا جس میں بتایا گیا تھا کہ راستہ چٹان کے نیچے ہے۔ اور بڑھکر نیچے کی طرف نظر کیا تو ایک سبزنگ ایسی ماہموار معلوم ہوئی جس میں نگاہ بھی بغیر ٹھوکر بن کھائے سیدھی نہ جاسکتی تھی۔ جو راہ آٹو کو جبال آپس کے سفر میں ملی تھی اس کے مقابل وہ کچھ حقیقت نہ رکھتی تھی۔ لیکن آٹو کو حصول مطلب کی ایسی دھن لگی تھی کہ وہ بے تامل اس سبزنگ میں در آیا۔ راستہ بالکل ہی تنگ اور ماہموار تھا۔ اور بازو ہی کے نہایت قریب ایک اور غار تھا جسکو دیکھ کر آٹو حواس باختہ ہو گیا۔ خیر۔ تھوڑی دور بہر وقت اور



بڑھنا تھا کہ کچھ سرسٹ کی آواز کان میں آئی۔ اُس نے فوراً گھبرا کر اس تیبالی  
 سے چلنے کا ارادہ کیا کہ اگر وہاں بلیں نہ ہوتیں اور انھیں مضبوط نہ پکڑ لیتا تو غار  
 کے منہ کا ذوال ہو ہی گیا تھا۔ آخر وہ ہنسل کر دیکھنے لگا۔ ایک ہیبت ناک اور پر خوف  
 شکل کا سانپ دکھائی دیا جو اپنے سوراخ سے نکل کر کھیل رہا تھا۔ اٹوٹے وشت  
 سے اپنی نگاہ پھیر لی۔ اور لڑھکتا بڑھکتا آگے چلا اُس کا دل بار بار اس خیال  
 سے دھڑک اٹھتا تھا کہ خدا جانے واپسی کے وقت کون صعوبات پیش آئی ہوں  
 غرض آدمی گھنٹے تک دو بیچے اترتا ہوا چلا گیا۔ وہاں پھر کا ایک قدرتی بل نظر  
 آیا جسکو دیکھ کر آٹو نہایت سرور ہوا وہ راہ بھی بہت تنگ تھی۔ آخر وہ رنگتے ہوئے  
 اس بار جا پہنچا۔ اُس کے کپڑے کئی جاگہ سے پھٹ گئے اور جا بجا جسم پر چوٹیں  
 آئیں۔ بہر صورت وہ ارا رات کی چوٹی کے دامن میں پہنچ گیا۔ اور چند لمے  
 دم ٹیکر بندی کا رخ کیا۔ برابر دو گھنٹے چڑھتا ہی چلا گیا کبھی دو لون ہاتھ ٹیک  
 کر پہلنے کی ضرورت پیش آتی تھی۔ اور کبھی بیٹھ کر ہزار خرابی افنان و خیران  
 چلنے سے کام رکھا۔ جون جیون بندی پر چڑھتا جاتا تھا وہ وہ سردی زیادہ  
 ہوتی جاتی تھی۔ دن کے تین بجے ہوئے خدا خدا کر کے اُس مقام تک پہنچا  
 جہاں پھر اور جڑائیں برف سے ڈھکی ہوئی تھیں۔ جاڑے کی شدت سے  
 تھر تھرانے لگا۔ مگر قریب قریب پہاڑ کی انتہائی حد تک پہنچنے کی اُسکو اس درجہ  
 خوشی تھی کہ سمجھے پھر کو دیکھنا تک پسند نہ کرنا تھا۔ جب وہ بہت بندی پر پہنچا تو  
 ایک اور وحشت انگیز غار سامنے آیا۔ جو پیشتر سے ہوؤں سے زیادہ ہیبت ناک  
 تھا۔ اوپر کی جانب دیکھا تو معلوم ہوا کہ بہت بندی ابھی طر کرنا باقی ہے۔ آخر  
 اُس نے ارادہ کیا کہ تھوڑی دیر غار کے منہ میں بیٹھ کر ستائے۔ جاڑے  
 سے بھی کچھ امن ملیگا۔ اور ناشتہ وغیرہ بھی کر لیا جائیگا۔ یہ سوچ کر غار کے اندر اُترا



اور بہان تک نہ میں چلا گیا جہاں تک برف کی رسائی نہ ہوتی ہو۔ اور بیٹھنے کا قصد کیا ہی تھا کہ ایک مرد سے بڑگاہ بڑی۔ جاڑے کے سبب شکل میں خدان تغیر تو نہوا تھا اگر لاش بوسیدہ ہو گئی تھی۔ اسوقت آٹو کو ان مردوں کی شکلیں یاد آ گئیں جو اُسے جہاں آپس میں دیکھی تھیں۔ خیر۔ وہ لاش کے قریب جا کر غور سے دیکھنے لگا۔ اور حیران تھا کہ یہاں تک کون ستم رسیدہ آگیا تھا جسکا یہ حال ہوا۔ صورت سے معلوم ہوتا تھا کہ لاش کسی نوجوان شخص کی ہے۔ آٹو اُسکے لباس کو ٹوٹنے لگا تاکہ کوئی ایسا کاغذ یا کوئی اور چیز لجاے جس سے اسکا نام معلوم ہو۔ لیکن کوئی کاغذ یا تھو نہ لگا۔ صرف ہاتھ کی ایک انگلی من انگشتی چمکتی ہوئی پائی۔ آٹو نے اُسکے نکالنے کا قصد کیا تو انگلی سی جدا ہو گئی۔ وہ انگشتی بے جلدی سے غار کے منہ کے قریب روشنی میں لایا اور دیکھا تو اُسپر لارنزا فلاڈورڈی کا نام کندہ تھا۔ آٹو اُس کم نصیب بد بخت نوجوان کی لاش پر اسوقت پہنچا جبکہ اُسکو اپنی پیاری جان گنوائے پینتیس برس گزر چکے تھے۔ آٹو دہان سے آگے بڑھا۔ کیونکہ قبل غروب آفتاب منزل مقصود تک پہنچنے کی جلدی بڑی تھی۔ وہ حتی الامکان بہت ہی بھرتی سے کام لینے لگا۔ آخر اُس مقام تک پہنچ گیا۔ جہاں نے پہاڑ کی چوٹی کو صرف ایک ٹیکری بانی تھی۔ اس جگہ پہاڑ نہایت مصفا تھا۔ لیکن جاڑے کی شدت نے آٹو کا ناک میں دم کر دیا۔ ساری راہ کی مصیبت تو برداشت کر آیا مگر ٹھنڈ کی وجہ آٹو کی جو کڑی بھولی۔ غرض کہ پورا ایک گھنٹا اس آفت سے گذرا اور ہمارا نوجوان مصور کوہ الارات کی بلند ترین چوٹی پر پہنچ گیا وہ اب ایک ایسی جگہ پر کھڑا ہوا جہاں جسکا عرض و طول اندازاً ساٹھ گز مربع ہو گا۔ برف کی سلون نے سطح کو بالکل ہی ناہموار بنا رکھا تھا۔ وہ پہاڑ جسکی چوٹی دور سے بہت باریک دکھائی دیتی تھی۔ فی الحقیقت بہت وسیع تھی۔ اگر دہان آدمی کا بسنا ممکن ہوتا تو اُس بلند ی پر کئی

جھوپڑیان بن گئیں۔ عین وسط میں کوئی چیز نہایت عریض و طویل بڑی ہوئی تھی۔  
 اس کے قریب جانا ہی تھا کہ آٹو کے دل میں ایک طرح کا خوف اور ادب پیدا ہوا۔  
 البتہ وہ اُسی مقدس کشنی کا رعب و دواب تھا جس کے سبب حضرت نوح اپنے خاندان  
 سمیت طوفان سے بچے تھے۔ کشنی کے قریب ہونے کے بعد جو خیالات آٹو کے  
 دل میں گذرے انہیں بیان کرتے ہمارا قلم عاجز ہے۔ وہ سرتاپا برف سے ڈھکی ہوئی  
 تھی۔ اُس مقام پر جہاں آج تک کسی انسان کا گزر نہوا آٹو نے سجدہ شکر ادا کیا۔  
 جب عبادت سے فراغت ہوئی۔ کمر سے چاقو نکال کر ایک ٹکڑا اُس مبارک  
 کشنی کا کاٹ لیا۔ اور حفاظت کے ساتھ کمر میں رکھ کر اُلٹے پالون اُسی راہ سے  
 واپس ہوا جدھر سے ہو کر آیا تھا اُس کا دل ایسی کامیابی کے سبب بہت قوی ہو گیا  
 تھا۔ لہذا وہ بڑی تیزی سے نیچے اترنے لگا۔ بلندی پر سے نیچے آتے ہوئے  
 اُس کو آسان راہیں نظر آنے لگیں۔ بغیر نقد لیج وکیلے کے وہ نیچے اُترتا چلا گیا  
 نہ راہ میں کوئی سانپ ہی ملا نہ اور کوئی خوفناک شہر دکھائی دی۔ آفتاب کو ڈوبتا  
 دیکھ کر اُس نے اور جلدی چلنا شروع کیا۔ حاصل کلام گیارہ بجے شب کو ان مقام  
 کے جھوپڑوں میں صبح سالم داخل ہو گیا۔ جہاں سے صبح کو چلا تھا۔

## باب ۹۱

### جزیرہ لِسَا

بحر اوسط والا جزیرہ ونس اُن دنوں جس وقت کا ہم ذکر کر رہے ہیں ڈیو آئی فرار  
 کی املاک میں تھا۔ جزیرے کے مغربی کنارے پر ایک چھوٹا سا مگر عالیشان اور  
 نہایت عمدگی سے سجا ہوا محل تھا۔ سامنے دریا کا پر فضا کنارہ جو بلی کی دلفریبی کو  
 دہلا کر رہا تھا۔ جب اُلی میں طاعون شروع ہوا۔ ڈیوک آف فرارا اور

اسکی بی بی دھان سنے ٹھکرا اس جزیرے میں رہنے لگے۔ کیونکہ یہ مقام اس بلا سے محفوظ تھا۔ محل کے قریب ہی ایک مستحکم قلعہ کی وضع پر کوئی عمارت بنوائی گئی تھی جس سے بحرمون کے قید خانہ کا کام لیا جاتا تھا۔ لوگوں میں شہرت تھی کہ اس محبس میں جو گیا پھر زندہ نہ بھرا۔ مگر کسی کو اس کے اصلی حال سے واقفیت نہ تھی کہ قیدیوں کے ساتھ کس طرح کا سلوک کیا جاتا ہے۔

ادارہ خارج شام کا وقت لو کر نیا اور جیاد لوک آف فرار کی بی بی اس عالیشان محل کے ایک مشین کرے میں اپنی چند خواصوں کے ساتھ بیٹھی ہے۔ لو کر نیا کو قلعہ رڈز نل میں دیکھ کر بند رہ برس کا زمانہ گزر گیا باوجود اس دراز مدت کے اس کے حسن و جمال نزاکت و لطافت اور چہرے کی درباری میں کوئی فرق نہ آیا تھا۔ بان وہ جسم البتہ ہو گئی تھی۔ اور جسم کی ترقی کے ساتھ اس کے بڑے خیالات بھی ترقی کر گئے تھے۔ وہ اتنے صورت میں مثل ایک حور کے اور سیرت میں مانند شیطان کے تھی۔ غرض لو کر نیا اور اسکی پیش خدمتین محل میں بیٹھی چند ایسی باتوں کا ذکر کر رہی تھیں جنکا اسیدن وقوع ہوا تھا یعنی ایک ہزار شہر اسمرنا سے واپس ہوتے ہوئے کپتان کی غفلت کے سبب جزیرہ لٹاکے قریب واسے ایک پہاڑ سے ٹکرایا۔ چونکہ دریا میں تلاطم اور طوفان کچھ نہ تھا لہذا تمام مسافرشیتوں کے ذریعے اس شہر میں اتار دیے گئے جسکی مغربی جانب ڈیوک آف فرار کی حویلی تھی۔ لو کر نیا اور اور خواصین باہمی گفتگو میں مشغول تھیں کہ ایک خدمتگار چاندی کے ظرف میں کچھ میوے اور مٹھائیاں لیے ہوئے اندر آیا۔

لو کر نیا نے ان ستم رسیدہ لوگوں کی نسبت کچھ اور حال معلوم ہوا؟ اور کیا ڈیوک صاحب کے احکام کی پورے طور پر تعمیل ہوئی؟

خدمتگار۔ ”جی ہاں حضور! بیچارے مسافروں کے راحت و آرام کے لیے کافی انتظام کیا گیا ہے۔“

لوکر نیرا۔ ”حکومت ونیس کو جہان کے یہ لوگ رعایا ہیں ہمارا ممنون احسان ہونا چاہیے کیونکہ ہم نے ان بلا نصیبوں کو بہت راحت پہنچائی ہے۔ اور بڑے اخلاق سے مہمان کیا ہے۔“

خواصین۔ ”بجا ارشاد ہوا حضور!۔“

لوکر نیرا۔ ”(تھوڑے سکوت کے بعد)۔ ”جہاز کو بچانے کے متعلق کوئی تدبیر بنیں آئی؟“ خدمتگار۔ ”ہنیں حضور کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ جہاز کے خلاصی اسباب کو کشتیوں پر بار کر کے لارہے ہیں!۔“

لوکر نیرا۔ ”یہ بات معلوم نہ ہوئی کہ کل مسافر ونیس ہی کے رہنے والے ہیں یا اور کہیں کے لوگ بھی شامل ہیں؟ انہیں بعض ایسے بھی ہونگے۔ جنہیں ہیکو دربار میں بلوانا پڑے گا کیونکہ میں ابھی کہہ چکی ہوں کہ ونیس کی گورنمنٹ سے دوستی کا بڑھانا عین ہمارے فائدہ پر مبنی ہے۔“

خدمتگار۔ ”انہیں کوئی ذی رتبہ لوگ تو نظر نہیں آتے بجز ایک خاندان کے۔ جسکی تعریف تمام اہل جہاز کرتے ہیں۔ مذکور خاندان دیانائے ساکنوں کا ہے۔ وہ جس مٹی زبان بخوبی جانتے ہیں۔ اور میں سنتا ہوں اُس خاندان کے بزرگ شخص کا نام ”آلو“ ہے۔“ لوکر نیرا۔ ”بے انتہا تعجب سے“ ”آلو (سبھلک) تم خوب جانتے ہو کہ وہ آٹو ہے؟“ خدمتگار۔ ”میں ابھی اُس سے گفتگو کر آیا ہوں۔“ ”لوکر نیرا خاموش ہوئی۔ سرد زناشتے سے فارغ ہو کر اپنے خاص کمرے کی طرف چل دی۔ اور سوا اپنی ایک رازدار خواص کے باقی سب کو ساتھ آنے سے منع کر دیا۔ وہ ساتھ آئی ہوئی خواص ایک بڑھی سی عورت تھی جو لوکر نیرا کی بدکاریوں سے واقف تھی۔“

لو کر نیرا۔ (خواص سے) ”وہ شخص جسکے ساتھ میں سب سے زیادہ نفرت رکھتی ہوں اب میرے قبضہ میں آگیا ہے۔ میں اُسکی گستاخوں کا عوض لینا چاہتی ہوں گو بہت سال پیشزدہ میرا خطا وار ٹھہرا ہے لیکن اب میں اُسکے ذہن نشین کردہنگی کہ لو کر نیرا کی محبت سے باز آنا کس قدر جبراً اور آفت ڈھانے والا کام ہے۔ تم خیال کرو۔ کیا لوہے کا جنازہ اُسکو میرا طبع اور عاجز نہ بنا دیکھا؟ میں چاہتی ہوں کہ وہ میرے قدموں پر گر پڑے اور مجھے عفو تصور چاہے۔ اور مدت العمر میرا غلام بنکر رہنے پر راضی ہوا۔“ خواص نے اگر آپ کا حسن و جمال اُسکے گردیدہ کرنے پر کامیاب نہوا بھی تو غالباً اس تدبیر سے ضرورتاً بے فرماں ہو جائیگا۔ چاہے وہ فرشتہ سیرت ہی کیوں نہ ہو۔“

لو کر نیرا۔ ”تم ایسا سمجھتی ہو تو آزما لو۔ اگر زمانے کے انقلاب نے اُسکے حسن میں تغیر نہ پیدا کیا ہو جیسے کہ میرے۔۔۔۔۔ (نریب کے آئینے میں اپنا دل فریب حسن دیکھ کر) تو ایدم اُسکو مجبور کرنا چاہیے جتنے مرد میری نظر سے گزرے ہیں۔ ان تمام میں اُنکی تصویر مجھے کبھی نہیں بھولی۔“

خواص نے آپ کوئی تردد نہ فرمایا۔ وہ ہمہ تن آپکی غلامی میں آ رہے گا۔“

لو کر نیرا نے میں چاہتی ہوں کہ وہ آج ہی شب کو جنازہ آنتی میں ڈالا جائے۔“

خواص نے بہت خوب۔ ابھی شرمین کو بلوا کر ضروری حکم دیتی ہوں۔ ”بڑھی عورت رخصت ہوئی۔ اور قبل اسکے کہ لو کر نیرا کے حکم کی تعمیل کرے ڈیوک آف فرار کے پاس گئی۔ آقا اور لونڈی میں جو تقریر ہوئی اُسکو ہم آئندہ بیان کرینگے۔ خبر۔ یہاں سے نکل کر بڑھیا لو کر نیرا کا حکم بجالائی۔ رات کے دس بجے جسدِ لو کر نیرا اور اسکا شوہر ڈیوک آف فرار مع دیگر حاضرین و بار کے کھانا کھانے میں مصروف تھے اُسی بڑھیا نے لو کر نیرا کے کان میں آہستہ سے کہہ دیا کہ آٹو جنازہ آہنی میں قید کر دیا گیا ہے لو کر نیرا جلدی سے بڑھیا

شکر ادا کر کے پھر اپنے شوہر سے غولی گفتگو میں مشغول ہوئی۔ تا اسی کو سید طرح کی بدگمانی کا موقع ملے

## باب ”۹۲“

### جنازہ آہنی

نی الحقیقت آٹو اُس لوہے کے جنازے میں بند کر دیا گیا تھا وہ اُس دن شام کے وقت ہوا کھانے کے لیے اُس گھر سے جو ڈیوٹ آتے فرار آنے سب آفت زدوں کے رہنے کے واسطے دیا تھا نکل کر ساحل بحر پر گیا کسی سوئے میں خاموش کھڑا ہوا تھا کہ دفعۃً نیچے کی طرف کچھ آہٹ سی معلوم ہوئی۔ پٹ کر دیکھا تو تین آدمی اُسی رخ چلے آ رہے ہیں۔ جہاں یہ کھڑا ہی۔ آٹو کو اُسکے آنے سے کچھ خوف ہوا۔ کیونکہ بدگمانی کا کوئی موقع ہی نہ تھا۔ وہ قریب آ کر اُس سے پٹ گئے اور بعد ازاں بیون سے ہاتھ پاؤں مضبوط باندھ کر لے چلے آٹو نے ہر چیز اُسکے پیچھے سے جھوٹنے کی کوشش کی۔ مگر بیکار ہوئی۔ آخر متحیر ہو کر اُن لوگوں سے اس جور و ظلم کا سبب دریافت کرنے لگا۔ مگر اُنھوں نے التفات تک نہ کیا۔ چلتے چلتے شہر سے کہتے دور نکل گئے۔ اور آخر میں ایک تنگ راہ سے گزر کر کسی بندی پر چڑھنے لگے۔ آٹو ہر قدم پر اُسے بجا جت کرتا تھا کہ خدا کیلئے میرے گرفتار کرنے کی وجہ بتاؤ۔ لیکن جواب اُسے مین اب بھی ناکامی ہوئی۔ خلاصہ کلام بہت دانتہ طو کرنے کے بعد کسی عالیشان اور اکیلی عمارت کے مینار دکھائی دیے۔ مہین دیکھ کر آٹو نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔ کیونکہ اُس عمارت کا حال وہ پیشتر ہی سن چکا تھا۔ اب اُسکے دل میں وحشت پیدا ہوئی۔ اور ساتھ ہی اپنی عورت اور بچوں کا بھی خیال آگیا جسکے سبب دو چار قطرات اشک ٹپک پڑے۔ آخر وہ خدا پر بھروسہ کر کے دل ہی دل میں التجا کرنے لگا کہ ”خدا و خداوند! دوسری آفات کی طرح مجھے اس بلا سے بھی بچالے!“ چند لمحوں میں اُسکے دروازے پر پہنچے۔ ایک شخص نے ہاتھ میں مشعل لی دروازہ کھول دیا۔ روشنی میں ہمراہیوں کی صورتیں نظر آنے لگیں۔



آٹو نے غور کیا تو امین سے ایک شخص کا چہرہ بھی کا دیکھا ہوا ہے۔ بڑے نال کے بعد شرمین کو پہچانا۔ جسے عدالت میں مینظر میں دو اسٹیشن کے مقدمے کے دن دیکھا تھا۔

آٹو نے شرمین امین نے کونسی خطا کی ہے۔ جسکی وجہ سے ظالمانہ کارروائی کا مستحق ٹھہرا ہے؟ شرمین جواب دینا تو درکنار مخاطب بھی نہوا۔ اُن ظالموں کی خموشی آٹو کی پریشانی کو بڑھا رہی تھی۔ وہ جان سے مایوس ہو گیا۔ اندر ہی اندر کھوڑی دور بڑھنے کے بعد ایک عظیم الشان بھانٹک ملا جو نہایت مستحکم اور مقفل تھا۔ اسکو بھی شرمین نے بڑھکے کھولا۔ آٹو کے بند دور کیے گئے اور وہ بحیرہ قید خانہ میں ڈھکیل دیا گیا۔ اُس کارروائی کے بعد دروازہ حسب عادت باہر سے بند ہو گیا۔ آٹو بحال تباہ گھاس پر میچر گیا۔ جو وہاں بھیجی تھی۔ اُس تاریکی اور تنہائی کے عالم میں اپنے دن و فرزند کو یاد کر کے بیتاب ہونے لگا۔ باسے بادہ اپنے وطن مالوت میں بھی نہ سمجھتے۔ طوفان سے جان بچائے پورا ایک دن بھی نہ گذرا تھا کہ اُس نیک بی بی کا شوہر واقعہ گم ہو گیا۔ ایسے ہی تقصیرات آٹو کو بے موت مار رہے تھے۔ وہ کیلے وہاں قید کیا گیا؟ شاید جان لینے کی غرض سے ہو۔ وہ کس طرح کی موت مارا جائیگا؟ کیا جلاد کی تیغ آبدار اسکا کام تمام کرے گی۔ یا کسی اور زیادہ ہوائی اک طریقے سے؟ وہ لوگ کون تھے جنھوں نے اُسکی ملشکین کسین؟ اس بیچارے نے تو اُنکے حق میں کوئی برائی نہیں کی۔ افسوس! کیا بھوک پیاس کے صدمے دیکر اسکو ملاک کرنا منظور تھا؟ اُسکے دشمن آخر تھے کون؟ آٹو جانتا تھا کہ لوکر نیرا بد ر بیا ڈیو کس ات فرار کی بی بی ایو کو نیرودہ آجکل جزیرہ لسا کے محل میں سکونت پذیر ہو۔

گرا اسکو یہ بات بالکل نہ معلوم تھی کہ وہی نیر سے حبیبستون میں گرفتار ہونے کا سبب ہے۔ چونکہ آٹو کے بڑی جانکاہیوں سے اُسکے بھائی قیصر کو قید شدید سے چھڑایا تھا۔ لہذا وہ گمان بھی نہ کر سکا کہ لوکر نیرا نے اسدرجہ احسان فراموشی پر کمر

باندھی ہو۔ اچھا تو پھر یہ کون شخص ہے جو بغیر خوف حکم جزیرہ کے ایسا بڑا ظلم کر گزرا۔  
 آٹو انھیں خیالوں میں ڈوبا ہوا تھا۔ کچھ دیر تاہم کی مین بیٹھ کر نگاہ اٹھاتے ہی سانس  
 خفیف روشنی نظر آئی۔ ادل تو اپنی نگاہ کا تصور سمجھا۔ لیکن غور سے دیکھنے پر معلوم  
 ہوا کہ دیوار میں چند کھڑکیاں بنی ہیں۔ وہ عدد میں پانچ تھیں۔ اور سب پر لوہے  
 کی مضبوط سلاخیں لگی ہوئی تھیں۔ قید خانہ کا دروازہ اُن کھڑکیوں کے مقابل والی  
 دیوار میں تھا۔ آٹو گھاس پر سے اُٹھ کر کھڑکیوں کے نزدیک ایسے گیا کہ خدا کرے  
 اسکے ذریعہ نکل بھاگنے کی کوئی صورت ہو جائے۔ مگر وہ اس قدر مہندی پر تھیں کہ  
 اُن تک رسائی ہونا بالکل غیر ممکن امر تھا۔ علاوہ برین دیوار بھی ایسی صاف تھی  
 کہ ہاتھ پھسل جاتا تھا۔ ہاتھ ہی کے رکھنے سے آٹو کو معلوم ہوا کہ دیوار لوہے کی ہے  
 وہ ایک عجیب قسم کی جگہ تھی جسکے پورے طور پر دیکھنے سے آٹو کو حیرت بھی ہوئی  
 اور وحشت بھی۔ اندر دنی دسعت بہت طول تو تھی لیکن جوڑائی کم ہونے کے سبب  
 نہایت تنگ معلوم ہوتی تھی۔ دیوار میں سیدھی نہ تھیں بلکہ ہیئت مجموعی وہ ایک  
 خازن کی شکل پر بنایا گیا تھا۔ کیفیت دیکھ کر آٹو انتہا سے زیادہ پریشان ہو گیا  
 کیونکہ وہ درحقیقت خازن آہنی میں بند کیا گیا تھا۔ جسکے ایک جانب تو دروازہ  
 تھا۔ اور دوسری جانب پانچ کھڑکیاں۔

آٹو۔ (اپنے آپ سے) ”ای میری عزیز بیوی! ای میرے پیارے بچو! کیا میں تم سے  
 ہمیشہ کے لیے جدا ہو گیا؟“ خدا کیا تو میری بیوی اور بچوں کو اس قدر جلد ہی وہ اور  
 یتیم بنا دیگا۔ اگر اُنکے نصیب میں ہی لکھا ہے تو میں بسر و چشم راضی رہنا ہوں۔ میرا  
 ارادہ ہر طرح غالب ہے۔ بندہ کی کیا مجال کہ کچھ چون دجرا کر سکے؟“ آٹو نے  
 کمر سے ایک چھوٹا سا صندوق کی لکڑی کا کبس نکالا اور اسکو بوسہ دیا۔ اُس میں کشتی  
 فروغ کا کتا ہوا ٹکڑا تھا۔ خیر اُسکے بعد اُسکے گھاس پر لیٹ رہا۔ چونکہ رات زیادہ

آئی تھی۔ بہت دیر تک کروٹیں بہانے کے بعد کچھ یونین سی آنکھ جھپک گئی۔ اس  
تھوڑی سی نیند میں بھی اُسکو سیکڑوں طرح کے بُرے بُرے خواب نظر آنے لگے۔  
آخر وہ ایک گھنٹی کی صیب آواز سے چونک پڑا۔ اور گھبرا کر اٹھ بیٹھا۔ آوازِ حجت سے  
اگر قید خانہ میں گونجنے لگی۔ اگرچہ گھنٹی صرف ایک ہی دفعہ بجی تھی۔ لیکن اُسکی صدا  
پورے ایک منٹ بھر آٹو کے کان بہرے کر رہی تھی۔ صبح ہو گئی۔ کچھ خفیف سی  
روشنی جو طلوع آفتاب سے نصف ساعت قبل ہوا کرتی ہی کھڑکیوں کے ذریعہ  
قید خانہ میں پڑنے لگی۔ حالانکہ اچھی طرح صبح ہو چکی تھی مگر وہ درتکے کچھ اس ترکیب  
سے لگائے گئے تھے کہ عین دوپہر کے وقت بھی پوری روشنی کا اندر بڑنا ممکن  
نہ تھا۔ گھنٹی کی آواز سنکر دل میں جو ہول سما گیا تھا اُسکے دہرہ ہوتے ہی آٹو صبح کی  
عبادت میں مشغول ہوا۔ بعد ازاں ادھر ادھر بے تابانہ پھرنے لگا تو دروازے  
کی طرف صندوقچے کے وضع کی کوئی چیز آویزان نظر آئی۔ جب قریب جا کر ہاتھ  
میں لیا تو اُس میں ایک روٹی اور پانی کا لٹا تھا۔ آٹو خدا کا شکر بجالایا۔ اور اُن  
چیزوں کو لیے اپنی جگہ پر گیا۔ اُس غذا کے کھانے سے تھوڑی تقویت حاصل  
ہوئی تو اتفاقاً اُسکی نگاہ کھڑکیوں کی طرف جا پڑی جو صرف چار ہی تھین۔ مگر شب  
کو بار بار گننے سے پنج معلوم ہوئے آٹو حیران و متعجب وہاں سے اٹھا۔ اور نزدیک  
جا کر غور سے دیکھنے لگا تو واقعی چار ہی کھڑکیاں تھین۔ اُس سے ظاہر تھا کہ وہ  
رات کو اُسکے عدد کا ٹھیک اندازہ کرنے میں غلطی کر گیا۔ وہ عجیب پریشانی کی  
حالت میں تھا۔ نہ کسی آدمی کی آواز سنا دیتی تھی نہ کھڑکی جیتی تھی اور نہ کسی کے  
پاؤں کی چاپ ہی معلوم ہوتی تھی۔ بیان تک کہ پرندوں کے اُڑنے کا نشان  
بھی نہ ملتا تھا۔ خدا خدا کر کے وہ دن گزر گیا۔ آٹو اُس جگہ پر اکھڑا ہوا۔ جہاں  
روٹی اور پانی لٹکا ہوا تھا تاکہ لانے والے شخص کی عاجزی و منت کر کے کسی طرح

رہا ہونے کی صورت نکالے۔ وہ ہمہ تن گوش بن کر چپکا کھڑا رہا۔ اور ڈرتا تھا کہ کہیں وہ موقع ہاتھ سے نہ جائے۔ گھنٹے گزر گئے لیکن کسی کا تپا نہ لگا۔ اُسکے پاس اب کچھ کھانا بھی باقی نہ رہا۔ صرف تھوڑا سا پانی بچا تھا۔ عورت اوز بچوں کا خیال اور کھانا ہونے کی اہمیت سے وہ بہت بیٹاب ہو گیا۔ مگر کرتا کیا؟ مایوسانہ گھانس پر آکر لیٹ رہا۔ اور بہت دیر تک تڑپنے کے بعد کچھ نیند لگی ہی تھی کہ اول روز کی طرح گھنٹی کی آواز سے جاگ پڑا۔ دیکھا تو قید خانہ وسعت میں بہت کوتاہ ہو گیا۔ گھانس کا فرش جو درمیانی حصہ میں تھا اُس سے دیوار میں بہت قریب آگئی ہیں۔ وہ نہایت بھوکا بھی ہو رہا تھا۔ اُسی جاگہ پر جہاں کل کھانا ملا تھا لیا تو روٹی اور پانی ملا۔

آٹو۔ ”خدا کا ہزار شکر کہ میری قسمت میں فاقہ کشی سے مرزا نہیں ہے۔ لیکن میں کیلے یہاں قید کیا گیا ہوں؟ اس تاریک سسنان و حشت خیز حکم میں بند کر کے میری ہوش میں فوڑ ڈالنے کی تجویز تو نہیں ہوئی؟ اس سے میں موت کو لاکھ بار بہتر جانتا ہوں۔“ افسوس! میں معلوم میری قسمت اور کیا لید لگ لاتی ہے۔“

مٹھی سی روٹی کھا کر پانی پیا۔ پھر در بچوں کی طرف اتفاقاً نگاہ اٹھی تو فقط تین درتچے نظر آئے وہ کمال بیابانی سے اٹھکر غور سے دیکھنے لگا۔ قید خانہ چاروں طرف سے سمٹ کے تنگ ہو گیا تھا۔ جھت بھی نیچے کرخ اُتر آئی تھی اور چوتھے درتچے کا تو کچھ نشان تک نہ تھا۔

آٹو۔ ”(دلیں) یہ سیرا بالکل بن تو نہیں؟ کیا میں ابھی سے دیوانہ ہوا جاتا ہوں؟ اتنا یقین تو ہے کہ میں اپنے ہوش و حواس میں ہوں۔ بھر یہ پانچ کے عوض چار اور چار کے عوض تین کھرا کیاں کیونکر ہو گئیں؟ پہلے دن بہت بلندی پر بھین اور آج اُسکے آہنی ڈنڈوں تک ہاتھ پہنچ سکتا ہے۔“

آٹو کو لیتین ہو گیا کہ قید خانہ بدرجہ کلم ہوتے ہوتے فشار قبر کا رنگ دکھائی دیا  
 اور میں اسی میں دب کر مر رہا ہوں گا۔ اسی پر آگندگی میں آٹو دوزانو مٹی کا رخدا کی عبادت  
 کرنے لگا اور بہت دیر تک رد و کر خدا سے دعا مانگ رہا تھا جس سے دل کو تھوڑی  
 سی تسلی ہوئی۔ ویسی ہی تسلی جیسے مرنے کے وقت کسی نیک آدمی کو ہوا کرتی ہے۔ غرض  
 دوسرا دن بھی بڑی مصیبت سے گذر کر تیسری رات آئی۔ اور اس غریب کو اپنی پریشانی  
 خیالی اور ناتوانی کے سبب نیند لگ گئی۔ وہ خدا کے رحیم و کریم ہونے پر یقین رکھتا تھا اور  
 نیز اس مقدس کشتی کا ٹکڑا نزدیک ہونے سے امید بھی کہ پروردگار عالم اسی کے طفیل  
 مجھے نجات دے گا۔ خیر۔ جب وہ سو گیا تو عالم خواب میں میرے بڑے خواب نظر آنے لگے۔  
 ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی شخص اس کے قریب آکر کان میں کہہ رہا ہے کہ ”اگر تو یہاں سے  
 رہا ہونا چاہتا ہے تو میرے چند شرائط قبول کر۔ میں تجھے قید سے چھوڑانے کے سوا  
 دینا دی جاہ و حشمت سے بھی نہال کر دوں گا۔“ آٹو نیند ہی میں سمجھا کہ یہ شیطان کا حربہ  
 ہے۔ اور بے اختیار اس کا ہاتھ کشتی کے ٹکڑے پر جا پڑا۔ جس کو کمر سے باندھ رکھا تھا۔  
 آخر نیند سے بیدار ہوا۔ اسی دم گھنٹی بھی بجنے لگی۔ اس کی آواز میں برابر تین دفعہ گونجن  
 خواب کا دیکھنا۔ نیند سے یک بیک ہوشیار ہونا۔ گھنٹی کا تین دفعہ بجنا غرض ان  
 تمام باتوں نے آٹو پر ایسا اثر کیا کہ وہ غم اور پریشانی کے سبب تھوڑی دیر بیہوش  
 پڑا رہا۔ بعد جب ہوش میں آ کے اٹھ بیٹھا اور چاروں جانب نگاہ کرنے لگا تو آج  
 دو ہی کھڑکیاں باقی گئیں۔ زمین پر سے اٹھا تو سرچھت سے لگ رہا تھا۔ جسکے  
 سبب سے سیدھا کھڑا ہونا محال تھا۔ معمولی مقام پر روٹی اور پانی بدستور موجود تھا۔  
 آٹو ”دل میں“ آج فقط دو کھڑکیاں باقی رہ گئی ہیں۔ اور اس نفس کی سبقت  
 بھی نسبت کل کے آج بہت کم ہو گئی۔ پہلے دن ایک دفعہ گھنٹی بجی اور ایک  
 کھڑکی غائب ہوئی۔ دوسرے روز دو آوازیں آئیں اور دو کھڑکیاں گم۔ اور



آج جو تیسرا دن ہو توین دفعہ کی آواز کے بعد تیسرا درجہ بھی نثار دہا اس حساب سے شاید میری زندگی کے اور دو ہی دن باقی ہیں۔ ہاے یہ کون سنگدل ہوگا جس نے ایسی سختی و صعوبت سے میری جان لینے کا حکم دیا ہے۔ ہو نہ ہو یہ اُس شیطان مجسم کو کرنا ابوجیا ہی کا کام ہے۔ شاید اسکا دل میرے اکھار کے سبب سے اتنا غصہ سے بھرا ہو۔ اور کیا عجب کہ میری یہ خرابی اُسی کا نتیجہ ہو ان۔ اگر خدا نے میرا ہی انجام مقرر کر دیا ہے تو میں خوشی سے قبول کرنا ہوں۔ میں آخر وقت تک مستقل اور ثابت قدم رہوں گا۔ لیکن آہ! میرے زن و فرزند کا — ” بیان تاک ہو چکا آٹو بے اختیار رونے لگا۔ اب اُس قفس کی شکل برابر جنازے کی سی تھی ساتی بات آسانی سے سمجھ میں آسکتی تھی کہ جنازہ رفتہ رفتہ استعد رنگ ہو جائیگا کہ آدمی اندر ہی اندر پاش پاش ہو کے رہیگا۔ اُس وقت اُسکی وسعت صرف اسی قدر تھی کہ آٹو درمیان میں بیٹھکے ہاتھ بھیلانے تو دونوں طرف کی دیواریں چھو لے سکتا تھا اور پائین صرف دروازے کی جگہ باقی تھی۔

جو بھٹی شب آئی۔ اس پریشانی اور بدحواسی کے عالم میں نیند کہاں کی؟ چھت کی پستی سے اٹھ کر ٹھلنا بھی ممکن نہ تھا۔ آخر تمام رات اٹھائیس پر بیٹھ کر دعا کرتا رہا۔ جب صبح ہوئی تو درجوں کی طرف ٹکٹکی لگا دی۔ وقت مقررہ پر گھنٹی بجنی شروع ہوئی۔ جو بھٹی آواز کے ساتھ دیوار میں جنبش میں آئیں۔ اور بغیر آواز کے بڑھنے لگیں۔ آٹھ کے منہ سے بے اختیار ایک چیخ نکلا گئی۔ وہ بے انتہا مضطرب و پریشان ہو گیا۔ چھت کی پستی آج ابھی طرح بیٹھنے کی بھی اجازت نہیں دیتی تھی اور درجہ فقط ایک ہی باقی تھا۔

آٹو۔ (دل میں) "افسوس! اب میری زندگی کا ایک ہی دن رہ گیا ہے۔ میں مرنے سے ڈرتا نہیں ہوں۔ لیکن میری پیاری بی بی اور جان سے زیادہ عزیز بچے"



آٹو زار قطار روٹنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد رینگتے رینگتے اُس مقام پر گیا۔ جہاں ہر روز کھانا لٹکایا جاتا تھا۔ جنازے کا اندرونی حصہ اب اسی قدر بانی تھا کہ وہ شکل حرکت کر سکتا تھا۔ اس غم و الم میں کھانے پر بالکل غبت نہوئی۔ تھوڑا پانی پی لیا اور روتا پٹیتا وہیں بیٹھ گیا۔ گذشتہ شب کو بالکل نیند نہ آنے سے وہ نہایت مضطرب بھی ہو رہا تھا۔

اسی عالم اضطراب میں دن گذر گیا۔ پانچویں رات آئی۔ آٹو کو لقیں کلی تھا کہ شب آخری ہی۔ لہذا مرنے پر مستعد اور آمادہ ہو کر توبہ و استغفار کرنے لگا۔ اسی میں نیند کا خمار غالب ہوا۔

## باب ”۹۳“

### گھنٹی کی آخری آواز

آٹو بیتابی اور اضطراب میں کروٹیں بدل رہا تھا۔ معلوم تھا کہ سویرے ہی اہنی جنازے میں دبا جائیگا۔ آخر تڑپتے تڑپتے دل سے یہ باتیں کرنے لگا۔ ”اے ! وہ میرے انتظار میں روتے روتے عمر گزار دینگے۔ اور مجھے بنائینگے خدایا ! تو ہی میرے یتیم بچوں کا مالک ہے۔“ آٹو کا سلسلہ خیال بین تک پہنچا تھا کہ دفعۃً کھڑکی کھلی۔ اور کسی کی نہایت ملائم اور شیریں آواز ”آٹو“ آٹو، ”بیکار رتے ہوئے کان میں آئی۔ گو بہت عرصہ دراز گزر چکا تھا۔ لیکن آٹو پہچان گیا کہ یہ لو کر نیا بوجھیا کی آواز ہے۔

آٹو۔ ”سر ٹیک کر“ ”کیا میں تمہارا قیدی ہوں؟“ اے ظالم ! کسی کا دل اس قدر تھچکا نہ ہوگا جیسے کہ تیرا ہے۔ افسوس ! میں نے تیرے بھائی سیز کو جس محنت و جان کا ہی سہے ساتھ قید سے چھڑا دیا وہ بھی تو بھول گئی؟“

لو کر نرا۔ ہاں مجھے سب کچھ یاد ہے۔ اور یہ بھی کہ تم کس حقارت سے قلعہ روز تل میں مجھ سے الگ ہو گئے اور میری طرز معاشرت پر ملامت کرنے لگے۔ خیر جانے دو۔ میں اب ان باتوں کی نسبت گلہ کرنے کے لیے نہیں آئی ہوں۔ بلکہ میرا یہ ارادہ ہے کہ اگر تم بچا ہو تو اس قید سے رہا کر دوں گا۔“

آٹو۔ (کمال درجہ خوش ہو کر) ”یا الہی! میں یہاں سے نجات پانے کا آرزو مند نہوں لگا؟ خدا کے لیے مجھے آزاد کر دو۔ تاکہ میں اپنے اہل و عیال سے مل کر تمھارے حق میں دعا کے خیر کروں۔ اور دل سے تمھارا ممنون ہوں۔“

لو کر نرا۔ ”بھائی۔ میں تمھیں اپنا ممنون بنانا تھوڑا ہی جاہتی ہوں؟ سر، تو یہ تمنا ہے کہ تم مجھے سچی محبت یا دوسرے الفاظ میں عشق کا برتاؤ کرنے لگو۔“

آٹو۔ ”آہ! میری رہائی کے متعلق تم شرط بھی پیش کرتی ہو؟ یہی ہوا تو یقین رکھو کہ ایسی مدت تھوڑی محبت سے کہیں زیادہ مجھے پسند ہے۔ چاہے وہ کیسے ہی عذاب کے ساتھ کیوں نہ ہو۔“

لو کر نرا۔ (مایوس ہو کر) ”ہاں؟ رشتی حل لگی مگر بل دور نہوا۔ اس حالت میں بھی تم انھیں زور دن پر ہو؟ اچھا تو اتنا یا در سے کہ تم دفعۃً مارے بجاؤ گے۔ کل اس جنازے کی تنگی کی بدولت تم مل بھی نہ سکو گے۔ اور کھانا پانے کی امید بھی نہ رکھو۔ بھوک پیاس اور جنازے کے فشار سے گھٹ گھٹ کے تمھیں مرنا ہو گا۔“

یہ لہکر غصہ کے ساتھ دروازہ بند کر کے چلی گئی۔ آٹو بھر عالم یاس میں بیٹھا روئے رہا۔ اُسی دم کئی لوگوں کی آہٹ کی سی آواز معلوم ہوئی۔ وہ باہم غصہ بنا کر ادا بائیں کرتے جنازہ آہنی کی طرف آرہے تھے۔ جب قریب پہنچے تو زنجیر دن کے پٹانے کی صدا گونجی اور ساتھ ہی دروازہ بھی کھول دیا گیا جس سے روشنی اندر آنے لگی۔ کوئی شخص باور زبندیہ کھتا ہوا نظر آیا۔

آٹو! باہر نکلو! میں تمہیں خلاصی دینے آیا ہوں۔“ یہ سکر آٹو کو جب درسرت ہوئی اسکا بیان نہیں کیا جاسکتا۔ سارے بچ و غم آن واحد میں شادمانی سے تبدیل ہو گئے اور فرط سرور سے آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ وہ خوشی کی آنکھوں کو ساتھ لیے تہ خانہ سے نکلا تو اپنے آپ کو ایک معمر بزرگ صورت فرشتہ سیرت شخص کے مقابل کھڑا پایا۔ اُسکے لباس سے اور نیز اُس تنے سے جو اُسکے سینے پر لگا تھا بخوبی ظاہر ہوتا تھا کہ یہی ڈیوک آف فرارا ہے۔ لوکریزیا بوجھ کو دوپہا ہی کپڑے کھڑے تھے۔ اور وہ قدیم بد معاش شرم بھی ایسی ہی حفاظت میں تھا۔ جس بڑھی خواص نے آٹو کی گرفتاری کا اہتمام کیا تھا ڈیوک کے نیچے کھڑی تھی۔ لوکریزیا کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں وہ بے پردائی ظاہر کرنے کی بڑی کوشش کے جاتی تھی۔

ڈیوک آف فرارا۔ (آٹو سے) ”تم اپنے متعلقین کے پاس چلے جاؤ۔ یہ نہ سمجھو کہ وہ تمہاری غیر حاضری اور مفقود ابھری کے سبب ہراسان ہیں۔ نہیں میں نے پہلے ہی دن ایک ایسی بات کہلا بھیجی ہے جسکی وجہ سے چند روز ادبھی گزر جائینگے تو تمہیں کچھ تشویش و پرہیز گندگی نہوگی۔“

آٹو۔ ”حضور! میں کس زبان سے آپ کا شکریہ ادا کر دوں؟“

ڈیوک۔ (آٹو کا ہاتھ پکڑ کے) ”میں تم سے معافی چاہتا ہوں کہ میں نے اتنے دن تمہارا مصیبت میں بڑا ہونا جائز رکھا۔ اُسکی اصلی وجہ یہی تھی کہ میں اُس مرد و بھیا عورت دو کو ریا کو دکھا کر کامنجان کرنا چاہتا تھا۔ مجھے معلوم تو تھا کہ اُسنے عالم شباب میں بہت گل کھلائے ہیں۔ مگر یہ امید نہ تھی کہ اس عمر کو جو بچنے کے بعد بھی اپنے شیطانی افعال سے باز نہ آئیگی۔ اسی امید کی بدولت میں نے اس ملعونہ کو اپنی ازجوبت میں لیا دوکرزیا کی طرف مخاطب ہو کر لوکریزیا! پیر سے قول و قرار کیا ہوئے؟

تیرے حسن و جمال پر فریفتہ ہو کر شادی کے قبل میں نے قسم لی تھی کہ اپنی گزشتہ بدکرداریوں سے دست بردار ہو جاؤں۔ تو راضی ہو گئی تھی۔ پھر یہ سکاری کیسی بہتری اسی لونڈی نے جسکو تو اپنی محرم راز سمجھتی تھی یہ راز افشا کیا۔ اور چند لمحے پیشتر جو تو اس بے گناہ مظلوم سے گفتگو کر رہی تھی میں خود سن چکا جسکے سبب میں رہا سہا شک و شبہ ہو گیا۔ ”لو کر زانے اُس لونڈی پر اکب غضب آلود نگاہ ڈالی۔ ڈیو لوک۔ (لونڈی سے) ”میں نے آج سے تمہیں آزاد کر دیا ہے۔ اپنے وطن کو یا جہان جی چاہے جاسکتی ہو۔ (شرمن سے) تو بڑا اسی ظالم اور نامعقول ہے۔ میں تیرے لیے یہی سزا تجویز کرتا ہوں کہ تو عمر بھر قید میں رکھا جائے،” سپاہی شرمن کو لیکر وہاں سے چلے گئے۔

ڈیو لوک۔ ”دراؤ لی طرف متوجہ ہو کر ”مستر آٹو“ اب میں تم سے کچھ اور کہنا نہیں چاہتا سو اسلئے کہ تمہیں اور تمہارے گل سمرا ہیوں کو دیا ناکاب پہنچانے کے لیے ایک جہاز تیار کھڑا ہے۔ بسم اللہ خدا حافظ۔ جو کچھ تم نے بیان دیکھا اور سنا ہے ہرگز کسی کے روبرو اسکا ذکر نہ آنے پاس۔ مناسب ہے کہ تم اس قصے کو بھول ہی جاؤ۔“ آٹو۔ ”ادب سے“ ”مواف کیجئے حضور! میں آپ سے اس عورت کی معافی کے لیے التماس کرنا چاہتا ہوں گو۔“

ڈیو لوک۔ ”تم اس بارے میں دخل نہ دو۔ اس ظالم کو سزا دینا صریحاً انصافی ہے۔ تم بیان سے چلے جاؤ۔“ آٹو کو جانے میں نامل کرنا دیکھ کر ڈیو لوک کمال ہنسم ہو گیا۔ اور غصہ سے پالون زمین پر مار کر کہا ”جاؤ“، اور نگہبانوں کو کچھ اشارہ کیا۔ فوراً چند سپاہی قریب آئے۔ اور آٹو کا ہاتھ پکڑ باہر لے جا کر چھوڑ دیا۔ آٹو وہاں سے نکلے۔ اُسکے نکلنے سے دو سی تین منٹ بعد آہنی جہاز بے مین کوئی اور مجرم ڈالا گیا۔ وہ خود لو کر زانے بوجھتا تھی۔ اُسکی زبانی وہ فریاد۔ ”روئے چلائے“

کی آوازیں عاجزی معذرت غرض کوئی چیز ڈیوک کے ارادے کو بھرنے پر  
کامیاب نہ ہوئی صبح کے پانچ بجے گھنٹی ملنے لگی اور وہ نگاہِ خلافت آہ و فغا  
ن کرتی ٹھنڈھی ہوئی۔ اس کا ردائی کے بعد ڈیوک محل کی طرف سدھارا۔

## باب ۹۴

ط

آہنی جنازے کے دھشتِ خیر حالات سے چھ ہفتے گزر گئے۔ اور ماہِ مئی ۱۵۱۲ء  
ہر طاعون کی بلا ویانا سے دور تو ہو گئی لیکن شہر میں ہر طرف دیرانہ نظر آتا تھا اور  
اہل شہر برابر اپنے عزیز و اقارب کے غم میں نہماں ہو رہے تھے کیونکہ ویانا  
کی نصف سے زیادہ آبادی نذرِ اجل ہو گئی تھی۔ ہر ایک کہنے اور ہر ایک گھر میں  
کچھ نہ کچھ نشانِ اُن لوگوں کے باقی تھے جو اپنے عزیز و اقارب کو ہمیشہ کے لیے  
داغ دے گئے۔

آٹو نے عورت اور بچوں کو اپنے خاص مکان میں چھوڑ کر محلِ آرون کا رخ کیا۔  
جب بھاٹک پر پہونچا گھوڑے سے اُترتا تو دربان سامنے آیا۔ اُسکی غمناک  
شکل دیکھ کر آٹو کے دل میں تردد پیدا ہوا کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ خیر قریب پہونچ کر  
استفسار حال کیا تو بڑی حسرت داندوہ کی خبر سنی۔ وہ لیڈی ٹریزا کے مرنے  
کی خبر تھی۔ ہاے ہاے! وہ نیکیخت باونا خاتون اُس بلا کا شکار ہو گئی جو اُسی کے  
خاوند کے ذریعہ سے شہر میں نازل ہوئی تھی۔ اُسکی جسمانی حالت کے دیکھتے  
کوئی یقین نہ کر سکتا تھا کہ اس قدر جلد مر جائیگی۔ لیکن موت کی برقی تاثیر نے اُسکی  
حالت میں آنا فانا تغیر پیدا کر دیا۔ ظالم فوسٹ کے سبب اُسکی زیست کا  
کوئی محطہ اندوہ و الم سے خالی نہ گذرا۔ وہ مرتے دم تک اپنے میاں کی سرگزشت

سے نادانف رہی اور گوارہ خانہ کی تبدیلی کا حال بھی معلوم نہوسکا۔ ترنیزا کے مرتے ہی فوسٹ کی حالت اور ردی ہونے لگی۔ وہ کثرت رنج و غم میں اکثر بکا رہتا تھا کہ ”ترنیزا کی موت کا سبب خود میں ہی ہوا“ سننے والے اُسکے مطلب کو دریافت کر سکتے تھے۔ کیونکہ باسباب ظاہر ترنیزا مرض طاعون میں مبتلا ہو کر مر چکی تھی اور اس صورت میں فوسٹ کا کوئی تصور نہیں معلوم ہوتا تھا۔ لوگ ہی سمجھے کہ بچا رہ اپنی بیوی کے غم میں ہوش و حواس کھو کر ایسے الفاظ زبان سے نکالتا ہے۔ ماہ جنین اڈیلا جو ترنیزا کو اپنی ماں سمجھی ہوئی تھی اس حادثہ کے سبب بہت روئی اور تلاش اٹھانے تک پابندی بھیجی برابر روئی اور دماغے مغفرت کرتی رہی۔ صرف اڈیلا ہی نہیں بلکہ ماکسملن بھی اُسکے ساتھ اسی شغل میں تھا۔ دیوگ یسولڈ اور ڈچز میرزا کو ترنیزا کی وفات نے بڑا صدمہ پہنچایا۔ مگر ماکسملن اور اڈیلا کے لحاظ سے ظاہر دونوں بے پردائی کرتے تھے۔

آٹو جو فٹ آرون کے محل میں پہنچا ہے۔ ترنیزا کی موت سے تین مہینے گزر چکے تھے۔ یہ وحشت اثر دہراش کیفیت شکر آٹو کی آنکھیں پریم ہو گئیں۔ آخر فوسٹ نے کونٹ آف آرون سے ملنا چاہا۔ کنبٹ فوسٹ محل کے ایک کونے میں بیٹھا اپنے حال زار پر آٹو آٹو السو بہار با تھا۔ خدمتگارسکی زبانی آٹو کے آمد کی خبر سنکر جلد اندر بلوانے کا حکم دیا۔ کھوڑی ہی دیر میں فوسٹ اور آٹو ایک کمرے میں نہا بیٹھے۔ آٹو ”حضور میں اپنے ارادے پر لفصلہ کامیاب ہوا۔ ہزار شکر کہ خدا نے آپکے فرما کو بچا لیا“

فوسٹ نے۔ ”بے انتما خوش ہو کر“ تنے صرف میرے لیے جتن قدر تصدیق و تکلیف کروا کی ہے اسکے عرض میں تمہیں کیا دے سکوں گا؟ اور مجھے ایسے الفاظ بھی نہیں ملتے جتنے ذریعہ تمہارا شکر ادا کروں!“



آٹو ۲۲ مجھے آپ کے شکریہ کی کوئی ضرورت نہیں۔ میرا دل ہی میری محنت کا صلہ دیدیتا ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ کوہ ارا رات کی چوٹی تک پہنچنے میں جس قدر تین مجھے بڑھیں ان سب کی تفصیل سے آپ کا وقت رایگان کروں۔ اسی قدر تبادیلا کافی ہے کہ میں خدا کی مدد سے منزل مقصود پر جا پہنچا۔ اور اپنی مطلوبہ شکر لیسکر واپس آیا ہوں۔ اب نہایت ضرور ہے کہ ٹولیوں اور ڈچر میرا گونگوار سے خانہ کی تبدیلی سے آگاہ کر دیا جائے۔“

فوسٹ (گہرا کر) ”تو کیا تم میری پوری سرگزشت انھیں کہنا دے گے؟“  
 آٹو ۲۲ ”جی نہیں۔ مفصل کہہ دینا تو مصلحت کے خلاف ہے۔ آپ یقین جانیے کہ میرا دل بغیر پسند نہیں ہے۔ لہذا میں جھوٹ ہرگز نہ بولوں گا۔ گونوار سے خانہ کی تبدیلی کی نسبت یہ کہنا میری دانست میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنے فرزند کو شاہزادگی کا رتبہ دلوانے کی تمنا میں ایسے گناہ عظیم کے مرتکب ہوئے۔“  
 فوسٹ ۲۲ ”میں تمہارا حد سے زیادہ ممنون ہوں۔ یہی سبب بتلانا چاہتا تھا کہ میں گمراہان تختی کو ہمیشہ پاس سے جدا کرنے کے لیے کون وجہ بتاؤں گے؟“  
 آٹو ۲۲ ”کچھ دیر سوچیں“ آپ اپنی بیوی کی کوئی نشانی رکھتے ہیں؟  
 فوسٹ ۲۲ ”ہاں۔ اس کے ہاتھ کی ایک انگشتری اور سر کے چند بال میں نے بطور یادگار پاس رکھ لیے ہیں۔“

آٹو۔ (خوش ہو کر) واہ! تو پھر کیا پوچھنا۔ ان چیزوں کو اس تختی کے ساتھ ایک طلسمی نوید کی طرح مرتب کر کے آپ کے فرزند کو دوں گا۔ اور انھیں تاکید کروں گا کہ یہ آپ کی عزیز والدہ کی نشانی ہے۔ اسکو کسی حال میں اپنے جسم سے علیحدہ نہ کرو۔ اگر کرو گے تو تمہاری والدہ کی روح ہمیشہ کے لیے شے ناخوش ہو جائیگی۔“  
 فوسٹ ۲۲ ”ہاں۔ یہ اچھی بات ہے۔ خیر۔ اب میں جدا ہونا چاہیے۔ ہمیشہ کے لیے۔“

نہیں۔ ۳۱۔ جولائی سنہ روان کو جو دنیا میں میری زندگی کا آخری روز ہی۔ میں نے دیا نامین لو لگا۔ آٹو نے اسکا کچھ جواب دینا چاہا۔ مگر فوسٹ جسکے چہرے سے روح کی خامست ظاہر ہوتی تھی بہ جبر آٹو سے چھوٹ کر بھاگا۔  
 آٹو ۲۰ ذرا توقف کیجیے۔ اپنے فرزند کو گلے تو لگاتے جا بسے!۔  
 فوسٹ ۲۰ نہیں۔ اب مجھ میں استدر جرات نہیں۔ یہ لکمر فوسٹ نے جب اپنی صورت آٹو کی جانب پھیری تو اس سے ایک ایسی وحشت ظاہر ہو رہی تھی جسکا بیان کرنا آٹو سے ممکن نہوا۔ اور وہ پاک طینت شخص عمر بھر اسکو نہ بھول سکا غرض فوسٹ تو چل دیا۔ اور آٹو وہیں بیٹھا بہت دیر تک عبادت کرتا رہا۔

## باب ”۹۵“

اکیس جولائی عشاء شام کے وقت آفتاب غروب ہوا ہی تھا کہ ایک مسافر ویانا میں آٹو کی ڈیوٹرھی پر آکھڑا ہوا۔ اسکے لباس سے پریشان حالی ظاہر تھی۔ چہرہ زرد اور بے رونق ہو رہا تھا۔ آنکھیں ڈبڑ با آئی تھیں۔ قد باندرد و عالم سے جھگ گیا تھا۔ آٹو خود اس مسافر کی آمد کا منتظر بیٹھا تھا۔ کھڑکی کے ذریعہ اسکو آتا ہوا دیکھ کر بدحواس دوڑ آیا۔ اور پیشقدمی کر کے ملا۔  
 آٹو فوسٹ کو اپنے مکان کے آخری کمرے میں لایا۔ اور اسکو ایک آرام کرسی پر بٹھلایا۔

فوسٹ ۲۰ میں اقرار کے بموجب اپنی زلیست کی آخری شب کو تمہارے پاس آیا ہوں۔  
 آٹو۔ (گھبرا کر) کیا یہ سچ ہے کہ کل آپ کا خاتمہ ہونے والا ہے؟  
 فوسٹ۔ رکمال حسرت ناک بچے میں ”ہاں“۔ کل سے شیطان مجھے حکمران ہو جائیگا۔ یہ تو بندھی ہوئی بات ہے۔ میں مکرر تمہارا شکریہ ادا کرنا ہوں کہ تم نے

خاص اپنی کوشش کی بدولت میرے بیٹے کی روح کو دائمی لعنت سے بچا لیا۔  
 ”آٹو“ صا جزا دے آجکل اپنی پیاری بی بی کے ساتھ نہایت خوشی سے زندگی بسر کرتے ہیں۔ لیکن انھیں کبھی کبھی آپ کی سراسیمگی و آوارہ وطنی کا خیال مغموم و پریشان کیے دیتا ہے۔ وہ صرف اسی قدر جانتے ہیں کہ آپ کسی بہت بڑے گناہ میں مبتلا ہو گئے ہیں جس کے سبب سے دنیاوی عیش و عشرت کو ترک کر کے سیاحی اختیار کی ہے۔ غالباً انھیں آپ کا خیال نہ تو اتنا دیرپا و دلطف و سرور سے زندگی بسر ہونے کی امید تھی۔“

فوسٹ۔ درجہ دی سے ”ہاے کیا تم نے کسٹمن کو اُس کے کم نصیب باپ کی پوری حقیقت سے آگاہ کر دیا؟“

”آٹو“ نہیں۔ ہرگز نہیں۔ میں اپنے اقرار پر ثابت قدم ہوں۔ یقین رکھیے کہ آپ جسٹو دینا بے چل بسینگے تو آپ کے پورے حالات زندگی سے فقط ایک ہی شخص واقف رہیگا۔ اور وہی آپ کا خیر خواہ ہے۔“ (ختم ہو کر)

فوسٹ۔ میں تو کہ چکا ہوں کہ تمہارا بار احسان ایسا نہیں کہ میں گردن اٹھا سکوں مجھے ناشاد بد بخت بد طینت کو اگر کبھی کچھ خوشی ہونے والی ہے تو اسی میں ہوگی کہ وہ نوجوان جو میرے بعد میرے ہی نام سے دنیا میں مشہور ہوگا۔ اپنے کم نصیب باپ کے پرورد حالات اور لعنتی موت سے آگاہ ہو کر خود اپنی زندگی کو بے لطف نہ بنائے! جسدن سے میں تم سے جدا ہوا اب تک مختلف مقامات کے سفر اور پریشانی میں دن گزارتا رہا۔ تاکہ اختلاف آب و ہوا کے سبب کسی جگہ دل بہل جائے۔ کسی دم اپنے اختیارات کے ذریعہ کوئی شعبہ بازی کرتا۔ اور کبھی صحرا کے لوق ووق میں جہاں کسی انسان کا گزر نہوا ہوا ہو کھاتا تھا مگر ہاے! کسی جگہ کسی مقام پر میری دبستگی نہوئی۔ وہ ظالم خیال بظہر مجھ سے دور ہوتا نظر نہ آیا۔ افسوس!

میرے مصیبت میں مبتلا ہونے کا وقت بہت قریب آپہنچا اور لہذا اب مجھے  
بہت جلد تیار ہونا چاہیے۔

آٹو۔ (ردلی جوش سے) ”جناب! آپ اپنے تین شیطان کے حوالے کرنے پر اس درجہ  
کیون آمادہ ہو رہے ہیں؟ میں کسی بزرگ پادری کو بٹوانا ہوں۔ اُسکے ہم زبان  
جو کہ آپ خدا سے التجا کیجیے۔ وہ پناہ دیگا۔ اگر نہیں تو میرے ہمراہ گرجا میں چلکر  
عبادت الہی میں مشغول ہو جائیے۔ اس صورت میں غالباً آپ شیطان کے دام  
سے نجات پا سکیں گے۔“

فوسٹ۔ (بتیاب ہو کر) خاموش! آٹو چپ بھی رہو۔ میری زندگی کی چند  
ساعتیں جو باقی رہ گئی ہیں۔ اُنسے ہر ہر لمحہ میرے لیے غنیمت ہے۔ اگر میں ایسی  
باتیں کرنے لگوں تو ابھی سے شیطان کے جال میں پھنس رہا ہوں گا۔ میرے رہا  
ہونے کی امید تو معلوم۔ وہ ذکر رہی جھوڑو۔ اور یہ بتاؤ کہ میرا لفظ عین طلسمی  
تعوذ ہمیشہ اپنے پاس رکھنے پر رضامند ہوا یا نہیں؟“

آٹو۔ ”ہاں وہ اسکے گلے میں پڑا ہے۔ اور اتنی کبھی جدا نہیں ہوا۔ مگر وہ آئے دن  
تمہارے سبب متفکر و پریشان رہتا ہے۔ اُسکا خیال ہے کہ اب خلافت سے دوری  
اختیار کر کے راہب بننا چاہتے ہیں۔ لہذا دن رات آپ کے حق میں دعا خیر  
کر رہا ہے اور آپ کی غیر موجودگی نے اُسکو بالکل اندر لپس بنا رکھا ہے۔“  
فوسٹ۔ ”اگر وہ سمجھے ہوئے ہے کہ میں صرف بندگان خدا سے دوری اختیار کرتا  
چاہتا ہوں تو اُسکو اسی خیال میں رہنے دو بلکہ وقت ضرورت تم بھی اس خیال  
کی تائید کرتے رہو۔“

آٹو۔ میری دانست میں وہ آپ کی موت کی خبر سے واقف ہو جانا بہتر ہے۔ کیونکہ ہمیشہ  
کی غیر حاضری سے اور نیز آپ کی خیر خبر نہ معلوم ہونے سے وہ آئے دن پریشان

نہ ہے۔ اگر آپ کا آخری وقت فی الحقیقت نزدیک آ پہنچا ہے تو۔۔۔“  
 فوسٹ ”ہاں۔ بالکل قریب!“

”آٹو“ تو پھر آپ کی ایک آخری خدمت بجالانا چاہتا ہوں۔ گو وہ بڑی غمناک اور  
 حسرت خیز ہے اور اُسکی بجا آوری مجھے سخت ناگوار ہے۔ وہ یہ کہ ماکسملن کو آپ کے  
 مرنے کی کیفیت سنا دوں۔ اور اس طرح پر کہ کسی طرح کی بدگمانی کا موقع ملے۔“  
 فوسٹ۔ دلپست آواز سے ”ہاں ضرور اتنا کام کرو۔ میری درخواست کو تم یہ سمجھو  
 کہ کوئی بیمار بستر مرگ پر پڑا تم سے التجا کر رہا ہے۔ اور ہاں ایک اور کیفیت دریافت کرنا  
 رہ گئی۔ کیا ڈیوک اور ڈچیز میرا گہوارے خانے کی حقیقت معلوم ہو سنے کے بعد  
 مجھ پر حسرت طامت کر رہے ہیں؟“

”آٹو“ جی نہیں۔ وہ دونوں میان پوی ایسے نیک مزاج ہیں کہ برا بھلا کہنا تو درکنس  
 آپ کی نسبت خفگی تک نہیں ظاہر کی۔ ڈچیز میرا نے ماہ طلعت اڈیا کو ہر مادی  
 سے گلے لگا لیا۔ مگر ڈیوک لیوڈلڈ نے دایہ کو جلا وطن کیا بغیر نہ چھوڑا۔ سبقت  
 لوگ اس سنگین جرم کے شریک تھے۔ سب کے سب طاعون میں مبتلا۔ سب  
 صرف ایک دایہ زندہ بچی تھی۔ جو اپنے تصور کا اعتراف کرنے کے بعد جلا وطن ہو گئی  
 فوسٹ ”وہ تمہاری کارروائیوں کے سبب میں بہت ہی مطمئن ہوا۔“ تنہا ایک  
 ایسے شخص کی مدد کی جو دنیا بھر میں سب سے زیادہ مردود اور بدبخت تھا۔ خیر آٹو!  
 اب تم ہم الگ ہو جائیں۔ کیونکہ باقی ماندہ چند لمحے تنہائی میں گزارنا چاہتا ہوں  
 میں آج ہی شب تمہارا اہمان رہو لگا کل۔“ بد نصیب فوسٹ کچھ اور کہنا چاہتا  
 تھا۔ مگر دل سے ابھری ہوئی رقت کے جوش نے اُسکو عاجز کر دیا۔ خوف  
 اور زنا بیدی اُس پر غالب ہو گئی۔ آٹو دلہی تو کرنے لگا۔ لیکن اُس اجل رسیدہ  
 کو عالم یاس میں کوئی بات سودمند نہ ہوئی افسوس!۔ فوسٹ نے مکرر دروازے کی طرف

شارہ کیا۔ اٹو اسکا مافی اضمیر بہ جان کر نہایت دردِ دالم کے ساتھ گھر کے اندر چلا گیا۔  
اور شب بھر عبادتِ الٰہی میں گزاری۔

## خاتمہ

علمِ مع آفتاب کا وقت ہے۔ دو شکلیں کوہِ دیسویں کی بلند ترین چوٹی پر کھڑی  
دکھائی دے رہی ہیں اطراف کے غاروں سے دھواں نکل رہا ہے۔ وہ دو شکلیں  
پوسٹ اور جن کی بھین۔ شیطان کے چہرے سے مسرت کے آثار نمایاں تھے۔  
پوسٹ کے ساتھ مردانہ سلوک اور نرمی کا برتاؤ ایک سخت موقوف کر دیا۔ اور غضب  
کی نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ وہ بدبخت اس درجہ گھبرایا ہوا تھا کہ شیطان کی صورت  
پر نگاہ کرنے کی سلطانِ جرات نہ پڑتی تھی۔ اُسکی آواز میسب بادل کی گرج کی طرح  
پوسٹ کے کانوں میں گونجنی تھی۔ اور وہ ہیبت و وحشت سے کھڑا کانپ رہا تھا۔  
شیطان نے اب وہ وقت آگیا ہے کہ میں نے تجھے اُس بلاخیز جگہ میں بجاؤں جان  
کی سیر تو نے ایک دفعہ کر لی ہے مگر قبل اسکے کہ میں تجکو دہان بجاؤں چند ایسی باتیں  
کہنا چاہتا ہوں۔ جو تیری زندگی میں آفری ہوگی۔ ہاں کیا تو سمجھتا ہے کہ میں نے  
تیرے بیٹے کے معاملے میں دھوکا کھایا۔؟ اور نیز یہ کہ میں سرتاپا تیرا غلام ہو گیا  
تھا۔ اور تو جو کچھ مجھے پوشیدہ کرتا تھا اُس سے میں دراصل واقف تھا؟ گواہی دے گا  
کہ متعلق تیری تبادیز مجھے ابتدا ہی سے معلوم تھیں۔ مجھے ہنسی آ رہی تھی کہ تو  
مجھے چپا کر کوئی کام کس طرح کر سکیگا؟ اگر ایک شخص ہو جسکی نیک طرز معاشرت اور عمدہ  
حال چلن نے مجھے تنگ کر دیا۔ بلکہ اُس سے مجھے خوف کرنا پڑا۔ وہ کون ہے  
وہ آٹھ مہینے کئی دفعہ اُسے پاک شینت شخص کو فریب دینا چاہا۔ جب وہ اخلاقی  
کے سبب فائدہ میں گذارتا تھا میں آدمی کی شکل میں آسکے پاس گیا۔ اور قصور میں لکر



روپیہ کے ذریعہ اُسکی مدد کی۔ کیونکہ مجھے یقین تھا کہ اس لٹی حالت میں بھی وہ نفسیہ کسی معقول سبب کے تحت سے کچھ لینا پسند نہ کریگا۔ میرا خیال تھا کہ افلاس و تنگدستی کے گڑھے سے نکل کر دفعۃً اوج اقبال پر پہنچنے کی وجہ سے غالباً وہ لہو و لب میں گرفتار ہو جائیگا۔ مگر دنیا میں بعض مرتبہ ایسا بھی ہوا کرتا ہے کہ شیطان کی معرفت ملا ہوا روپیہ نیک امور میں صرف نہ ہوتا ہے۔ آٹو کی نیکی اور رحمدلی کے سبب وہ آپس پر ہر بان ہوا جس کا نام میں نہیں لے سکتا ہوں اور میرے ہاتھوں ملا ہوا روپیہ اُسکی نیک نامی کا باعث ٹھہرا۔

فوسٹ۔ دگر اگر شیطان کے چہرے سے نظر پھیرے ہوئے) ”میرے سخت جگر کو بچھو  
مردود کے پھندے سے بچھڑانے میں آٹو کا میاں ہوا۔

شیطان۔ دیا یوسی کے ساتھ) ”ہاں۔ بیشک وہ کامیاب ہوا۔ لیکن میں نے بھی طرح کی کوشش میں کمی نہیں کی۔ ایک دفعہ اُسکو لو کر نیا کے جال میں پھنسانا چاہا۔ مگر وہ آسانی کے ساتھ بچکر نکل ہی گیا اُسکے بعد کوہ درارات تک نہ پہنچنے کے متعلق جو کوشش کی گئی۔ وہ بھی بیکار ثابت ہوئی۔ بعد ازاں حسد پر ہوشیار بن کر لو کر نیا کو پھر ترغیب دے کر آٹو کی فریب دہی پر آمادہ کیا۔ مگر وہاں بھی ناکامی ہوئی۔ غرض میں نے جہاں جہاں جال بچھائے۔ نتیجہ میں پریشانی ہی حاصل ہوئی۔ اور آٹو الگ الگ کا الگ ہی رہا۔ اب میں اُس سے یالوس و ناامید ہو گیا ہوں۔ آئندہ کبھی اُسکے معاملات میں دخل نہ دوں گا۔“

فوسٹ۔ (پریشانی سے) ”یہ سب باتیں مجھے سننے کی آخر کیا ضرورت تھی؟“  
شیطان۔ (رہمیت ناک آواز سے) ”میں صرف اتنا تجھے بتا دینا چاہتا ہوں کہ تو بڑا کم بخت اور شقی ہے۔ اور نیز یہ کہ خدا ان لوگوں کی تائید ضرور کرتا ہے جو حواس دل سے اُسکی اعانت کے خواستگار ہوتے ہیں۔ میں اب یہ بھی کہہ دیتا ہوں

کہ اگر تو اس سے مدد چاہتا (جس کا نام میں اپنی ناپاک زبان پر لائینیں سکتا) تو ضرور تجھے امن نصیب ہوتا۔ اور کبھی کامیرے دام سے چھوٹ سکتا۔ اگر آٹھ کی نصیحت پر عمل کر کے کل شب ہی سے تو کسی عبادت خانہ میں جا کر مصروف دعا و دعا ہو جا تو کیا میرا مہر و مہر تھا کہ تجھ کو وہاں سے کھینچ لاسنے کی جرأت کر سکوں؟ ہنیں سرگز ہنیں بین ان باتوں سے تجھے ایسے آگاہ کرتا ہوں کہ یہ آخری وقت تجھ پر زیادہ تلخ ہو جائے۔ اور تو یہ جان لے کہ تو نے عمدائیری پیری اختیار کی؟ فوسٹ۔ (نہایت بیتاب و بیقرار ہو کر) ”تو یہ کیا کہ رہا ہی؟ میری رہائی کی امید تھی؟ یا سے میں کیسا لعنتی ہوں؟“

شیطان ”ہاں۔ بلاشبہ رہائی کی امید تھی۔ کیونکہ آسمانی رحمت نہایت وسیع اور غیر محدود ہے لیکن اب کسی طرح کی تدبیر کرنا محض بے سود ہے۔ کیونکہ ”دن خیر“ کے لیے مشتاق و منتظر ہے۔ غالباً اُس میں آج تک ایسا ملعون نہ داخل ہوا ہو گا جیسا کہ تو ہے۔ اپنے مدعا پر آریوں اور غموت ناک خیالات کے پورے کرنے کے لیے تو نے کیسے کیسے آفات شہر دن پر نازل کرنے کی مجھے ترغیب دی تھی؟“ اور کتنی ہزار جانیں تلف ہوئیں؟ جسم تیرے حکم کے بموجب کوہ ہراکن پر محشر خنز طوفان برپا کیا گیا۔ تجھے نہیں معلوم کہ کس قدر لوگ جنہیں اکثر معصوم سمجھے اور پرہیزگار بڑے بھی تھے مبتلا سے مصیبت بگڑا ہوا ہوئے؟ سیکڑوں شہر اور شہر دن کی سڑ زمینیں اس طوفان کے سبب تباہ و برباد ہو گئیں۔ ان کے مدد نہ مل سکے۔ انکی لہلہاتی ہولی کھیتیاں دم کے دم میں فنا ہو گئیں۔ رہنے والے بہ کر زمین کے برابر ہو گئے۔ غرض تیری بد اعمالیوں کو مفصل بیان کرے میں بہت وقت رائیگان کرنا نہیں چاہتا۔ مگر ہاں۔ ایک سانحہ کی کیفیت یاد دلاؤں گا۔ وہ یہ کہ دیا نا بلکہ تمام یورپ میں طاعون کی وبا جو پھیلی

جسکے صدمے سے ہزاروں گھر بے چراغ ہو گئے۔ سب کا باعث تو ہی ہے۔ اور یہ بات بھی تو جانتا ہی ہوگا کہ تریزا کی موت کا سامان خاص تیرے ہی ہاتھوں فراہم ہوا۔ ہاے ایسی نیک نفس عورت کو جو تجھے جان سے زیادہ عزیز رکھتی تھی تو نے اجل کے گھاٹ اُتارا!۔“

فوسٹ ”افسوس۔ ہزار افسوس!! اگر میں اُس منحوس دن کے پیشتر ہی مجاں جسمین تیرے ساتھ قول و قرار ہوا ہی تو کیا ہی خوب بات ہتی۔“  
شیطان ”یہ بھی یاد رہے کہ تریزا کئی برس پیشتر ہی مر گئی ہوتی۔ ایڈا نے اُسکو زہر دیا تھا۔ لیکن میری کوششوں کی بدولت اُو اُس زہر کا بدرقہ تریزا کو بلانے میں کامیاب ہوا۔ اور اسی سبب وہ بچ بھی گئی۔“

فوسٹ ”ہاں۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ تیرا دل بھی رحم سے خالی نہیں! کیونکہ؟“  
شیطان ”چہ خوش۔ میں جانتا بھی نہیں کہ رحم و ہمدردی کتنے کسے ہیں۔ تریزا کو زہر کے قاتل اثر سے بچانے میں میری یہی غرض متعلق تھی کہ اُس بچاری کو خاص تیرے ہی ہاتھوں مرنے کی مہلت دوں۔ کیونکہ تیرے پیور آگے ہی سے پہچانتا تھا۔ اور مجھے معلوم تھا کہ تو کبھی نہ کبھی اور بندگان خدا کے ساتھ اپنی بیوی کے مرنے کا سامان بھی مہیا کر دیگا۔ الغرض میرا قیاس بہت ٹھیک نکلا۔“  
”... ہوا جو میں ایک مدت سے سمجھا ہوا تھا۔ لاکھوں آدمیوں پر تیرے ہی بلا میں نازل کی گئیں۔ اُن سب کا خون تیری گردن پر ہی۔ تیری کو پورا کرتے کرتے میں تنگ آ گیا۔ لہذا اب تیرا خاتمہ کر دینا سے ہے!۔“

”... (دوڑا نو بیٹھک) ”مجھے تھوڑی سی مہلت اور دے۔ اس دنیا مجھے اس قدر جلد دور نہ کر۔ جسپر آفتاب ابھی نکل کر اپنا نور برسا رہا ہے۔“









